علمائے کرام کا وٹس ایپ گروپ
بزم علماء والأئمہ
03345613913

دنیا بھر میں مسلمانوں کا
قتل عام

تحقیق و ترتیب
محمد انور بن اختر

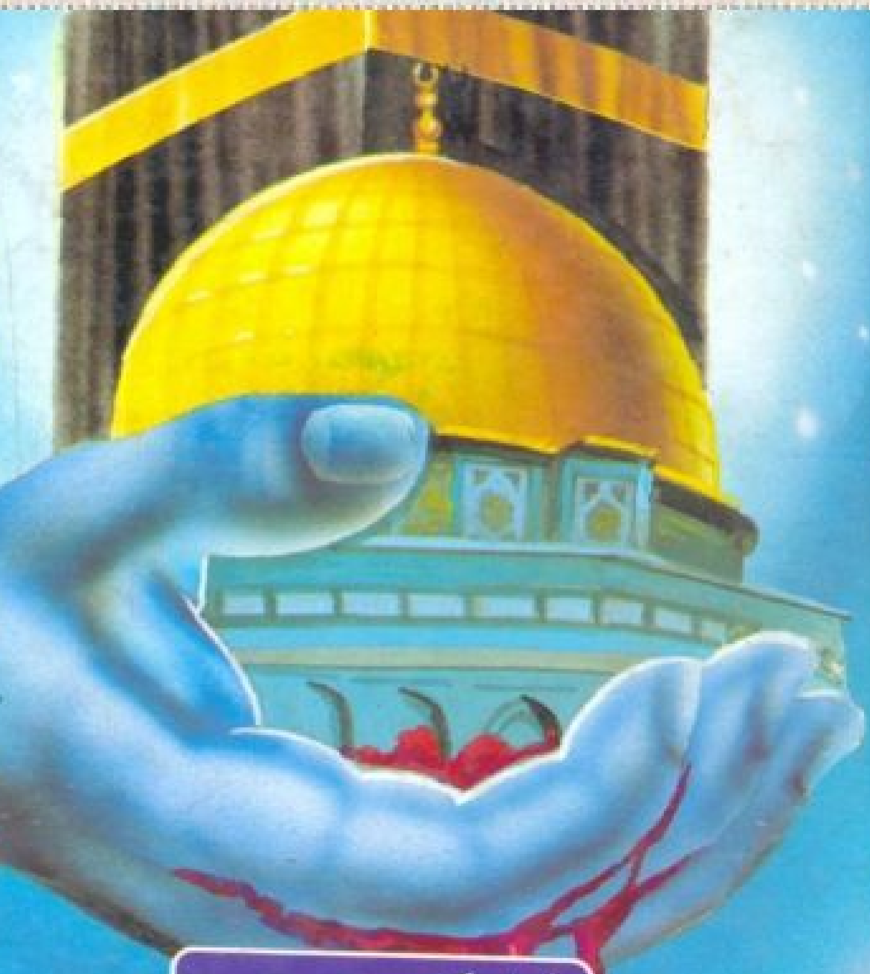

- عورتوں کے پیٹ چاک کر کے وہاں کتے اور بلی کے بچے رکھ دیئے گئے
- ہتھوڑوں سے مسلمانوں کی کھوپڑیوں کو توڑا گیا
- آنکھیں نکال دیں، جسم پر بجلی کا کرنٹ چھوڑا گیا اور سر گٹر میں ڈبو دیئے
- شیر خوار بچے کو دانتوں سے چبا ڈالا گ
- ۲۵ ہزار مسلم خواتین کے مخصوص اعضاء کاٹ ڈالے
- اجتماعی قبروں سے سیکڑوں لاشیں برآمد
- بوسینا کے مسلمانوں کے ٹکڑے کر کے قیمہ بنا دیا
- دنیا بھر میں مسلمانوں کا قتل عام
- مسلمانوں کا پیٹ کاٹ کر آنتوں کو اٹھا کر چلنے پر مجبور کیا
- مسلمانوں کے بازو اور ٹانگیں آگ پر روسٹ کی گئیں

شعبہ تحقیق وتصنیف
مکتبہ ارسلان
اردو بازار کراچی موبائل: 0333-2103655

بزمِ علماء والأئمة

صرف علماء ، طلباء اور خطباء شامل ہوں

03345613913

آنے والا جمعہ کس عنوان پہ مناسب یا ضروری ہے

اس بارے میں

اپنی مفید آراء و تجاویز اور ان
سے متعلقہ کتب اوپر دنیے
گئے نمبر پہ ارسال فرمائیں

جملہ حقوق ملکیت بحق ''مکتبہ ارسلان'' محفوظ ہیں

نام کتاب: دنیا بھر میں مسلمانوں کا قتل عام

مؤلف: انور بن اختر

سن اشاعت: جولائی ۲۰۰۱ء

باہتمام: ارسلان بن اختر

ناشر: مکتبہ ارسلان اسٹوڈنٹ بازار فسٹ فلور نزد اردو بازار کراچی 0333-2103655

قیمت:

ملنے کا پتہ

کراچی	☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی	☆ قدیمی کتب خانہ نزد آرام باغ
	☆ ادارۃ المعارف دارالعلوم کراچی	☆ اسلامی کتب خانہ نزد بنوری ٹاؤن
	☆ مکتبہ قاسمیہ نزد بنوری ٹاؤن	☆ اقبال بک ڈپو (اقبال نعمانی صدر)
	☆ صدیقی ٹرسٹ نزد لسبیلہ چوک	☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال ۲
	☆ علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی	☆ نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی
	☆ مکتبہ ذکریا نزد بنوریہ ٹاؤن	☆ ضیاء القرآن اردو بازار کراچی
حیدر آباد	☆ بیت القرآن نزد چھوٹی گٹی حیدر آباد	☆ حاجی امداد اللہ اکیڈمی مارکیٹ ٹاور
ملتان	☆ ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بیرون گیٹ	☆ مکتبہ امدادیہ نزد خیر المدارس
لاہور	☆ مکتبہ رحمانیہ غزنی اسٹریٹ اردو بازار	☆ ادارہ اسلامیات انارکلی بازار لاہور
	☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	☆ شمع بک ایجنسی اردو بازار لاہور
فیصل آباد	☆ کشمیر بک ڈپو نزد چنیوٹ بازار	☆ مکتبہ [illegible] جامعہ امدادیہ
گوجرانوالہ	☆ مدینہ کتاب گھر اردو بازار	☆ مکتبہ نعمانیہ اردو بازار
اسلام آباد	☆ دار العلم نزد آب پارہ مارکیٹ	☆ جامعہ فریدیہ E-7 اسلام آباد
راولپنڈی	☆ مکتبہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار	
پشاور	☆ یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر آباد	
سوات	☆ مکتبہ القرآن والحدیث نیو روڈ مینگورہ	
کوئٹہ	☆ کتب خانہ رشیدیہ نزد سرکی روڈ	

التجا

الحدیث اللہ کا سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ بندہ وہ ہے جو اللہ کے بندوں کی فکر میں لگا رہتا ہے۔

جن احباب کو اس کتاب
سے نفع ہو وہ میرے مرحوم بھائی

حافظ محمد اکبرؒ

عمر ۲۶

کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں

* * *

کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت
میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے (آمین)

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

”ضروری وضاحت“

کتاب ”دنیا بھر میں مسلمانوں کا قتل عام“ کے لئے احقر نے سیکڑوں رسائل و کتب سے استفادہ کیا ہے مگر زیادہ تر مواد ماہنامہ۔ بیدار ڈائجسٹ لاہور سے لیا گیا ہے۔ جو کہ۔ بیدار ڈائجسٹ کے مرید جناب ملک احمد سرور صاحب کا لکھا یا ترجمہ کیا ہوا ہے اس کے لئے۔ بیدار ڈائجسٹ اور جناب ملک احمد سرور کے بے حد مشکور ہیں! اور احقر کی قارئین سے درخواست ہے کہ جو احباب اسلام دشمن لوگوں کے حالات اور سازشوں سے اگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ضرور۔ بیدار ڈائجسٹ کا ہر مہینہ مطالعہ فرمائیں۔ احقر کے نزدیک اسلام دشمنی اور مسلمانوں پر مظالم کے موضوع پر۔ بیدار ڈائجسٹ سے بہتر کوئی ڈائجسٹ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ملک احمد سرور صاحب کو اس موضوع پر بہتر سے بہتر اور ایمان سے معمور مضامین لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ العارض

انور بن اختر

[redacted]

[redacted]

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
باب نمبر 1	23
21ویں صدی کا استقبال اور بے خبر مسلمان	24
باب نمبر 2	43
چیچنیا میں مسلمانوں کا قتل عام	43
چیچنیا کا ایک تعارف	43
قبل از اسلام	44
آمد اسلام	44
روسیوں کی آمد	45
امام شاملؒ	46
روس کے زیر سایہ	47
چیچن مجاہدین کی فتح	50
چیچنیا میں روس کے دلخراش مظالم	52
چیچنیا میں 200 مسلمانوں کی اجتماعی قبر دریافت	53
1 لاکھ 20 ہزار چیچن مسلمان شہید، 10 لاکھ بے گھر	54
چیچنیا میں روس کے لرزہ خیز قتل	54
خون سے رنگین برف پر گلے کٹی لاشیں	55
روسیوں کی دھوکہ بازی	56

مضمون	صفحہ
انسانوں سے بھرے گودام پر گرینیڈ کی بارش	57
روسیوں نے چیچن مسلمانوں کا خون پینا شروع کردیا	58
4500 مسلمانوں کا خون بہا	59
باب نمبر 3	60
کوسوو کے مسلمانوں کا قتل عام	60
کوسوو سے بنت اسلام کی دلخراش چیخیں	60
کوسوو میں مسلمانوں کی اجتماعی قبریں	61
معصوم لڑکی کی کٹی ہوئی چھاتی (درندگی کی انتہا)	65
7 ہزار مردوں عورتوں اور بچوں کا قتل عام	67
100 اجتماعی قبروں میں 10 ہزار افراد دفن ہیں	69
نیٹو کی منافقت	70
بلاج ندی خون سے رنگین ہوگئی	71
نقاب پوش دہشت گرد	73
سرب قصابوں کا شیطانی ظلم	74
معصوم ذہنوں پر وحشیانہ جنگ کا اثر	74
مہاجرین کی مجبوری کی غمزدہ داستان	75
ظلم کی دلخراش داستانیں	77
میرے بچے کو ذبح کرکے جلتی ہانڈی میں ڈال دیا	79
تمام مردوں کو قتل کر ڈالا	80
پڑوسیوں نے گھر والوں کو قتل کر ڈالا	80
میرے شوہر کے ناک کان کاٹ ڈالے	81
اب تمہاری زمین ہماری ملکیت ہے	81

مضمون	صفحہ
باپ کے سامنے 3 بیٹوں کو ننگا کر کے گولیوں سے بھون ڈالا	83
ڈیڑھ ماہ کا زندہ بچہ	84
خواتین کو جنگل میں سرب گھسیٹ کر لے گئے	84
ہزاروں عورتوں کی عزتیں لوٹیں	85
مسلم خواتین کی اجتماعی عصمت دری	86
ساٹھ معصوم کو سووی خواتین کا اسقاط حمل	86
انصار مدینہ کی یاد تازہ ہوگئی	87
باب نمبر 4	89
نائیجیریا میں عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام	89
خطرناک اسلام دشمن کارروائیاں	91
ماضی قریب کے اہم واقعات	92
شمالی نائیجیریا کی مسلم اکثریت	92
ریاست کرونا کے اہم واقعات	93
مذکورہ بالا واقعات کے اسباب کے بارے میں عوام کی رائے	95
ان واقعات کے بعد تطبیق شریعت کے بارے میں مسلمانوں کا موقف	96
نائیجیریا میں مسلمانوں کا قتل عام	97
باب نمبر 5	102
بوسنیا...... مسلمانوں کا قتل گاہ	102
یوگوسلاویہ میں اسلام	103
بوسنیا میں زہریلی گیس سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد 5 ہزار ہوگئی	106
بوسنوی مسلمانوں کے سر ہتھوڑوں سے پھوڑے گئے تندروں میں زندہ جلایا گیا	106
مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے سرب آپس میں لڑ پڑے	107

مضمون	صفحہ
سربی عیسائیوں کی ایک تنظیم نے 20 ہزار مسلمان شہید کئے	108
20 ہزار مسلمان کے قتل پر عیسائیوں کا چرچ میں موسیقی و شراب نوشی کا پروگرام	108
سربرنیکا میں مسلمانوں کا قتل عام۔ باقاعدہ پلاننگ	110
بوسنیا کے مسلمانوں کے ٹکڑے کر کے قیمہ بنایا جاتا ہے	110
سور کو ہلاک کرنے کا تجربہ مسلمانوں پر کام آیا۔ تیس آدمیوں کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیا گیا	111
بھوکے کتوں کے سامنے سربوں نے ڈال دیا	112
بوسنیا کے مسلمان مردوں کا گوشت کھا رہے ہیں	113
عورتوں کے پیٹ چاک کئے اور وہاں کتے اور بلی کے بچے رکھ دیئے	114
سرب فوج کی المناک داستان	114
بوسنیا سے مجاہدین کو نکال دیا جائے ہماری افواج اور امن و امان کو ان سے خطرہ ہے	118
ڈھائی لاکھ بوسنوی مسلمانوں کے قتل پر مغربی صحافی اقوام متحدہ پر برس پڑا	119
جان میجر نے سربوں سے ایک لاکھ پونڈ کے عوض مسلمانوں کی لاشوں کا سودا کیا	119
اقوام متحدہ مسلمانوں کے جگاہ بدمعاش کا ایک ہی علاج، الجہاد۔ الجہاد	120
صلیبوں پر لٹکی لاشیں اور رقص ابلیس	121
مسلمان قیدیوں کا قتل صرف اس لئے کہ زخمی سرب فوجیوں کو خون کی ضرورت تھی	
قیدیوں کی آنکھیں نکال دی گئیں۔	123
مسلم قبرستانوں کی بے حرمتی مساجد کی بے حرمتی	123
مردہ ماں سے بدفعلی کرو، معصوم بیٹے کو حکم	125
بوڑھا دادا اور مردہ پوتے کا کلیجہ	125
عصمت دری کا مقصد صرف اور صرف مسلمان خواتین کی تذلیل کرنا	126
بوسنوی عورتوں کا رلا دینے والا پیغام	127

مضمون	صفحہ
75 ہزار سے زائد مسلمان لڑکیوں کی آبروریزی کی گئی	128
درندوں نے 25 ہزار مسلم خواتین کے مخصوص اعضاء کاٹ ڈالے	130
ننگے باپ بیٹے کو کہا ایک دوسرے کا آل تناسل کاٹ ڈالیں	131
زمین وآسمان کو لرزا دینے والا واقعہ	134
سرب علاقے میں 150 مربع گز کی اجتماعی قبر	135
بوسنیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی اجتماعی قبر	136
اجتماعی قبروں سے تہہ در تہہ لاشوں کی برآمد	136
اجتماعی قبروں کی کئی کئی تہیں	137
بڑا سا میدان اور مسلمانوں کی تڑپتی لاشیں	137
باب نمبر 6	140
الجزائر میں مسلمانوں کا قتل عام	140
الجزائر میں ہولناک تشدد کا عفریت	142
قیدیوں کے منہ پر کپڑا باندھ کر تیزاب ڈال دیا جاتا	144
اسلام پسندوں کے خلاف سازش	146
الجزائر جنونی قاتلوں کی سرزمین	147
ایک لاکھ افراد قتل ہو چکے ہیں...... الجزائری صدر	151
اس کا سر گٹر کے گندے پانی میں ڈبو دیا	151
اسلامی فرنٹ پر مظالم	151
ورلڈ نیوز/الجزائر میں گزشتہ سال 9123 افراد قتل ہوئے	154
الجزائر میں زبردست مظاہرے اور تصادم	156
الجزائر میں مظاہرین پر فوجی ہیلی کاپٹر کی فائرنگ	157
الجزائر میں 38 مسلمان عسکریت پسندوں کو سزائے موت	157

مضمون	صفحہ
قتل عام جاری	158
باب نمبر 7	160
برما میں مسلمانوں کا لرزہ خیز قتل برما میں مسلمانوں کی حکومت	160
مسلمانوں پر ظلم وستم کی ابتداء	161
ارکانی مسلمانوں پر کیے جانے والے مظالم پر ایک سرسری نظر	163
اراکان میں کئی صدی تک مسلمانوں کی حکومت رہی ہے	165
1942ء کا مسلم کش فساد	166
40 ہزار برمی جنگلوں میں پڑے ہیں	166
زمیندار دانہ دانہ کا محتاج ہو گیا	167
مسلمانوں سے دھوکہ	167
ظلم کی داستان	167
عوام پر خونچکاں مظالم	169
دو سال میں مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں	170
مہاجرین کی حالت زار	172
1942ء سے 1991ء (ارکانی مسلمانوں پر مظالم کے اعداد و شمار)	173
برما میں ایک لاکھ مسلمان عورتوں مردوں اور بچوں کو قتل کر دیا گیا	174
برمی فوج نے ایک مسلمانوں کو مشین گن سے بھون ڈالا	175
برما بدھ آبادی نے فوج کے ساتھ ملکر نہتے مسلمانوں پر حملے	175
مسلمانوں کا قتل عام	176
برما میں چالیس علماء کرام کو زندہ دفن کر دیا گیا	177
ظلم کی دلخراش داستان	178
باب نمبر 8	182

مضمون	صفحہ
باغاریہ میں مسلمانوں کا قتل عام	182
مسلمان نماز روزہ کا دھندہ ترک کردیں	188
باغاریہ........مسلم آبادی	189
باغاریہ کے مسلمانوں نے اپنے 600 سالہ پرانے وطن کو خیر باد کردیا	190
180 مساجد کو کلب میں تبدیل کردیا	190
مسلمانوں کو عیسائیوں کے قبرستان میں دفنانے پر مجبور کیا	191
9 لاکھ مسلمانوں کو بندوق کی نوک پر اپنے نام بدلنے پر مجبور کیا	192
باغاریہ میں مسجد کی آتشزدگی	192
یوگوسلاویہ کے مسلمانوں کا قتل عام	193
10,000 مسلمانوں کی شہادت	193
یوگوسلاویہ 2400 مسلمان شہید	194
آزادی کی تحریک 6000 مارے گئے	195
اسلام کی تبلیغ جرم بن گئی	196
باب نمبر 9	197
بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام	197
قصاب کی دکان	197
بکری کے اغوا کے لئے بوڑھے کا قتل	199
ہزاروں مردوں اور عورتوں کی لاشیں	199
کھونڈا!	200
مسلمانوں کے دس ہزار قافلہ پر بھالوں اور کرپانوں سے حملہ	201
گینگ ریپ	201
مسلمانوں کی تلوار سے کٹائی	203

مضمون	صفحہ
آسمان پھٹ کیوں نہ گیا	203
400 لاشیں گئیں	205
نو سو مسلمانوں کی شہادت	207
وے جے گھر میں نسوانی آبروریزی اور قتل	207
ٹرک میں بھرے بے بس مسلمانوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا	209
تاج بی بی بھکاری ماں کی دلدوز کہانی	209
بھارت میں بہیمیت کی انتہا مسلمانوں زندہ جلائے جا رہے ہیں	210
تلوار سے ہاتھ کاٹ کر آگ میں پھینک دیا	211
انسپکٹر کی بہنوں کو بھی نہیں چھوڑا	211
عورت کو ننگا کر کے گھمایا	212
بھارت، ہندوؤں نے 18 مسلمان زندہ جلا دیے	213
سورت میں رام پور کے پجاریوں کے مسلمانوں پر وحشت ناک مظالم	213
بچوں کی کھوپڑیاں دیواروں پر مار دی گئیں	214
1947ء سے اب تک بھارت میں ایک لاکھ سے زائد مسلمان قتل ہوئے	216
آسام میں ''نیلی'' کے 1800 مسلمانوں کا قتل عام	217
باب نمبر 10	219
انڈونیشیا میں 25 ہزار مسلمانوں کا قتل	219
مسلمانوں کے کان، ناک انگلیوں کو کاٹ کر ہار بنا کر گلے میں پہنا دیا گیا	220
2500 مسلمان شہید	222
مسلمان زندہ لڑکے کی کھال اتاری گئی	223
انڈونیشیا.......... نیا بوسنیا	225
میں لاشوں کی چھ تہوں میں دفن تھا	225

مضمون	صفحہ
سرکٹی لاشیں	227
(پادری کا کہنا مسلمان کالے دھبے کی طرح ہیں، ہمیں اس دھبہ کو مٹانا ہے)	227
مسلمانوں پر عیسائیوں کے حملے متعدد واقعات	228
انڈونیشیا میں آدم خور صلیبیوں کے مسلمانوں پر حملے	230
مسلمانوں کے بازو اور ٹانگیں آگ پر روسٹ کی گئیں	231
انڈونیشیا میں 25 ہزار مسلمانوں کا قتل	232
کان آنکھ اور انگلیوں کا زیور	232
مسلمان عورتوں کی عصمت دری	233
مسلمانوں کے قتل عام کیلئے ملوکو میں دہشت گردی کے کیمپ کھل گئے	234
ملوکو عیسائی ملیشیا نے مسلمان مہاجرین کی کشتی ڈبودی	234
عیسائی قریب قصبہ ٹمیلو کے مسلمانوں کے علاقے میں گئے	235
باب نمبر 11	236
فلسطین میں مسلمانوں کا قتل عام	236
دہشت اور بربریت کے بعض مثالیں	237
یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف نفرتیں	239
مسلمانوں کے لئے اسلحہ رکھنے پر موت کی سزا	241
یہودیوں کے ناپاک عزائم	242
فلسطین میں غیر قانونی طور پر کون رہ رہا ہے	243
عرب جیتی ہوئی جنگ ہار گیا	243
یہودیوں کی اسلحہ کی خریداری	244
یہودیوں کا لبنان پر حملوں کا آغاز	245
یہودیوں کے شام پر حملے	247

مضمون	صفحہ
یہودیوں کے مصر پر حملے	248
اسرائیل کی دہشت گردی	249
مسلمانوں کو قتل کرنا ہمارے لئے ایک قدرتی عمل ہے، اسرائیلی لیڈر	250
اسرائیل میں فلسطینی قیدیوں پر خطرناک سائنسی تجربات	253
بیت المقدس میں خون کی ندیاں بہہ گئیں	255
یہودی لیڈر کے مسجد اقصیٰ پر ناپاک قدم	258
مسلمانوں پر طاقت کا استعمال	259
نہتے مظاہرین پر یہودیوں کی یلغار	260
فلسطینی اور یہودیوں کی جھڑپیں	261
یہودیوں نے حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کیا	262
اسرائیلی بربریت ناقابل اعتبار	264
قیامت کا ہفتہ	265
کمینگی کا مظاہرہ	266
چشم دید حالات	267
نعشوں کا انبار	268
قتل عام کی فلمیں	269
اسرائیلی مظالم......تاریخ اور اعداد و شمار کی روشنی میں	270
تین بچوں کا ذبح	271
پانچ لاکھ فلسطینیوں کی گرفتاری	272
1997ء میں تحریک انتفادہ کی کارروائیاں	274
1997ء میں 170 گھر تباہ کیے گئے	275
یہودیوں کی قسمیں	275

مضمون	صفحہ
گھروں سے نکالے گئے فلسطینی	276
بے گھر ہونے والے فلسطینی 50 سال بعد آج یہ لوگ کہاں ہیں؟	277
باب نمبر 12	278
چین میں مسلمانوں کا لرزہ خیز قتل	278
1949 تا 1951ء آزادی کی جدوجہد	278
چینی مسلمانوں پر مظالم کی داستان	282
چینی علماء کی تبلیغی کوشش جرم بن گئی	283
شیخ سعد پر جیل میں مظالم	284
چین کے زیر تسلط سنکیانگ میں مسلمانوں کی پھانسیاں	287
چینی مسلمانوں کا قتل عام	288
چینیوں کے خلاف مسلمانوں کی بغاوت	290
باب نمبر 13	292
سری لنکا میں مسلمانوں کا قتل	292
سری لنکا میں ایک سال میں ڈھائی ہزار شہید 5 لاکھ مہاجر	296
70 ہزار مسلمان مہاجرین کیمپوں میں	297
سری لنکا، تامل گوریلوں کا مسلمانوں کے گاؤں پر حملہ 11 شہید، دکانیں نذر آتش	298
تامل مسلمانوں کا قتل عام	298
باب نمبر 14	300
فلپائن کے مسلمان (اپنی تاریخ کے نازک دور سے گزر رہے ہیں)	300
فلپائن کے صدر کا بیان	304
3 لاکھ 38 ہزار فلپائنی مسلمان قتل کئے جا چکے ہیں	305
جنوبی فلپائن میں مسلمانوں کا قتل	305

مضمون	صفحہ
باب نمبر 15	306
البانیہ میں مسلمانوں کی حالت زار	306
البانیہ:-	310
البانیہ۔ رقبہ اور آبادی	310
1500 البانوی مسلمانوں کی لاشوں کو جلا دیا گیا	313
البانیہ کے مظلوم مسلمان	314
البانیہ میں مسلم بچوں کی خرید و فروخت	318
البانیہ میں 1 لاکھ مسلمانوں کی شہادت	318
20 سال تک مساجد بند رہیں	319
باب نمبر 16	320
عراق میں مسلمانوں کا قتل عام	320
20 لاکھ عراقیوں کا قتل	321
عراق میں نومولود بچوں کی شہادت	323
خلیج کی جنگ کے اصل محرکات	325
تیل کی سیاست	325
جنگ کے اثرات	326
عراق میں امریکہ اور برطانیہ کے جنگی حملے	330
خلیجی جنگ کے خاتمہ کے بعد عراق پر 109977 حملے	337
باب نمبر 17	338
صومالیہ میں مسلمانوں کی شہادت	338
جنسی اعضا بجلی کی تاروں سے باندھ دیے گئے	338
بجلی کی کرسی	339

مضمون	صفحہ
1000 ہزار افراد ہلاک کیے	339
اقوام متحدہ کی افواج کے ہاتھوں صومالی مسلمانوں پر مظالم کا انکشاف	340
باب نمبر 18	342
مختلف ممالک میں مسلمانوں کا قتل عام	342
یوگنڈا میں سرکاری فوج کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام	342
کمبوڈیا کے مسلمانوں کا قتل عام	345
کمبوڈیا میں 5 لاکھ مسلمانوں کا قتل	346
کموچیا میں مسلمانوں کا صفایا	347
کموچیا کے مسلمانوں پر کلہاڑے اور بھالوں سے حملہ	347
کمیونسٹوں کے اقتدار کے بعد 10 لاکھ افراد مارے گئے	348
کمپوچیا کے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کی سازش	348
مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھنے پر شہید کر دیا گیا	350
اوگادین کے مسلمانوں کی پکار کون سنے گا؟	351
اوگادین جغرافیائی لحاظ سے	351
مجاہدین کی کارروائیاں	355
(لائبریا کے مسلمانوں کی جانب سے نیشنل پٹریاٹک فرنٹ آف لائبریا پر	→
ایک ہزار مساجد اور اسلامی اسکول تباہ کرنے کا الزام)	357
لائبیریا کے مسلمانوں کا قتل عام	358
گنی میں عیسائیوں نے 190 مسلمان شہید کر دیے ہیں	358
کشمیر میں 80 ہزار بچوں، عورتوں اور مردوں کا قتل عام (باب نمبر ۱۹)	359
80,000 ہزار سے زیادہ کشمیر بھارتی گولیوں کا نشانہ بنے	360
پورے گاؤں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا	361

مضمون	صفحہ
ہولناک منظر...... انسانی گوشت کی بارش	362
بھارتی بدمست افواج کے اختیارات	363
نذیر احمد کے نازک اعضاء کو ڈوری سے باندھ دیا گیا تاکہ پیشاب نہ خارج ہو سکے	364
کروڑوں کی جائیداد آگ کے شعلوں کی نذر	365
شیر خوار بچوں کو دانتوں سے چباڈالا	366
مجھے کلاشنکوف دو ورنہ مجھے گولی مار دو	367
شہید آنکھ کھولتا ہے	368
دوسرے بیٹے کی لاش ٹکڑے ٹکڑے ملے	369
دو بیواؤں کے اکلوتے بیٹے جنہیں ہندو کے ظلم نے نگل لیا	370
ساٹھ خواتین کو بے آبرو کیا	371
اٹھارہ سالہ لڑکی پر 50 حملہ آور	371
اپنوں ہی نے سچ کہہ دیا	372
کشمیری عورت کے جسم کو دانتوں سے نوچ لیا	372
ہر کشمیری آزادی چاہتا ہے، امریکی صحافی کے تاثرات	373
بھارتی فوج کشمیریوں کے اعضاء جسمانی نکال کر فروخت کر دیتی ہے	374
ایک نوجوان کو قتل کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ندی میں پھینک دیئے	374
کشمیری نفسیاتی مریض بن چکے ہیں	375
ہزاروں کشمیریوں کے عقوبت خانوں میں اعضاء کاٹے گئے	376
انٹروگیشن سینٹر	377
آٹھ ہزار لڑکیوں سے بدسلوکی	377
جن پر قیامت ٹوٹی	378
عقوبت خانوں میں	378

مضمون	صفحہ
اس نے موت کو پکارا	379
کیا جرم تھا ان کا؟	380
درندگی کی انتہا	382
بے گناہی کی سزا	383
قلم میں تاب نہیں	384
مقبوضہ کشمیر کے ٹارچر سینٹرز	385
اولڈ ائیر پورٹ انٹیروگیشن سینٹر	385
بادامی باغ انٹیروگیشن سینٹر	385
ہری نواس انٹیروگیشن سینٹر	385
red-16 انٹیروگیشن سینٹر	385
انسانی حقوق کا عالمی منشور۔ (کیا اس منشور پر عمل ہو رہا ہے)	388
20 افغانستان میں روسی درندوں کے ہاتھوں 15 لاکھ افغانوں کا قتل عام (باب نمبر 20)	392
افغانی مجاہدین کو زندہ دفن کیا جا رہا ہے بیسویں صدی میں روسی چنگیزیت	303
افغان عورتوں کو ہیلی کاپٹر سے نیچے پھینک دیا	396
افغانستان کے طول و عرض میں ۵ ملین بارودی سرنگوں کا جال	397
افغانستان میں روسی کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کا ثبوت مل گیا	397
افغانستان	397
8520 طالبان قیدیوں کے قتل عام پر اقوام متحدہ کی خاموشی اور عالم اسلام پر حیرت	399

پیش لفظ

قارئین اکرام الحمد اللہ ''دنیا بھر میں مسلمانوں کا قتل عام'' یہ کتاب پوری ہوئی اب آپ کے ہاتھوں میں ہے اسمیں 25 ممالک کے مسلمانوں کا قتل عام کے واقعات موجود ہیں اب رہا یہ سوال کہ اس کتاب کو لکھنے کی کیا وجوہات تھیں بندہ مختلف مواقع میں مسلمانوں کے قتل عام کی خبریں سنتا رہتا ان حالات کو سن کہ میرا دل خون کے آنسو روتا رہا کہ کسی طریقے سے یہ حالات ہر مسلمانوں کو معلوم ہوں تا کہ ان کے اندر زیادہ سے زیادہ جہاد کا جذبہ پیدا ہو۔ بندہ کی ذاتی لائبریری کیلئے کتابوں کی خریداری ہوتی رہتی ہے میں مختلف دوکانداروں سے معلوم کرتا رہا بھائی کشمیر، بوسنیا، چیچینا، فلسطین میں مسلمانوں پر مظالم کی کتاب ہے تو 95 فیصد دوکانداروں کی طرف سے یہی جواب ملا کہ ہمارے پاس اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں ہے البتہ کچھ دوکانداروں کے پاس سے اس موضوع پر چند کتابیں ملیں لیکن ان کتابوں میں مظالم نہ ہونے کے برابر لکھے ہوئے تھے البتہ ان کتابوں میں تاریخ اور حالات حاضرہ کی کثرت زیادہ تھی لیکن ان کتابوں میں مسلمانوں کا قتل عام مسلمانوں عورتوں پر جنسی حملے اور جیلوں میں اذیتوں سے متعلق میٹر بہت ہی کم نظر آیا۔ اس وجہ سے بندہ کے اندر یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اس موضوع پر کتاب ترتیب دی جائے الحمد اللہ اسکے علاوہ بندہ ''امت مسلمہ پر کفار کے مظالم کے دلخراش حالات'' نامی کتاب ترتیب دے چکا ہے جسمیں کفار کی اسلام دشمنی، قتل عام، مظالم، عورتوں پر جنسی حملہ، بچوں کے قتل، مساجدوں کی بے حرمتی، جیلوں میں اذیتیں اور بہت کچھ موجود ہے۔

جو کہ چھپ چکی ہے

[illegible] خواہش ہے کہ تمام جہادی تنظیمیں اگر اس کتاب کو مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو پیدا کرنے کیلئے اپنے اپنے مراکز اسٹالوں اور لائبریری میں رکھیں گی۔ اور اسکو نوجوانوں کو پڑھنے کی ترغیب دیں گگی تو ان میں انشاء اللہ اس کتاب کو پڑھنے سے ضرور جذبہ جہاد پیدا ہوگا۔ جو کہ ہر امتی کی ضرورت ہے!

اس کتاب کے کچھ موضوعات ملاحظ فرمائیں۔ جو ہمارے دلوں کو جھنجوڑنے کیلئے شاید کافی ہو جائیں

”اسرائلی لیڈر کا بیان ہے مسلمانوں کو قتل کرنا ہمارے لئے قدرتی فعل ہے“

”ایک عیسائی پادری کا کہنا ہے مسلمان کالے دھبے کی طرح ہیں ہمیں اس دھبہ کو مٹانا ہے“ ”ایک یہودی مصنف نے لکھا ہے اس عظیم اسرائیل میں پورا شام پورا لبنان اُردن، عراق کا بڑا حصہ صحرائے بالائی اور ”مدینہ منورہ“ تک شامل ہے کیونکہ سرور کائنات کے عہد میں یہود مدینہ میں سرپاد تھے۔“

آج پوری دنیا کے کافر اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہے میرا دعوی ہے دنیا بھر میں کم سے کم 50 لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا گیا کہیں سر ہتھوڑوں سے پھوڑے گئے کہیں تندور میں زندہ جلایا گیا کہیں مسلمانوں کے قتل کیلئے کافر آپس میں لڑ پڑتے اسکو میں قتل کرونگا بوسنیا میں 20 ہزار مسلمانوں کے قتل پر عیسائیوں کا چرچ میں موسیقی و شراب نوشی کا بڑا پروگرام ہوا کہیں معصوم بچوں کو کہا گیا اپنی مردہ ماں سے بدفعلی کرو۔ آج دنیا میں 1 لاکھ سے زائد مسلمان عورتوں کی عزتیں لوٹیں گئی۔ ہزاروں مسجدوں کو شہید کیا گیا۔ دنیا میں مسلمانوں کی سیکڑوں اجتماعی قبریں دریافت ہوئی مسلمانوں پر

جیلوں میں سائنسی تجربات ہوئے نئی اور جدید ترین زہریلی گیسیں استعمال ہوئی۔ علماء اکرام کو لائن میں کھڑا کر کے ان پر بلڈرز چلایا گیا، ہزاروں مسلمانوں کی لاشوں کو زندہ جلایا گیا۔ ہزاروں مردوں اور عورتوں کے نازک اعضاء کاٹے گئے۔ جو دنیا بھر میں مسلمانوں پر ایسے مظالم ہوئے کہ زمین بھی روتی ہوگی، آسمان بھی رویا ہوگا۔ ہم مسلمان کب جاگینگے کب تک خاموش رہیں گے۔ اگر اب بھی کفر کے خلاف نہ اٹھے تو ہمارا دنیا میں نام ونشان بھی نہیں ملے گا۔ میری قارئین سے گزارش ہے اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ تقسیم کر کے امت مسلمہ میں جذبہ جہاد پیدا کریں۔ اور بندہ اِن موضوعات پر مزید کام کر رہا ہے "جن میں مجاہدین کے ساتھ اللہ کی مدد کے واقعات" اور دنیا بھر کی جیلوں میں مجاہدین پر مظالم کے دلخراش حالات" اور "دنیا بھر کی مسلمان مظلوم عورتوں پر کفار کے جنسی حملے" اور یورپ میں مسلمانوں کا قتل عام ترتیب دے رہا ہے لہذا میرے لیے دعا کریں کہ اللہ مجھے اخلاص دے اور زیادہ سے زیادہ مجھ سے دین کا کام لے آخر میں یہ آپ سے گزارش ہے اس کتاب سے جن احباب کو بھی فائدہ ہو وہ بندے کو اور معاونین کتب کو اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں؛ اور اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو اسکی بھی نشاندہی کرادیں یہ آپکا بندہ پر احسان عظیم ہوگا۔

اور ان موضوعات پر آپ کو مزید مواد ملے تو برائے مہربانی مکتبہ ارسلان اردو بازار کراچی میں بائی پوسٹ بھجوادیں۔

العارض

محمد انور بن اختر

باب نمبر 1

21 ویں صدی کا استقبال۔ اور بے خبر مسلمان

اکیسویں صدی کے استقبال کی تیاریاں عیسائیوں کی نسبت مسلمانوں میں زیادہ زور و شور سے جاری ہیں۔ اکیسویں صدی میں کیسے داخل ہونا ہے، اس بارے میں کانفرنسوں اور سیمیناروں میں وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔ دانشوروں کی مذاکراتی نشستیں اور دیگر پروگرام بھی ہو رہے ہیں۔ سرکاری و غیر سرکاری تنظیموں، اداروں اور افراد کو بس ایک ہی فکر لاحق ہے کہ انہیں اکیسویں صدی کے سانچے میں کیسے ڈھلنا ہے اور جشن استقبال کیسے منانا ہے؟ ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات، حکمران، سیاستدان اور بیشتر دینی رہنما بھی اکیسویں صدی کے پرجوش استقبال کی فضا بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔

کسی مسلمان دانشور اور رہنما نے یہ نہیں سوچا کہ اکیسویں صدی سے مسلمانوں کا کیا رشتہ ہے اور اس کے جشن استقبال میں مسلمانوں کی شرکت کے کیا معنی ہیں۔ عیسائی اسے millenium کا نام دے رہے ہیں۔ لغت میں اس کا مطلب ہے "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہزار سالہ دور حکومت، وہ عہد جس میں شیطان نا امید ہوگا۔" یہ الگ بحث ہے کہ موجودہ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں کیونکہ تعلیمات عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور دیگر عقائد کی تصدیق نہیں کرتیں اور متعدد یورپی محققین اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں کہ اناجیل تحریف شدہ ہیں۔ عیسائیوں اور سنہ عیسوی کا حقیقی تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بنتا ہے یا نہیں بنتا مگر میرے علم کے مطابق ماہ و سال کی پیائش کے لئے "سنہ عیسوی" عیسائیوں کا ایسے ہی ایک مذہبی شعار ہے جیسے صلیب۔ کتب تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی کو بھی عیسائیوں نے millenium کے طور پر اس طرح منایا تھا کہ وہ باہم متحد ہو کر مسلمانوں پر چڑھ دوڑے تھے۔ بیت المقدس اور کئی

دوسرے شہر کے گلی کوچوں میں مسلمانوں کا خون سیلاب کے پانی کی طرح بہایا تھا اور اب دوسرے millenium میں بھی صورت حال ویسی ہی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے صلاح الدین ایوبی اور کچھ دیگر غیرت مند موجود تھے جنہوں نے مادی وافرادی طور پر کمزور ہونے کے باوجود خونخوار صلیبی بھیڑیوں کے دانت توڑ دیے تھے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اب بھی ایسے افراد پیدا کر دے۔

گزشتہ millenium میں جس عزم وارادے کا عیسائیوں نے اظہار کیا تھا مسلسل شکستوں کے بعد بھی وہ اس کے لئے کوشاں رہے اور گزشتہ ہزار سال میں مسلمانوں کے خلاف انہوں نے ان گنت کامیابیاں حاصل کیں۔ اسپین سے مسلمان بے دخل ہوئے، افریقہ وایشیا میں مغلوب ہوئے، خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا، ہندوستان کا بڑا حصہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور صلیبیوں نے وسیع وعریض اسلامی مقبوضات پر صلیبی جھنڈے لہرا دیے، اس طرح ان کا یہ حق بنتا ہے کہ اکیسویں صدی یعنی دوسرے millenium کے استقبال کا بھی جس طرح چاہیں جشن منائیں لیکن ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے کہ مسلمان کس خوشی میں اس جشن میں شریک ہو رہے ہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ماہ و سال کے پیمانے یعنی سنہ وغیرہ کا کسی مذہب وقوم سے کیا تعلق، یہ تو عالمی پیمانہ ہے۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے۔ صحابہ کرامؓ کی مجلس مشاورت میں اس وقت رائج ہر سنہ پر بحث ہوئی اور سنہ ہجری کے حق میں فیصلہ ہوا۔ ہر قوم، گروہ اور مذہب کے کچھ خاص امتیازی شعار ہوتے ہیں جن کے بغیر اس مذہب اور قوم کی مستقل ہستی قائم نہیں ہوسکتی۔ ایام کو دیکھ لیں۔ یہودیوں میں ''ہفتہ'' کا دن عبادت کے لئے مخصوص تھا تو عیسائیوں نے شریعت موسیٰ علیہ اسلام کا پیروکار ہونے کے باوجود ''اتوار'' کا دن اپنے لئے مخصوص کیا اور مسلمانوں میں ''جمعہ'' خصوصی دن ٹھہرا۔ تحویل قبلہ کا واقعہ بھی اس سلسلے میں بڑی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ مکہ میں نبی کریم ﷺ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جس کا مقصد مشرکین مکہ سے امتیاز کرنا تھا۔ قرآن میں آتا ہے ''پہلے جس طرف تم رخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لئے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول ﷺ کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھیر دیا جاتا ہے۔''

مدینہ میں یہود و نصاریٰ سے حضور ﷺ کا واسطہ پڑا۔ بیت المقدس انبیاء علیہم السلام کی کثیر تعداد کا قبلہ رہا ہے مگر یہود و نصاریٰ سے امتیاز و اختصاص کی خاطر نبی کریم ﷺ کی خواہش تھی کہ قبلہ تبدیل ہو۔ اس خواہش کو اللہ تعالیٰ نے مدینہ آمد کے 16 ماہ بعد 2 ہجری میں پورا کر دیا۔ وحی نازل ہوئی ”یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں، لو ہم اس قبلہ کی طرف تمہیں پھیر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد الحرام کی طرف رخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں بھی تم ہو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔“ (البقرہ)

یہودیوں کو اس کا بہت دکھ ہوا اور انہوں نے کہا کہ محمد (ﷺ) چونکہ ہر بات میں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں اسی لئے قبلہ بھی مخالفت کے ارادہ سے بدل دیا ہے۔ یوم عاشورہ کو بھی دیکھ لیں۔ نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ آئے تو دیکھا کہ یہودی دس محرم کو روزہ رکھتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے ۹ اور ۱۰ محرم کو روزہ رکھنے کے لئے کہا۔ تہوار تک بدل دیے اور واضح طور پر فرمایا ”جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا“ (ابوداؤد)

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ”کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ کفار کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی فی الجملہ مشابہت سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ظاہری چیزوں میں مشابہت کرنے سے باطنی طور پر مودت و محبت اور موالات کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔“

داڑھی کا حکم دیتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مشرکین کے خلاف طرز عمل اختیار کرو، داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ“ (بخاری)

یہ تو تھی دینی حوالے سے بحث مگر کچھ قومی و ملی غیرت کے تقاضے بھی ہوتے ہیں۔ مقتولوں کے مظلوم ورثا کمزور ترین بھی ہوں تو وہ بخوشی کبھی قاتلوں کے ساتھ جشن میں شریک نہیں ہوتے بلکہ انتقام لینے کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ کسی طوائف کے اہل خانہ بھی، اپنی طوائف کے ساتھ جبری زنا کرنے والوں کی خوشیوں میں شریک ہونا پسند نہیں کرتے۔ سنہ عیسوی کے علمبردار خونخوار صلیبی بھیڑیے تو کروڑوں مسلمانوں کو قتل اور لاکھوں مسلمان خواتین کو بے عصمت کر چکے ہیں، کیا ملت اسلامیہ کے جوانوں میں ایک طوائف کے اہل خانہ جتنی بھی غیرت نہیں رہی کہ وہ صلیبیوں کا جشن millenium منانے کے لئے بے چین ہیں۔ آئیں ذیل میں گزرے ہوئے millenium میں صلیبی بھیڑیوں کے امت مسلمہ پر کیے جانے والے مظالم کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

گیارہویں صدی عیسوی شروع ہونے سے پہلے ہی عیسائیوں میں مذہبی بیداری کی تحریک شروع کی گئی اور 11 ویں صدی عیسوی میں عیسائیوں نے متحد و منظم ہو کر مسلمانوں پر حملوں کا آغاز کیا۔ بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے لئے عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف جو جنگیں لڑیں وہ ''صلیبی جنگیں'' کہلاتی ہیں۔ ان جنگوں کی تعداد آٹھ ہے۔ بچوں کی صلیبی جنگ ان کے علاوہ ہے۔ یورپ میں جو صلیبی جنگیں لڑی گئیں وہ بھی ان میں شامل نہیں۔ مسلمانوں کے دور حکومت میں بیت المقدس میں عیسائیوں کو وہ تمام مراعات حاصل تھیں جو مسلمانوں کو حاصل تھیں۔ سرکاری عہدے بلا امتیاز مذہب دیے جاتے تھے۔ مسلمان پولیس صرف اس وقت مداخلت کرتی جب عیسائی متحارب فرقے آپس میں لڑنے لگتے۔ اگر مسلمان پولیس مداخلت نہ کرتی تو عیسائی ایک دوسرے کو ذبح کر دیتے اس کے باوجود جنونی صلیبی پادریوں نے عیسائی عوام کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور عیسائی حکمرانوں کو بیت المقدس فتح کرنے کے لئے متحد کیا۔ مارچ 1095ء میں پوپ اربن دوم نے ایک کونسل قائم کی اور مسلمانوں کے خلاف جہاد کا حکم دیتے ہوئے کہا ''ان کافروں سے جہاد کرو جو خداوند یسوع مسیح کی خانقاہ پر قابض ہو گئے ہیں۔ جو تم میں سے اس جہاد میں شامل ہوگا اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دوں گا۔ اور جو مارا جائے گا اس کو بہشت میں جگہ دوں گا'' یسوع مسیح کی زخمی تصویروں کو شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں عیسائیوں کو دکھا کر جذبات بھڑکائے گئے اور صلیبی مجاہدین کے لشکر جمع کیے گئے۔ صلیبی مجاہدین کے پہلے لشکر نے راستے میں آنے والی ہر چیز تباہ کر دی۔ ہنگری اور بلغاریہ ویران ہو گئے۔ مسلمانوں کے علاوہ انہوں نے شریف عیسائیوں کو بھی نہ بخشا۔ مچاد لکھتا ہے ''انہوں نے ایسے قبیح جرائم کئے کہ کارکنان قضا و قدر دیکھ کر کانپ اٹھے۔ گودوں سے بچے چھین کر ذبح کیے گئے اور ان کے اعضاء کاٹ کر ہوا میں اچھالے گئے۔'' مچاد ان صلیبی مجاہدوں کے بارے میں مزید لکھتا ہے کہ وہ غلط کاریوں میں یہاں تک فراموش ہو گئے تھے کہ قسطنطنیہ اور یروشلم کو بھی بھول گئے۔ جہاں سے بھی گزرے لوٹ مار اور قتل و غارت کو بطور یادگار چھوڑتے گئے۔ تنگ آ کر اہل ہنگری نے ان کا مقابلہ کیا اور بلغراد کے میدان صلیبی مجاہدوں کی ہڈیوں سے پٹ گئے۔ ملز لکھتا ہے ''چونکہ ترک بہت دور تھے اس لئے ''وحشی اور جاہل لوگوں کے گروہ'' کے بہادروں نے یہودیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ کولون میں ہزارہا یہودی قتل کیے گئے۔'' ملز مزید لکھتا ہے ''مردار حیوانی لاشوں کا گوشت تو کھلم کھلا کھاتے تھے مگر انسانی گوشت چھپا کر۔ انسانی

لاشوں کی اعضاء تراشی ان کی دل لگی تھی۔ ایک موقعہ پر قبریں کھود کر عربوں کی لاشیں نکالیں اور 1500 سر کاٹ کر شہریوں کو دکھائے۔'' ایک اور مورخ بتاتا ہے'' دنیاوی جنگوں میں بھی ایسی خباثت اور بدچلنی کبھی نہیں ہوئی'' مچاڈ لکھتا ہے کہ اگر معاصرانہ روایات کو تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اہل بابل کی ساری برائیاں خداوند یسوع کی خانقاہ آزاد کرانے والوں میں پائی جاتی تھیں۔

سید امیر علی اپنی کتاب تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں'' انہوں نے قتل و غارت کا ایسا خوفناک منظر پیش کیا کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عمر کی بڑائی، کم سن بچوں کی معصومیت و بے کسی، صنف نازک کی کمزوری و خوبصورتی ان (صلیبی مجاہدوں) کے دل میں ذرا رحم نہ پیدا کر سکی۔ مسجدوں کا نظارہ تو ان وحشیوں کو اور بھی زیادہ غضبناک بنا دیتا تھا۔ سنگ مرمر کے محلوں سے لے کر جھونپڑیوں تک سب کو مسمار کر دیا گیا اور گلی کوچوں میں انسانی خون پانی کی طرح بہنے لگا۔ انطاکیہ میں کم سے کم دس ہزار انسان قتل کیے گئے۔ انطاکیہ کے بعد شام کے شہر مراۃ النعمان کی طرف بڑھے اور یہاں ایک لاکھ انسانوں کا خون بہایا۔''

ملز لکھتا ہے'' مراۃ النعمان میں بھی مردم خوری کی نوبت آ گئی۔ عیسائی کیمپوں میں انسانی گوشت کھلم کھلا فروخت ہوتا تھا۔''

یروشلم میں ہونے والی خونریزی کے بارے میں مچاڈ بیان کرتا ہے'' عرب بازاروں میں اور گھروں میں تہ تیغ کیے گئے۔ مغلوبوں کے لئے یروشلم میں پناہ کی کوئی جگہ نہ رہی۔ پیدل اور سوار پناہ ڈھونڈنے والوں پر ٹوٹ پڑتے تھے اور اس شور قیامت خیز میں سوائے چیخوں اور آہ و بکا کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ فاتح مردوں کی لاشوں پر دوڑ رہے تھے۔'' رائمونڈ جس نے سانحہ ہوشربا کو بچشم خود دیکھا ہے، لکھتا ہے'' مسجد کی ڈیوڑھی میں گھٹنوں گھٹنوں خون بہہ رہا تھا اور گھوڑے کی لگام تک پہنچتا تھا۔''

مورخین لکھتے ہیں کہ اس جگہ کا نظارہ بھی جہاں مسیح نے اپنے قاتلوں کے گناہ کو بخشا تھا فاتحوں کے غضب کو کم نہ کر سکا۔ تقریباً سبھی مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس لڑائی میں کم و بیش 70 ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ عیسائیوں نے یہودیوں کو بھی نہ بخشا۔ یہودیوں کو ان کے معبدوں میں جمع کر کے معبدوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ 1109 میں طرابلس پر حملہ کیا تو صلیبی مجاہدوں نے وحشیانہ قتل و غارت اور لوٹ مار کے ساتھ ساتھ کتب خانوں، کالجوں اور کارخانوں

کو بھی نذر آتش کر دیا۔ گرفتار مسلمانوں پر لگائے گئے الزامات کی تحقیق و تفتیش اس طرح کی جاتی کہ انہیں کہا جاتا کہ وہ اپنا ہاتھ ابلتے ہوئے تیل میں ڈالیں، اگر ہاتھ نہ جلتا تو بے قصور ورنہ قصور وار۔ اسی طرح لوہے کی گرم دہکتی ہوئی سلاخیں ان کے ہاتھوں میں دے دی جاتیں۔ یہ صلیبی مجاہدین اس قدر وحشی تھے کہ خود شریف عیسائی بھی ان سے پناہ مانگتے تھے۔

طرابلس میں صلیبیوں نے بیسویں صدی میں ان مظالم کو ایک بار پھر اس طرح دہرایا کہ مجاہدین کو ہوائی جہازوں میں لاد کر بہت اونچائی پر لے جاتے اور صحرا میں پھینک دیتے۔ خشک و گرم صحرا میں یہ مجاہدین پیاس، بھوک اور گرمی میں تڑپ تڑپ کر شہید ہو جاتے اور طوفانی بگولے انہیں ریت کی قبروں میں دفنا دیتے۔ مشہور مجاہد لیڈر عمر مختار کو بھی صحرا میں اسی طرح پھینکا گیا تھا۔ سوڈان کے مشہور درویش، صوفی بزرگ اور مجاہد آزادی مہدی سوڈانی کی قبر کھودی گئی اور ہڈیاں نکال کر نذر آتش کی گئیں۔

ہنگری کا ایک جرنیل ہنیاڈی (hunyadi) تھا جو نہایت ظالم اور خونخوار تھا اور بقول لین پول ”اس کی خوشی اس بات میں تھی کہ وہ اپنی دعوتوں کے مواقع پر دشمنوں کے خون بہنے کا نظارہ دیکھے بالکل اسی طرح جیسے دوسرے بادشاہ اپنے ظہرانہ کے وقت گانوں کی آواز سننے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہنیاڈی کی موسیقی مرتے ہوئے (مسلمان) قیدیوں کی چیخیں ہوتی تھیں۔“

چنگیز نے بڑی تباہیاں مچائیں مگر جب منگول مسیحی اتحاد وجود میں آیا تو یہ تباہیاں دو نہیں سو چند ہو گئیں۔ منگول مسیحی اتحاد نے 1258ء میں ہلاکو خان کی قیادت میں بغداد فتح کیا۔ مورخین نے اس شہر کی تباہی اور بربادی کے جو مناظر پیش کیے ہیں، انہیں پڑھ کر قاری کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چھ دن تک بغداد کی گلی کوچے خون کی ندیاں بہتے رہے۔

اور دریائے دجلہ کا پانی سرخ ہو گیا اور اس کے بعد اس شہر کو آگ لگائی گئی تو دریا کا پانی سیاہ ہو گیا۔ مسلمان دوشیزاؤں کو گھروں اور محلات سے مویشیوں کی طرح کھینچ کر نکالا گیا اور کئی کئی منگولوں اور مسیحیوں نے انہیں ہوس کا نشانہ بنایا۔ بغداد کی عیسائی آبادی محفوظ رہی اور ان میں سے کسی کے جسم پر خراش تک نہ آئی بلکہ ان میں سے کئی ایک نے قتل عام میں حصہ بھی لیا۔

ابن خلدون کے مطابق 16 لاکھ افراد کو قتل کیا گیا، صرف 4 لاکھ زندہ بچ سکے۔ مورخین کے مطابق چالیس روز تک شہر کو لوٹا گیا۔ دریائے دجلہ جو خون سے سرخ تھا اس میں لاکھوں

کتابیں پھینکی گئیں تو پل بن گیا۔ جب کتابوں کی سیاہی پانی میں ملی تو پانی کالا ہو گیا۔ منگول مسیحی لشکر (ہلاکو کے لشکر کے عیسائی جرنیل کا نام کت بوغا تھا) نے شمالی عراق و شام میں بھی خوب تباہی مچائی۔ جزیرہ کے امیر کامل محمد کو اس طرح ختم کیا گیا کہ اس کے جسم سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر اس کے منہ میں ٹھونسے جاتے تھے اور اس کے بعد اس کا سر کاٹ کر شام میں جگہ جگہ گھمایا گیا۔ (بحوالہ نیو ورلڈ آرڈر) موجودہ بیسویں صدی (1926) میں صرف دمشق میں فرانسیسی صلیبیوں نے ایک کاروائی میں 20 ہزار مسلمانوں کو قتل کیا۔

اسپین میں صلیبی مظالم کے چند مناظر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اس خطہ میں جب مسلمان مغلوب ہوئے تو صلیبی عدالتوں نے مسلمانوں کو زندہ جلانے کی سزائیں سنائیں اور 12 ہزار سے زیادہ افراد کو زندہ جلا دیا گیا جبکہ تقریباً بیس ہزار مسلمانوں کو دیگر سخت سزائیں دی گئیں۔ چونکہ عیسائی خود گندے رہتے تھے اس لیے صلیبی حکومت نے مسلمانوں کے غسل کرنے پر بھی پابندی لگا دی۔ جن مسلمانوں نے بھاگ کر پہاڑی غاروں میں پناہ لی ان کو زہریلے دھوئیں سے ہلاک کر دیا گیا۔ غرناطہ میں ایک لاکھ عربی کتب کو جلا کر عیسائیوں نے چراغاں کیا اور جشن فتح منایا۔ کل دس لاکھ سے زیادہ کتابیں جلائی گئیں۔ موسیو لیبان لکھتا ہے "اندلس کے غریب مسلمانوں پر جو مظالم توڑے گئے دنیا کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی حالانکہ یہی وہ مسلمان تھے جنہوں نے اپنے اقتدار و حکومت کے زمانہ میں عیسائیوں پر کبھی اس قسم کے مظالم نہ کیے تھے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو جزیرہ نما اسپین عیسائیوں کے نام و نشان اور ان کے وجود سے یکسر خالی ہو جاتا۔" مسٹر ای پی اسکاٹ رقم طراز ہے "اس وحشیانہ مذہبی جوش سے جو نقصان دنیا کو پہنچا اس کا معمولی سا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دنیا بھر میں ایسا قیمتی ذخیرہ علوم و فنون کہیں نہ ہوگا جس کو شمنیس نے اس تاریخی چوک (باب الرملہ چوک) میں خاک و سیاہ کر دیا" (اخبار الاندلس) اس بشپ نے کتابوں ہی کو نہ جلایا بلکہ مسلمانوں **کو** بھی زندہ آگ میں جلا دیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ قتل و غارت سے بچ جانے والے جو 30 لاکھ مسلمان افریقہ روانہ ہوئے ان میں سے 75 فیصد کو صلیبی درندوں نے قتل کر دیا۔ مجموعی طور پر 30 تا 40 لاکھ مسلمان قتل کیے گئے۔

شمنیس سپین میں کلیسا کا افسر اعلیٰ تھا۔ جوان ڈی ویلیجو (de vallejo Juan) اپنی کتاب "میموریل" میں لکھتا ہے کہ "علمائے دین کو پکڑ کر تبلیغ کرنے اور ان سے مقدس مذہب

کیتھولک اختیار کرانے کے لئے اس نے کچھ لوگوں کو نامزد کیا تھا ان میں ایک پادری جس کا نام لیون (leon) تھا خصوصاً قابل ذکر ہے۔ جو لوگ اس کے ہتھے چڑھ جاتے تھے چاہے وہ اپنے عقیدے کے کتنے ہی پکے اور مضبوط کیوں نہ ہوتے، چار پانچ روز اس کے رحم و کرم پر گزار کر وہ خود ہی پکارتے ہوئے برآمد ہوتے کہ ہم عیسائی ہونا چاہتے ہیں۔”

شاہ فرڈینینڈ کے ذاتی ”معترف کلیسا“ طورقماطہ کو پوپ نے کلیسا کی روحانی عدالتوں کا محتسب اعلیٰ مقرر کیا۔ اس نے اسپین کے ہر قصبہ اور شہر میں روحانی عدالتیں قائم کر دیں اور اٹھائیس نکات پر مشتمل ایک قانونی ضابطے کا بھی اعلان کیا۔ تعذیب و تعزیر کا یہ ایک انتہائی ظالمانہ قانونی ضابطہ تھا۔

حکومت کے سپاہی اور روحانی عدالتوں کے اہل کار جو عموماً پادری ہوتے مسلمانوں کے گھروں میں گھس جاتے، لوٹ مار کے ساتھ ساتھ عزت و آبرو پر بھی حملے کرتے۔ تاریخ کی کتب میں اندلس کے مشہور شہر بلنسیہ کے قریب واقع ایک قصبہ کا ذکر ملتا ہے۔ یہاں کا پادری مسلمان مردوں کو گھروں سے نکال کر قید کر دیتا اور گھروں میں جا کر مسلمان خواتین کی جبراً عصمت دری کرتا۔ نتیجتاً اس قصبے میں بڑی تعداد میں پادری کی طرح نیلی آنکھوں والے بچے پیدا ہوئے۔

روحانی عدالتوں کے گماشتے مسلمانوں کو تلواروں کی نوک پر گھروں سے نکالتے، جانوروں کی طرح ہنکاتے ہوئے کلیسا لے جاتے اور وہاں زبردستی اصطباغ دیتے یعنی عیسائی بناتے۔ ایک حکم جاری کر دیا گیا کہ اصطباغ یافتہ مسلمان جمعہ اور تہواروں کے مواقع پر اپنے گھروں کے دروازے کھلے رکھیں۔ مقصد یہ تھا کہ کہیں زبردستی بنائے گئے عیسائی چھپ کر نماز وغیرہ نہ پڑھیں یا شادی وغیرہ اسلامی طریقے سے نہ کریں۔ اسلامی طریقے سے تدفین بھی نہ ہو سکتی تھی۔ اصطباغ یافتہ مسلمان خواتین کو پردہ کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ عربی زبان اور اسلامی لباس کو بھی غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ عربی کی تمام کتب حکومت کے حوالے کرنے کا کہا گیا۔ حماموں کو بند کر کے مسلمانوں کو عیسائیوں کی طرح گندا رہنے کا حکم دیا گیا۔ شراب یا خنزیر کے گوشت سے پرہیز کرتا یا غسل کرتا ہوا یا کوئی دوسرا کام اسلامی طریقے سے کرتا ہوا پایا جاتا تو اسے ارتداد کے جرم میں گرفتار کر لیا جاتا اور سولی پر زندہ جلانے کی سزا دی جاتی۔ عدالت میں وہ شخص فریاد کرتا کہ ”مجھے اصطباغ زبردستی دیا گیا تھا۔“ اس کا جواب یہ ملتا کہ جب موت کی

سزا اور اصطباغ دونوں میں سے ایک دفعہ اصطباغ کا انتخاب کرو تو پھر زبردستی کیسی؟

روحانی عدالت کی طرف سے سزا سنائے جانے کے بعد مسلمانوں کو صلیب پر زندہ جلائے جانے کی رسم کو ”عمل ایمانی“ کا نام دیا گیا تھا۔ اس رسم پر اس طرح عمل ہوتا کہ کلیسا کے اہلکار زرق برق لباس پہنے ہوتے۔ ان کے ہاتھوں میں صلیبیں اور ایسے علم ہوتے جن پر ”انصاف اور رحم“ کے الفاظ لکھے ہوتے۔ بدقسمت ”مجرم“ ننگے پاؤں، غیر روشن سبز موم بتی ہاتھ میں لئے بڑا ہی گھناؤنا لباس پہنے ہوتا جس پر سرخ صلیب، آگ کے شعلے اور شیطانی شکلیں بنی ہوتیں۔ مجرم کے ہاتھ رسی سے باندھ کر رسی کا دوسرا سرا اس کی گردن میں باندھ دیا جاتا۔ غیر حاضر مجرموں کے پتلے اور مرے ہوؤں کی ہڈیاں مجرم قرار پاتے ہوئے جلوس میں لے جائی جاتیں۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ مجرم لوگوں کو مخاطب نہ کر سکے اور کہیں بے گناہی کا دعویٰ کر کے ہمدردی نہ پیدا کر لے۔ منہ کے اندر زبان باندھ دی جاتی یا منہ میں کچھ ٹھونس دیا جاتا۔ زندہ نذر آتش کئے جانے کے جواز میں انجیل یوحنا کی یہ آیت پیش کی جاتی ”اگر کوئی آدمی میرے مطابق زندگی نہیں گزارتا تو پھر وہ ایک ٹہنی کی مانند پھینکا جاتا ہے جو کہ مرجھا گئی ہے اور لوگ اسے اکٹھا کر لیتے ہیں، آگ میں ڈالتے ہیں اور وہ جل جاتی ہے“

(یوحنا، باب 15 آیت 6)

کلیسا کی روحانی عدالت کا ایک اہلکار کیرینا (carina) اس سزا کے بارے میں کہتا ہے ”چونکہ آگ میں جلنے کی موت سب سے زیادہ ہولناک ہے اس لئے یہی طریقہ اپنانا پڑا، اگر کوئی اور سزا اس سے بھی زیادہ ہولناک اور اذیت ناک ہوتی تو یقیناً وہی تجویز کی جاتی۔“

صلیب پر زندہ جلاتے وقت مسلمانوں کی خوب تذلیل کی جاتی، صلیبی اس پر تھوکتے، کنکریاں مارتے، جب آگ کے شعلے مسلمان کے جسم کو لپیٹ میں لے لیتے تو وہ قہقہے لگاتے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ بارہ ہزار سے زیادہ افراد کو اس طرح زندہ جلایا گیا۔ البجارہ علاقہ کے لوگوں نے احتجاج کیا تو پانچ ماہ تک جگہ جگہ خون کی ندیاں بہتی رہیں اور ہر گاؤں مقتل بن گیا۔ مسلمانوں کے رہنما ابن ابو کو قتل کر کے اس کا سر تیس سال کے لئے غرناطہ کے مذبح کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ ایک صلیبی کمانڈر کاؤنٹ آف سیرن نے ایک مسجد کو جس میں پورے ضلع کے مسلمانوں نے اپنی خواتین اور بچوں کو جمع کیا ہوا تھا بارود سے اڑا دیا۔ اگر کوئی مسلمان معافی بھی مانگ لیتا تو بھی اسے ساری عمر کے لئے جیل میں ڈال کر اس کی جائیداد فروخت کر دی جاتی

اوراس کے بچے فاقوں سے مرجاتے یا صلیبی انہیں غلام بنالیتے۔

جزائر بلیارک میں 50 ہزار مسلمان شہید کیے گئے۔ تیس ہزار بوڑھے، بچے اور عورتیں قیدی بنائی گئیں۔ پہلے توان بوڑھوں، عورتوں اور بچوں سے مسلمانوں کی لاشیں شہر سے باہر پھنکوا کر جلانے کا کام لیا گیا۔ اس کے بعد صلیبی فوج نے جشن فتح منایا جس میں صلیبی روایات اور معمول کے مطابق قتل وغارت، کھلے عام آبروریزی اور ایذا رسانی کے ساتھ ساتھ ایک جدت یعنی نوجوان مسلمان لڑکیوں کا برہنہ ناچ تھا۔ 1625ء میں سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ اسپین میں اب کوئی مسلمان باقی نہیں بچا۔

برصغیر کے مسلمانوں پر ہونے والے صلیبی مظالم کی چند جھلکیاں بھی دیکھیں:

واسکوڈی گاما جسے صلیبی ایک مہم جو بحری سیاح کہتے ہیں درحقیقت ایک دہشت گرد، ڈاکو اور بحری قزاق تھا۔ جب وہ مئی 1498ء میں کالی کٹ پہنچا تو برصغیر میں شہری ترقی بام عروج پر تھی۔ یورپی دہشت گردوں کا جو گروہ واسکوڈی گاما کی قیادت میں برصغیر میں داخل ہوا اس کا تعلق عیسائیوں کی ایک مذہبی عسکری سوسائٹی ”آرڈر آف کرائسٹ“ سے تھا جو پرتگال میں 1319ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس کا کام مسلمانوں پر ان کے علاقوں میں حملے کرنا تھا ان کا عقیدہ تھا کہ ”مسلمان اور بت پرست قانون مسیح سے باہر ہیں۔“ یہی عقیدہ صلیبی دہشت گردی کا جواز بنایا گیا۔ کالی کٹ ایک غیر دفاعی شہر تھا اور وہاں کوئی مسلم سپاہ نہ تھی۔ گاما نے اس شہر پر گولہ باری کرائی۔ اس کے بعد اس صلیبی بھیڑیے نے حکم دیا کہ قیدیوں کو زندہ جلانے سے پہلے ان کے کان، ناک اور ہاتھ کاٹ لئے جائیں۔ ایک بار 700 حاجیوں سے بھرے ہوئے جہاز پر اس نے گولہ باری کرائی اور جہاز کو حاجیوں سمیت ڈبو دیا۔ اس نے اپنے شیطانی لشکریوں کو کشتیوں میں بٹھا کر بھیجا کہ مسلمان بچنے کی کوشش کریں تو ان کو برچھے مار مار کر ڈبو دو۔ وہ مسلمانوں کو درختوں کے ساتھ لٹکا کر نشانہ بازی کی مشق کرتا تھا۔ ان مظالم کو انگریز صلیبیوں نے مزید آگے بڑھایا اور مسلمانوں کی مقعد میں لکڑی ٹھونس کر آنتوں کو چیرتے ہوئے منہ سے نکالنے کی کوشش کی جاتی اور تڑپ تڑپ کر مرتے ہوئے مسلمانوں کا نظارہ کیا جاتا۔ (بحوالہ کریسنٹ انٹرنیشنل)

گاما کے جانشین الفانسو نے گوا میں چار دن تک لوٹ مار اور قتل وغارت کی، مسلمانوں کو ذبح کیا اور مساجد کو نمازیوں سمیت جلایا۔ یہ غیر ارادی واقعات نہیں تھے بلکہ گزشتہ

millenium کے استقبال پر صلیبیوں نے مسلمانوں کے خلاف جو عہد کیا اور منصوبہ بندی کی تھی اس کا حصہ تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں 6 لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ کاریگروں کے ہاتھ کاٹ دیے گئے۔ تاکہ برطانوی مصنوعات کے لئے مارکیٹ خالی کی جا سکے۔

1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناکامی کے بعد صرف تین دنوں میں 52 ہزار علماء کو پھانسیوں پر لٹکا دیا گیا۔ بے شمار مسجدیں اور مدرسے بند کر دیے گئے۔

1947ء کی تقسیم کا جو نقشہ بنایا اس کے نتیجے میں 20 لاکھ کے قریب مسلمان شہید ہو گئے اور کشمیری تو اب بھی ذبح ہو رہے ہیں۔ کشمریوں کی اس قتل و غارت کے بالواسطہ ذمہ دار صلیبی ہی ہیں جنہوں نے تقسیم کی لکیر دانستہ غلط کھینچی۔ برما کے مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی کیا اور اراکان کو الگ آزادی دینے کے بجائے برما کے تسلط میں دے دیا جس کے نتیجہ میں تقریباً 2 لاکھ مسلمان شہید ہو چکے ہیں جبکہ 12 لاکھ کے قریب برمی مسلمان ملک بدر ہیں۔ صرف اراکان کے علاقہ میں 715 بستیاں مکمل تباہ کی گئیں۔

سری لنکا پر قبضہ کے بعد صلیبیوں نے 1526ء، 1626ء، 1659ء اور 1670ء میں مسلمانوں کی نسلی صفائی اور انہیں سری لنکا سے نکالنے کی خصوصی مہمیں چلائیں۔ ہزاروں مسلمان قتل اور لاکھوں بے گھر کیے گئے۔

فلپائن میں بھی عیسائیوں نے اسی پالیسی کو اپنایا۔ پہلے اسپین اور امریکہ کے عیسائیوں نے لوٹ مار اور قتل و غارت کی اور بعد میں فلپائن کے صلیبیوں کو یہ فریضہ سونپ دیا گیا۔ صرف گزشتہ پچاس سال میں 3 لاکھ سے زیادہ مسلمان شہید کیے جا چکے ہیں جبکہ تین لاکھ سے زیادہ گھروں کو نذر آتش کیا گیا ہے۔

25 لاکھ مسلمان بے گھر ہو کر مہاجرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

اسپینی صلیبیوں نے فلپائن کے مسلمانوں پر ہر وہ ظلم کیا جو انہوں نے اسپین کے مسلمانوں پر کیا تھا۔ 1596ء میں حملہ آور کمانڈر کو ہدایت دی گئی کہ "اس امر کی تحقیق بھی ہونی چاہئے کہ دین محمدی کی تبلیغ کرنے والے مبلغین کون ہیں اور تمہیں ان مقامات اور گھروں کو نذر آتش کر دینا چاہئے جہاں اس مذہب کی تبلیغ کی جاتی ہے۔"

جس طرح برطانوی صلیبیوں نے کشمیریوں کو 75 لاکھ کے عوض ڈوگروں کے ہاتھ

فروخت کر دیا تھا اسی طرح اسپین کے صلیبیوں نے معاہدہ پیرس کے تحت فلپائن کے مسلمانوں کو امریکہ کے ہاتھ دو کروڑ ڈالر میں فروخت کر دیا۔

فلپائن کے مسلمانوں پر امریکی مظالم کی جھلکیاں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ایک امریکی کپتان لکھتا ہے۔ ''کیلوکان کی آبادی کا اندازہ ستر ہزار تھا۔ بیس کنساس رجمنٹ نے اس پر یلغار کی اور اب ایک بھی اصلی باشندہ کیلوکان میں نہیں۔'' اسی یونٹ کا ایک فوجی لکھتا ہے کہ کیلوکان کی فتح کے بعد میں نے خود اپنے ہاتھوں سے پچاس سے زائد گھروں کو نذر آتش کیا۔ واشنگٹن اسٹیٹ کا ایک فوجی لکھتا ہے۔ ''ہمارا خون لڑائی کے لئے کھول رہا تھا۔ انسانوں کی شوٹنگ کے مقابلے میں خرگوشوں کی شوٹنگ بالکل ہیچ ہے۔'' ایک امریکی میجر والر نے بتایا کہ اس کے جنرل سمتھ نے اسے قتل اور جلانے کی ہدایت دیتے ہوئے کہا تھا کہ جنگی قیدی بنانے کا کوئی وقت نہیں اس لئے دس سال سے زائد عمر کے ہر شخص کو ختم کر کے بٹانگا (batanga) کو ویرانے میں بدل دو۔ (بحوالہ نیو ورلڈ آرڈر) الجزائر میں 10 لاکھ مسلمانوں کو فرانسیسی صلیبیوں نے قتل کیا اور تازہ خانہ جنگی جو صلیبیوں ہی کی سازشوں کا نتیجہ ہے میں بھی کم و بیش دو لاکھ مسلمان قتل ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

فلسطین کی سرزمین پر اسرائیل کا قیام بھی صلیبیوں کے باعث ہوا جس کے نتیجے میں آج 50 لاکھ فلسطینی اپنے گھروں سے باہر بطور مہاجر رہ رہے ہیں۔ گزشتہ پچاس سال میں یہودیوں نے جس طرح مسلمانوں کو ذبح کیا ہے یہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ صابرہ اور شتیلا کے کیمپوں پر جو گزری کیا وہ کوئی بھول سکتا ہے۔

عراق کے بیس لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا قتل تو تازہ بات ہے۔ ان 20 لاکھ میں بچوں کی اکثریت ہے۔ انڈونیشیا میں امریکی سی آئی اے نے صدر سوکارنو کے خلاف جو سازش کی اور جس پر جنرل سوہارتو نے عمل کیا اس میں بھی کم و بیش دس لاکھ مسلمان قتل ہوئے تھے۔ بوسنیا میں 3 لاکھ 50 ہزار افراد کو عیسائیوں نے قتل کیا ہے۔ بوسنیا کی 40 ہزار سے زیادہ خواتین کی عصمت دری کرنے والے بھی عیسائی ہیں۔ کسووا میں قتل کئے جانے والے مسلمانوں کی تعداد بھی ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ قتل و غارت اور خواتین کی عصمت دری کی دلخراش داستانیں رسائل و جرائد میں شائع ہو چکی ہیں۔ یاد رہے کہ کسووا میں مسلمانوں کی تعداد 18 تا 19 لاکھ ہے۔ اس علاقے میں مسلمانوں کا یہ کوئی پہلا قتل عام نہیں ہے، اس سے پہلے بھی اس خطہ میں

لاکھوں مسلمان قتل ہو چکے ہیں۔

وسطی ایشیا میں بھی دیکھ لیں کہ پہلے صلیبی زاروں نے اور پھر صلیبی کمیونسٹوں نے مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق صلیبی زاروں اور کمیونسٹوں نے ایک کروڑ کے قریب مسلمانوں کا خون بہایا۔ روسی صلیبیوں نے صرف افغانستان میں 15 لاکھ مسلمان قتل کیے۔

چچنیا کی لڑائی میں ایک لاکھ مسلمان روسی صلیبیوں نے شہید کیے ہیں۔ اور اب داغستان میں قتل وغارت کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں براہ راست یا بالواسطہ صلیبی پالیسیوں کے نتیجہ میں ہونے والے مظالم کے باعث ایک کروڑ سے زیادہ مسلمان بطور مہاجر زندگی گزار رہے ہیں۔

شمالی وجنوبی امریکہ اور ان کے قریبی جزائر پر آباد قوموں کو ایمرینڈینز (amerindians) یا ریڈ انڈینز کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ بائیس سو سے زیادہ زبانیں بولتے تھے اور ان کی آبادی سات کروڑ سے زیادہ تھی۔ جب کولمبس اور اس کے ساتھی ان علاقوں میں پہنچے تو یہاں کے لوگوں نے کولمبس اور اس کے ساتھیوں کا والہانہ استقبال کیا اور ایک جزیرے کے ایک سردار گوا کا ناگری نے اسے سونے سے تول دیا۔ یہاں کے لوگوں کے بارے میں کولمبس خود لکھتا ہے۔ ”ساری دنیا میں ان سے بہتر اور زیادہ حلیم الطبع لوگ نہیں ہو سکتے۔“

مگر سونا، غلام، فتوحات، نوآبادیوں کے قیام اور دوسری قوموں کو عیسائی بنانے کے مقاصد لے کر آنے والے ان صلیبیوں نے نہ صرف ان علاقوں سے ان قوموں کا صفایا کرنا شروع کر دیا بلکہ نادر درختوں اور کئی حیوانات کی بھی نسلیں ختم کر دیں۔ غلاموں کی پہلی کھیپ جب اسپین میں فروخت ہوئی تو کولمبس نے اپنے روزنامچے میں لکھا ”ہمیں چاہیے کہ مقدس تثلیث کے نام پر جتنے بھی غلام بیچے جا سکتے ہیں بھیجتے رہیں۔“ یہی صلیبی دہشت گرد گروہ مردوں کو سونے کی تلاش میں بھیج دیتے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو جنسی تشدد کا نشانہ بناتے۔

یاد رہے کہ جب امریکہ دریافت ہوا تو اسپین، پرتگال، برطانیہ اور دیگر صلیبی ملکوں نے اپنی جیلوں کے دروازے کھول دیے تھے۔

جیلوں میں بند چوروں، ڈاکوؤں، نقب زنوں، بدمعاشوں اور زانیوں کو بحری جہازوں میں بٹھا کر امریکہ کی طرف روانہ کر دیا تھا جنہوں نے ریڈ انڈینز کی نسل کشی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ تاریخی، واقعاتی، جغرافیائی، نسلی، لسانی اور بے شمار دیگر شہادتوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جنوبی و شمالی امریکہ میں کولمبس کی آمد سے پہلے مسلمان بڑی تعداد میں آباد تھے، ان کے مقامی لوگوں کے ساتھ بہترین تعلقات تھے اور اس براعظم میں اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا۔ ریڈ انڈینز کی تو مکمل نسل کشی نہ ہو سکی مگر صلیبیوں نے اس براعظم سے مسلمانوں کا نام ونشان تک مٹا دیا۔ مورخین، محققین اور آثار قدیمہ کے ماہرین کو طویل تھکا دینے والے محنت کے بعد یہ حقائق ملے کہ اس براعظم کے بعض حصے انتہائی ترقی یافتہ تھے۔

صلیبی غنڈے تلواروں، بندوقوں، ڈھالوں اور گھوڑوں سے لیس ہوتے۔ مقامی لوگوں کے پاس یہ ہتھیار نہیں تھے۔ صلیبیوں کے مظالم اس حد تک بڑھے کہ لوگوں نے اجتماعی خودکشیاں کرنا شروع کر دیں۔ کولمبس کی مہمات کا وقائع نگار لا کاساس لکھتا ہے:

اسپینیوں کے لئے یہ معمولی بات تھی کہ دس بیس ریڈ انڈینز کو خنجر زنی سے ہلاک کر دیں یا اپنے چاقو یا تلوار کی تیز دھار آزمانے کے لئے کسی کے جسم سے گوشت کے پارچے اتار لیں۔ خاوند کانوں میں مر رہے تھے جبکہ ان کی بیویاں دوسری جگہوں پر کام کی زیادتی سے مر رہی تھیں اور بچے دودھ نہ ملنے سے ہلاک ہو رہے تھے۔ جب میں کیوبا میں تھا تو تین ماہ میں سات ہزار بچے ہلاک ہوئے۔“

وہ مزید لکھتا ہے۔ ”اسپینیوں نے شرطیں لگائیں کہ کون کون ایک ہی وار میں آدمی کا سر قلم کرتا ہے یا اس کے جسم کے دو ٹکڑے کرتا ہے یا اس کی انتڑیاں باہر نکالتا ہے۔ انہوں نے ننھے بچوں کو پاؤں سے پکڑ کر ماؤں کی چھاتیوں سے نوچ لیا اور ان کے سر چٹانوں پر پٹخ دیئے۔ دیگر شیر خوار بچوں کے جسموں کو تکے کی مانند اپنی تلواروں میں پرو دیا مع ان کی ماؤں کے اور جو بھی ان کے سامنے آیا۔ وہ ریڈ انڈینز کو تیرہ تیرہ کی ٹولیوں میں چنتے، ہمارے نجات دہندہ (حضرت عیسیٰ) اور ان کے بارہ حواریوں کی توقیر و تکریم میں انہیں صلیبوں سے باندھ کر اس طرح لٹکا دیتے کہ ان کے پاؤں زمین سے اوپر ہی رہیں۔ ان کے نیچے لکڑیاں ڈال دیتے اور آگ لگا کر زندہ جلا دیتے۔ ایک بار اپنی تلواروں کی دھار دیکھنے کے لئے ایک چوراہے میں بھی ان گنت مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر دیا۔ شہروں اور دیہاتوں کو تاراج کرتے ہوئے وہ

حاملہ عورتوں کو بھی نہ بخشتے۔ وہ ان کے پیٹ چیر دیتے۔ وہ جن پر رحم کھا کر انہیں بخشنا چاہتے انہیں اس حالت میں زندہ چھوڑتے کہ ان کے نیم بریدہ ہاتھ جلد کے سہارے لٹک رہے ہوتے۔" (بحوالہ نیو ورلڈ آرڈر از امجد حیات ملک)

ایک سردار صلیبیوں کے مظالم سے بھاگ کر کیوبا چلا گیا۔ 1511ء میں صلیبی وہاں بھی پہنچ گئے اور اسے گرفتار کر کے صلیب پر زندہ جلانے لگے۔ جب وہ سردار صلیب پر جل رہا تھا تو ایک عیسائی راہب نے اسے عیسائی کرنے کے لئے جنت کی نعمتوں کا ذکر شروع کر دیا جس پر اس سردار نے کہا "مجھے جہنم میں جانے دو تا کہ میں اس جگہ نہ جاؤں جہاں وہ (صلیبی) رہتے ہیں۔"

ان صلیبیوں نے ریڈ انڈینز کی نسل کشی کے لیے چیچک کے جراثیم تک استعمال کئے۔ ایک ریڈ انڈین جو امریکی فوج میں دو سال سے زیادہ عرصہ گزار چکا ہے اس نے بہت خوبصورت تبصرہ کیا ہے۔ "دریافت ہونے والے قدیم ترین انسانی ڈھانچوں کی باقیات دریائے کولمبیا کے کنارے آباد ریڈ انڈین ماہی گیروں کی تھیں۔ یہ امریکی کس قسم کے لوگ ہیں جو ہماری نسل کی پرانی ہڈیوں کی تلاش، ان کی حفاظت اور اس نسل کے طرز زندگی کے مطالعہ پر کروڑوں ڈالر خرچ کر دیتے ہیں مگر اسی نسل کے زندہ انسانوں کا گوشت نوچتے ہیں۔"

صلیبیوں کی عہد شکنی کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے ریڈ انڈینز کی مختلف قوموں کے ساتھ چار سو سے زیادہ معاہدے کئے مگر کسی ایک پر بھی عمل نہ کیا۔ مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ شکنی کی بھی یہی صورت حال ہے۔ صلیبیوں نے معاہدے کو ردی کاغذ کے ایک ٹکڑے سے زیادہ کبھی اہمیت نہیں دی۔

صلیبی خلیفہ "امریکہ" کا الزام ہے کہ سوڈان کی اسلامی حکومت غلاموں کی تجارت میں ملوث ہے۔ اقوام متحدہ کا ادارہ یونیسیف اس الزام کی تحقیقات کے بعد اپنی رپورٹ میں بتا چکا ہے کہ سوڈان میں بچوں اور عورتوں کے اغواء اور تجارت میں کرسچین سالڈ یریٹی انٹرنیشنل (CSI) ملوث ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام نے غلامی کے خاتمے کے لئے ایسے اقدامات کئے کہ اسلامی مقبوضات میں غلامی تقریباً ختم ہو گئی یا پھر غلاموں کو عام مسلمان شہریوں کے برابر حقوق مل گئے بلکہ بعض علاقوں میں حکمران تک بن گئے مگر تہذیب نو کی علمبردار صلیبی دنیا نے منظم طریقے سے غلاموں کی تجارت شروع کی اور چرچ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا۔ اس موضوع پر

یہاں زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے، صرف اتنا ہی کافی ہے کہ صلیبیوں نے غلاموں کی تجارت کے لئے افریقی ممالک پر باقاعدہ یلغار کی۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو بڑے پیمانے پر قتل، اغوا اور غلام بنایا۔ ہزار ہا انسانوں کو پکڑ کر زنجیروں میں باندھ دیا جاتا، بندوق بردار محافظوں کی نگرانی میں ساحلوں کی طرف پیدل لے جایا جاتا۔ بعض اوقات مسافت ایک ہزار میل تک ہوتی۔ ہر پانچ میں سے دو راستے میں ہی موت کا شکار ہو جاتے۔ پرتگال کے صلیبی حکمران ہنری دی نیوی گیز نے 1442ء میں اس کی ابتداء کی۔ اس کے بعد انگلینڈ، فرانس، اسپین اور دوسرے صلیبی ممالک بھی اس میں شامل ہو گئے۔ صرف برطانیہ کے 192 بحری جہاز اس تجارت کے لئے مخصوص تھے جو ہر چکر میں 47000 غلام لے جاتے تھے۔

ساحل سمندر پر غلاموں کو پنجروں اور کھوکھوں میں بند کر دیا جاتا۔ جب خریدار آتے تو انہیں میدان میں لایا جاتا جہاں جہاز کا سرجن ہر مرد و زن کو بالکل برہنہ کر کے معائنہ کرتا۔ تندرست غلاموں کو الگ کر کے ان کو مخصوص نشان سے داغ دیا جاتا۔ اس کے بعد انہیں جہازوں کے تہ خانوں میں اس طرح ٹھونسا جاتا کہ ہر ایک کے حصے میں کفن کے صندوق سے بھی کم جگہ آتی۔ یہاں وہ تاریکی، نمی اور کیچڑ میں زنجیروں سے بندھے ہوتے اور اپنے ہی بول و براز کے تعفن اور گھٹن سے ان کا دم گھٹتا رہتا۔ بعض اوقات عرشوں کی درمیانی اونچائی صرف اٹھارہ انچ ہوتی یعنی کندھوں کی درمیانی چوڑائی سے بھی کم، یوں پہلو بھی نہ بدلا جا سکتا اور تکلیف و گھٹن سے بے شمار غلام حواس کھو بیٹھتے۔ بے شمار دم گھٹنے سے مر جاتے۔ ایک عینی شاہد کے الفاظ ہیں "جہاز کا غلاموں کے لئے مخصوص عرشہ خون اور پیپ سے ایسے لتھڑا ہوتا جیسے یہ قصاب خانہ ہو۔" غلاموں کا ایک تاجر لکھتا ہے۔ "میں حاملہ عورتوں کو اس حالت میں بچوں کو جنم دیتے دیکھا جب کہ وہ زنجیروں سے بندھی ہوتی اور ان کے ارد گرد زنجیروں میں بندھی ہوئی لاشیں ہوتی تھیں جنہیں وہاں سے اس وقت تک ہٹایا نہ گیا ہوتا تھا۔" غلاموں کی اس تجارت میں صلیبی حکمران، پوپ اور پادری سب ملوث تھے۔ تھامس جیفرسن ایک سابق امریکی صدر لکھتا ہے "شاہ انگلینڈ اس مکروہ دھندے کے امتناع و تحدید کے لئے قانون سازی کی ہر کوشش کو دبانے کا مرتکب ہوا ہے۔" یاد رہے کہ تھامس جیفرسن خود بھی سینکڑوں غلاموں کا مالک تھا۔ ابراہیم لنکن جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ امریکہ کے سیاہ فام باشندوں کا نجات دہندہ

ہے۔ 1858ء میں اس نے ایک تقریر میں کہا ”میں اس چیز کے حق میں ہوں اور نہ کبھی تھا کہ ایک سفید اور کالی نسل کو برابر کر دیا جائے، اور یہ کہ میں نہ تو اس بات کے حق میں ہوں اور نہ کبھی تھا کہ حبشیوں کو رائے دہندہ بنایا جائے۔ اور نہ ہی انہیں کسی اسامی کے اہل قرار دینے اور نہ کسی سفید فام سے شادی کرنے کے قابل سمجھتا ہوں“ (اخذ و تلخیص از نیو ورلڈ آرڈر) یاد رہے کہ افریقہ سے اغواء کر کے غلام بنائے جانے والوں کی اکثریت مسلمان تھی جنہیں جبراً عیسائی بنالیا گیا مگر حقائق زیادہ دیر چھپائے نہیں جا سکتے، اب کئی تحقیقاتی رپورٹیں منظر عام پر آچکی ہیں کہ افریقہ سے اغوا کر کے لائے جانے والے زیادہ تر مسلمان تھے۔

ان صلیبیوں نے مسلمانوں پر ہی نہیں ہر غیر عیسائی قوم پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں۔ کوریا میں بیس لاکھ انسانوں کو ہلاک کیا۔ جاپان پر ایٹم بم برسائے، ویتنام پر 70 لاکھ ٹن بم گرائے جن سے دو کروڑ گڑھے پیدا ہوئے۔ فرانسیسی صلیبیوں نے 20 لاکھ ویتنامیوں کو قتل کیا اور تقریباً اتنے ہی ویتنامی امریکی صلیبیوں کے ہاتھوں مارے گئے یہودی جو آج صلیبیوں کے دست وبازو، دماغ اور اقتصادی ہڈی بنے ہوئے ہیں، خود یہ بھی صلیبیوں کے ہلاکت خیز مظالم سے نہیں بچے۔

صلیبیوں نے گزشتہ millenium میں ہر جگہ مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنا کر رکھی اور اب بھی صورت حال بدتر ہے۔ صلیبی خلیفہ کلنٹن کی قیادت میں صلیبی لٹیروں نے عسکری اور معاشی ہر دو میدانوں میں ظلم کا بازار گرم کیا ہوا ہے۔ ایٹمی پاکستان سمیت کسی بھی مسلمان ملک کے کٹھ پتلی حکمران کو یہ ہمت نہیں کہ وہ کسی مظلوم مسلمان کی انسانی ہمدردی کے نام پر بھی مدد کر سکے۔ نیٹو کے حملے تک کسووا کے مظلوم مسلمانوں کو ایک پائی کی امداد نہ ملی۔ عراق میں ادویات کی کمی کے باعث بچے مر رہے ہیں مگر کسی مسلمان ملک کے حکمران کو جرات نہیں کہ وہ عراقی بچوں کے لئے ادویات بھی بھیج سکے۔ کشمیر میں بھارت کی وحشی افواج قتل و عصمت دری کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں مگر کارگل سے مجاہدین کی واپسی کی دھمکی صرف پاکستان کو ملی، اس لئے کہ صلیبی دنیا میں مسلمان دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

اس سلسلے میں سابق امریکی صدر نکسن کے ایک مضمون کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

”میں امریکہ، روس، یورپ، جاپان، چین اور بھارت کو پر زور طریقے سے کہتا ہوں کہ ان کا فائدہ اس میں ہے کہ وہ مسلمان بنیاد پرستی کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف اپنی طاقتیں یکجا اور مرکوز کریں۔ مسلم ملکوں کی فوج، حکمت عملی، ان سب کی جغرافیائی پوزیشنیں، معدنی،

آبی، زرعی اور صنعتی وسائل کی فراوانی، ان کی وسیع منڈیاں اور ٹیکنالوجی میں ان کی حالیہ کامیابیاں ایک نہ ایک دن عالم اسلام کی قوت بن سکتی ہیں جو دنیا (غیر مسلم) کے لئے ایک سنگین خطرہ بن جائیں گی۔" امریکہ و یورپ اور دیگر صلیبی ممالک کی ایٹمی اور معاشی پالیسیاں بالکل صدر نکسن کی ہدایت کے مطابق ہیں۔ پوری اسلامی دنیا کو آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک نے جکڑا ہوا ہے۔ سعودی ولی عہد کے پاکستانی ایٹمی تنصیبات کے معائنہ کرنے پر بھی صلیبی خلیفہ چیخ اٹھتا ہے۔ ملائیشیا اور انڈونیشیا معاشی میدان میں آگے بڑھتے ہیں تو سازش کر کے بحران پیدا کر دیا جاتا ہے۔ ان حالات میں جب صلیبی دشمن اس قدر سنگدل، وحشی، ظالم اور سفاک ہے تو پھر مسلمان اس کی خوشیوں میں شریک ہونے کے لئے کیوں بے قرار ہیں۔ صلیبیوں کے منصوبے خفیہ نہیں ہیں بلکہ اخبارات و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں کہ وہ اکیسویں صدری میں پوری دنیا کو صلیب تلے لانے کا پروگرام بنا چکے ہیں۔ عیسائی مشنریوں کا سالانہ بجٹ کھربوں ڈالر ہے۔ یہ مشنریاں اس قدر با اثر ہیں کہ بنگلہ دیش میں ان کے دباؤ پر 500 سے زیادہ دینی مدارس بند کر دیئے گئے ہیں۔ انڈونیشیا میں انہوں نے طوفان مچایا ہوا ہے اور مسلمانوں کو بھیڑ بکریوں کے گوشت کی طرح کھا رہے ہیں۔ افریقی ممالک میں بھی ان کی سرگرمیاں انتہائی خوفناک ہیں۔ سوڈان، صومالیہ، اریٹریا میں صلیبیوں کی دہشت گرد کاروائیاں کسی سے چھپی ہوئی نہیں۔ صرف بھارت کے ہندؤوں نے ان کے راستے میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو انہوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ہزاروں مسلمانوں کو بھارت میں زندہ جلایا گیا مگر کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی مگر تین صلیبی مشنریوں کے مارے جانے پر صلیبی دنیا میں طوفان آ گیا۔ سوچیں، تدبر و تفکر کریں کہ کیا مسلمانوں کو خونخوار صلیبی بھیڑیوں کی خوشیوں میں شریک ہونا چاہئے۔ جب ہر گرجے میں اور ہر صلیبی پارلیمنٹ میں عہد کیا جائے گا کہ صلیب کو دنیا پر غالب کرنا ہے، دنیا کے ہر فرد کو عیسائی بنانا ہے تو کیا مسلمانوں کو آمین کہنا چاہئے۔ عیسائی تو اس millenium کو اسی عہد و عزم کے ساتھ منا رہے ہیں۔ مسلمان دانشوروں اور علماء کو سوچنا چاہئے کہ وہ عیسائی millenium کو کیسے منا سکتے ہیں۔ دکھ یہ ہے کہ مسلمانوں نے پندرہوں صدی ہجری کا استقبال بھی اس پر جوش طریقے سے نہیں کیا تھا جس طرح وہ عیسائی millenium کے لئے پر جوش ہیں۔ جس ملک کا حکمران صلیبی خلیفہ کی خوشنودی کی خاطر جمعہ کی چھٹی منسوخ کر کے اتوار کی چھٹی رائج کرے گا اور علما حمایت کریں گے تو وہاں کے عام

''مسلمانوں کو جشن صلیب میں شرکت سے کیسے روکا جا سکتا ہے۔ جس ملک کے دانشور ''مسلمانوں سے نفرت وحقارت کے اظہار کے لئے شروع کی گئی پتنگ بازی'' کو موسمی تہوار کہہ کر اسلامی کلچر کا حصہ بنائیں گے اور علماء خاموش رہیں گے وہاں جشن صلیب سے لاتعلقی کا اظہار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

برادران اسلام! غور کریں کہ کروڑ ہا غیرت مند مسلمان جو صلیبی کفر کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں، لاکھوں دوشیزائیں جو صلیبیوں کے ہاتھوں بے عصمت ہوئیں ان کی روحیں جب جشن صلیب میں شرکت پر ہم سے سوال کریں گی تو ہم اپنی بے غیرتی کا کیا جواز پیش کریں گے۔ سنہ عیسوی جو مسلمان حکمرانوں کی صلیبی طاقتوں کے ساتھ وفاداری کے باعث سنہ کے طور پر رائج ہو چکا ہے، اسے اپنانا تو مجبوری ہو سکتا ہے مگر جشن صلیبی millenium میں شرکت کی کیا مجبوری ہے۔

قابل احترام سامعین! جشن صلیبی millenium کے ہم نوا بعض دانشور یہ سوال پیدا کر سکتے ہیں کہ سن ہجری ناقص ہے، قمری مہینوں کے ایام کی تعداد کا قبل از وقت پتہ نہیں چل سکتا اس لئے اس کے مطابق کارہائے دینا انجام دینا مشکل ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اب ایام کی تعداد معلوم کرنا مشکل نہیں رہا اور دوسری بات یہ ہے کہ بارہ صدیوں سے زیادہ عرصہ تک مسلمان سن ہجری کے مطابق ہی کام کرتے رہے اور انہیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ اسلامی تاریخ کی ساری کتابیں دیکھ لیں سن ہجری کے مطابق ہی لکھی ہوئی ملیں گی۔ اس کے باوجود ہمارا کہنا یہ ہے کہ سن ہجری اگر نافذ نہیں اور سن عیسوی کو اپنانا عالمی مجبوری ہے تو پھر بھی جشن millenium منانے کا کوئی جواز نہیں۔ یاد رکھیں کہ صلیبیوں کو تعلیمات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی غرض نہیں۔ عیسائیوں کا مذہب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب سے بالکل مختلف ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے پیروکار صرف مسلمان ہیں۔ کوئی فرد اس وقت تک مسلمان ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا پیغمبر تسلیم نہ کرے۔ عیسائیت تعلیمات عیسیٰ علیہ السلام سے کوسوں دور شرک سے لبریز مذہب ہے اس لئے یہ لوگ انتہا کے وحشی اور ظالم ہیں۔ بنی نوع انسان کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ ان کی مادی ترقی نے اخلاقیات کو چھین لیا ہے۔ انہوں نے علم سائنس کو صلیبی سائنس میں بدل کر بنی نوع انسان کے لئے زہر قاتل بنا دیا۔ ایٹمی جنگ کا خوف، بے حیائی، اللہ سے دوری، ماحولیاتی آلودگی، ظلم وتشدد کے

نت نئے طریقے ان کے کارنامے ہیں۔ انہوں نے جو چند مفید ایجادات کیں ان سے بھی انسانی بھلائی کا کم اور تباہی کا زیادہ کام لیا جا رہا ہے۔ بیسویں صدی مکمل طور پر عیسائیوں کی صدی اور ظلم و جبر سے لبریز صدی تھی، وحشت و درندگی کی صدی تھی، اکیسویں صدی کو بھی وہ ایسی ہی صدی بنانا چاہتے ہیں۔ پہلے کی نسبت ان کے پاس وسائل بھی زیادہ ہیں، جدید ترین اسلحہ سے بھی لیس ہیں، ان کی معاشی گرفت بھی مضبوط ہے، صلیبی مشنریوں ہی کی نہیں ایجنٹوں کی تعداد بھی کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اکیسویں صدی مسلمانوں کے لئے بڑی آزمائش کی صدی ہوگی۔ مسلمانوں کے لئے جشن millenium میں شرکت کا راستہ درست نہیں بلکہ وہ راستہ صحیح راستہ ہے جو بارہویں صدی عیسوی میں نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی نے اختیار کیا تھا یعنی متحد ہو کر صلیبیوں سے ٹکرانے اور اسلامی مقبوضات آزاد کرانے کا راستے۔ اگر اس millenium کو منانا ہی ہے تو جشن کے طور پر نہیں بلکہ اس عہد وعزم کے ساتھ منائیں کہ اس millenium کو صلیبی ظلم و جبر کا millenium نہیں بننے دیں گے۔ دنیا کو صلیبی تسلط سے آزاد کرا کر بنی نوع انسان کو جنت کا راستہ دکھائیں گے۔

برادران گرامی!

صلیبی مظالم کے حقائق و واقعات انتہائی تلخیص سے بیان کئے گئے ہیں اور ان گنت دلخراش واقعات چھوڑنے بھی پڑے ہیں کیونکہ ایک مختصر تقریر میں سب کے بیان کی گنجائش ممکن نہیں۔ اس گفتگو کا مقصد تو آپ کو صلیبی مظالم کی جھلکیاں دکھا کر یہ احساس دلانا ہے کہ جشن صلیب میں کسی طرح کی بھی شرکت غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ ان مظالم کی روشنی میں لوگوں کو حقائق سے آگاہ کریں اور انہیں ہزار سالہ صلیبی جشن کی تقریبات منعقد کرنے یا ان میں شریک ہونے سے روکیں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ جاپانیوں نے اڑھائی سو سال تک صلیبیوں کا اپنے ملک میں داخلہ بند رکھا اور یہی اڑھائی سو سالہ عہد امن و استحکام کے لحاظ سے جاپان کی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا گیا ہے۔ اور شاید تاریخ عالم میں کسی بھی ملک کو امن و استحکام کا اتنا طویل دور نصیب نہیں ہوا۔ اہل پاکستان کو بھی امن و استحکام اور خوشحالی و ترقی اسی صورت میں نصیب ہو سکتی ہے کہ اپنے آپ کو صلیبیوں سے آزاد کر لیں اور ایسی قیادت کا انتخاب کریں جو امریکہ کے بجائے اللہ سے ڈرنے والی ہو۔ (وما علینا الا البلاغ)

شکریہ (تحریر جناب ملک احمد مسرور)

باب نمبر 2

چیچنیا میں مسلمانوں کا قتل عام

چیچنیا ایک تعارف

رقبہ : (تقریباً) ۱۸ ہزار مربع کلومیٹر
آبادی : ۱۲ لاکھ (۱۹۸۳ء)
روسی ۳۵ فیصد چیچن اور قفقازی مسلمان ۶۰ فیصد

(روسی یہاں کے مقامی باشندے نہیں ہیں بلکہ انہیں کمیونسٹ دور میں اور قبل ازیں زاروں کے زمانہ میں لا کر بسایا گیا تھا)

آبادی کا ۵۷ فیصد حصہ جمہوریہ کے پانچ بڑے شہروں میں مقیم ہے، زیادہ تر آبادی دارالحکومت گروزنی (۴ لاکھ) میں رہائش پذیر ہے۔

(جنگ کے بعد گروزنی تقریباً تباہ ہو گیا ہے اور آبادی شہر چھوڑ گئی ہے)

معیشت:۔

پیٹرولیم جمہوریہ کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، تیل کے زیادہ تر کنویں گروزنی، وادی شنز ھا اور گداس کے درمیان واقع ہیں۔

صنعتیں:۔

تیل صاف کرنے کی تنصیبات، تیل کے لئے مشینری بنانے کے مراکز، فرنیچر، قالین سازی، آلات موسیقی اور غذائی اشیاء تیار کرنے کے کارخانے۔ (زیادہ تر گروزنی میں)

زراعت:-

زراعت زیادہ تر دریائے تیرک کے کنارے، وادی شنزھا اور وادی الکان میں ہوتی ہے۔

ٹرانسپورٹ:-

یہاں ٹرانسپورٹ کا بڑا نظام ریلوے سے منسلک ہے جو تیرک وادی شنزھا کو ملاتی ہوئی استراخان اور بحیرہ اسود تک جاتی ہے۔

گروزنی سے سڑکوں کا جال اندرون ملک اور دوسری ریاستوں کو ملاتا ہے۔

قبل از اسلام:-

چیچن اور انگش لوگ قفقاز (کوہ قاف) کی قدیم کوہستانی نسلوں سے تعلق رکھنے والے باشندے ہیں، ان کی قدیم آبادیوں میں عیسائی عبادت گاہوں کے جو چند آثار پائے جاتے ہیں، ان سے ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی کے دوران میں ہمسایہ ریاست جارجیا کے اثرات کی وجہ سے چیچن لوگوں کے ایک حصے نے عیسائی مذہب قبول کرلیا ہوگا۔ چودھویں صدی عیسوی میں یہ لوگ پہاڑوں سے نیچے اترے اور دریائے ارگن اور مینکش کے کناروں پر میدانی علاقوں میں آباد ہونا شروع ہوئے۔ آبادی کا ایک حصہ اب بھی پہاڑوں پر بسیرا کرتا ہے۔

آمد اسلام:-

شمالی قفقاز (کوہ قاف) میں اسلام اس وقت متعارف ہوا جب آٹھویں صدی عیسوی میں عربوں نے ابومسلم کی قیادت میں اس علاقے کو فتح کیا اور خزر قوم کو وہاں سے بھگایا۔ خزر ترکی النسل قوم تھی اور اس قوم نے چھٹی صدی عیسوی میں اس سے قبل ایران کے ساسانی خاندان کی افواج کو مار بھگایا تھا۔ یہاں اسلام کی اشاعت کا سلسلہ اگلی گیارہ صدیوں تک جاری رہا۔ اس علاقے کو معاہدۂ گلستان کے تحت ایران سے کاٹ کر ۱۸۱۳ء میں روس کے سپرد کردیا گیا۔ مگر روسی یہاں پر انیسویں صدی کے آخری عشرے تک امن بحال کرنے کے قابل نہ ہوسکے تھے۔

قفقاز کے علاقے میں مختلف عقائد کے ماننے والے بستے تھے اور اسی لئے تبدیلی مذہب کا عنصر یہاں عام تھا۔ اہل داغستان نے ۱۰۰۰ء میں قدرے تاخیر سے اسلام قبول کیا۔

سرہ کھو لوگوں نے کریمیا کے تاتاروں اور عثمانی ترکوں کے ذریعے پندرھویں اور سترھویں صدی عیسوی کے درمیان اسلام قبول کیا۔ جبکہ انگش لوگ انیسویں صدی کے درمیانی اور آخری عشروں میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

روسیوں کی آمد:۔

روسی شروع سے ہی توسیع پسندانہ عزائم کے حامل رہے ہیں۔ ان کی توسیع پسندی کی تاریخ بہت طویل ہے۔ ماضی میں روس اپنے آپ کو عیسائیت کے علمبردار اور محافظ کی حیثیت سے مسلم علاقوں کو ہڑپ کرتا رہا۔ اشتراکی انقلاب کے مکمل استحکام اور پورے وسطی ایشیا اور قفقاز کے علاقہ پر قبضہ کے بعد افغانستان دور جدید میں روسی اشتراکی استعمار کا نشانہ بنا اور اب چیچنیا پھر اس کی جارحیت کا شکار ہوا ہے۔

روسیوں کو شدید ترین مزاحمت کا سامنا قفقاز میں کرنا پڑا، اگرچہ اس جارحیت کا آغاز بڑی ہی سازگار فضا میں ہوا۔ قفقاز کے پہاڑ اور وادیاں سولہویں صدی تک شیعہ ایران اور سنی ترکی کی روایتی دشمنی کی آماجگاہ بنی ہوئی تھیں۔ استراخان میں قدم جمانے کے بعد روس بھی دعویدار بن گیا لیکن یہ دونوں اسے نظرانداز کر کے آپس میں لڑتے رہے۔ اس اجنبی دعویدار کی مسلمان علاقوں میں فاتحانہ یلغار نے بھی ان کی آنکھیں نہ کھولیں۔ روایتی دشمنی نے انہیں اس کے خلاف متحد نہ ہونے دیا۔ خود روسیوں نے بھی اپنے سیاسی حربوں سے ایسی فضاء پیدا نہ ہونے دی کہ وہ ٹھنڈے دل و دماغ سے اس کشمکش کا انجام سوچتے جو ان کے درمیان جاری تھی۔ ادھر اکثر ملکی امیروں اور سرداروں کی بصیرت کا یہ عالم تھا کہ وہ ان تینوں میں سے کبھی دوسرے اور تیسرے سے اور بزعم خویش عارضی مفادات سے اپنی جھولیاں بھرتے۔ یوں ایک جانب ایران اور ترکی اپنی قوت ضائع کرتے رہے، دوسری جانب مقامی امیر اور سردار ڈپلومیسی کے ایسے گرداب میں گرفتار رہے جس کا آخری نتیجہ تباہی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایسے عالم میں روسی افواج شمالی قفقاز میں داخل ہوئیں۔ میدانی علاقے میں روسی فوجوں کو کچھ زیادہ مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا لیکن جیسے جیسے وہ پہاڑوں میں داخل ہوتی گئیں۔ مزاحمت شدید سے شدید تر

ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ وہ ان میں پھنس کر رہ گئیں۔ یہاں پہلی بار روسیوں کو بہادر جنگ آزماؤں سے واسطہ پیش آیا اور انہیں سرنگوں کرنے میں تقریباً پون صدی سے زائد عرصہ لگ گیا۔ خصوصاً داغستان میں تو انہیں ایک ایک چپے کے لئے خون کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ حریت پسند امیروں نے ہتھیار ڈال دیئے تو مریدیہ تحریک کے مشائخ نے پرچم سنبھال لیا۔ ۱۷۸۰ء میں ایک چیچن، امام شیخ منصور کی قیادت میں شمال قفقاز میں روسی تسلط کے خلاف مزاحمتی تحریک چلی۔ شیخ منصور نے بھرپور طریقے سے اس مزاحمتی تحریک کی قیادت ۱۷۸۰ء سے ۱۷۹۱ء تک کی مگر ۱۷۹۱ء میں امام منصور گرفتار کر لئے گئے۔ دوران اسیری امام منصور جاں بحق ہو گئے مگر ان کے پیروکاروں نے زاروں کے خلاف کچھ عرصہ تک جدوجہد جاری رکھی۔

امام شاملؒ:۔

امام شاملؒ کا تعلق داغستان سے تھا۔ وہ ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۳۰ء میں تحریک مریدیہ میں شامل ہوئے۔ غازی محمد کی قیادت میں یہ تحریک روسیوں سے نبرد آزما تھی۔ اسی تحریک نے ۱۸۱۳ء میں رسمی طور پر داغستان کا کنٹرول ایران سے حاصل کر لیا تھا۔ ۱۸۳۲ء میں غازی محمد روسیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تو ان کی جگہ قیادت غمزت بیگ نے سنبھالی مگر انہیں اپنے پیروکاروں کے ہاتھوں موت سے ہمکنار ہونا پڑا۔ امام شامل اس تحریک کے تیسرے قائد کے طور پر چنے گئے۔ ۱۸۳۴ء میں داغستان میں ایک آزاد مملکت کی تشکیل کے بعد امام شامل نے داغستان اور چیچنیا میں اپنی افواج کی تشکیل نو کی اور اس میں اضافہ بھی کیا۔ پھر ان افواج کی قیادت کرتے ہوئے خطہ قفقاز میں روسی ٹھکانوں پر وسیع حملوں کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۸۳۸ء میں روسیوں نے امام شامل کی افواج کو کچلنے کے لئے نئی مہمات روانہ کیں۔ اگرچہ روسیوں نے مسلم افواج کے مضبوط گڑھ اہلگو (Ahlgo) پر قبضہ تو کر لیا مگر وہ شامل کو گرفتار نہ کر سکیں اور امام شامل یہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ روسی افواج امام شامل کے علاقوں اور قلعوں کو فتح کرنے اور وسیع کنٹرول حاصل کرنے کے باوجود امام شامل کو گرفتار نہ کر سکیں۔

امام شامل کے پیروکار ۱۸۳۰ء سے ۱۸۵۹ء تک ایک ایک گاؤں، ایک ایک وادی اور ایک ایک گھاٹی کے لئے لڑتے رہے اور انہیں شکستوں پر شکستیں دیں۔

[illegible] یہاں تک کہ ایک روسی جرنیل کو اعتراف کرنا پڑا کہ ان پہاڑوں میں ہم نے جتنی جانیں گنوائیں اور جتنے بے پناہ وسائل اور قوتیں صرف کیں۔ ان سے ہم ہندوستان اور جاپان تک پھیلے ہوئے ملک فتح کر سکتے تھے۔

امام شامل جن کی شہرت پورے مغربی یورپ میں پھیل چکی تھی اور جن کی بہادری کے قصے خود اپنے لوگوں میں مقبول ہو گئے تھے، کو کچلنے کے لئے ۱۸۵۷ء میں روسیوں نے مصمم ارادہ کر لیا، بہترین ہتھیاروں سے لیس ایک بڑی فوج جنرل این آئی ایودو کیموف اور اے آئی بریاتنسکی کی قیادت میں بھیجی گئی۔ جس نے چاروں طرف سے امام شامل کی فوج پر حملہ کیا، مسلسل فتوحات روسیوں کو حاصل ہو رہی تھیں اور امام شامل کے فوجی لڑتے لڑتے تھکتے چلے جا رہے تھے۔ نتیجتاً بہت سے گاؤں اور قبائل روسیوں کے زیر نگیں آ گئے۔ روسیوں نے ان فتوحات کے حصول کے لئے داغستان کو ہر قیمت پر جلد سے جلد فتح کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور فوجوں کا بڑا حصہ پہاڑوں میں جھونک دیا تھا۔ روس کے فوجی دماغوں نے جو خوفناک ہتھکنڈے اختیار کیے۔ ان سے رفتہ رفتہ پانسہ پلٹنے لگا۔ روسی فوجوں نے بہادروں کی طرح مقابلے سے عاجز آ کر قتل و غارت اور دہشت گردی شروع کر دی۔ گاؤں کے گاؤں تباہ کر دیئے۔ جنگل اور باغ کاٹ ڈالے کہ یہی مجاہدین کے لئے دفاعی مورچوں اور حملہ آور ہونے کے لئے دشمن کی نگاہوں سے محفوظ کمین گاہ کا کام دیتے تھے ان کے کٹ جانے سے مجاہدین کے علاقے اور دیہات غیر محفوظ اور کور (cover) سے محروم ہو گئے۔ اب روسی رات کے اندھیرے میں ڈاکوؤں کی طرح حملہ آور ہوتے اور دیہات کو آگ لگا دیتے، عورتوں اور بچوں کو مار ڈالتے یا پکڑ کر لے جاتے، فصلیں کھلیان اور درخت نذر آتش کر دیتے۔ عام آبادی دہشت گردی اور ظلم و تشدد سے بچنے کے لئے پہاڑوں میں چھپنے پر مجبور ہو جاتی تو ان کی جگہ روسی آباد کار آ بستے اور قلعے اور گڑھیاں تعمیر ہو جاتیں، اس طرح روسی آبادی کے ساتھ ساتھ روسی قلعہ بندیاں بھی اندرون ملک اس طرح پھیلتی چلی جاتیں کہ مجاہدین کی نقل و حرکت دشوار تر ہو جاتی۔ نتیجہ یہ کہ مجاہدین کی مزاحمت ٹوٹنے لگی اور علاقوں پر علاقے ان کے ہاتھ سے نکلنے لگے۔ روسیوں کے سفاکانہ اقدامات کی تاب نہ لا کر مقامی قبائل مجاہدین کا ساتھ چھوڑنے لگے اور اپنے آپ کو روسی افواج کے حوالے کرنے لگے۔ روسی افواج کا مجاہدین کے گرد حلقہ روز بروز تنگ تر ہوتا گیا۔ یہاں

تک کہ تحریک کے آخری امام شامل اور ان کے مٹھی بھر ساتھی داغستان کے آخری گاؤں غمری میں محصور ہو گئے جہاں انھوں نے آخری گولی تک روسی فوج کا مقابلہ کیا۔ اور پھر اپنے بچے کھچے ساتھیوں سمیت ۶ ستمبر (پرانے رواج کے مطابق ۲۵ اگست) ۱۸۵۹ء گرفتار کر لئے گئے اور ان کے بہت سے ساتھی آرمینیا کی طرف ہجرت کر گئے۔

امام شامل کو گرفتار کر کے سینٹ پیٹرزبرگ لے جایا گیا جہاں سے انہیں ماسکو کے جنوب میں کلاگا کے مقام پر جلا وطن کر دیا گیا۔ زار روس کی اجازت سے ۱۸۷۰ء میں انھوں نے یہاں سے چلے جانے کی اجازت چاہی اور پھر حج کیا۔ وہیں مدینہ منورہ میں مارچ ۱۸۷۱ء میں آپ نے جان، جان آفرین کے سپرد کی۔

روس کے زیر سایہ:۔

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ روسیوں کے لئے چیچنیا وغیرہ میں مداخلت اور بعد ازاں اسے تاراج کرنا کوئی آسان مرحلہ نہ تھا۔ جب روسی فوجی پہلی بار یہاں پہنچے تو انھوں نے اس علاقے کو چیچنیا کا نام دیا اور یہاں کے باشندوں کو چیچن کے نام سے منسوب کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں کے باشندے اپنے دیس کو شیشان اور اپنی قومیت کے لئے تو خچی کا لفظ استعمال کرتے تھے اور آج بھی یہی الفاظ رائج ہیں۔ روسیوں کی مداخلت بڑھتی چلی گئی۔ گروزنی جو کہ چیچنیا کا دارالحکومت ہے، یہ لفظ بھی روسی زبان کا ہے اور اس کے معنی ہولناک اور ہیبت ناک کے ہیں اور اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ روسیوں کو نہایت ہولناک اور ہیبت ناک نتائج کے بعد یہ علاقہ ہاتھ لگا تھا، شیشانیوں کو زیر نگیں لانے کے لئے ۱۸۱۷ء سے ۱۸۶۴ء کے درمیان چالیس سال تک روسیوں کو برسر پیکار رہنا پڑا۔ (ٹائم ۲۶ دسمبر ۹۴ء) بہرحال امام شامل کی پسپائی اور گرفتار کے بعد سے یہ پورا خطہ روس کے زیر نگیں آ گیا۔ شکست کے بعد روسی زاروں کے ماتحت رہنے والا یہ علاقہ ۲۰۔ ۱۹۱۷ء کے عرصہ میں روس میں انقلاب کے اثرات کے سبب کشمکش میں مبتلا رہا۔ اس مقصد کے لئے اس نے شمالی اوسیتیا داغستان اور انگشتیا کی جانب سے چیچنیا پر فوج کشی کی۔ ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں، بیلی کاپٹروں، توپ خانے اور طیاروں کی مدد سے روسی افواج نے چیچنیا پر چڑھائی کر دی۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس دوران میں یہ مداخلت کی گئی اس وقت شمالی اوسیتیا کے دارالحکومت ولادی قفقاز میں چیچن حکومت اور روسی

نمائندے کے درمیان امن مذاکرات جاری تھے۔ ابتدائی طور پر روس نے دس سے پندرہ ہزار روسی فوجی جارحیت کے لئے روانہ کیے گئے۔

اس موقع پر کہ جب جارحیت کی گئی تو روس کی آلہ کار اپوزیشن کے ترجمان سگمار روف نے اس جارحیت کی توجیہ یوں بیان کی کہ "روس کا منصوبہ یہ ہے کہ گروزنی کا محاصرہ کر کے دودیف کو الٹی میٹم دیا جائے۔ روسی وزارت داخلہ کی یہ افواج دراصل چیچنیا میں قانونی حکومت کو بحال کرانے میں مدد دینے کے لئے آئی ہیں۔"

روس نے گروزنی پر چڑھائی کے حوالے سے کہا کہ اس کا مقصد گروزنی پر قبضہ کرنا نہیں ہے بلکہ دودیف کی حامی اور مخالف قوتوں کو غیر مسلح کرنا ہے۔ حالانکہ یہ بالکل بے سروپا قسم کا بیان تھا کیونکہ روس تو شروع سے ہی اپوزیشن کو مسلح کرتا چلا آیا تھا۔ دراصل مقصد یہ تھا کہ پہلے اپوزیشن کو مضبوط کیا جائے اور اس کے ذریعے دودیف حکومت کو گرایا جائے۔ بعد میں اپوزیشن کو اپنے زیر دام لایا جائے۔ سامراجی ذہن کے تحت کی جانے والی مداخلت نے روسیوں کے اوسان خطا کر دیئے تھے اور اسی وجہ سے وہ اوٹ پٹانگ اعلانات اور بیانات دے رہے تھے۔

بہر حال روس کی کھلی مداخلت کے فوراً بعد ہی جہاں جہاں روسی افواج گئیں وہاں انہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں یہ نکتہ بھی نہایت دلچسپ ہے کہ جس وقت روسی افواج انگشتیا سے گزر کر چیچنیا کی جانب بڑھ رہی تھیں تو اس وقت انگشتیا کے مسلمانوں نے روسی فوجی قافلوں کے راستے میں رکاوٹ ڈالی تا کہ یہ افواج چیچن مسلمانوں کا خون نہ بہا سکیں یا پھر یہ کہ کم از کم ان روسی افواج کو مسلمانوں کے جذبات کا اندازہ ہو سکے۔ اس رکاوٹی عمل میں روسی افواج نے مسلمان شہریوں پر ٹینکوں سے گولے برسائے جس سے متعدد مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔

روسی افواج نے اندھا دھند گولہ باری اور فضائیہ سے بمباری کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر اسے شدید مزاحمت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ روسی ہیلی کاپٹر اور روسی جنگی طیارے اگرچہ ۲۹ رنومبر (۹۴ء) کو بھی ہمر کاری (چیچن) افواج نے گرائے تھے، تاہم ۱۴ دسمبر کو بھی چیچن افواج نے روسی ہیلی کاپٹر گرائے۔

چند روسی جرنیلوں کا جارحیت جاری رکھنے سے انکار

جب روسی فوجوں کو چیچنیا میں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور کثیر تعداد میں روسی فوجی

ہلاک ہونے لگے تو ۱۶ دسمبر کو ایک روسی جنرل نے ایک ہزار آبادی والے چیچن گاؤں میں لڑنے سے انکار کر دیا۔ اکثر روسی فوجیوں میں دراصل لڑنے کا حوصلہ نہیں تھا۔

ڈیڑھ سو برس سے بھی پرانی بات ہے کہ روسی زاروں کی فوج کے ایک افسر میخائل لر مونتوف جو ایک شاعر بھی تھا، نے چیچن لوگوں کی تندخوئی کے بارے میں منظوم انداز میں لکھا تھا کہ

"گہرے کھڈوں میں بسنے والے وہ قبائل کتنے وحشی ہیں ان کا دیوتا ہے آزادی، اور قانون ہے جنگ ان کا۔"

چیچن مجاہدین کی فتح

بالآخر چیچن مجاہدین اور روس کے درمیان امن سمجھوتہ طے پا گیا۔ سمجھوتے پر چیچن مجاہدین کی جانب سے کمانڈر اسلان مخادوف اور روس کی جانب سے روس کی قومی سلامتی سے متعلق کونسل کے سربراہ جنرل لیبڈ نے دستخط کئے۔ سمجھوتے کے بعد جاری کئے گئے مشترکہ اعلامئے میں کہا گیا ہے کہ چیچنیا کا مسئلہ سیاسی طریقہ سے حل کیا جائے گا۔ اگرچہ سیاسی مبصرین نے امن سمجھوتے کو تاریخی قرار دیا ہے لیکن سمجھوتے کے کئی پہلو ایسے ہیں جنہیں مبہم قرار دیا جاسکتا ہے۔ چیچن مجاہدین کے لئے اہم ترین بات یہ تھی کہ چیچنیا کا سیاسی مستقبل کیا ہوگا تاہم سمجھوتے کی رو سے یہ طے پایا ہے کہ اس ضمن میں ۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء تک کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے۔ البتہ سمجھوتے کے مسودے میں کہیں اس امر کا ذکر نہیں ہے کہ چیچنیا روس کا حصہ ہے، مطلب یہ کہ چیچنیا ۳۱ دسمبر ۲۰۰۱ء تک نہ آزاد ریاست ہوگا اور نہ روس کا حصہ۔ تاہم جنرل لیبڈ نے سمجھوتے پر دستخط کے بعد کہا کہ چیچنیا کے سیاسی مستقبل کے بارے میں آئندہ ایک سال میں کوئی فیصلہ کر لیا جائے گا اور بقول ان کے اس سلسلہ میں ریفرنڈم کے ذریعہ چیچنیا کے عوام کی رائے معلوم

کی جائے گی۔

سابق سوویت یونین کے سابق صدر میخائل گورباچوف نے افغانستان کو روس کے لئے رستا ہوا زخم قرار دیا تھا لیکن روس کی قیادت کو معلوم نہیں تھا کہ انہیں افغانستان کے بعد بہت جلد ایک اور رستے ہوئے زخم سے واسطہ پڑے گا۔ روس نے چیچنیا کے مجاہدین کی مزاحمت کو کچلنے کی ہر ممکن کوشش کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۲۰ ماہ کی جنگ میں ۵۰ ہزار سے زیادہ چیچن مجاہدین اور شہری جاں بحق ہوئے اور چیچنیا کا دارالحکومت گروزنی ملبے کا ڈھیر بن گیا لیکن چیچن مجاہدین نے اپنی شجاعت سے چیچنیا کی سرزمین کو روس کے فوجیوں کے لئے دلدل بنا کر رکھ دیا اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی دوسری بڑی طاقت ان مجاہدین سے امن سمجھوتے پر مجبور ہوگئی جنہیں وہ چند ہفتے پہلے تک ڈاکوؤں کے گروہ قرار دے رہی تھی۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مذکورہ بالا امن سمجھوتہ چیچن مجاہدین کی شاندار اخلاقی، سیاسی اور عسکری فتح کی حیثیت رکھتا ہے۔

چیچن مجاہدین کے کمانڈر اسلان مخادوف نے سمجھوتے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم ہمیشہ قیام امن کے لئے کوشاں رہے لیکن ہمیں گزشتہ ۲۰ ماہ کے دوران کوئی مناسب شخص نہ مل سکا لیکن بالآخر جنرل لیبڈ کی صورت میں ایسی شخصیت میسر آ گئی جو چیچنیا میں امن چاہتی ہے۔

اس تبصرے کے حوالے سے دیکھا جائے تو روس کی جانب سے امن سمجھوتے کا سارا کریڈٹ جنرل لیبڈ کو جاتا ہے اور اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ جنرل لیبڈ نے امن سمجھوتے کو ممکن بنانے کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے گزشتہ پندرہ دن میں چیچنیا کے پانچ مسلسل دورے کئے۔ جنرل لیبڈ کی یہ امن پسندی بلا سبب نہیں ہے۔ وہ روس کی سیاست میں ایک بڑی سیاسی شخصیت بن کر ابھرنا چاہتے ہیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ اس بار چیچن مجاہدین نے گروزنی میں روس کے دس سے پندرہ ہزار فوجیوں کو محاصرے میں لے لیا تھا اور اگر روس حملہ کرتا تو خواہ چیچن مجاہدین کا کچھ ہو جاتا روس کے ان فوجیوں کا زندہ بچنا محال تھا اور اتنا بڑا جانی نقصان نیم جمہوری روس میں طوفان برپا کر کے رکھ دیتا۔

اگرچہ فریقین کے درمیان سمجھوتہ طے پا گیا ہے لیکن روس میں امن سمجھوتے کے مخالفین کی کوئی کمی نہیں اور وہ اس سمجھوتے کے پرزے اڑانے کے سلسلہ میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے۔ سمجھوتے کے مخالفین کا خیال ہے کہ سمجھوتے کے ذریعہ چیچنیا کی آزادی کی راہ ہموار کرائی گئی ہے اور اگر چیچنیا آزاد ہو گیا تو روس کے مزید ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس لئے ان کا کہنا ہے

نزِ مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ چیچن مجاہدین کو تہس نہس کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ سمجھنا غلط ہو گا کہ سمجھوتے پر آسانی کے ساتھ عمل درآمد ہو جائے گا۔ جنرل لیبڈ نے سارا کھیل روسی عوام کے ردعمل کی بنیاد پر کھیلا ہے۔ روس کی فوج اور روس کے اعلیٰ اہلکار خواہ کچھ بھی چاہتے ہوں روس کے عوام اپنے بیٹوں کو چیچنیا کی جنگ میں جھونکنا نہیں چاہتے، لیکن جنرل لیبڈ کی پوزیشن ابھی تک بہت مستحکم نہیں ہے اور سمجھوتے کے مخالفین جنرل لیبڈ کی قربانی دے کر کسی بھی مرحلے پر سمجھوتے کے منکر ہو سکتے ہیں۔ صدر یلسن نے اگرچہ سمجھوتے کو تسلیم کر لیا ہے لیکن جنرل لیبڈ کو ہدایت کی ہے کہ وہ سمجھوتے کے تمام پہلوؤں کی تفصیلات ان کے سامنے پیش کریں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ روس کے صدر نے سمجھوتے کی تفصیلات پر اعتراض کرنے کا حق محفوظ کر لیا ہے۔

چیچنیا میں روس کے دلخراش مظالم

روس چیچنیا میں اپنے مظالم کی تاریخ دہرا رہا ہے۔ وہی مظالم جو زاروں کے دور میں مسلمانوں پر ہوئے اور جو کمیونسٹ دور میں بھی جاری رہے۔ جو اس کے ہم عقیدہ سربیا نے بوسنیا اور کسووا میں کئے۔

امریکہ کی حقوق انسانی ایک تنظیم ہیومن رائٹس واچ نے چیچنیا میں بڑے پیمانے پر قتل عام اور مظالم کے تین واقعات پر مبنی ایک رپورٹ امریکی کانگریس کو پیش کی ہے۔ ہیومن رائٹس واچ کے ایک اہلکار پیٹر یو کیرٹ نے بتایا ہے کہ روسی فوج نے الدی میں ٦٢ سے زیادہ افراد کو اس وقت فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا جب وہ اپنے صحنوں اور گلیوں میں روسی فوج کو دستاویزات دکھا رہے تھے۔

ایک برطانوی اخبار ”دی آبزرور“ نے لکھا ہے کہ روسی فوج نے تیربوت نامی گاؤں میں بڑے پیمانے پر عام شہریوں کو اذیت ناک تشدد کر کے شہید کیا۔ حملے میں گاؤں کو مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا ہے۔ اخبار کے مطابق دوسری جنگ عظیم کے بعد عام شہریوں کا پہلی بار اتنے بڑے پیمانے پر قتل عام کیا گیا ہے۔

کونسل آف یورپ کے نمائندے لارڈ جڈ نے فلٹریشن کیمپوں کا دورہ کرنے کے بعد بتایا

کہ روسی فوج انسانی حقوق کی شدید خلاف ورزیاں کر رہی ہے مگر صلیبی ہونے کے ناتے اس نے ڈنڈی ماری اور کہا کہ مجاہدین بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کر رہے ہیں مگر اس نے مجاہدین کے زیر انتظام کسی بھی اذیتی کیمپ یا فلٹریشن کیمپ کا ذکر نہیں کیا اور یہ بھی نہیں بتایا کہ مجاہدین نے کہاں اور کتنے روسی شہریوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو مارا ہے یا لوٹ مار کی ہے۔

جارجیا کی سرحد پر واقع گاؤں کو مولسکوئی پر ۹۰ فضائی حملے کر کے سارے گاؤں کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا۔ کتنے چیچن مسلمان شہید ہوئے اس بارے میں کچھ اندازہ نہیں۔ اطلاعات کے مطابق چرنوکوزوو قیدی کیمپ میں اذیتوں کی وجہ سے اپاہج ہونے والوں کا دیہات سے انخلاء کر دیا گیا ہے۔ روسی اخبار کے مطابق چیچن شہر کو سکویوف ریلوے اسٹیشن میں چرنوکوزوو میں اذیتیں کاٹنے والے ۱۲۸ قیدی موجود ہیں جن کی ٹرین سے چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دیتی رہی ہیں۔ اب تک شدید جسمانی اذیت کے دوران شہید ہونے والے ۱۱۰ افراد کی لاشیں روسی فوج ٹرین سے باہر پھینک چکی ہے۔

شازونامی قصبے پر بمباری سے ۱۲۰ شہری شہید ہوئے ہیں اور روسی فوج نے سینکڑوں کم سن بچوں کو حراستی کیمپوں میں منتقل کر دیا ہے۔ کمانڈر شامل بسائف کا کہنا ہے کہ روسی جنرل میدان جنگ میں جانبازوں کے ہاتھوں ہونے والی ناکامیوں سے بوکھلا کر شہری آبادی کو نشانہ بناتے ہیں۔ روسی جرنیلوں کی میدان جنگ کے بارے میں معلومات ناقص ہیں اور انہیں مجاہدین کے ٹھکانوں تک کا علم نہیں۔

چیچنیا میں 200 مسلمانوں کی اجتماعی قبر دریافت

اجتماعی قبر میں عورتوں اور بچوں کی بھی بڑی تعداد دفن تھی، قبر حالیہ روسی فوج کے حملے کے دوران بنائی گئی، 200 مسلمان بمباری کے دوران تباہ ہونے والی عمارت میں دفن ہو گئے تھے، قبر کی دریافت پر روس کا موقف۔

چیچن باشندوں کی گروزنی کے نواح میں ایک اور قبر دریافت، روس نے گروزنی پر دن

رات بمباری کی اس روسی بربریت کے نتیجہ میں ہزاروں چیچن باشندے جاں بحق ہو گئے۔

1 لاکھ 20 ہزار چیچن مسلمان شہید

10 لاکھ بے گھر ہو گئے

چیچنیا میں روسی فوج نے ۱۹۹۴ء میں ایک لاکھ ۲۰ ہزار مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا، روسی فوج نے ٹینک، ہیلی کاپٹروں سے بمباری کر کے درجنوں شہروں، قصبوں اور آبادیوں کو کھنڈر بنا دیا ہے۔ روسی فوج چیچنیا کے 17 ہزار مربع کلومیٹر پر قابض ہے اور اس پورے ملک میں اس نے لاکھوں فوجی دستے پھیلا رکھے ہیں۔ چیچنیا کے ڈپٹی وزیر خارجہ واہا ابراہیموف نے اپنے کہا کہ چیچنیا کی کل آبادی 1.2 ملین ہے جس میں سے ایک لاکھ 20 ہزار مسلمان شہید کر دیے گئے ہیں، چیچنیا میں روسی فوج کے مظالم سے سینکڑوں افراد زخمی و معذور کر دیے گئے اور ہزاروں کی تعداد گھر بجلی، نوکری اور ضروریات زندگی نہ ہونے کی بنا پر ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

چیچنیا میں روس کے لرزہ خیز قتل

جس طرح بچھو ڈنگ مارنے سے باز نہیں آتا، روس کی وحشی اور ظالم قیادت بھی ظلم کرنے کی عادت ترک نہیں کر سکی۔ بعض لوگوں کو خیال تھا کہ افغانستان میں روسی فوج کو جو عبرت ناک ہزیمت اٹھانا پڑی ہے، اس کے بعد روس کسی دوسرے ملک کے خلاف سوچ سمجھ کر طاقت کا استعمال کرے گا مگر ایسا نہیں ہوا، چیچنیا جیسے چھوٹے سے ملک پر جس طرح اس نے فوجی جارحیت کی ہے، ایسا صرف ظالمانہ اور مجرمانہ ذہن رکھنے والے لوگ ہی کر سکتے ہیں، چیچنیا کی شہری آبادی پر گولوں اور بموں کی بارش ہو رہی ہے، افغانستان کے بعد روس چیچنیا میں ظلم اور وحشت کی تاریخ کا ایک اور ہولناک باب رقم کر رہا ہے۔ ماسکو سے جناب ابرار میر کی ایک رپورٹ کینیڈا سے شائع ہونے والے جریدے "کریسنٹ انٹرنیشنل" میں شائع ہوئی ہے۔ اس

رپورٹ کے اہم مندرجات کا اردو ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

خون سے رنگین برف پر گلے کٹی لاشیں

گروزنی کے میدانوں کے پرے پہاڑ دھند میں لپٹے ہوئے ہیں اور ان پہاڑوں پر جگہ جگہ خون کے دھبے ہیں۔ دامن کوہ اور بل کھاتے ہوئے دریا کے درمیان ایک ”زندک“ نامی گاؤں ہے۔ 52 سالہ احمد جمال خانود جو ایک فارم ورکر تھا، یہاں پرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ ۲۷ مارچ ۱۹۹۶ء اس گاؤں کے لئے ایک منحوس دن تھا۔ اس دن ظالم روسیوں نے اس گاؤں پر انتہائی وحشیانہ حملہ کیا۔ ہیلی کاپٹروں سے برسائے جانے والے گولوں اور زمین سے زمین پر مار کرنے والے میزائلوں نے پورے گاؤں کو راکھ کے ڈھیر میں بدل دیا۔ احمد نے اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ بھاگنے کی کوشش کی۔ جب وہ گاؤں سے باہر پہنچا تو روسی فوجیوں نے اس کی کار کو گن فائر کر کے تباہ کر دیا۔ اس کی بیوی پر دو بار فائر ہوا اور وہ موقع پر ہی شہید ہو گئی۔ روسی فوجیوں نے احمد اور اس کے بیٹوں (۱۹ اور ۱۷ سالہ) کو کار سے باہر نکلنے کا حکم دیا۔ وہ ان سے معلوم کرنا چاہتے تھے کہ چیچن مجاہدین کے ٹھکانے کہاں کہاں ہیں۔ روسیوں نے انہیں بندوقوں کے بٹ مارے اور سنگینوں سے ان پر تشدد کیا۔ اس کے بعد روسی فوجیوں نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور انہیں کپڑے اتارنے کا حکم دیا۔ احمد کا کہنا ہے کہ ”انہوں نے ہمیں ننگا کر کے لوہے کے راڈ سے مارا۔ اس سے میری پسلیاں اور سر کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔“

احمد مار سے بے ہوش ہو گیا۔ ایک دن بعد اسے ہوش آیا۔ اس کے ساتھ ہی خون سے رنگین برف میں اس کے بیٹوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ ان کے گلے کاٹ دیئے گئے۔

اس گاؤں پر ہونے والے ظلم کی داستانیں صرف احمد تک محدود نہیں ہیں بلکہ ظلم کی دیگر سینکڑوں داستانیں بھی انتہائی دلخراش ہیں۔ چیچنیا کے ساتھ ساتھ داغستان اور انگوشیا کے دیہات پر بھی مسلسل بمباری ہو رہی ہے اور میزائل گر رہے ہیں۔ اس وقت چیچنیا میں روس کی مختلف فورسز کی تعداد ۱۴ لاکھ سے زیادہ ہے۔ روس چیچنیا میں بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والا اسلحہ استعمال کر رہا ہے۔ بے شمار قصبے اور دیہات کھنڈرات بلکہ راکھ کے ڈھیروں میں بدل چکے ہیں۔ روس کے یہ مظالم دنیا کی آنکھ سے اوجھل ہیں کیونکہ میڈیا کا کوئی فرد روسی اجازت کے بغیر چیچنیا نہیں جا سکتا۔ صرف صحافیوں پر ہی نہیں امدادی ایجنسیوں پر بھی چیچنیا جانے پر پابندی

ہے۔ اس ظلم میں مغرب یلسن کی پوری حمایت کر رہا ہے۔ اسلامی دنیا کی بے حسی بھی یلسن اور روسی فوج کا حوصلہ بڑھا رہی ہے۔ کسی ایک ملک نے بھی یلسن سے یہ مظالم بند کرنے کا نہیں کہا۔ سارے مسلمان ممالک اسے روس کا داخلی مسئلہ سمجھ رہے ہیں۔ حسنی مبارک نے یلسن کو دہشت گردی پر ہونے والی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں بلایا تھا۔ اس کانفرنس میں یلسن نے چیچن مجاہدین کو ''دہشت گرد کتے'' کہہ کر ان کی تذلیل کی۔ کانفرنس میں شریک کسی ایک مسلمان کو بھی مجاہدین کی اس تذلیل پر احتجاج کی توفیق نہ ہوئی۔

روسیوں کی دھوکہ بازی

جناب ابرار میر اپنی رپورٹ میں ایک اور گاؤں سماشکی کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ کئی مہینوں کے محاصرے اور تباہ کن گولہ و میزائل باری کے بعد 7 اپریل 1995ء کو اس گاؤں نے روسی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ روسی فورسز کے مختلف دستوں نے گھر گھر تلاشی کا آپریشن شروع کیا تا کہ آبادی کو دہشت زدہ کیا جا سکے۔ 43 سالہ عبدالرحمٰن اور اس کے ستر سالہ ہمسائے سلادودی عمانود کو ان کے گھر والوں سمیت ہانکتے ہوئے گاؤں کے سینٹر میں لایا گیا۔ آنسو برساتی آنکھوں کے ساتھ عبدالرحمٰن بتاتا ہے۔

''یہ دو بجے صبح کا وقت تھا جب چار روسی سپاہی گھر میں داخل ہوئے اور برسٹ مارا، ہم ایک کمرے میں چھپے ہوئے تھے۔ ایک سپاہی نے اس کمرے میں گرینیڈ پھینکا جس سے میری ماں اور دو بیٹیاں شہید ہو گئیں۔

''کیا یہاں اور کوئی زندہ ہے؟'' روسی فوجی نے چیخ کر پوچھا۔ اس کے بعد ہمیں صحن میں لا کر حکم دیا گیا ''حرامی کتو! لیٹ جاؤ۔ حرامی کتو! لیٹ جاؤ'' جونہی ہم لیٹے ایک فوجی نے عمانود کی بیوی پر گولی چلا دی۔

ایک منٹ بعد روسی فوجیوں کی پھر چیخ بلند ہوئی، ''حرامی کتو! گڑھے میں......'' سلادودی عمانود، موسیٰ (سلادودی کا بیٹا) اور میں ایک دیوار کی طرف منہ کئے گڑھے میں کھڑے تھے، میں نے سلادودی سے کہا کہ انھوں نے ہمیں یہاں مارنے کے لئے کھڑا کیا ہے میں نے دعا پڑھنا شروع کر دی۔ موسیٰ نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر التجا کی کہ گولی نہ چلائیں لیکن ان ظالموں نے

اسے بات مکمل کرنے کا موقع بھی نہ دیا اور گولی چلا دی۔ ہم سب گڑھے میں گر پڑے۔ موسیٰ فوراً شہید ہو گیا، اس کا باپ دوسرے دن یہ دنیا چھوڑ گیا اور گولی کے زخموں نے مجھے معذور کر دیا۔ دو دن تک بغیر کسی وقفے کے گاؤں پر گولیاں برستی رہیں۔ گھروں سے نکال کر کچھ لوگوں کو ذبح کر دیا گیا اور کچھ کو ان کے گھروں میں زندہ جلا دیا گیا۔

انسانوں سے بھرے گودام پر گرینیڈ کی بارش

ازمان انسارووا اپنی یادداشتوں کو اکٹھا کرتے ہوئے بتاتی ہے کہ وہ اپنے گاؤں کے 60 دیگر افراد کے ساتھ ایک گودام میں چھپی ہوئی تھی۔ گودام میں زیادہ تر بوڑھی عورتیں، بیویاں اور ان کے بچے تھے، جب روسیوں نے ہمارا کھوج لگا لیا تو انھوں نے اس بات کی کوئی پروانہ کی کہ یہاں صرف عورتیں اور بچے ہیں۔ انھوں نے گودام میں دو گرینیڈ پھینکے اور گودام کا دروازہ بند کر دیا۔ اس سے کافی تعداد میں خواتین اور بچے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد کچھ نے مل کر دروازہ کھولا اور ہم باہر کو بھاگے۔ بھاگنے والوں کی تعداد آٹھ تھی۔ سپاہی ہمارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے ہمیں واپس گودام میں دھکیل دیا۔

”آئیں دیکھیں کہ ابھی یہاں کتنے زندہ ہیں“ ایک فوجی نے چیخ کر کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے مزید دو گرینیڈ پھینک دیئے۔ ہر طرف آگ لگ گئی اور ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ یہاں ہر فرد شہید ہو گیا ہے۔ میں اپنی چیخیں نہیں روک سکتی تھی۔ میں پانی کے لئے باہر بھاگی۔ میرے جسم کو بھی آگ لگی ہوئی تھی، میں نے دیکھا کہ روسی فوجیوں نے پانی پر قبضہ کیا ہوا ہے اور وہ پانی کو گلی کی دوسری طرف پھینک رہے تھے۔ وہ سارے قہقہے لگا رہے تھے۔ وہ سکون کے ساتھ شراب پی اور پھل کھا رہے تھے اور میں اپنے خاندان سمیت جل رہی تھی۔

جنگ سے پہلے سماشکی کی آبادی 14600 تھی۔ صرف 3000 افراد سماشکی میں بچے ہیں۔ عینی شاہدین کے مطابق دو دنوں میں روسی افواج نے تقریباً 5000 مردوں کو گرفتار کیا اور انہیں فلٹریشن کیمپس میں لے جایا گیا۔ چیچنیا میں فلٹریشن کیمپس ویسے ہی ہیں جیسے سربوں نے بوسنیا میں نسلی صفائی کے کیمپ قائم کئے تھے یا پھر جرمن نازیوں نے کنسنٹریشن کیمپس۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے کتنوں کو تشدد کر کے شہید کر دیا گیا ہے اور کتنے ابھی تشدد کی چکی میں پس رہے ہیں۔ المختصر چیچنیا کا ہر قصبہ اور گاؤں مقتل بنا ہوا ہے۔

(ترجمہ: ملک احمد سرور)

روسیوں نے چیچن مسلمانوں کا خون پینا شروع کر دیا

21 دسمبر کے نوائے وقت کے صفحہ اول کی یہ تصویر دل دہلا دینے والی ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہن گروزنی سے بھاگ کر انگشتیا میں داخل ہونے لگتی ہے تو بارڈر پر روسی فوجی اپنی کلاشن اس پر تان لیتا ہے۔ آگے بڑھنے سے روک دیتا ہے۔ وہ دکھ اور غم کی تصویر بنے روسی فوجی کی طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھ رہی ہے مگر یہاں رحم کہاں؟

لوگوں نے انگشتیا کی اس صورت حال کے پیش نظر جارجیا کا رخ کر لیا ہے۔ یہ ایک عیسائی ملک ہے جو کوہ قاف میں سے آزاد ہوا ہے۔ جب روس ٹوٹا تھا۔ یہاں چیچنیا کے دس ہزار کے قریب مہاجر پہنچے ہیں۔ کوہ قاف کے پہاڑی سلسلے عبور کر کے پہنچے ہیں۔ 17 دسمبر کے خلیج ٹائمز نے ان کی ناگفتہ بہ صورت حال پر تبصرہ کیا ہے۔ ایک ماں کہتی ہے چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر یہاں پہنچی ہوں۔ سب بیمار ہو گئے ہیں۔

24 دسمبر کے خلیج ٹائمز نے صفحہ اول پر چیچنیا اور انگشتیا کے بارڈر پر کھڑے ایک بوڑھے چیچن کی تصویر شائع کی ہے، جسے یہ خبر ملتی ہے کہ اس کے خاندان کے سارے افراد شہید ہو گئے ہیں تو وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے اللہ کے حضور نہ جانے کیا کہہ رہا ہے۔ اسی طرح انگشتیا کے مہاجر کیمپ کے قریب ایک روسی شرابی فوجی نے ٹرک تلے دو چیچن بچوں کو کچل کر شہید کر دیا۔

26 دسمبر کے خلیج ٹائمز نے دبئی کے جنرل شیخ محمد کی تشویش شائع کی ہے کہ چیچنیا میں مسلمان شہید ہو رہے ہیں۔ انھوں نے چیچنیا کے وفد سے ملاقات بھی کی ہے، سعودی عرب میں بھی چیچنیا کے لئے آواز اٹھائی جا رہی ہے۔ یہ آوازیں زیادہ قوت سے اٹھنی چاہئیں اور ہر مسلمان ملک کی طرف سے اٹھنی چاہئیں کیونکہ ظلم کی انتہا ہو چکی ہے۔

ارسلان مارچیپو جس کی عمر 49 سال ہے اس نے بتلایا۔ ہم مہاجروں کو جس علاقے میں رکھا گیا ہے چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جن سے بارش ٹپکتی ہے۔ یخ بستہ ہوائیں اندر آتی ہیں۔ اور یہاں زیادہ تر عورتیں بچے اور بوڑھے ہیں۔ درجن درجن لوگ ایک کمرے میں سوتے ہیں زندگی کٹھن بن گئی ہے۔

4500 مسلمانوں کا خون بہا

باکو میں ایک رات میں 4500 باشندوں کو خون میں نہلا دیا گیا تھا۔ اب گروزنی قتل گاہ ہے۔ عمارتیں، مساجد، ہسپتال، یتیم خانے، شدید ضرب بے مثل میں آ کر ہوائی حملوں، توپوں کے دہانوں میں زندہ انسانوں کے قبرستان بن گئے ہیں۔ 4 سال قبل جو چیچنیا روس سے آزاد ہوا تھا اس کو دنیا کے کسی اقوام متحدہ کے ممبر ملک نے مع 56 اسلامی ممالک کے جن میں اکثریت، یورپ و امریکہ کے ممالک سے منسلک ہے، خاموش رہے اور اب بھی خاموش ہیں۔ ”مدد کریں تو دہشت گرد (Terroist) کہلائیں۔

* * *

باب نمبر 3

کوسوو کے مسلمانوں کا قتل عام

کوسوو سے بنت اسلام کی دلخراش چیخیں

سرب عیسائی بھیڑیوں کی مسلمان خواتین کے ساتھ درندگی کی دلگداز رپورٹ

سرب فوج نے نیٹو کے حملوں کے دوران کوسوو کے مسلمانوں کو ہمسایہ ریاستوں میں دھکیلنے کے دوران جو مظالم کئے ان کی روح فرسا داستانیں آہستہ آہستہ دنیا پر منکشف ہو رہی ہیں۔ سرب فوج نے اس دوران نہ صرف سینکڑوں مسلمان مردوں کو قتل کیا بلکہ بے شمار مسلمان خواتین کی عصمت دری اور جنسی تشدد کا ارتکاب کیا۔ برطانوی اخبار انڈی پینڈنٹ نے ایک 14 سالہ مسلمان بچی کی کہانی شائع کی ہے جسے سرب بھیڑیوں نے مہاجروں کے ایک قافلے سے اغواء کر کے جنسی زیادتی کا نشانہ بنایا تھا البانیہ کے مہاجر کیمپ میں مقیم یہ بچی اس قدر دہشت زدہ ہے کہ وہ بتانے کے قابل بھی نہیں ہے کہ اس کے ساتھ عیسائی درندوں نے کیسا وحشیانہ سلوک کیا۔ رپورٹ کے مطابق البانیہ کے دارالحکومت تیرانا میں ایک خاتون نفسیات دان سلویا ماریا نے دنیا کی توجہ کوسوو کی مسلمان خواتین کے ساتھ سربوں کی درندگی کی طرف مبذول کرانے کے لئے ایک ادارہ قائم کیا ہے جو کمسن بچی اور اس جیسی سینکڑوں مظلوم لڑکیوں، عورتوں کے ساتھ ہونے والی درندگی کی کہانیاں اکٹھی کر رہا ہے اس ادارے میں شامل ماہرین نفسیات اور سماجی کارکن مہاجر کیمپوں میں جا کر ان مظلوم اور دہشت زدہ خواتین کی نفسیاتی بحالی کے لئے بھی کام کر رہے ہیں حالیہ دنوں کے دوران ادارے نے سربوں کی درندگی کی شکار 100 سے زیادہ مسلم خواتین کی شہادتوں کو ریکارڈ کیا ہے کوسوو کے دیہی مسلمانوں میں خواتین میں حیاء و شرم اتنا زیادہ ہے کہ زیادتی تو دور کی بات جنسی معاملات پر بات کرتے ہوئے

شرماتی ہیں اس کے باوجود درجنوں ستم رسیدہ عورتوں نے ادارے سے رابطہ قائم کر کے اپنے ساتھ ہونے والے بھیانک سلوک کی دلخراش داستانیں سنائی ہیں۔ ادارے کی سربراہ خاتون سلویا کا کہنا ہے کہ سرب فوجیوں نے ان خواتین کو نہ صرف اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا بلکہ ان پر بے پناہ جسمانی تشدد بھی کیا ہے سلویا نے کہا کہ وہ ان خواتین کی کہانیوں کو سربوں کے جنگی جرائم کی تحقیقات کے لئے شہادتوں کے طور پر بھی جمع کر رہی ہے۔ اطالوی میڈیا نے انکشاف کیا ہے کہ دو روز قبل سرب فوجیوں نے البانیہ کی سرحد عبور کرنے والے ایک مسلمان قافلے پر حملہ کر کے 30 عورتوں کو اسلحہ کے زور پر اغواء کر کے انہیں اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنایا، قافلے میں موجود لوگوں کے مطابق سرب فوجی ان خواتین کو گھسیٹتے ہوئے قریبی کھیتوں کے اندر لے گئے جہاں قریب سے گزرنے والے مہاجرین نے ان کی بلند ہوتی ہوئی چیخوں کو بڑی بے دردی سے بیان کیا ہے۔ اس قافلے میں موجود دو نوجوان بہنوں نے بتایا کہ وہ سرب فوجیوں کی نظروں میں آنے سے اس لئے بچ گئیں کہ انھوں نے اپنے والد کی فوجی وردیاں پہننے کے علاوہ چہرے پر کیچڑ مل رکھا تھا ان میں سے ایک مسلمان لڑکی نے بتایا کہ اس نے سوچ رکھا تھا کہ اگر وہ سرب فوجیوں کے ہاتھ لگ گئی تو وہ زیادتی کا شکار ہونے سے پہلے اپنے آپ کو ہلاک کر لے گی اور اپنی عزت و آبرو پر قربان ہو جائے گی۔

کسووا میں مسلمانوں کی اجتماعی قبریں

سربوں نے نیٹو کے فضائی حملوں کے دوران میں کسووا کے مسلمانوں کو جس بڑے پیمانے پر قتل کیا اس کی گواہی بستیوں کے کھنڈرات اور ندی نالوں میں بکھرے پڑے انسانی ڈھانچے اور بڑی بڑی اجتماعی قبریں دے رہی ہیں۔ مسلمانوں کو کس قدر لوٹا اور جائیدادوں کو تباہ کیا گیا اس کا اندازہ تو شاید ہو جائے مگر کس تعداد میں مسلمان قتل کئے گئے اس کی صحیح تعداد شاید کبھی معلوم نہ ہو سکے کیونکہ ان گنت مسلمانوں کو جلا کر راکھ کر دیا گیا اور بے شمار اجتماعی قبروں کا کوئی نشان نہیں ہے۔

کسووا لبریشن آرمی نے ایک قبر دریافت کی جس میں سے تین سو سے زیادہ لاشیں برآمد ہوئیں۔ عینی شاہدین نے بتایا کہ ان لاشوں کو تین اپریل کی شب دفنایا گیا تھا۔ یہ افراد سرب افواج کے ظلم وانتقام سے بچنے کے لئے البانیہ کی طرف جارہے تھے کہ سرب فوجیوں نے انہیں پکڑ لیا اور اس کے بعد قتل کر کے ایک ہی قبر میں دفنا دیا۔ جرمن فوجیوں نے سیلائن نامی قصبہ میں ایک اجتماعی قبر سے 119 لاشیں نکالیں۔ ہیگ میں یوگوسلاویہ کے جنگی جرائم کی تحقیقات کرنے والے ٹریبونل کے ترجمان پال رسلے نے بتایا ہے کہ سرب افواج نے کسووا میں مسلمانوں کی اجتماعی قبروں کے نشان مٹا ڈالے ہیں۔

مسلمان اب جو اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے ہیں تو تباہ شدہ اور جلے ہوئے مکانات کے کھنڈرات میں انہیں ہڈیاں مل رہی ہیں یا پھر مقتولین کے بال یا بالوں کے بغیر کھوپڑیاں۔ ایک گاؤں کورنیکا جو دارالحکومت پرسٹینا کے جنوب مغرب میں 45 میل کے فاصلے پر واقع ہے کے باشندوں نے بتایا کہ 27 اور 28 اپریل کو سربوں نے 155 نہتے مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالا۔ قتل کا سلسلہ طلوع آفتاب کے ساتھ شروع ہوا۔ اس قتل وغارت سے بچ جانے والے لیک نکمن گجاج نے بتایا کہ صبح سات سے بارہ بجے تک قتل وغارت کا سلسلہ مسلسل جاری رہا۔ واپس آنے والوں میں سے کچھ نے اخباری نمائندوں کو تین اجتماعی قبریں دکھائیں جن میں 60 تا 70 لاشیں تھیں۔ ایک جلے ہوئے گھر میں ٹوٹی ہوئی چھت پر پانچ آدمیوں کے ٹوٹے پھوٹے ڈھانچے پڑے تھے، اس کے قریب ہی دو قبروں میں دو مقتول دفن تھے۔

سرب پولیس، پیراملٹری فورس اور فوجیوں نے گاؤں پر قبضہ کرنے کے بعد دوسرے دن قتل کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس گاؤں کی ایک عورت فلورا مینوری جو بچ جانے میں کامیاب ہوگئی تھی، نے بتایا ”6 سال سے زائد عمر کا جو فرد بھی انہیں ملا انھوں نے قتل کر ڈالا۔“ بچے اور عورتیں بھی، اس نے مزید بتایا کہ سرب فوجیوں نے مسلمانوں پر گولیوں کی نشانہ بازی کی، ان کے گھر جلائے اور خانہ بدوشوں سے کہا کہ انہیں دفنا دیں مسلمانوں کی قبریں اتھلی تھیں۔ اس لئے بعض کے ہاتھ قبروں سے باہر رہ گئے۔ ایک گھر کے قریب 5 لاشوں کو آگ لگانے سے پہلے ان کے بازو اور ٹانگیں کاٹ دی گئیں۔

کیسنگ کے قریب ایک اجتماعی قبر کے بارے میں وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ 8 اور 9 اپریل کو اجتماعی قتل کا واقعہ پیش آیا۔ عورتوں، مردوں اور بچوں کو بلا امتیاز قتل کیا گیا۔ تین ماہ کے

بچے کو بھی نہ بخشا گیا۔ چھوٹے بچوں کو ڈنڈوں، رائفلوں کے بٹوں یا پھر ہینڈ گرینیڈوں سے مارا گیا۔ زخمیوں کو پستولوں کی گولیاں مار کر ختم کیا گیا۔ جرمن فوجیوں نے بتایا کہ سربوں نے آخری منٹ تک لوٹ مار، قتل اور جلانے کا سلسلہ جاری رکھا۔

پرسٹینا کے جنوب مغرب میں 40 میل دور ولیکا کروسا گاؤں میں ولندیزی فوج کے امن دستوں نے 20 لاشوں کو دیکھا۔ 14 جون کو برطانوی دستوں نے کیسنگ قصبہ میں مٹی کے ڈھیر دیکھے۔ فوجیوں کا خیال تھا کہ سربوں نے اجتماعی قبر سے نعشیں نکال کر الگ الگ کر کے دفنائی ہیں۔ ایک ایک کر کے دفنانے سے پہلے یہاں 81 لاشیں ایک قبر میں دفنائی گئی تھیں۔ علاقہ کے لوگوں نے امن دستوں کو دو اور اجتماعی قبریں بھی دکھائیں۔ قریبی گاؤں میں برطانوی فوجیوں نے گولیوں سے چھلنی کپڑوں کا ڈھیر دیکھا اور قبریں بھی۔ چار گھر بھی نذر آتش کیے گئے تھے۔ ایک دیہاتی نے بتایا کہ یہاں 35 افراد قتل کیے گئے تھے۔ کورنیگا کے قریب دکا کوویکا میں ایک گورکن نے بتایا کہ اس نے ایک قتل عام کے بعد دو سو لاشوں کو دفنایا تھا۔

اجتماعی قبروں کی دریافت کا سلسلہ جاری ہے، اجتماعی قبروں کے علاوہ جنگلوں، پہاڑوں اور ندی نالوں میں نہ جانے کتنی انسانی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہیں اور کتنی کو جنگلی درندے کھا گئے ہیں۔

جنگ کسووا کا ایک اور المناک پہلو یہ سامنے آیا ہے کہ سینکڑوں جوان عورتوں کو ”جنسی غلام“ بنا کر برطانیہ کے قحبہ خانوں میں پہنچا دیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض کو خرید کر، بعض کو اغواء کر کے اور بعض کو کام کا جھانسہ دے کر جعلی پاسپورٹوں پر برطانیہ کے قحبہ خانوں میں پہنچایا گیا ہے۔ اس تجارت کا انکشاف سنڈے ٹائمز نے کیا ہے۔ اس اخبار کا ایک رپورٹر البانیہ کے دارالحکومت ترانہ میں خود کو ایک ایسے بزنس مین کا ”ایجنٹ“ ظاہر کر کے اس گروہ میں گھسا جسے مانچسٹر اور گلاسگو میں اپنے ”کلبوں“ میں کام کے لئے لڑکیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ”ایجنٹ“ کے رابطے پر ایک شخص نے اسے نوجوان، خوبصورت اور چالاک لڑکیوں کی پیشکش کی۔ اس شخص نے بتایا کہ اٹلی اور جرمنی کے لئے ایک عورت کی قیمت 830 پاؤنڈ جبکہ برطانیہ کے لئے 1330 پاؤنڈ ہوگی۔ ”ایجنٹ“ کے ایک سوال پر اسے بتایا گیا کہ یہ لڑکیاں شمالی البانیہ کے دیہات سے آئی ہیں۔ ان لڑکیوں کے اتہ پتہ سے لاعلم ہیں۔ دیگر لڑکیاں کسووا کی لڑائی کے باعث اس گھناؤنے کام کے لئے مجبور ہوئیں۔ لندن میں البانوی زیر زمین رابطوں کو استعمال

کرتے ہوئے سنڈے ٹائمز کا ایک رپورٹر کسووا کی عورت ڈہنما سے ملا جسے طوائف بننے پر مجبور کیا گیا تھا۔

عزتوں کے لٹیرے

سربوں کی درندگی کے لاتعداد واقعات سنیے: عائشہ جس کی عمر ۳۱ سال ہے، اپنے سامنے اپنے خاوند، دیور، سسر اور ایک ۱۶ سالہ بچے کو سرب فوج کی درندگی کا نشانہ بنتے دیکھ چکی ہے۔ اس واقعہ کے بعد وہ گھر بار چھوڑ کر اپنے ۹ سال، ۴ سال اور ۲ ماہ کے بچوں کو ساتھ لیکر ۲۵ کلو میٹر پیدل سفر طے کر کے راستے میں ایک قافلے میں شامل ہو گئی، ایک ٹریکٹر ٹرالی پر اسے جگہ مل گئی۔ بارڈر تک عائشہ کو دو دن لگے، وہاں سب لوگوں کے ساتھ انہیں روک دیا گیا۔ تین دن بھوکے پیاسے رہے کیونکہ سربوں نے سرحد بند کر رکھی تھی، پہلے وہ دو دنوں سے بھی بھوکے پیاسے تھے، چوتھے روز صبح ۹ بجے سرحد کھلی تو پانچ ہزار افراد اکٹھے کوکس کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے پاس جو نقدی، کھانے پینے کا سامان اور بچوں کے کپڑے وغیرہ تھے وہ پہلے ہی سرب فوجی ہتھیا چکے تھے۔ چنانچہ کوکس پہنچ کر بھی دو دنوں تک صرف روٹی اور پانی پر ہی گزارا کرنا پڑا۔ کوکس میں ہی مسجد سے بائیں طرف جاتے ہوئے پہاڑی نالے کے پاس ہم نے دیکھا کہ ایک درخت پر پلاسٹک کی شیٹ تان کر اس کے نیچے ماں حبیبہ حسن اور ۳ بچے جن کی عمر ۲، ۵، ۷، سال اور ۸ ماہ ہیں، اپنی ۶۳ سالہ دادی کے ہمراہ رہتے ہیں۔ پیٹرک موی کے مریض دیکھتے ساتھ ہی ایک کیمپ گئے، واپس آتے ہوئے اس فیملی سے ملاقات کروائی۔ حبیبہ کے جسم میں شدید درد تھا لیکن ان کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ کئی دنوں سے سو نہیں سکی تھی۔ ان کی داستان سنی تو پتہ چلا وہ ۱۶ اپریل کو دار لگومت سے ۳۵ کلو میٹر شمال میں واقع اپنے گاؤں میں اپنے بچوں کے ساتھ گھر میں تھیں۔ ان کے والد ۶۲ سالہ اشنا محمد اور خاوند ۳۸ سالہ نصرت سامنے کھیت میں کام کر رہے تھے۔ اچانک دو سرب فوجی نمودار ہوئے اور ان سے کوئی چیز طلب کی۔ وہ گھر کی طرف آ ہی رہے تھے کہ خاتون کے سسر کے سر پر سرب فوجی نے زور سے بندوق ماری اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔ والد کی لاش دیکھ کر ان کا بیٹا جذباتی ہو گیا۔ اس نے سرب فوجیوں کی جانب مڑ کر کچھ کہنا چاہا تو ایک سنسناتی ہوئی گولی آئی اور اسے زندگی کی قید سے آزاد کر دیا۔ اس طرح یہ خاندان بھی اپنی متاع سمیت کر اپنے پڑوسی "حاکم" کے ساتھ ایک ٹریکٹر

ٹرالی پر روانہ ہوا۔ حاکم کی شادی ۲ سال قبل ہوئی تھی، اس کی بیوی امید سے تھی۔ سرحد سے ۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر سرب فوجیوں نے دونوں میاں بیوی کو ٹریکٹر سے نیچے اتارا، سرب فوجی حاکم کی بیوی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے لگے، حاکم نے مزاحمت کی تو اسے گولی مار دی گئی۔ اس کی بیوہ جو ٹریکٹر چلانا نہیں جانتی تھی، معصوم بچوں کے ہمراہ ۳۰ کلومیٹر کا پیدل سفر طے کر کے سرحد پر پہنچی۔ سرحد پر بھی سربوں نے انہیں ۲۴ گھنٹے تک روکے رکھا۔ اس دوران خاتون کے جسم سے خون بہنے لگا۔ unhcr نے اسے کسی ہسپتال پہنچا دیا جہاں اس کا علاج کیا گیا۔ یہ لٹی پٹی خاتون اب ایک درخت کے نیچے پناہ گزین تھی۔

معصوم لڑکی کی کٹی ہوئی چھاتی (درندگی کی انتہاء)

کوسووا کے بچے اپنے خاندان کے ساتھ ہونے والے روح فرسا واقعات سے بے نیاز ہو کر کھیل رہے تھے۔ سات سالہ ہاشم نے استفسار پر بتایا کہ ہم اپنے گھر ضرور واپس جائیں گے۔ اس طرح کے کئی واقعات ہم نے سنے اور نوٹ کیے۔ ہمارے ساتھیوں نے ایک لڑکی دیکھی جس کی چھاتی کٹی ہوئی تھی۔ سرب درندوں نے تین گھنٹے تک مسلسل ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد اس پر ستم ڈھایا۔ بڑی مشکل سے کوسووا کے ایک ڈاکٹر تک رسائی ہوئی جس نے علاج کر کے اس کی زندگی بچائی۔ اسے اپنے والدین، بہن بھائیوں کا کوئی علم نہیں تھا، وہ راستے میں ان سے بچھڑ گئی تھی۔ ۷ اپریل کو وہ اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ ہجرت کے لئے نکلی تھی کہ راستے میں یہ واقعہ پیش آیا۔

مہاجرین پریشان کن واقعات بیان کرتے ہیں تو خوف و دہشت کی پرچھائیاں ان کے چہرے پر رینگنے لگتی ہیں۔ ہمارے پاس ایک ایسے نوجوان کو بلایا گیا جسے سرب فوجیوں نے مقعد پر بندوق رکھ کر گولی ماردی تھی۔ اس کی بڑی اور چھوٹی آنتیں بری طرح متاثر ہوئیں۔ ہم نے ٹیسٹ کروانے کے بعد اسے آپریشن کا مشورہ دیا۔ انشاء اللہ پاکستان لا کر اس کی سرجری کی جائے گی۔ کوکس کے گرد و نواح میں بہت سے مہاجرین اپنی اپنی ٹریکٹر ٹرالیوں، گاڑیوں اور ٹرکوں وغیرہ پر پلاسٹک شیٹ لگا کر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ یہی سلسلہ کوکس سے ترانہ کی طرف آتے ہوئے جا بجا نظر آتا رہا ہے، حتیٰ کہ اٹلی، فرانس اور دوسرے ممالک کے کیمپوں کے

متصل زمینوں پر ابھی تک لوگ اپنی ٹرالیوں میں "آباد" ہیں ان دلخراش واقعات کے بعد بھی یہ لوگ انتہائی صابر ہیں، کسی کو ہاتھ پھیلاتے نہیں دیکھا گیا، نہ ہی کوئی شکایت کرتے نظر آیا۔ بہت کم لوگ اپنے ظلم کی داستانیں سناتے ہیں۔ اکثر مہاجرین خواتین و مرد اپنی آپ بیتی سنانے سے کتراتے ہیں کیونکہ شرمناک واقعات سنانا اور سننا کوئی آسان کام نہیں۔ شہر کے طول و عرض میں کچھ خاندان کھلے آسمان تلے زندگی گزار رہے تھے۔ ان کے پاس کوئی پناہ گاہ نہیں تھی، نوزائیدہ کھلے آسمان تلے پڑے ہوئے تھے۔ کوکس میں رات دن بھاری توپخانے اور نیٹو کے جہازوں کی بمباری کی آوازیں اور جہازوں کی پروازیں دیکھی اور سنائی دیتی تھیں۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ نیٹو کے حملوں کی وجہ سے ہم زیادہ ظلم و ستم کا شکار ہوئے ہیں۔ اور ہمیں نیٹو کے حملوں کو خوش آمدید نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ریلیف فراہم کرنے والی ایجنسیوں کے متعلق بھی مہاجرین کے تاثرات مختلف تھے۔

کوسووا کی کل آبادی ۲۰ لاکھ ہے۔ جس میں سے ۱۲ لاکھ کے قریب ہجرت کر چکے تھے۔ مسلم آبادی کا تناسب ۹۰ فیصد ہے۔ دو فیصد سرب اور ۷ فیصد دوسرے عیسائی قبائل ہیں جن میں کیتھولک اور آرتھوڈکس شامل ہیں۔ لوگوں کا زیادہ تر پیشہ کھیتی باڑی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے دروازے کوسووا کے مسلمانوں پر بند ہیں۔ کچھ لوگ پرسٹینا جو کہ واحد اعلیٰ تعلیمی مراکز کا شہر ہے، میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر بھی لیتے تھے تو انہیں بے کار بیٹھنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ موجودہ بحران سے قبل ہی وہ لوگ جنہوں نے کسی نہ کسی وسیلے سے کوسووا، یوگوسلاویہ کے دوسرے علاقوں یا پھر البانیہ میں کہیں طلب، انجینئرنگ یونیورسٹی وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی بھی تو انہیں گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ وہ لوگ جو تعلیم حاصل کر چکے تھے، بھاگ نکلنے میں ناکام رہے اور سربوں کی بربریت کا نشانہ بنے۔ کوسووا کے بہت سارے ڈاکٹرز زرانہ میڈیکل فیکلٹی کے تعلیم یافتہ ہیں اور چند ڈاکٹرز یہاں پر تحقیق بھی کر رہے ہیں اور متعدد کر چکے ہیں۔ سربوں کی کوشش رہی کہ کوسووا کے مسلمان اعلیٰ تعلیم سے محروم رہیں، لیکن اس کے باوجود کوسووا سے ڈاکٹرز انجینئرز اور دوسرے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کی ایک اچھی خاصی تعداد سے ملاقات ہوئی۔ کوسووا کے کئی افراد یورپی ممالک میں بھی آباد ہوئے۔ امریکہ میں بھی ان لوگوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے جو اپنے ہم وطنوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کر رہے ہیں۔"

7 ہزار مردوں عورتوں اور بچوں کا قتل عام

ٹائم میگزین کا نامہ نگار رمیش لکھتا ہے 54 سالہ ''اوڈاجا'' کوسوو کے شہر ''پیک'' میں رہتا تھا وہ کہتا ہے کہ سرب فوجی ہمارے شہر میں آئے ہر گھر کے دروازے سے داخل ہوئے اور حکم دیا کہ دس منٹ کے اندر اندر ''کورزامیدان'' میں جمع ہو جائیں۔ وہاں منٹوں کے اندر 15 ہزار لوگ اکٹھے ہو گئے۔ سرب فوج انہیں بھیڑوں بکروں کی طرح اسٹیڈیم میں لے گئی۔ ہم سب نے وہاں ٹھٹھرتے کھلے آسمان تلے ڈر اور خوف میں رات گزاری۔ ان پندرہ ہزار میں سے سات ہزار سے زائد لوگوں کو قتل کر دیا گیا اور باقی کو ان جگہوں پر لے جایا گیا جہاں ناٹو کے بم گرنے کے امکانات تھے جو باقی بچے انہیں حکم دیا گیا۔ گھروں کو چلے جاؤ۔ تم محفوظ ہو؟ جب روتے پیٹتے یہ لوگ گھروں کے پاس آئے تو انکے گھر شعلوں کی نذر تھے۔ میرا گھر بھی راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا۔ میں نے اپنے پڑوسی سرب عیسائی سے کہا کہ ہم پچاس سال اکٹھے رہے۔ کچھ تو خیال کرو۔ مجھے پناہ ہی دے دو مگر ہمارے یہ پڑوسی ہی تو ہماری نشاندہی کر کے ہمیں مروا رہے تھے۔ یہ مجھے معلوم ہو گیا تو میں اپنی معذور بیٹی کو ویل چیئر پر بٹھا کر روانہ ہوا۔ تیرہ گھنٹے تک میں اس ویل چیئر کو دھکیلتا رہا آخر تھک ہار گیا۔ اب میری ہی طرح کے لٹے پٹے لوگوں کا ایک ٹرک آ گیا۔ میں نے اس ٹرک کو روکا۔ اس میں سوار ہو گیا۔

نامہ نگار رمیش کہتا ہے۔ دکھ کا مارا ہوا ''اوڈاجا'' اپنی داستان بیان کر کے کہنے لگا!

in a place where your neighbo-urs burn your houseu there can be no survival

''ایسی جگہ جہاں تمہارے پڑوسی ہی تمہارے ہی گھر جلائیں وہاں بچاؤ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔''

''اوڈاجا'' مونٹی نیگرو کے شہر ''روزاجے'' کی فیکٹری کے ایک کونے میں بیٹھا آنسو بہا رہا تھا۔ یہاں پچاس ہزار لٹے پٹے لوگ آ چکے ہیں۔ اوڈاجا کی معذور بیٹی پاس ہی بیٹھی تھی۔ میلے کچیلے کپڑے پہنے جس کے پاس کھانے کو نہ خوراک تھی اور نہ ہی روٹی آنے کی کہیں سے امید تھی۔ اوڈاجا کی طرح ہزاروں داستانیں سینے میں لئے لوگ مونٹی نیگرو کی طرف چلے آ رہے

ہیں۔ میں نے بارڈر کے قریب 32 کیلو میٹر لمبی لائن ان لوگوں کی دیکھی جو مونٹی نیگرو کے بارڈر پر اندر آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کی یہ لمبی لائن کہیں سے نہ ٹوٹی تھی۔

لگتا ہے یہ لوگ جو یہاں لٹے پٹے آئے ہیں ان کا واسطہ انسانوں سے نہ تھا بلکہ شیطانوں اور بھوتوں سے واسطہ تھا کہ سرب پیرا ملٹریز نے البانین لوگوں کے گھروں کے گھیر لیا۔ دروازوں کو توڑا۔ اندر جا دھمکے اور نکل جانے کا حکم دیا۔ وہ نکلے تو سب کو میدان میں جمع کر لیا۔ لائنیں بنانے کا حکم دیا اور پھر حکم دیا کہ سربیا، سربیا کہ نعرے لگاؤ اور تین انگلیاں جوڑو جس کا مطلب ہے کہ ہم سرب کامیاب اور فاتح بن گئے ہیں پھر کہتے!

go to albania that s your counttry.you will never see kosvo again.

” البانیہ جاؤ۔ وہی تمہارا ملک ہے تم کوسوو کو دوبارہ ہرگز نہیں دیکھو گے۔

امریکن سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے کم از کم 20 قصبات اور دیہات ایسے ہیں کہ جن کے رہائشیوں کو بالکل قتل کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے عورتوں اور بچوں کو الگ کر دیا گیا تھا۔ 33 لاشیں دریا کے پاس تھیں۔ ڈیڑھ سو لاشیں کاکانک کے پولیس اسٹیشن میں تھیں۔

13 اپریل نوائے وقت کے مطابق اے بی سی نیوز نے بتایا کہ برطانوی فوجی چیف آف اسٹاف جنرل سر چار کیوتھرے نے بتایا کہ ایک واقعہ کے مطابق چار ٹرکوں میں لاشیں بھر کر لائی گئیں اور انہیں اجتماعی قبر میں دفنایا گیا جبکہ نعشوں سے بھرے ایک ٹرک کو آگ لگا کر جلا دیا گیا۔ جبکہ 19 اپریل کے نیوز ویک نے اس ظلم کے بارے میں لکھا!

no body knows how many kosovars were killed by the serb forces when mlosevic.s forces lanched their compaign-cods-name operation horse-show-to clense the province of its albanian population.

کوئی شخص نہیں جانتا کہ کتنی تعداد میں کوسوو کے لوگوں کو سرب فورسز نے قتل کیا کہ جب میلوسیوک کی فورسز نے اپنی مہم کا آغاز کیا تو اس آپریشن کا خفیہ نام ”ہارس شو“ رکھا۔ اس منصوبے کا مقصد کوسوو میں البانوی لوگوں کی نسلی صفائی تھا۔

اس نسلی صفائی کے دوران یہ لٹے پٹے لوگ جب بارڈر کے قریب آئے تو وہاں سربوں نے پھر حملہ کر دیا اور لوگوں سے شہریت کے کاغذات۔ پاسپورٹ۔ جائیدادوں کے کاغذات جس کسی کے پاس تھے وہ چھین کر پھاڑ دیئے حتیٰ کہ گاڑیوں کے کاغذات اور لائسنس تک لے کر پھاڑ دیئے۔

100 اجتماعی قبروں میں 10 ہزار افراد دفن ہیں

kla کے لیڈر ابراہیم رجوتا کے انٹرویو پر امریکہ اور برطانیہ میں شدید ردعمل ہوا ہے اور بعض سرکاری ذرائع اسے ابراہیم رجوتا کی ذاتی رائے اور انٹرویو کے مندرجات کو خلاف حقیقت قرار دے رہے ہیں۔ امریکہ و مغرب کے ذرائع حقائق کو خواہ کتنا ہی چھپائیں لیکن دنیا کو سچائی بہرحال معلوم ہو چکی ہے اور متعصب عیسائی اقوام کا گھناؤنا کردار بھی کھل کر سامنے آ گیا ہے یہ حقیقت جھٹلائی نہیں جا سکتی کہ کوسووا پر قیامت بیت گئی، ہزاروں مسلمانوں بیدردی سے شہید کر دیا گیا۔ ۱۸ لاکھ باشندوں کے گھروں کو لوٹ کر انہیں بے سروسامانی کی حالت میں ملک سے باہر نکال دیا گیا۔ ہزاروں افراد معذور ہو گئے، بے شمار خواتین کی بے حرمتی کی گئی، جب نیٹو کے فضائی حملوں کے باعث غاصب سرب فوج ڈرامائی انداز میں واپس گئی اور لوگ کوسووا میں واپس پہنچے تو ان کے سامنے سینکڑوں قبریں موجود تھیں، جن میں ہزاروں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو ہلاک کر کے ایک ایک قبر میں کئی کئی افراد کو پھینک کر اوپر مٹی ڈالی ہوئی تھی۔ اجتماعی قبروں کا یہ منظر اس بدنصیب ملک پر بیتنے والی قیامت کا انتہائی دلدوز نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس قیامت خیز منظر کا بیان مغربی اخبارات و جرائد کے علاوہ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ نے بھی کیا ہفت روزہ ”نیوز ویک“ نے اپنی تازہ اشاعت میں ان اجتماعی قبروں اور ان میں زندہ و مردہ دفن کئے جانے والے مظلوم افراد کی تصویریں شائع کی ہیں۔ نیوز ویک کے مطابق کوسووا میں تقریباً ایک سو اجتماعی قبروں میں دس ہزار باشندے دفن ہیں۔ ایک ایک قبر اپنے اندر تقریباً ایک سو افراد کو لئے ہوئے ہے۔ نیوز ویک کے نمائندہ راڈ نارولینڈ نے ایک خصوصی سروے میں ان قبروں اور ان میں دفن افراد کی تفصیلات شائع کی ہیں۔ یہ تفصیلات بہت دلدوز ہیں۔ سرب فوجوں کے جبر و دہشت سے کسی طرح بچ جانے والے مردوں اور

خواتین نے سرب فوجوں کی درندگی کے چشم دید واقعات بیان کئے ہیں۔ ان درندہ صفت انسانوں نے معصوم بچوں اور بچیوں کو بھی معاف نہیں کیا۔ انہوں نے جس وحشت اور بربریت کا مظاہرہ کیا وہ ناقابل بیان ہے۔ یہ ظالم تمام انسانی و اخلاقی حدود پھلانگ گئے۔

راڈ نار ولینڈ کے مطابق کوسووا کے قصبوں میں واپس آنے والے باشندوں پر سکتہ طاری ہے۔ ہر طرف اجڑے ہوئے گھر اور ان گھروں کے اندر اور باہر عزیز و اقارب کے کٹے ہوئے جسمانی اعضاء، وحشت طاری کر دیتے ہیں۔ اس اذیت ناک عالم میں کسی بھی ہوشمند انسان کا اپنے حواس کو قابو میں رکھنا ممکن نہیں رہا، اس کے باعث ملک بھر میں عجیب سوگوار فضا طاری ہے، ہر شخص سکتہ اور نیم بے ہوشی کے عالم میں ہے۔ ہزاروں افراد ذہنی عدم توازن کا شکار ہو چکے ہیں۔ ملک میں امن تو قائم ہو گیا ہے مگر یہ قبرستان والا امن ہے جہاں زندہ لوگوں کی حالت بھی مردوں جیسی ہے۔

نیوز ویک نے ان اوزاروں کی تصویریں بھی چھاپی ہیں جن کے ساتھ سرب فوجی درندے کوسووا کے نہتے شہریوں کے اعضاء کاٹتے اور تشدد کرتے تھے۔ یہ داستان کسی پسماندہ قبائلی علاقے یا ناخواندہ جاہل وحشی قبیلوں کی نہیں، یہ ناقابل بیان ظلم اور تشدد یورپ کے ایک ملک کی ایسی قوم نے کیا ہے جسے اپنے مہذب اور ترقی یافتہ ہونے پر فخر ہے۔ نیوز ویک میں اجتماعی قبروں کے واقعات کی بہت سی روح فرسا داستانیں چھپی ہیں، ہر داستان کا المیہ مختلف ہے۔ ان داستانوں کو پڑھ کر کانوں میں معصوم بچوں اور خواتین کی دلدوز چیخیں گونجتی ہیں۔ ان ہر شربا داستانوں کے شائع ہونے پر دنیا بھر میں شور مچ گیا ہے کہ سرب درندوں کے سرغنہ اور یوگوسلاویہ کے صدر میلوسووچ پر جنگی جرائم کے تحت مقدمہ چلایا جائے اور اسے اور سرب فوجیوں کو سر عام موت کی سزا دی جائے۔

نیٹو کا منافقت

پاکستان کے سابق وزیر خارجہ آغا شاہی کے مطابق بڑی طاقتوں کی ہر کاروائی ان کے اپنے مخصوص مفادات کے تابع ہوتی ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ کوسووا کے عوام کی ہمدردی میں نیٹو کے طیاروں نے یوگوسلاویہ کے بعض مقامات پر بمباری کی مگر کوسووا میں اپنے فوجی دستے نہیں بھیجے تاکہ آمنے سامنے لڑائی نہ لڑنا پڑے۔ نیٹو کے طیاروں نے بھی بہت بلندی سے

بمباری کی اور خود کو محفوظ رکھا۔ ایک ایسے محاذ پر جس میں ۸ لاکھ افراد کو کوسووا سے جبری ہجرت پر مجبور کر دیا گیا، ہزاروں باشندے ہلاک اور معذور کر دیئے گئے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ نیٹو کا کوئی فوج ہلاک یا زخمی نہیں ہوا، اس کے کسی طیارے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ نیٹو کی فوج اس وقت کوسووا گئی جب جنگ بندی کے بعد حملہ آور غاصب سرب فوج وہاں سے واپس جارہی تھی۔ پاکستان کے ایک دردمند سرجن ڈاکٹر محمد اقبال خان پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کا ایک وفد لیکر البانیہ گئے جہاں انہوں نے کوسووا کے مہاجرین کے کیمپوں میں طبی خدمات انجام دیں۔ مہاجرین نے انہیں اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کی جو داستانیں سنائیں وہ انتہائی دلخراش ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال خان نے واپس آکر ایک سفرنامہ لکھا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں "کوکس" میں ایک لاکھ سے زائد مہاجرین رہتے تھے اور آنے جانے کا سلسلہ جاری تھا۔ ہر روز ہزاروں آتے، کچھ یہاں ٹھہر جاتے اور کچھ آگے روانہ کر دیئے جاتے۔ یہاں آنے والے مہاجرین انتہائی خستہ حال گاڑیوں، ٹریکٹروں، گھوڑا گاڑیوں اور ٹرکوں کے علاوہ بڑی تعداد میں ۲۰۰ میل سے زیادہ مسافت پیدل طے کر کے یہاں پہنچتے تھے، راستے میں سربوں کی بربریت کا شکار بھی ہوتے۔ کچھ عجیب داستانیں تھیں آنکھیں نم کرنے اور رونگٹے کھڑے کرنے اور حیران پریشان کرنے والی داستانیں۔ ایسے لگتا کہ انسان وحشت پر اتر آئے تو کوئی خونخوار درندہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ مہاجرین نے بتایا کہ راستے میں لوگوں سے سرب نقدی، گھڑیاں، زیورات، کمبل، لحاف اور دوسری اشیاء تو کیا، کھانے کے لئے روٹی تک چھین لیتے۔ شناختی کارڈ یا پاسپورٹ قبضے میں لے لیتے اور کپڑے تک اتار لیتے۔ اگر انگلی میں انگوٹھی ہوتو انگوٹھی اتارنے کے بجائے اسے کاٹ لیتے، کان اور ناک بھی کاٹ لئے جاتے، مزاحمت پر زندگی سے ہاتھ دھونے پڑتے۔

بلاج ندی خوں رنگ ہوگئی

عیسوف زنقی کاشتکار ہے اور جنوب مغربی کوسوو میں بلاسرکا نامی گاؤں سے تعلق رکھتا ہے۔ ۲۵ مارچ کو اس کے پچاس رشتے داروں سمیت ساٹھ مردوں کو بیس مسلح سرب پولیس والوں نے ایک پہاڑی کھیت میں گھیر لیا اور انہیں سربو کروٹ زبان میں حکم دیا کہ ۳۵ فٹ پیچھے

بلاج ندی میں اتر جائیں۔ مرتے کیا نہ کرتے، وہ سب ندی کے پانی میں اتر گئے جو یخ بستہ اور ٹخنوں تک گہرا تھا۔ تب پولیس نے خودکار ہتھیاروں سے ان پر فائرنگ شروع کردی۔ عیسوف کے شانے میں گولی لگی اور وہ سب سے پہلے گرا۔ دوسرے زخمی ہو ہو کر اس کے اوپر گرتے رہے۔ تڑپتے لوگوں کی چیخیں بڑی دردناک تھیں۔ فائرنگ پانچ سات منٹ جاری رہی اور عیسوف شہیدوں کی لاشوں میں دب گیا، تاہم اس کا سر باہر تھا۔

عیسوف زنیقی بیس منٹ تک پانی میں پڑا رہا حتیٰ کہ اسے فوجیوں کے چلے جانے کا یقین ہوگیا۔ وہ آہستہ آہستہ لاشوں کے ڈھیر سے نکلا اور گھسٹتے ہوئے دس کلومیٹر دور سیرس پہنچنے میں کامیاب ہوگیا جہاں ایک نرس نے اس کے زخموں کا علاج کیا۔ دو راتیں بعد وہ چند لوگوں کے ساتھ واپس بلاج ندی پر گیا اور انہوں نے شہدا کو اسلامی طریقے سے دفن کیا۔ اس نے آخری بار اپنے عزیز و اقارب کے چہرے دیکھے، پھر وہ قافلے کے ساتھ البانیہ چلا آیا۔

اس قتل گاہ سے عیسوف کے علاوہ تین اور افراد زندہ بچے اور بھاگ کر کوکس، البانیہ پہنچ پائے۔ عیسوف کے عم زاد برہاری کی بیوی نجمہ زنیقی بتاتی ہے: ''ہم تین بجے سرب ٹینکوں کا شور سن کر جاگ اٹھے۔ وہ لوگ مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا رہے تھے۔ طلوع آفتاب تک سب دیہاتی اپنی جانیں بچانے کے لیے نصف کلومیٹر دور بلاج ندی کی طرف نکل گئے۔'' آٹھ بجے تک آٹھ سو مسلمان وہاں ریلوے پل کے پاس جمع ہو چکے تھے جب سرب پولیس نے آکر گھیرا ڈال لیا۔ ساٹھ سالہ سودہ زنیقی نے پل کے نیچے سے دیکھا کہ پولیس نے دو دیہاتیوں، ان کی بیویوں اور نو بچوں کو گولیوں سے اڑا دیا۔ باقی افراد کو ایک کھیت میں جمع کر کے مردوں کو عورتوں اور بچوں سے الگ کرلیا گیا۔ پھر عورتوں اور بچوں کو حکم ملا کہ وہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چلے جائیں۔ انہی میں سودہ کا بیٹا ۲۹ سالہ برہاری بھی تھا جو دبلا پتلا ہونے کے باعث عورتوں کے گروہ میں شامل ہوگیا تھا۔

اس وقت گاؤں کے ڈاکٹر نسیم پوپاج نے سرب کیپٹن سے کہا: ''ہم پرامن لوگ ہیں۔ ہمیں جنگ سے کوئی سروکار نہیں۔'' یہ سنتے ہی کیپٹن بولا: ''ایک میٹر پیچھے ہٹ جاؤ۔'' اور جب ڈاکٹر نسیم نے اس کے حکم کی تعمیل کی تو ظالم سرب نے اس کے سینے میں تین گولیاں داغ دیں۔ ڈاکٹر نسیم فوراً شہادت پا گئے۔ پھر عورتوں اور بچوں نے سیرس کی طرف چلتے ہوئے پے در پے گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں۔ سودہ سسکیاں بھرتے ہوئے کہتی ہے۔ ''انہوں نے

ہمارے شوہر شہید کر دیے۔"

نقاب پوش دہشت گرد

جاکووِیتسا (djakovica) عثمانی دور کا تاریخی صنعتی شہر ہے۔ گزشتہ ایک سال کی سرب دار و گیر کے دوران پناہ گزینوں کی آمد کے باعث اس کی آبادی ساٹھ ہزار سے بڑھ کر ایک لاکھ ہو گئی تھی۔ نیٹو کی فضائی بمباری شروع ہونے سے پہلے ہی سرب پولیس دھمکیاں دے رہی تھی کہ اگر بمباری ہوئی تو وہ مزید البانوی نژادوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے، چنانچہ نیٹو کے اولین کروز میزائل داغے جانے کے بعد بہت سے لوگ زیریں پناہ گاہوں میں چلے گئے۔ وہ صرف چند گھنٹوں کے لیے خوراک اور پانی لینے تہہ خانوں سے باہر آتے۔ پھر ۲۹ مارچ کو یوگوسلاوی فوج نے اعلان کیا کہ تمام بقیہ البانوی شہر سے نکل جائیں۔ ایک مہاجر نے بیان کیا: "یکم اپریل کی رات موسلا دھار بارش ہو رہی تھی جب سرب پولیس اور فوجی تیرہ سو مکانات کے ایک محلے میں آ دھمکے۔ انہوں نے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔ وہ گھر گھر دہشت پھیلاتے گئے اور انہوں نے ۵۵ مسلمان شہید کر دیے۔ ان میں بیس عورتیں اور بچے بھی شامل تھے جو ایک پول ہال کے تہہ خانے میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ بہت سی نعشیں شعلوں نے نگل لیں کیونکہ باوردی بندوقچی مکینوں کو گولی مارنے کے بعد گھر کو آگ لگا دیتے تھے۔"

اسی دوران ظالم سرب ۶۵ سالہ استاد یونس قاتا کے گھر میں داخل ہوئے اور اس کی اہلیہ غنیمت اور جوان بیٹے اور بیٹی کو گولیاں مار کر گھر نذر آتش کر دیا۔ نگران کے گھر کو آگ نہ لگائی کیونکہ وہ سربوں کے گھروں سے ملحق تھا۔ پھر انہوں نے ملازم کرکشو، کاظم بردنیقی، ان کے ہمسائے عثمان ویکا اور اس کی تین بیٹوں سکندر، ملیم اور البرٹ کو ہلاک کر دیا۔ عثمان کی بیوی کو یہ کہہ کر باہر دھکیل دیا کہ سیدھی البانیہ چلی جاؤ۔ گلی کے پار سکندر وتا نہو اور اس کا بھائی، مرتضیٰ ویناج اور اس کا بیٹا اور قریبی گاؤں کے چار مرد پناہ گزین بھی اسی انجام سے دوچار ہوئے۔

سرب قصابوں کا شیطانی ظلم

گزشتہ ماہ جدہ سے محمد ریاض ملک صاحب نے شیطانی سربریت کا ایک ایسا واقعہ ارسال کیا جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ عربی اخبار ”عکاظ“ نے اپنی ایک رپورٹ میں لکھا کہ چار سرب فوجی ایک گھر میں داخل ہوئے جہاں دو جوان بہن بھائی اور ان کی والدہ مقیم تھے۔ فوجیوں نے لڑکی کی عزت لوٹنا چاہی تو بھائی نے مزاحمت کی اور ایک فوجی کو زخمی کر دیا۔ باقی تین فوجیوں نے لڑکے پر گولیوں کی بوچھاڑ کر کے اسے ڈھیر کر دیا۔ بعد میں اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور اس کا گوشت چولہے پر پکا کر اس کی ماں اور بہن کو جبراً کھلایا۔ اس بدنصیب ماں پر سکتہ طاری ہے۔ وہ جو کچھ کھاتی ہے۔ قے کر دیتی ہے۔ اور شہید کی بہن تو نیم پاگل ہو چکی ہے۔

کوسوو سے مسلمانوں کے انخلا کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ سربوں نے مسلمان گھرانوں کو تقسیم کر دیا ہے۔ خاوند البانیہ میں ہے تو بیوی مقدونیہ میں اور بچے ترکی میں۔ مہاجر کیمپ میں والدین کے بغیر بچوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

چھیاسٹھ سالہ رحمٰن ہوتی نے کوسوو سے جبری بے دخلی کے بعد تین دن مقدونیہ کے بلیس کیمپ میں گزارے۔ اس نے ان تین دنوں کو ”دوزخ“ میں گزارے گئے ”تین سو برس“ قرار دیا اور بتایا کہ کیمپ پر مامور مقدونیہ کی مسیحی پولس ان کی تذلیل کرتی اور پانی، خوراک اور دوسری بنیادی ضرورتوں تک رسائی کی اجازت بھی نہ دیتی۔ خود اسے ۴۸ گھنٹے پانی نہ دیا گیا۔

معصوم ذہنوں پر وحشیانہ جنگ کا اثر

کوسوو کے جنگ زدہ بچوں کے ذہنوں پر جلتے گھروں، نقاب پوش بندوقچیوں، سڑکوں پر بکھری لاشوں اور بھ دھماکوں کا اس قدر اثر ہے کہ وہ تیرانہ کے ایک مہاجر کیمپ کی خیمہ کلاس میں اسی نوع کی تصویریں بناتے رہتے ہیں۔ بارہ سالہ انوشا کرائز یو کہتی ہے: ”نقاب پوش آئے تھے، انہوں نے پہلے مکانات پر چلیپا نشانات لگائے اور پھر انہیں آگ لگاتے چلے گئے۔“ زیادہ تر بچوں کا تعلق جنوبی کوسوو میں پریزرن کے علاقے سے ہے۔ ان کی مصوری میں

بھیڑیے اور اژدہے ظالم سربوں کی نمائندگی کرتے ہیں اور سورج، پرندے، تتلیاں اور رنگین پھول اور جزیرے پر نئے مکانات کوسوو لوٹ کر جانے کی آرزو کے عکاس ہیں۔ بعض تصویروں میں ٹینک، لاشیں اور جلتی چھتوں سے اٹھتے شعلے دکھائے گئے ہیں۔

چودہ سالہ ابیش حسناج کہتا ہے: ”میرے کئی سرب دوست تھے اور ہم اکٹھے فٹ بال کھیلا کرتے تھے۔ لیکن جب فوج قتل وغارت کرنے آئی تو ہمارے سرب ہمسائے اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ سابق دوست اب میرے دشمن ہیں اور میرا جی چاہتا ہے انہیں دیکھتے ہی گولی ماردوں۔“ ابیش کا باپ اور تین چچا ظالم سربوں کا مقابلہ کرنے کو پہاڑیوں میں چلے گئے تھے۔ اس کے والد نے الوداع کہتے ہوئے کہا تھا: ”اب خاندان میں تمہی ایک مرد ہو اور تمہی اس کی دیکھ بھال کرو گے۔“ بعض بچے کسی نیک دل سرب کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ چودہ سال کی ایک لڑکی بتاتی ہے کس طرح ایک سرب نے پندرہ لڑکیوں کو آبروریزی سے بچایا تھا۔

مہاجرین کی ہجرت کی غمزدہ داستان

باشکین ملاکو دو بچوں کا باپ ہے۔ اس کا تعلق گلینا سے ہے جس کی چھ ہزار آبادی میں اسی فیصد البانوی نژاد تھے۔ وہ الیکٹرانکس اور کمپیوٹر کا استاد تھا، تاہم رواں سال کے شروع میں اس نے ”یورپ میں سلامتی وتعاون کی تنظیم“ سے وابستگی اختیار کر لی تھی۔ اواخر مارچ میں اس تنظیم کے مبصر کوسوو سے نکل آئے تو سرب فوج نے گلینا اور چار قریبی دیہات پر گولے برسانے شروع کر دیے۔ ستم رسیدہ دیہاتی قصبے میں چلے آئے۔ سربوں نے البانویوں کی دکانیں تہس نہس کر دیں یا جلا ڈالیں۔ ملاکو اور اس کی بیوی مرردیٹہ تین سال اور دس ماہ کی بیٹیوں دفینہ اور مدینہ کے ساتھ اپنے گھر میں قیدی بن کے رہ گئے کیونکہ گلیوں اور بازاروں میں وحشی سرب قتل عام کرتے پھرتے تھے۔ قصبے کے بیرونی مکانات خالی ہو چکے تھے یا جل رہے تھے۔ ملاکو نے دونوں بیٹیوں کے لیے ایک بوری میں دو سوراخ کر لیے۔

آخر میں مارچ کو پانچ سرب فوجی ان کے گھر میں آدھمکے اور ان کے پاسپورٹ اور شناختی کارڈ چھین لیے۔ کہا گیا کہ ”اب ان کی تمہیں ضرورت نہیں کیونکہ البانیہ والے تمہیں نئے دے دیں گے۔“ پھر سامان باندھنے کے لیے پانچ منٹ دیے گئے۔ روانگی کے وقت ملاکو کی بیوی

کے پانچ رشتے دار بھی ساتھ ہو لیے۔ انہیں اپنی کار نکالنے کی اجازت نہ ملی۔ سرب عورتیں اور بچے انہیں دیکھ کر ہنستے اور تالیاں بجاتے تھے۔ انہیں ایک ٹرک میں ٹھونسا گیا اور ایک میل آگے سڑک پر لا اتارا۔ پھر وہ پیدل البانیہ کی سرحد کے نزدیک پہنچے تو سربوں کی شدید گولہ باری کے باعث اگلی دوراتیں ایک پہاڑی گاؤں، قرہ لان میں رکے رہے۔

اس دوران ظالموں نے وہاں آ کر انہیں گھیر لیا۔ ان کے پاس ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور دوسرے ہتھیار تھے۔ ملاکو نے مدینہ کو بوری میں ڈال کر سینے سے لگا رکھا تھا جبکہ دفینہ اس کی پشت پر تھی۔ ایک سرب فوجی نے درشتی سے کہا کہ ان کو نیچے اتار دو۔ دفینہ چلاتے ہوئے باپ کی ٹانگوں سے چمٹ گئی۔ قافلے میں چار سو البانوی تھے اور وحشی سرب مردوں کو عورتوں سے الگ کرتے ہوئے انہیں رائفلوں کے بٹ اور ٹھوکریں مار رہے تھے۔ ملاکو نے بھی ٹھوکریں کھائیں اور دفینہ سے کہا کہ وہ اپنی ماں کے پاس چلی جائے۔ وہ معصوم چیخ رہی تھی۔

چار سو مردوں کو ایک کھیت میں جمع کر کے کہا گیا کہ وہ زمین پر بیٹھ جائیں، نظریں نیچی رکھیں اور ہاتھ سروں کے اوپر باندھ لیں، نیز قمیصیں اور کوٹ اتار دیں۔ ملاکو آنسو بہاتے ہوئے بتاتا ہے: ”میری بیٹی چیختی ہوئی مجھے پکار رہی تھی، مگر میں بے بس تھا۔ اندھیرا چھا گیا تھا۔ پھر وہ ایک ٹینک لے آئے اور کہا کہ اسے تمہارے اوپر سے گزاریں گے۔ بعض سپاہیوں کو یہ کہتے سنا گیا کہ انہیں اجتماعی قبر کی ضرورت ہے۔

آدھی رات کے لگ بھگ مجبور قیدیوں کے کوٹ اور قمیصیں لا کر ان کے سامنے ڈھیر کر دی گئیں۔ پھر حکم ہوا کہ دو دو آدمی بیک وقت ڈھیر تک جائیں اور ہر ایک اپنے لیے دو جامے اٹھا لے۔ اندھیرے میں بعض کو بہت بڑے بڑے کپڑے ملے اور بعض کو بہت چھوٹے۔ خوش قسمتی سے ملاکو نے جو کوٹ اٹھایا وہ بے ڈھب مگر بھیڑ کی کھال سے بنا ہوا تھا۔ وہ اس کی جسامت سے دو گنا بڑا تھا۔ پھر ان ظالموں نے ایک روٹی قیدیوں کو پیش کی۔ ملاکو کہتا ہے: ”وہ ہنس رہے تھے یہ دیکھنے کے لیے کہ ہم ایک روٹی کا بھلا کیا کرتے ہیں۔ ہم سب نے وہ ایک روٹی ہی بانٹ لی۔“

اگلی رات ایک فوجی ٹرک نمودار ہوا۔ سربوں نے بوڑھے اور بیمار مردوں کو الگ کرتے ہوئے بتایا کہ تمہیں بعد میں البانوی سرحد تک پہنچا دیا جائے گا۔ رات انتہائی سرد اور خون منجمد کر دینے والی تھی اور ظالم عیسائی آگ بھی نہیں جلانے دیتے تھے۔ قیدی بری طرح ٹھٹھرتے

رہے۔ قید کی تیسری صبح ایک سرب مجبران کے سامنے آن کھڑا ہوا اور نیٹو کا تمسخر اڑاتے ہوئے بولا: ”تم دیکھ سکتے ہو کہ نیٹو بہت خطرناک ہے، تمہارے لیے اور ہمارے لیے بھی۔“

اس دوران فوجی، قیدیوں کے عقب میں چلتے ہوئے نوجوانوں کو چھانٹ کر الگ کرتے رہے۔ پھر سب قیدیوں کو حکم ہوا کہ سرب فوجیوں کی دو قطاروں کے درمیان سے گزریں۔ اس طرح انہوں نے مطلوبہ نوجوان افراد الگ نکال لیے۔ ملا کو بتاتا ہے: ”یہاں میرا بے ڈھب کوٹ کام آیا۔ میں بری طرح تھکا ہوا تھا اور بوڑھوں کی طرح چل رہا تھا۔ یہی میری خوش قسمتی تھی۔“

جن لوگوں کو رہا کیا گیا انہیں ایک بکتر بند گاڑی کی معیت میں سڑک کی طرف جانے دیا گیا۔ مگر نوے بدنصیب نوجوان پیچھے رہ گئے۔ جب خوش نصیبوں کا قافلہ پہاڑی کی دوسری طرف نیچے اترا تو انہیں پیچھے خودکار مشین گن کے فائر سنائی دیے جو دس منٹ گونجتے رہے۔ بے بس کو سو دی نوجوان شہید کیے جا رہے تھے۔

ظلم کی دلخراش داستانیں

عالمی پریس میں گزشتہ دو ماہ کے دوران کوسوو کے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی دردناک داستانیں منظر عام پر آ رہی ہیں۔ چوبیس سالہ بیمر کراسنق، پریزرن کے نزدیک ایک گاؤں میں انگلش ٹیچر تھا اور ”یورپ میں سلامتی و تعاون کی تنظیم“ کے مبصرین کی ترجمانی کرتا تھا۔ اس کی بیوی شکریجی پرائمری اسکول میں پڑھاتی تھی۔ ۲۵ مارچ کو ایک ہزار سربوں نے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔ دیہاتیوں کو گاؤں خالی کرنے کا حکم دیا گیا۔ پندرہ افراد کو گولی مار دی گئی کیونکہ وہ اپنے گھروں سے نکلنے پر آمادہ نہ تھے یا انہوں نے سرب درندوں کا حکم بجا لانے میں سستی کی تھی۔ ان میں بیمر کا چودہ سالہ شاگرد البان رجبی بھی تھا۔ ان سب کی نعشیں سربوں نے جلا دیں۔ کوئی بولنے یا وجہ پوچھنے کی جرات کرتا تو اسے وہیں گولی مار دیتے تھے۔ بیمر کہتا ہے: ”ہمیں دس گھنٹے اس طرح محاصرے میں رکھا گیا کہ ہم نے بیشتر وقت اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھے۔ سرب فوجی اور پولیس والے بیکسوں کو وحشیانہ طور پر پیٹتے تھے۔“

بسوں میں سوار کرنے سے پہلے سربوں نے عورتوں کو زیورات اور مردوں کو نقدی سے محروم کر دیا اور پھر سرحد کی جانب روانہ کرتے ہوئے دھمکی دی: ”سیدھے البانیہ چلے جاؤ۔ اگر واپس آئے تو قتل کر دیں گے۔“ سمیر کی آنکھوں میں اپنے شاگرد کی جلی ہوئی لاش، بچوں کے خوفزدہ چہرے اور جلائے گئے مکانات اور ہلاک شدہ جانور گھوم جاتے ہیں جو اس نے سرحد کی طرف آتے ہوئے دیکھے۔ وہ کہتا ہے: ”میں اپنا وطن کبھی نہیں بھول سکتا۔ میں اپنے والدین کو محفوظ جگہ چھوڑ کر واپس جاؤں گا اور سربوں سے لڑتے ہوئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دوں گا۔“ اس کی بیوی اس کے ساتھ جانے کا عہد دہراتی ہے جو اس نے شادی کے وقت سے باندھ رکھا ہے۔

۲۳ الفرید دینا کو اپنی بیوی اور آٹھ ماہ کی بیٹی کے بارے میں کچھ خبر نہیں۔ وہ پرسٹینا یونیورسٹی کے شعبہ جسمانی تعلیم میں پڑھتا تھا۔ تشویشناک خبریں سن کر اپنے گاؤں سلینا پہنچا تو وہاں الو بول رہے تھے۔ وہ ایک قافلے کے ساتھ البانیہ چلا آیا۔ یہاں اس نے ریڈیو اور ٹی وی پر اعلان کرائے مگر بیوی اور بیٹی کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ وہ کہتا ہے: ”سلینا پر حملے کے وقت بعض لوگ تہ خانوں میں چھپ گئے تھے، مگر سربوں نے انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر شہید کر ڈالا۔“ اسے ظالم سربوں سے بات کرنے کا ایک ہی طریقہ نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ انہیں گولی مار دی جائے۔ وہ کے ایل اے کی صفوں میں شامل ہو کر جہاد کرنے کا عزم رکھتا ہے۔

”کیئر“ نامی تنظیم کے اینڈریو رہوڈز کے مطابق مقدونیہ میں قائم سٹینکو وک مہاجر کیمپ میں تین خواتین کی آپ بیتیاں کچھ یوں ہیں:

”بیوہ مرادیجی قانی اور اس کے تین بچے پرسٹینا کے نزدیک لاشنک نامی گاؤں میں رہتے تھے۔ شوہر چند سال پہلے فوت ہو گیا تھا۔ بچوں کی عمریں سات، نو اور گیارہ سال ہیں۔ سرب درندوں سے بچنے کے لیے وہ چاروں بس تن کے کپڑوں میں گھر سے نکلے، پہاڑوں میں تین ہفتے چھپتے چھپاتے پھرے اور پھر ایک بس میں بیٹھ کر مقدونیہ کی سرحد تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ دو راتیں خوراک اور پناہ کے بغیر سرحد پر گزاریں، تب انہیں مقدونیہ میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔

بریژک گاؤں کے نزدیک لڑائی جاری تھی، اس لیے سووہ جی پروحیکا اپنے تین بچوں کے ساتھ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو گئی۔ چھوٹا بچہ محض دو سال کا ہے۔ وہ پہاڑیوں میں چھپ

چھپا کر دارالحکومت پرسٹینا پہنچے۔ ایک ہفتہ بعد انہیں پولیس نے ریلوے اسٹیشن پہنچنے کو کہا اور پھر ایک ریل گاڑی نے انہیں سرحد پر لا اتارا۔ ہزاروں اور مہاجر سرحد پر بیکس پڑے تھے۔ ایک ہفتے بعد انہیں سرحد پار کرنے کی اجازت ملی اور وہ سٹینکو وک مہاجر کیمپ میں چلے آئے۔ سووہ جی کی ساس اور نند اسی کیمپ میں ہیں، مگر اس کے شوہر کا کچھ پتہ نہیں، زندہ ہے یا شہادت پا گیا۔

ایک سال پہلے کوسوو میں لڑائی شروع ہوئی تو حبیبہ شالا اپنے تین بچوں کے ساتھ گاؤں چھوڑ کر متروویکا شہر چلی آئی جہاں اس کے عم زاد مقیم تھے۔ تین ہفتے پہلے سرب فوج کے آنے پر انہیں متروویکا سے بھی بھاگنا پڑا۔ سرحد پر آ کر تین دن بھوکے اور پناہ کے بغیر خوفناک حالت میں گزارے۔ حبیبہ کے والدین، بھائی اور بہن کیمپ میں اس کے ساتھ ہیں مگر اس کا شوہر کوسوو کے اندر کہیں شہید ہو چکا ہے۔ اس کی نند بھی پانچ بچوں کے ساتھ کیمپ میں رہتی ہے مگر اس کا شوہر غائب ہے۔ دونوں خواتین اپنے شوہروں کے ذکر پر آبدیدہ ہو جاتی ہیں۔

ہمیں حال ہی میں کسووو بھر سے خطرناک رپورٹیں موصول ہوئی ہیں کہ کسووو کی نوجوان عورتوں کو سربی ہانک کر ''ڈاکوویکا'' کے آرمی کیمپ میں لے گئے جو کسووو کے جنوب مشرق میں ہے وہاں فوجی دستے ان کی عزتیں لوٹتے ہیں۔

پینٹاگان کے ترجمان کین بیکن نے کہا! ہمارے پاس یہ بھی رپورٹیں ہیں کہ بیس عورتیں اس ظلم میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

میرے بچے کو ذبح کر کے جلتی ہانڈی میں ڈالدیا

ایک خاتون کا بیان ہے کہ میں کوسووا کے ایک گاؤں میں اپنے بچوں کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھی تھی کہ اچانک سربی فوجی ہمارے گھر داخل ہو گئے انہوں نے دیکھا کہ میں کھانا پکا رہی ہوں تو طنزیہ ہنسی اڑاتے ہوئے پوچھا کہ کیا کر رہی ہو۔ میں نے کہا کہ میں اپنے بچوں کے لئے کھانا بنا رہی ہوں انہوں نے کہا کہ کیا پکا رہی ہو میں نے کہا کہ سبزی بنا رہی ہوں، انہوں نے پوچھا کہ سبزی کے ساتھ کچھ گوشت بھی ہے، میں نے کہا نہیں، تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہیں مفت

گوشت دیتے ہیں۔ پھر انہوں نے میرے ایک بچے کو پکڑا اور اس کو ایک بکری کی طرح ذبح کر دیا، پھر اس کے جسم کے ٹکڑے کر کے سبزی کی ہانڈی میں ڈال دیئے اور پھر طنزیہ قہقہوں کی گونج میں کہنے لگے کہ اس عمدہ گوشت کی ڈش تیار کر لینا، پھر وہ چلے گئے اور میرا جو حال تھا وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

تمام مردوں کو قتل کر ڈالا

کوسووا کے ایک گاؤں کی آبادی کی اکثریت عمر رسیدہ مرد عورتوں اور نوعمر بچوں پر مشتمل تھی۔ اس گاؤں کے نوجوان کوسووا کی آزادی کی جنگ لڑنے والوں کے ساتھ محاذ پر گئے ہوئے تھے، حالات خراب ہونے پر جب اس گاؤں کے بوڑھے اور بچے کسی ایسے پناہ گاہ کی تلاش میں بھٹکنے لگے جہاں ان کی جانوں کی حفاظت ہو سکے ان کی ملاقات ایک سربی مرد سے ہو گئی جو خالص البانوی زبان میں گفتگو کر رہا تھا، اس نے انہیں مدد کی پیش کش کی۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں کسی ایسی جگہ لے چلو جو محفوظ ہے، اس نے ان سے کہا تھوڑا انتظار کرو، میں ابھی آتا ہوں، وہ البانوی بھائی سمجھ کر اس کا انتظار کرنے لگے، کچھ دیر بعد وہ سربی فوجیوں کو ساتھ لے کر آ گیا جنہوں نے تمام مردوں کو قتل کر ڈالا اور نوجوان عورتوں کی عصمت دری کی اور انہیں یہ کہہ کر، نبانوی حدود میں دھکیل دیا کہ اب دوبار، کوسووا کا رخ نہ کرنا۔

پڑوسیوں نے گھر والوں کو قتل کر ڈالا

ایک خاتون کا بیان ہے کہ ہم اپنے گھر بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارا ایک سربی پڑوسی پستول سمیت ہمارے گھر میں گھس آیا، ہم نے نہایت تعجب اور گھبراہٹ کے انداز میں اس سے کہا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو، کیا ہم برسوں سے تمہارے پڑوسی نہیں، کبھی ہم نے تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہونچائی ہے، اس نے غصیلے لہجے میں چیختے ہوئے کہا کہ نہ تم میرے پڑوسی ہو اور نہ ہی میں تمہیں جانتا ہوں، اے عورت۔ پھر اس نے فائرنگ شروع کر دی اور میری نگاہوں کے سامنے میرے گھر کے تمام افراد کو قتل کر ڈالا۔ میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے اس نے کہا کہ میں تجھے زندہ چھوڑ رہا ہوں تاکہ تو البانیہ جائے اور وہاں یہ بتائے کہ تیرے سربی پڑوسی نے تیرے گھر والوں کا کیا حشر کیا ہے کیونکہ یہ زمین ہماری ہے تمہاری نہیں اے۔۔۔۔۔ عورت۔

میرے شوہر کے ناک کان کاٹ ڈالے

ایک خاتون زار و قطار روتے ہوئے بیان کر رہی تھی کہ دو ماہ قبل میری شادی ہوئی تھی اور میں حاملہ بھی تھی، میں اپنے شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہی تھی کہ ایک دن سربی فوج ہمارے گھر داخل ہوگئی انہوں نے مجھے ایک علیحدہ کمرے میں بند کر دیا اور میرے شوہر کو کو علیحدہ کمرے میں، پھر انہوں نے مجھے کہا کہ اب اپنے شوہر کو تلاش کر، جب میں نے بیت الخلاء کا دروازہ کھولا تو میں نے اپنے شوہر کو دیکھا کہ اس کے کان کاٹے جا چکے تھے، اس کی آنکھیں نکالی جا چکی تھیں۔ ان کے منہ اور ناک سے مسلسل خون بہہ رہا تھا اور وہ انتہائی سخت تکلیف کی وجہ سے کراہ رہا تھا اور ابھی تک اس میں جان باقی تھی، پھر انہوں نے میری آنکھوں کے سامنے اس کو قتل کر دیا اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ اب کوئی اور شوہر تلاش کر لینا تاکہ اس کے ساتھ بھی ہم یہی کر سکیں۔

اب تمہاری زمین ہماری ملکیت ہے

ڈیلاتا ہو (dylatahu) بتلاتی ہے کہ سرب پولیس نے ہمارے گھر کے دروازے کے سامنے والے پڑوسیوں کو قتل کیا پھر ہماری طرف آئے۔ کہنے لگے گھر چھوڑ دو ورنہ اس طرح قتل کر دیں گے چنانچہ میں دو بچیوں کے ساتھ جلدی کرتے ہوئے بھاگنے لگی تو ایک سرب نے میرے گلے سے سونے کی چین کھینچ کر چھین لی۔ میں درجنوں لوگوں کے ساتھ بھاگی۔ بے شمار قتل ہوئے پڑے تھے۔ پھر یہ مارے پڑے لوگ گرتے پڑتے مقدونیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کیچڑ سے بھرے راستے پر وہ چل رہے تھے۔ کہ مقامی سربوں نے ہمیں دیکھ کر آواز کسے:

your land will be our's now.

اب تمہاری زمین ہماری ملکیت ہوگی۔

اور پھر ہماری عورتوں کو مذاق کرتے ہوئے کہنے لگے کہ جن میں سے اکثر کے خاوند قتل ہو چکے تھے۔

where are your housband$

تمہارے خاوند کہاں ہیں؟

اور پھر سب کو دھمکی دیتے ہوئے کہنے لگے!

we will kill you all.

ہم تم سب کو قتل کریں گے۔

12 اپریل کے "ٹائم" نے سرورق پر ایسی ہی جوان خاتون کی تصویر شائع کی ہے جو اپنے بچے گم کر چکی ہے۔ ایک شیر خوار بچہ اپنی چھاتی سے چمٹائے اسے دودھ پلا رہی ہے اور بازار میں دیوانہ وار دوڑتی پھر رہی ہے۔ ٹائم میگزین نے اس مسلمان خاتون کی چھاتی کا برہنہ حصہ دکھایا ہے جہاں سے شیر خوار رزق حاصل کر رہا ہے۔ ٹائیٹل پر بھی یہ تحریر لکھی ہے۔

An ethnic albanian women feeds her baby as she walks into mecedonea.

مسلمانو! اس صلیبی میگزین نے ظلم بیان کرنے کے پردے میں تمہاری غیرت کا مذاق اڑایا ہے وہ تو ایک عرصہ سے ہمیں چیک کرتے آرہے ہیں اور چیک کرتے کرتے نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ مظلوم مسلمان عورت کی یہ تصویر سرورق پر شائع کر کے چیک کرنے کا ایک یہ انداز بھی رہتا تھا سو وہ بھی اپنا لیا گیا۔

4 اپریل کے خلیج ٹائمز نے بتلایا ہے کہ بی بی سی لندن نے مظالم پر مبنی ایک فلم دکھائی ہے جسے کروسا کے قصبے کے مسلمان نے اس وقت بنایا جب ظلم و ستم کا بازار گرم تھا۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ سرب فوج نے ایک سو مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ اس ایک سو کے علاوہ یہ اندوہناک منظر بھی دکھلایا گیا کہ گلیوں، بازاروں اور پارکوں میں انسانوں کی لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں۔ فلم بنانے والے "بریکا نیکا" نے بتلایا کہ وہ سات دن تک چھپا رہا اور جب سرب چلے گئے تو فلم بنا کر بڑی مشکل سے چھپتا ہوا یہاں آیا۔ اس نے بتایا کہ سرب فوج لوگوں کو جمع کرتی اور انکی عورتوں اور بچوں کے سامنے مردوں کو گولیاں مارتی ایک مسلمان پر صرف ایک گولی چلائی جاتی۔ سر کے پیچھے سے گدی کے اوپر بیرل رکھ کر ٹریگر دبا دیا جاتا اور سر کا اگلا حصہ اڑ جاتا بریکا نیکا نے بتلایا کہ اس فلم میں 26 افراد ایسے ہیں کہ جو اس دنیا میں نہیں رہے اور میں ان کے ناموں سے واقف ہوں۔ وہ میرے قصبے ہی کے تو لوگ تھے۔ سربوں نے ایک ایک کر کے انکو گولیاں ماریں۔

برطانوی ہفت روزہ ''دی گارڈین'' نے ۱۴ جون ۱۹۹۸ء کی اشاعت میں ایک مسلمان خاتون کی تصویر شائع کی جو اپنے کئی عزیز و اقارب راستے میں کھو کر۔۔۔ اپنا بارہ تیرہ سال کا لخت جگر گلے کے ساتھ چمٹائے بے حال ہو رہی تھی۔ پہلو میں نو دس سال کا بچہ اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھے زار و قطار روئے جا رہا تھا۔ نامہ نگار نے بتایا کہ یہ لوگ سربوں کے مظالم سے بھاگ کر چار دن کا پہاڑی سفر طے کرنے کے بعد البانیہ پہنچے ہیں۔

حقہ ساج نامی چالیس سالہ عورت نے بتایا: ''میں نے دروازہ کھولا، تو کوئی چیز میرے کندھے پر آن لگی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک اور گولی میرے کمر کو چھو کر نکل گئی۔ میرا خاوند اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ لکڑیوں کے ڈھیر کی طرف چھپنے گیا۔ میں اس کی خبر لینے دوڑی، مگر اتنے میں وہ دونوں ہی شوٹ کر دیئے گئے۔ اب میں ٹھوکریں کھاتی واپس بھاگی اور اگلی تین راتیں گھر کی سیڑھیوں کے نیچے چھپی رہی۔

میں امید لگائے بیٹھی تھی کہ میرا شوہر صرف زخمی ہوا ہے اور وہ عنقریب گھر آ کر مجھے خوف و دہشت میں سہارا دے گا مگر وہ کب آنے والا تھا۔ چوتھی رات آئی تو اندھیرے میں میرا دیور آیا۔ اس نے مجھے وہاں سے نکالا اور ایک محفوظ گاؤں میں پہنچایا۔''

باپ کے سامنے 3 بیٹوں کو ننگا کر کے گولیوں سے بھون ڈالا

خواجہ نامی پرائمری اسکول ٹیچر نے اپنی بپتا یوں سنائی: ''ہم اپنے معمولی اسلحے کے ساتھ کب تک مقابلہ کر سکتے تھے۔ سربوں کو مزید کمک پہنچ رہی تھی۔ ہم اپنے اپنے بیوی بچوں کو دیکھنے گاؤں گئے کہ وہ کس حالت میں ہیں، تو وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ ہم بچے کچھے لوگوں کے ساتھ دوڑ پڑے تو پیچھے سے فائرنگ ہونے لگی۔ کچھ زخمی ہو کر گرے، کچھ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور کچھ دوڑے چلے جا رہے تھے۔''

آدم بوشاقی کے گاؤں کا نام ''لوبینگ'' ہے۔ اس نے بتایا کہ جب ہم رات کا کھانا کھانے لگے تو ڈیڑھ سو کے قریب فوجی گاڑیاں ہمارے گاؤں میں در آئیں۔ تقریباً پندرہ فوجیوں نے ہمارے گھر پر دھاوا بول دیا۔ میں بھاگا اور لمبی گھاس میں چھپ گیا۔ چار گھنٹے تک میں وہاں چھپا رہا۔ بارش ہو رہی تھی اور میں دیکھ رہا تھا کہ سرب کس طرح ایک ایک گھر تہس نہس کر رہے ہیں۔ اس دوران ان ظالموں نے ایک ۶۶ سالہ بزرگ کو پکڑا۔ اس کے چار بیٹے بھی اس کے ہمراہ

تھے۔ سرب فوجیوں نے بوڑھے باپ سے پوچھا: ”ان چار میں سے کسی ایک کو پسند کرلو۔ وہ زندہ رہ سکتا ہے۔ بوڑھے نے سب سے چھوٹے کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے اسے آزاد کردیا۔ باقی تینوں کے کپڑے اتروا لیے۔ انہیں الف ننگے کردیا اور پھر بھاگنے کا حکم دیا۔ وہ بھاگے تو ظالموں نے تینوں کو گولیاں مار کر ڈھیر کردیا۔“

ڈیڑھ ماہ کا زندہ بچہ

30 ستمبر کو بی بی سی نے بتایا کہ سرب فوج نے ایک قتل عام میں 30 مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کردیا ہے۔ یہ غیر فوجی لوگ تھے اور جنگل میں پناہ لئے ہوئے تھے۔ ان میں بھی زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی۔ بی بی سی کے نمائندے نے بتایا کہ قتل عام کا شکار ہونے والے مسلمانوں کی لاشوں کا ڈھیر لگا کر ان پر جلدی جلدی مٹی ڈال دی گئی۔ عورتوں اور بچوں کی لاشیں ایک طرف اور مردوں کی دوسری طرف رکھی گئی تھیں۔ قتل عام کا شکار ہونے والے سب سے چھوٹے بچے کی عمر چار سال کی تھی تاہم ڈیڑھ ماہ کا ایک بچہ زندہ ملا، اس کی ماں کی لاش اس پر ڈھال بن کر پڑی تھی۔

خواتین کو جنگل میں سرب گھسیٹ کر لے گئے

سرب فوجیوں کے لرزہ خیز مظالم کی چند جھلکیاں دو اکتوبر کو ”دی ٹائمز“ نے ایک رپورٹ میں دنیا کے سامنے رکھیں۔ دی ٹائمز کے مطابق سربوں نے حال ہی میں لڑائی کے باعث اپنے گھر چھوڑ کر محفوظ مقام کی طرف جانے والے قافلے پر حملہ کیا۔ انہوں نے اندھا دھند اور وحشیانہ انداز میں فائرنگ کر کے تمام مردوں کو قتل کردیا اور خواتین کو گھسیٹ کر جنگل میں لے گئے جہاں سرب فوجیوں نے شراب پی اور خواتین کی کھلم کھلا آبروریزی کی۔

ہزاروں عورتوں کی عزتیں لوٹیں لیکن شرم کے مارے بہت کم لڑکیاں سربوں کی جنسی درندگی کے بارے میں بتاتیں

البانوی نژاد مسلم خواتین نے لندن کے اخبار دی ٹائمز کے نامہ نگار کو بتایا کہ ہر سرب فوجی نے ایک یا دو مسلمان لڑکیوں کی عزت لوٹی۔ جن لڑکیوں نے اپنی عزت بچانا چاہی ان کے گلے پر چاقو رکھ دیے یا ان کے بچوں کو آگ کے اوپر لٹکایا گیا جس کی وجہ سے لڑکیوں کی بچی کچھی مزاحمت بھی دم توڑ گئی۔ کوسووا کے دارلحکومت پرسٹینا کے جنوب مغرب میں واقع پہاڑوں میں مسلمانوں کے مختلف دیہات واقع ہیں جہاں لرزہ خیز اور شرمناک واقعات میں بچ جانے والی خواتین اور لڑکیوں نے اپنے اوپر گزرنے والے حالات دی ٹائمز کے نامہ نگار کو بتائے۔ اس موقع پر کئی مغربی سفارتکار بھی موجود تھے جنہوں نے اس علاقے کا دورہ کیا اور یہ واقعات سن کر حیران رہ گئے۔ ان علاقوں میں سرب فوجیوں نے وحشیانہ انداز میں مسلمانوں کے گھروں میں لوٹ مار کی، مردوں کو قتل کیا، گھروں کو نذر آتش کیا اور خواتین کی آبروریزی کی۔ یہ علاقہ جو قدرتی مناظر سے مالا مال ہے اب کسی جہنم کا منظر پیش کر رہا ہے۔ ایک مسجد کے صحن میں سرب فوجوں نے تین مسلمانوں کو قتل کیا اور وحشیانہ انداز میں انکی لاشوں کو مسخ کر دیا۔ کوسووا کے ایک مسلمان باشندے نے بتایا کہ خواتین کیلئے اپنی آبروریزی کے بارے میں بتانا بے حد شرمناک ہوتا ہے کیونکہ ایسی عورت سے کوئی شادی نہیں کرتا۔ دو لڑکیوں نے بتایا کہ ایک رات نشے میں دھت سرب فوجی انہیں گھسیٹ کر جنگل میں لے گئے۔ انہوں نے ہمیں اپنے ساتھ آگ کے گرد رقص کرنے اور شراب پینے پر مجبور کیا۔ یہ کہتے ہوئے پچیس سالہ منیرہ کا سر شرم سے جھک گیا۔

مسلمانوں کی لاش پر لگے خون کو کتے چاٹ رہے تھے

سنڈے ٹائمز کا نامہ نگار جون سوین (jon swain) لکھتا ہے۔

کوسووا کا سانحہ ایمائن یوکاج کے سفید چہرے پر لکھا ہوا ہے جو ایک نرس ہے۔ یہ بتاتے ہوئے کہ اس کے باپ اور شوہر کو کس طرح قتل کیا گیا اس کا چہرہ اس کے آنسوؤں سے تر

ہو گیا۔ اس نے بہتے ہوئے آنسوؤں اور سسکیوں میں بتایا کہ سربوں نے اس کے گاؤں پر ایک حملہ کے دوران میں اس کے 86 سالہ باپ کو زندہ جلا دیا۔

اس کا خاوند ایک ڈاکٹر تھا جسے سربوں نے اغوا کر لیا۔ وہ پہاڑوں میں پناہ گزیں زخمیوں اور بیماروں کے علاج کے لئے اپنا میڈیکل بیگ اٹھائے ایک تنگ راستے پر پیدل ہی جا رہا تھا جب سیکورٹی فورسز کے آدمی اسے پکڑ کر لے گئے۔ دو دن بعد ایک کھائی سے اس کی لاش ملی۔ لاش پر لگے خون کو آوارہ کتے چاٹ رہے تھے۔ ایک بازو توڑ کر الگ کر دیا گیا تھا، آنکھیں نکال دی گئی تھیں اور گلا کٹا ہوا تھا۔

مسلم خواتین کی اجتماعی عصمت دری

بوسنیا میں کم و بیش پچاس ہزار مسلم خواتین وحشی سربوں کے ہاتھوں اجتماعی عصمت دری کا شکار ہوئی تھیں۔ آبروریزی کا وہی کھیل کوسوو میں کھیلا جا رہا ہے۔ مہاجرین بتاتے ہیں کہ سرب درندے مہاجر قافلوں سے نوجوان اور خوبصورت عورتیں اور نوخیز لڑکیاں زبردستی ساتھ لے گئے۔ نوز ویک کی ایک رپورٹ کے مطابق جب سرب پولیس دراگاسین گاؤں میں داخل ہوئی تو وہاں صرف عورتیں اور بچے تھے۔ مرد جانیں بچانے کے لیے بھاگ نکلے تھے یا کے ایل اے کی صفوں میں جا شامل ہوئے تھے۔ سربوں نے ڈیڑھ سو خواتین بچوں سمیت تین گھروں میں بند کر دیں اور پھر ہر شب ظالم سرب آتے اور ٹارچ کی روشنی میں پسند کی عورتیں اور لڑکیاں چھانٹ کر لے جاتے اور ان کی عصمت دری کرتے۔ واپسی پر انہیں بچوں کے لیے ٹافیاں اور چاکلیٹ تھما دیتے۔ یہ مظلوم عورتیں اپنی بپتا سنانے سے بھی احتراز کرتیں۔

ساٹھ معصوم کوسووی خواتین کا اسقاط حمل

اسی گاؤں سے تعلق رکھنے والی ڈاکٹر فہمی بوجاڑ والبانوی شہر کوکس میں ایک نسوانی کلینک برائے مہاجرین میں کام کر رہی ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ میرے پاس ایک ماہ کے دوران آبروریزی کے ۱۶ کیس آئے ہیں۔ قریب ہی کوکس میٹرنٹی اسپتال میں تعینات ڈاکٹر صفوت علیزی کے بقول دو ماہ کے دوران ساٹھ مظلوم کوسووی خواتین اسقاط حمل کی خاطر ان کے پاس آئیں۔ کفن چوروں کی انجمن ”اقوام متحدہ“ کی طرف سے عصمت دری کا شکار ہونے والی خواتین کو ”مارننگ

آفر" گولیاں فراہم کی جارہی ہیں مگر "تقدس ماب" ویٹیکن والے اس کے بھی خلاف ہیں کہ شاید ان کے خیال میں مسلم خواتین کی عصمت دری کے ذریعے اگر مسیحی امت میں اضافہ ہوتا ہے تو درست ہے۔

انصار مدینہ کی یاد تازہ ہوگئی

لٹے پٹے کوسووی مہاجرین کو پناہ دینے میں ہمسایہ ممالک کے مسلمانوں نے جس جذبہ اخوت کا مظاہرہ کیا ہے، اس سے انصار مدینہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ انہوں نے پناہ گزینوں کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے۔ مقدونیہ کی بیس لاکھ آبادی میں تیس فیصد مسلمان ہیں جو حتی المقدور کوسووی پناہ گزینوں کی مدد کررہے ہیں۔ کم از کم تین لاکھ پناہ گزیں مقدونیہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ ۲۴ مئی کو چار ہزار لٹے پٹے مسلمانوں کا قافلہ وارد ہوا ہے۔ مقدونی دارالحکومت سکوپجی کے ایک مضافاتی شہر کا میئر "ٹائم" کے نمائندے سے کہتا ہے: "ہمیں ہر کمرے میں چالیس پناہ گزین ٹھہرانے پڑے تو یہ بھی کریں گے۔"

ہزاروں کوسووی پناہ گزین مونٹی نیگرو کے سرحدی قصبے روزاجی پہنچے تو ان کے لیے تین بڑی فیکٹریاں اور شہر کی دس مسجدیں کھول دی گئیں۔ مونٹی نیگرو کی ۶۳۸۰۰۰ آبادی میں سات فیصد البانوی نژاد ہیں اور سربیا نے اسے اپنے ساتھ ملا کر یوگوسلاویہ کا وفاق بنا رکھا ہے، تاہم مونٹی نیگرو کی حکومت نے مہاجرین کو پناہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ البانیہ کی ۳۳ لاکھ آبادی میں ستر فیصد مسلمان ہیں اور انہوں نے پانچ لاکھ سے زائد البانوی نژاد کوسووی مسلمانوں کو پناہ دے کر اسلامی اخوت کی روشن مثال قائم کی ہے۔

اس دوران اوائل جنوری ۹۹ء میں مجاہدین کوسوو نے دس پندرہ سرب فوجی یرغمال بنالیے تھے۔ اس پر رابطہ گروپ کے صلیبیوں نے ترہیب وترغیب سے کام لیکر سرب قیدی چھڑوا دیے۔ ادھر وحشی سرب فوجیوں نے عید سے دو روز قبل رکاک نامی قصبے کی مسجد میں ۴۵ مسلمان بے دردی سے شہید کردیے اور ان کی نعشیں بھی ساتھ لے گئے۔ بین الاقوامی مبصرین نے سانحہ رکاک کو قتل عام قرار دیا مگر سربوں نے فروری کے وسط میں چالیس شہدا کی نعشیں یہ کہہ کر واپس کیں کہ یہ لڑائی میں مارے گئے تھے۔ پھر فروری کے اوائل میں چوبیس مسلمان شہید کردیے گئے۔ شہدا کی گیارہ نعشیں ایک منی بس میں، پانچ ایک شیڈ میں اور پانچ دوسرے شیڈ میں پڑی

تھیں۔

15 اپریل کے امریکن میگزین ”نیوز ویک“ نے اپنے ذرائع سے بتلایا کہ ہم نے ظلم کی ایک لمبی لسٹ جاری کی ہے۔ جس میں سے چند ایک اس طرح ہیں!

115 آدمی سربیکا میں قتل کیے گئے

200 پوڈوجیوو میں قتل کیے گئے

100 سوداریکا میں قتل کیے گئے

مزید برآں خاص طور پر سرب لوگ معروف اور پڑھے لکھے لوگوں کو چن چن کر قتل کر رہے ہیں اس طرح یورپ کی تنظیم (osce) نے بتلایا ہے کہ سربوں نے پرشٹینا میں تمام دکانوں کو لوٹ لیا ہے اور پھر انہیں آگ کی نذر کر دیا ہے شعلے بلغرادٹی وی نے بھی دکھلائے ہیں۔

* * *

باب نمبر 4

نائیجیریا میں عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام

نائیجیریا: نفاذ شریعت کے جرم میں صلیبیوں کے مسلمانوں پر حملے

افریقی ممالک میں سے نائیجیریا سب سے زیادہ سیاسی تغیرات کا شکار رہتا ہے۔ وہاں پر ماضی میں بہت سے اہم واقعات اور انقلابات وقوع پذیر ہوئے ہیں جن کے نتیجہ میں نہ صرف یہ ملک شدید متاثر ہوا بلکہ یہ قضیہ پورے براعظم افریقہ کے لئے اہم مسئلہ کے طور پر سامنے آیا۔

جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہے کہ انگریزوں نے جب وہاں پر نئی تجارتی منڈیاں دریافت کرنے کے بہانے اور بعد میں عیسائی مبلغین کی مدد سے اپنے پاؤں جمائے اس وقت وہاں پر متعدد اسلامی ریاستیں موجود تھیں۔ انگریزوں نے اپنی روایتی مکاری سے کام لیتے ہوئے شمالی علاقوں کے مسلم فولانی امراء کو اس بہانے سے برطانوی حمایت میں آنے پر قائل کرلیا کہ ان کے علاقہ کو مشرق میں جرمن استعمار اور شمالی مغرب میں فرانسیسی استعمار سے خطرہ لاحق ہے۔ اور ساتھ ہی ان سے یہ معاہدہ بھی کیا کہ اپنے اپنے علاقوں میں ان کی عمارتیں قائم رہیں گی۔ چنانچہ 1900ء میں شمالی نائیجیریا کے برطانوی حمایت میں آنے کا اعلان کیا گیا۔ اور مسٹر فریڈرک لاگرڈ کو شاہی نمائندہ (وائسرائے) مقرر کیا گیا۔ جن مسلم فولانی امراء نے برطانوی غلامی کو قبول کرنے سے انکار کیا ان پر فوجی حملے کر کے 1903ء میں کانو اور سوکونو کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ جبکہ ریاست بورنو پر 1906ء میں قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور یوں کچھ عاقبت نااندیش فولانی مسلم امراء کی مدد سے انگریزوں نے وہاں حکومت قائم کرلی۔ 1914ء میں وائسرائے لاگرڈ نے شمالی اور جنوبی نائیجیریا کو آپس میں ضم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے

اس علاقہ کو مکمل طور پر برطانوی نو آبادی میں بدل دیا۔ جبکہ شمالی علاقوں کے مسلم امراء انگریز کے پیدا کردہ آپس کے اختلافات کے باعث اپنی خود مختاری مکمل طور پر کھو بیٹھے اور انگریزوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئے۔

انگریز وہاں پر بت پرستوں اور بعض مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہو گئے اور ان کی مکمل تربیت کر کے انہیں اس علاقہ کی حکمرانی کے قابل بنایا تاکہ اگر بوقت ضرورت زمام حکومت ان کے ہاتھوں میں دی جائے تو وہ خود مختار رہنے کی بجائے انگریزوں کی غلامی کا مکمل حق ادا کریں۔ وہاں کے غیرت مند مسلمانوں نے انگریز کی اس مکاری کو بھانپ لیا اور انھوں نے اپنی نئی نسلوں کو اسلامی تربیت کے زیور سے آراستہ کیا اور انگریزی قبضہ کے مقابلہ کے لئے میدان عمل میں اترے۔

نائیجیریا کی گیارہ کروڑ آبادی دین، جنس، زبان اور عادات کے لحاظ سے مختلف طبقات سے تعلق رکھتی ہے۔ کل آبادی میں سے 76 فیصد مسلمان جبکہ عیسائی 20 فیصد ہیں۔ نائیجیریا کے مشہور قبائل یہ ہیں۔

1 ...... یوربا، یہ جنوب مغرب میں رہتے ہیں اور نصف سے زائد مسلمان جبکہ باقی عیسائی اور بت پرست ہیں۔

2 ...... ایبو: یہ لوگ مشرق میں آباد ہیں، رہن سہن اور عادات میں نسبتاً تہذیب یافتہ ہیں۔ ان کے اندر عیسائیت پھیل چکی ہے اور جو مسلمان ہیں ان پر صوفیت غالب ہے۔

3 ...... ھوسا: شمال میں آباد ہیں، ھوسا زبان بولنے والے بہت سے قبائل پر مشتمل ہیں، پہلے بت پرست تھے اور پھر مسلم فولانی امراء کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ ان میں بھی صوفیت غالب ہے۔ حکومت اس صوفیت کو قائم رکھنے پر مصر ہے چونکہ صوفیت جس کا انحصار شخصیت پرستی پر ہے۔ کے ذریعہ ان مختلف قبائل کو محکوم رکھنا آسان ہوتا ہے۔

4 ...... کانوری: شمال مشرق میں آباد ہیں۔ یہ قبائل نسبتاً دین اسلام سے متمسک ہیں۔ ان میں سے بہت سے طلبہ جامعہ الازھر قاھرہ میں زیر تعلیم ہیں، یہ قبائل عرب، حامی اور زنوج پر مشتمل ہیں ان کے مشہور قائدین میں سے معروف عالم دین اور داعی عثمان بن فودی قابل ذکر ہیں۔

5 ...... فولانی: یہ لوگ اصل کے لحاظ سے مصری ہیں جو ان علاقوں میں آ کر آباد ہوئے

اور ریاست ہمکرور پر حکومت کرتے رہے۔ پھر تو کلور قبیلہ کے ہاتھوں مغلوب ہوئے تو انھوں نے مشرق کا رخ کیا جہاں ہوسا قبائل آباد تھے۔ یہ لوگ چھوٹے چھوٹے قبائل میں منقسم تھے جن کو عثمان بن فودی نے متحد کیا اور یوں مسلمان ایک مضبوط طاقت بن گئے اور اب ایک وسیع علاقہ پر حکومت کر رہے ہیں۔

خطرناک اسلام دشمن کارروائیاں

مسلمانوں کے خلاف زبردست خون ریز کارروائیوں کا آغاز اس وقت ہوا جب مسلمان اتحادی حکومت کی قیادت کر رہے تھے۔ مسلم حکمرانوں پر یہ الزام لگایا گیا کہ انھوں نے 1963ء کے انتخابات میں جعل سازی کی تھی جس کے نتیجہ میں شمالی علاقوں کے لوگ (مسلمان) مخلوط پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کر گئے۔

15 جنوری 1966ء کو فجر کے وقت ایک فوجی دستہ نے مسلم حکمران احمد بیللو کے گھر کا رخ کیا جس نے اقتدار میں آنے کے بعد غیر مسلم آرمی چیف کو معزول کر کے ایک مسلمان کو چیف مقرر کیا۔ اس فوجی دستہ نے مسلم حکمران کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس کو بستر سے گھسیٹ کر باہر نکالا۔ بیوی کے ہمراہ گولیوں کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کے گھر کو آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا۔ دارالحکومت لاگوس میں فیڈرل پارلیمنٹ کے وزیراعظم ابوبکر تفاوا بلیو اور عیسائی وزیر خزانہ کو مسلمانوں کی حمایت کرنے کی پاداش میں گھروں سے اغوا کر کے ایرونسی (عیسائی) کی قیادت میں انقلاب کے چند روز بعد قتل کر دیا گیا۔ اس انقلاب پر عیسائیوں نے پوری دنیا میں خوشی منائی۔ لیکن عالم اسلام پر مکمل خاموشی چھائی رہی۔ البتہ سوڈان میں بہت سے مسلمانوں نے ایک مظاہرہ کر کے رسمی احتجاج کرنے پر اکتفا کیا۔ اس عیسائی انقلاب کے خلاف ایک اور عیسائی انقلاب یعقوب جودن کی قیادت میں آیا اور پھر ملک مسلسل فوجی انقلابات کی زد میں رہا۔ ان انقلابات میں سے کچھ کی قیادت مسلمانوں نے بھی کی لیکن وہ صرف نام کے مسلمان تھے جن کے ہاں دین کی کچھ اہمیت نہ تھی۔

ان تغیرات کے دوران مسلمانوں نے اپنی صفوں میں نظم قائم رکھا۔ مختلف تنظیمیں، مدارس اور جامعات قائم کیے لیکن عیسائیوں کے مقابلہ میں بہت کم، لیکن ان مسلمانوں میں جیسا کہ گزشتہ سطور میں ذکر ہو چکا ہے کہ صوفیت بہت حد تک پھیلی ہوئی ہے۔

ماضی قریب کے اہم واقعات

کچھ عرصہ قبل بعض مسلم ریاستوں میں عملی طور پر نفاذ شریعت کے اعلان اور بعض دوسری ریاستوں کی طرف سے اس امر پر سنجیدگی سے غور کیے جانے کی خبر کے بعد عیسائی کمیونٹی کی طرف سے شدید ردعمل کا اہار کیا گیا جس کی وجہ سے بہت سے پرتشدد واقعات رونما ہوئے۔ ذیل میں ان کا تفصیلی ذکر کیا جاتا ہے۔

(1)......شمالی نائیجیریا کی مسلم اکثریت

اس علاقہ میں احکام شریعت کے نفاذ کی طرف شدید توجہ پائی جاتی ہے کیونکہ ریاستی آئین، کچھ حدود کے دائرہ میں نفاذ شریعت کی اجازت دیتا ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ایک اتحادی ملک ہونے کی وجہ سے نائیجیریا میں دو قسم کے آئین ہیں ایک فیڈرل گورنمنٹ کا آئین جس کا اطلاق تمام ریاستوں پر ہوتا ہے جبکہ دوسرا ہر ریاست کا اپنا الگ آئین ہے جس کا اطلاق ریاستی سطح پر ہوتا ہے چنانچہ اس بنیاد پر بعض ریاستوں میں اپنے آئین کے تحت تطبیق شریعت کی کوششوں کا آغاز ہوا۔ ریاست زمفرا جو حال ہی میں ریاست سکتو (وہ اسلامی ریاست جس کی بنیاد معروف عالم دین عثمان فودی نے رکھی) سے علیحدہ ہوکر وجود میں آئی۔ یہ ریاست اس امر میں سبقت لے گئی۔ اور وہاں پر عملی طور پر نفاذ شریعت کا اعلان کر دیا گیا۔ اس اعلان کے بعد دوسری ریاستوں کے مسلم باسیوں کے عزائم میں حوصلہ پیدا ہوا جو پہلے ہی سے اس امر کے متمنی تھے۔ چنانچہ بہت سی ریاستوں میں یہ مطالبہ زور پکڑ گیا۔ جس کے نتیجہ میں کچھ دوسری ریاستوں نے بھی نفاذ شریعت کے ارادہ کا اظہار کیا اور کچھ ریاستوں میں اس امر پر غور کرنے کے لئے کمیٹیاں قائم کی گئیں ان ہی ریاستوں میں ریاست کدونا بھی شامل ہے۔ کدونا کا شہر بہت قدیم ہے یہ انگریزوں کے دور حکومت میں اور پھر آزادی کے بعد تک شمالی علاقہ جات کا دارالحکومت رہا ہے۔ یہ شہر دوسرا بڑا تجارتی اور صنعتی مرکز ہے۔ جبکہ شہر کانو پہلے نمبر پر ہے۔ کدونا شمال میں سب سے بڑا عسکری اور سیاسی مرکز ہے۔ یہاں پر ملک کی سب سے بڑی ریفائنری قائم ہے۔

یہاں پر عیسائی کمیونٹی نے تطبیق شریعت کے خلاف میڈیا کے ذریعہ واضح طور پر اعلان کیا کہ وہ نفاذ شریعت کے تمام پروگراموں کو ختم کرنے کے لئے میدان میں آئیں گے۔ جب انھوں نے محسوس کیا کہ ریاست کی طرف سے عملی طور پر نفاذ شریعت کا منصوبہ بنایا جارہا ہے تو انھوں نے بھی عملی طور پر معارضہ کرنے کے لئے تیاریاں مکمل کرلیں جن کے نتیجہ میں وہ واقعات پیش آئے جن کے بعد قیام امن کے لئے پولیس اور فوج کو مداخلت کرنا پڑی۔

(2)......ریاست کدونا کے اہم واقعات

16 ذی القعدہ 1420ھ (بمطابق 20 فروری 2000ء) اتوار کے روز عیسائی اپنی ہفتہ وار عبادت کے بہانے کنائس (عبادت خانوں) جمع ہوئے لیکن درپردہ وہاں پر عملی طور پر نفاذ شریعت کے خلاف اقدام کرنے کے لئے منصوبہ تیار کیا۔ چنانچہ اگلے ہی روز یعنی 17 ذی القعدہ کو علی الصبح ایک ”پرامن“ (ان کے بقول) مظاہرہ کے لئے جمع ہوئے۔ ریاست کے حاکم کے نائب (جوکہ عیسائی ہے) کے پاس یادداشت پیش کرنے کے بعد مظاہرین نے شہر کے مرکزی علاقہ کا رخ کیا۔ یاد رہے کہ ریاست کا مسلم حکمران علاج کی غرض سے ملک سے باہر تھا۔ راستے میں ہر وہ شخص جو مظاہرین کا ساتھ دینے سے انکار کرتا ان کے تشدد کا نشانہ بنتا۔ عیسائی مظاہرین نے تشدد اور دین اسلام کے ساتھ علی الاعلان استہزاء کا سلسلہ جاری رکھا حتی کہ نوبت اس حد تک جا پہنچی کہ مسلمانوں کے گھروں، دوکانوں اور دوسرے تجارتی مراکز کو نذر آتش کرنا شروع کردیا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو شہر سے نکلنے پر مجبور کیا جائے۔

اس معرکہ میں پہلے مرحلہ پر صبح سے ظہر تک مسلسل عیسائیوں کا پلہ بھاری رہا۔ ظہر کے بعد مسلمانوں نے آہستہ آہستہ اپنی صفوں کو منظم کیا اور مکمل قوت سے عیسائیوں کا مقابلہ شروع کیا۔ اور پھر اگلے دو دن اور دو راتوں تک عیسائیوں کا مقابلہ شروع کیا۔ اور پھر اگلے دو دن اور دو راتوں تک عیسائیوں سے خوب انتقام لیا اور 19 ذی القعدہ کو بدھ کے روز پولیس اور فوج نے مداخلت کرکے حالات کو قابو میں کیا۔

. ان واقعات کے نتیجہ میں حکومتی اعداد و شمار کے مطابق 500 افراد مارے گئے لیکن عینی شاہدین نے یہ تعداد دو ہزار سے زائد بتائی اور زخمی ہونے والوں کی تعداد ناقابل شمار تھی جن

سے اب بھی مقامی ہسپتال بھرے پڑے ہیں۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے بے انتہا مالی خسارے اور قبل از وقت ہونے کے باوجود ان معرکوں میں کامیابی حاصل کی ہے۔ انھوں نے بے انتہا جانی نقصانات ہونے کی وجہ سے دوسری جگہ ایبو میں مسلمانوں سے انتقام لینا شروع کر دیا۔ خاص طور ان عیسائیوں کی لاشیں ان ریاستوں میں پہنچنا شروع ہوئیں جو کارروائی میں حصہ لینے کے لئے کدونا گئے تھے۔ اس سے ان کا غضب اور بڑھ گیا۔ ایبو کے علاقہ میں مسلمان اقلیت میں تھے چنانچہ ان کو بہت سے جانی اور مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔

ان واقعات کے دوران بہت سے اصحاب ثروت مسلمانوں کی املاک کو شدید نقصان ہوا۔ کیونکہ یہ لوگ اسلامی دعوت کے مختلف پروگراموں میں مالی مدد کرتے تھے۔ چنانچہ عیسائیوں نے مسلمانوں کے بڑے تجارتی مراکز کو خصوصی طور پر نشانہ بنایا۔ بڑے بڑے مسلمان تاجروں میں سے اکثر کو تقریباً آٹھ لاکھ امریکی ڈالر سے لے کر اڑھائی ملین ڈالر تک کا نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک مسلمان خاتون کی دکان کو صرف اس پاداش میں آگ لگا دی گئی کہ وہ ہر جمعہ کے روز اپنی دوکان کے سامنے سے گزرنے والے نمازیوں کو پانی پلاتی تھی۔

☆ گذشتہ 9 ماہ میں 1200 سے زائد مسلمان عیسائیوں کے حملوں میں شہید ہو چکے ہیں۔

ماہ فروری 2000ء میں 300 سے زائد مسلمان شہید ہوئے۔ 29 فروری کو شہر عابہ میں 450 سے زائد مسلمان جن کا تعلق ہوسا قبیلے سے تھا شہید کر دیئے گئے۔ عیسائی حملہ آور لاٹھیوں، ڈنڈوں، چھروں اور آٹومیٹک گنوں سے مسلح تھے۔ انھوں نے پیٹرول سے مسلمانوں کی دکانوں کو آگ لگا دی۔ سی این این کے مطابق وریگارڈ کے علاقے میں یونیورسٹی کے قریب 210 مسلمانوں کی مسخ شدہ لاشیں ملی ہیں شہر کی پولیس کے مطابق 90 مسلمانوں کی لاشیں اردگرد کے دیہاتوں اور مساجد سے برآمد ہوئی ہیں۔

28 مئی 2000ء میں شمالی شہر کدونہ میں صلیبیوں نے حملہ کر کے 300 سے زائد مسلمان شہید کر دیئے ایک ہزار عمارتیں نذر آتش کر دیں سڑکوں پر بے گور و کفن لاشیں پڑی تھیں۔ لیکن انہیں کوئی اٹھانے والا نہیں تھا۔ درجنوں مساجد کو جلا دیا گیا۔ گلیاں لاشوں سے بھر گئیں۔ سڑکیں بلاک کر کے عورتوں، بچوں اور مردوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح قتل کر دیا گیا۔

کدونا سے 80 کلومیٹر دور زاویہ میں اسلامی سینٹر پر حملہ کر کے لاتعداد مسلمان شہید کر دیئے۔ ان تمام مظالم میں پولیس اور فوج میں شامل عیسائی بھرپور ساتھ دے رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اپنے گمشدہ خاندانوں کو تلاش کر رہے ہیں۔ بچے خوف سے اسکول نہیں جا رہے۔ 500 سے زائد مسلمان بے گھر ہو کر سرکاری عمارتوں میں پناہ لینے پر مجبور ہیں۔

3...... مذکورہ بالا واقعات کے اسباب کے بارے میں عوام کی رائے

اخبارات و جرائد نے مقامی لوگوں سے انٹرویو لے کر ان واقعات کے اسباب جو اپنے صفحات پر نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں:-

الف۔ دینی اسباب:-

عیسائیوں کا خیال یہ ہے کہ شریعت کی تطبیق کے بعد معاشرہ میں پھیلی ہوئی بے حیائی اور فساد کی اصلاح ہوگی جس میں وضعی قوانین ناکام رہے ہیں اور اس کے نتیجہ میں غیر مسلم فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں گے اور عیسائیت کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہوگی جس کا انحصار معاشرے میں موجود فساد پر ہے اس لئے ان کے خیال میں تطبیق شریعت کو روکنا ضروری ہے چاہے اس میں تشدد اور قتل کا سہارا ہی کیوں نہ لینا پڑے انھوں نے کافی کوششیں کیں کہ مرکزی حکومت اس معاملے میں خود مداخلت کرے اور ان ریاستوں کو نفاذ شریعت سے منع کرے جہاں عوام یہ مطالبہ کر رہے ہیں لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ وہ مرکزی حکومت کو قائل نہیں کر سکتے تو انھوں نے تشدد اور قتل و غارت کا سہارا لیا تا کہ امن عامہ کو خراب کر کے حکومت کو مداخلت پر مجبور کیا جائے۔

ب۔ تجارتی مصالح:-

وہ لوگ جو غیر اسلامی تجارت مثلاً شراب فروشی وغیرہ کرتے ہیں اور فحاشی کے مراکز کی سرپرستی کرتے ہیں انھوں نے یہ محسوس کیا ہے کہ شریعت کے نفاذ کے ساتھ ہی ان کی تجارت ختم ہو کر رہ جائے گی چنانچہ اپنے تجارتی مصالح کا دفاع کرنے کی خاطر انھوں نے اپنے عیسائی بھائیوں کی نفاذ شریعت کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے خوب مالی امداد کی اور ان کو مظاہرات

وغیرہ کے قیام پر اکسایا۔

ان واقعات کے پس منظر میں کچھ سیاسی محرکات بھی کارفرما تھے جن کا ذکر یہاں کرنا کچھ زیادہ سودمند نہ ہوگا۔

4...... ان واقعات کے بعد تطبیق شریعت کے بارے میں مسلمانوں کا موقف۔ اور نفاذ شریعت کے اثرات

مسلمانوں کی ممتاز شخصیات سے ملاقاتوں اور عوام کی رائے حاصل کرنے کے بعد یہ واضح ہوا ہے کہ ان واقعات کے بعد وہ اپنے عزائم وارادہ سے پیچھے نہیں ہٹے بلکہ ان کے مطالبہ نے مزید زور پکڑا ہے۔ اور حکومت اب اس معاملہ میں زبردست تردد کا شکار ہے کیونکہ مطالبہ کو رد کرنے یا آئین میں تبدیلی کرنے پر حکومت کے اوپر مبینہ طور پر عیسائیوں کی جانب داری کا الزام آتا ہے۔ اس لئے عام رائے یہی ہے کہ مسلمان باذن اللہ تعالیٰ ملک کے بہت سے علاقہ پر اگر سو فیصد نہیں کافی حد تک تطبیق شریعت میں کامیاب رہیں گے۔ اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ حال ہی میں زمفرا کے بعد ایک دوسری ریاست سوکوتو میں بھی تطبیق شریعت کا عملی نفاذ کردیا گیا ہے۔ 19 جون کو نائیجیریا کی چوتھی ریاست ”کانو“ میں بھی شریعت نافذ کردی گئی ہے الحمدللہ یعنی اب تک 36 ریاستوں میں سے زمفرا، سوکوتو، نائیجیریا اور کانو کو یہ عظیم نعمت حاصل ہوچکی ہے جب کہ کاسینہ اور کدونا میں اس پر شدت سے بحث جاری ہے۔ جہاں شریعت کا نفاذ ہوا ہے وہاں شراب نوشی، عصمت فروشی اور جوابازی پر مکمل پابندی لگادی گئی ہے۔ ایک آدمی کے گائے چوری کرنے پر ہاتھ بھی کاٹا گیا ہے گورنر احمد ثانی نے اعلان کیا ہے کہ اگر ان کی ذات پر بھی کسی قسم کی کرپشن ثابت ہوئی تو سب سے پہلے وہ شرعی عدالت کے ذریعے اپنے ہاتھ کٹوائیں گے۔ البتہ نائیجیریا کے عیسائی صدر اباسانجو کو اس سلسلے میں بہت تشویش ہے چونکہ وہ اور ان کے حواری کرپشن کے سلسلے میں مشہور ہیں لہذا شریعت کا مطلب یہ ہوا کہ لوٹ مار بددیانتی دھوکہ دہی بند اور جو ایسا کرے گا اسے کڑی سزا ملے گی۔ اس طرح شریعت کرپشن کی جنگ میں موثر ہتھیار ہوگی شریعت کے ان بہترین ثمرات کو دیکھ کر دوسری ریاستوں کے عوام نے بھی مطالبہ کردیا ہے کہ وہ بھی صاف ستھرا معاشرہ حاصل کرنے کرپشن

سے بچنے اور عزتوں کو محفوظ رکھنے کے لئے شریعت چاہتے ہیں جبکہ وہاں کے عیسائی پوری دنیا کے عیسائیوں اور مغربی ممالک کی حمایت میں نفاذ شریعت کو روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور تشدد اور قتل و غارت گری میں مشغول ہیں۔

(اللهم انصر الاسلام والمسلمین واذل الکفر والکافرین)

نائیجیریا میں مسلمانوں کا قتل عام

عیسائیوں پادریوں کے یہ کہنے کے بعد کہ شرعی قوانین کا فوراً قلع قمع کر دو، ورنہ یہ عیسائیت کی بقا کے لئے بہت بڑا خطرہ بن جائیں گے۔ عیسائی خون خوار جنونی بن کر مسلمان پر ٹوٹ پڑے اور صرف دو دنوں میں ایک ہزار کے قریب مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ بیسیوں مسجدیں اور کروڑوں کی جائیدادیں جلا دیں۔ انہیں یہ سوچنا چاہئے کہ وہ کب تک ان گھٹیا ہتھکنڈوں، دہشت گردی اور سازشوں سے اللہ کی مخلوق پر ظلم و ستم کرتے رہیں گے۔

مسلم اکثریت کے حامل اور آبادی کے لحاظ سے براعظم افریقہ کے سب سے بڑے ملک نائیجیریا میں مسلمان، عیسائی انتہا پسندوں کے ہاتھوں مسلسل قتل ہو رہے ہیں۔ نائیجیریا کی آبادی تقریبا بارہ کروڑ اور رقبہ 356667 مربع میل ہے۔ شمالی علاقوں میں مسلمانوں اور جنوب میں عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ مجموعی طور پر مسلمان 65 فی صد سے زیادہ ہیں، اس کے باوجود ملک کا کوئی سرکاری مذہب نہیں۔ نائیجیریا میں مجموعی طور پر 250 قبائل آباد ہیں مگر یوروبا اور ہاؤسا قبائل سیاسی طور پر زیادہ اہم ہیں۔ یوروبا کی اکثریت عیسائیوں اور ہاؤسا کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ نائیجیریا کئی دہائیوں سے قبائلی اور لسانی فسادات کی لپیٹ میں ہے اور صرف گزشتہ 9 ماہ میں 1200 سے زیادہ افراد ان لسانی فسادات کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ نائیجیریا براعظم افریقہ میں ہے مگر اس کے حکمران عیسائی ہیں۔ نائیجریا کے موجودہ صدر

الوی گن اوباسانجو بھی عیسائی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلانا عیسائی سیاست دانوں اور پادریوں کا بنیادی کام ہے۔ اسی نفرت کے نتیجے میں شمالی نائیجیریا کے جن جن علاقوں میں عیسائی اکثریت میں ہیں، وہاں 1987ء سے مسلمانوں کا مسلسل قتل عام ہو رہا ہے۔ فوج میں اگرچہ مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر جرنیلوں اور دیگر فوجی افسروں میں عیسائی ہی غالب اکثریت رکھتے ہیں۔ صدر اوباسانجو سمیت دیگر عیسائی لیڈر اسلام کو نائیجیریا کیلئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اگر نائیجیریا میں مسلمان منظم ہو گئے تو افریقہ میں ایک اور سوڈان پیدا ہو جائے گا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ طاقت ور۔ براعظم افریقہ دنیا کا واحد براعظم ہے جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اور صلیبی دنیا اپنی تمام کوششوں کے باوجود اسے عیسائی براعظم بنانے میں ناکام ہو چکی ہے لیکن اس کی سازشیں جاری ہیں۔ چونکہ نائیجیریا قدرتی وسائل اور افرادی قوت سے بھی مالا مال ہے، یہ تیل پیدا کرنے والا دنیا کا چھٹا بڑا ملک ہے۔ اس کی اسی اہمیت کے باعث مغربی قوتوں نے اسے مستحکم نہیں ہونے دیا۔ مسلسل بغاوتیں اور لسانی جھگڑے اس ملک کا مقدر بنا دیے گئے ہیں۔ مغربی حکومتوں اور مغرب کی ملٹی نیشنل کمپنیوں نے یہاں کرپشن کے نفوذ اور تشدد پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اربوں ڈالر کا تیل برآمد کرنے کے باوجود لسانی فسادات اور کرپشن کے باعث یہ ملک ترقی اور خوش حالی کی منزل حاصل نہیں کر سکا۔ حکمران جرنیلوں کا ٹولہ اور ان کے ساتھی یہاں کے امیر ترین لوگ ہیں، جب کہ نصف سے زیادہ آبادی کا خطہ غربت سے بھی نچلی سطح پر زندگی گزار رہا ہے۔ 1980ء میں فی کس آمدنی 1000 ڈالر تھی، جو اب 250 ڈالر سالانہ سے بھی کم ہو چکی ہے۔ یہ بھی اطلاعات ہیں کہ کرپٹ جرنیل، جو ملٹی نیشنل کمپنیوں کے حصہ دار بھی ہیں۔ انتہا پسند عیسائیوں کو اسلحہ اور سرمایہ فراہم کرتے ہیں، جس کا مقصد مسلمانوں کو ہر حالت میں پسماندہ رکھنا ہے۔ مسلم کش پالیسی کے باعث مغربی طاقتوں نے نائیجیریا کے حکمرانوں کو ''سب اچھا'' کا سرٹیفکیٹ دیا ہوا ہے۔

ترکی کے سابق وزیراعظم نجم الدین اربکان نائیجیریا کی سیاسی و معاشی اہمیت سے آگاہ تھے، اسی لیے انہوں نے نائیجیریا کو ترقی پذیر ممالک کی تنظیم d8 میں شمولیت کی دعوت دی۔ اس دعوت کا یہاں کے مسلمانوں نے خیر مقدم کیا، مگر مغرب کی آلہ کار عیسائی اقلیت نے اسے پسند نہ کیا۔ d-8 کے سربراہی اجلاس میں نائیجیریا کے سربراہ کے بجائے دوسرے افراد

نے شرکت کی۔ یہاں کی عیسائی اقلیت اسلام کی اس قدر دشمن ہے کہ اسے کسی اسلامی تنظیم میں نائیجیریا کا بطور مبصر شامل ہونا بھی پسند نہیں اور وہ اسے بھی ''اسلامائزیشن'' کے لیے خفیہ سازش سمجھتی ہے۔ یہاں کے مسلم اکثریت نے جب بھی اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے آواز بلند کی، اسے بھاری جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔

اپریل 1991ء میں شمالی ریاست کاسینہ (katsina) میں اسلامی نظام کے حق میں ہونے والے مظاہروں میں 500 سے زیادہ افراد کو قتل کیا گیا۔ 7 جنوری 1992ء کو ایک ایسے ہی مظاہرے میں 4 افراد کو ہلاک 29 کو زخمی اور 263 کو گرفتار کر لیا گیا۔ ایک دوسری شمالی ریاست کادونہ سے 80 کلومیٹر دور زاویہ میں اسلامی سینٹر پر عیسائیوں نے حملہ کر کے لاتعداد افراد ہلاک کر دیے۔ کئی دیگر شہر اور قصبے بھی فسادات کی لپیٹ میں آ گئے۔ مسلم کش فسادات کا یہ سلسلہ وقفوں وقفوں سے جاری رہا۔

یہ گزشتہ سال 19 ستمبر کی بات ہے کہ ریاست زمفارا کے دارالحکومت گساؤ میں ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ریاست کے 39 سالہ گورنر احمد ثانی نے کہا: ''اللہ کا حکم ہے کہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ، یہ نہیں کہ بعض باتوں کو مانو اور بعض کو چھوڑ دو۔'' یہ کہہ کر انہوں نے مجمع سے پوچھا کہ کیا آپ لوگ اسلامی شریعت کے نفاذ میں میرا ساتھ دیں گے۔ مجمع نے یک زبان ہو کر اعلان کیا کہ ہم ساتھ دیں گے۔ انہوں نے یہ بات ایک بار پھر پوچھی تو انہیں پہلے والا ہی جواب ملا اور پوری فضا ''اللہ اکبر'' کے نعروں سے گونج اٹھی۔ ریاست کی اسمبلی نے اکتوبر میں شرعی قوانین کے نفاذ کے لیے بل پاس کر لیے۔

مسلم علاقوں میں شریعت نافذ کرنے کا اعلان مقبولیت حاصل کرنے کا آسان طریقہ ہے۔ زمفارا کے گورنر کی طرح کئی دیگر ریاستوں نے بھی عوام سے وعدہ کیا کہ وہ بھی شرعی قوانین نافذ کر دیں گے۔ ان ریاستوں میں نائیجریا، سکوٹو، گاے کادوانہ، کاتسینہ وغیرہ شامل ہیں۔

ان اعلانات سے عیسائی اقلیت بھڑک اٹھی۔ عیسائی لیڈروں نے اسے آئین کے منافی اقدام قرار دیا، حالاں کہ نائیجیریا کے دستور کی دفعہ 4، 5 اور 6 کے تحت ریاستوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی حدود میں عدل وانصاف کے لیے قانون سازی کر سکتی ہیں۔ زمفارا میں عیسائی لیڈر پیٹر ڈیمو نے کہا کہ احمد ثانی جب سے برسراقتدار آیا ہے، عیسائیوں میں تشویش

بڑھ گئی ہے۔ پادریوں، مقامی عیسائی تنظیموں، عیسائیوں کی عالمی تنظیم کرسچن سالیڈیرٹی، انٹرنیشنل اور امریکی کانگریس کے بعض اراکین نے ایک طوفان کھڑا کر دیا اور عیسائیوں نے مسلمانوں پر باقاعدہ حملے شروع کر دیے۔

زمفارا میں تو تقریباً ساری آبادی ہی مسلمان ہے اور عیسائی نہ ہونے کے برابر ہیں، جب کہ کادوانہ میں جہاں عیسائی اقلیت قابل ذکر تعداد میں ہے، انہوں نے شرعی قوانین کے نفاذ کے خلاف پرتشدد مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ماہ فروری میں ہونے والے اس قتل عام میں تین سو سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا۔ حملہ آور عیسائی لاٹھیوں، ڈنڈوں، چھروں اور خودکار ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ مسلمانوں کے گھروں اور دکانوں کو نذر آتش کرنے کے لیے وہ پیٹرول کے ڈبے بھی ساتھ لائے تھے۔ یہ ایک منصوبہ بند حملہ تھا۔ سی این این کے مطابق ویٹگارڈ کے علاقے میں یونیورسٹی کے قریب 210 مسلمانوں کی مسخ شدہ لاشیں ملی ہیں۔ شہر کی پولیس کے مطابق 90 افراد کی لاشیں شہر کے ارد گرد دیہاتوں۔ مسجدوں اور چرچوں سے برآمد ہوئیں ہیں۔ سیکڑوں گھروں اور درجنوں مساجد کو بھی عیسائیوں نے نذر آتش کر دیا۔ شہر میں مسلمانوں کی آبادی عیسائیوں کے برابر ہے۔ مگر یہ حملہ اچانک تھا، اس لیے بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ جب مسلمانوں نے دفاعی حملہ کیا تو سو کے قریب حملہ آور عیسائی جہنم واصل ہو گئے اور چند چرچ بھی مشتعل نوجوانوں کا نشانہ بن گئے۔

29 فروری کی خبروں کے مطابق نائیجیریا کے ایک اور شمالی شہر عابہ میں عیسائیوں نے 450 سے زیادہ ہاؤسا قبیلے کے مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ نیوز ایجنسی اے ایف پی کے مطابق عیسائی انتہا پسندوں نے مسلمانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا۔ سفارتی ذرائع اور مبصرین نے اسے ایک قتل عام قرار دیا۔ عیسائیوں نے ایک مسجد بھی جلادی اور سڑکیں بلاک کر کے مسلمان عورتوں، بچوں اور مردوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا۔ عینی شاہدوں کے مطابق گلیاں لاشوں سے بھر گئیں۔

زمفارا میں نافذ کیے گئے شرعی قوانین کی حیثیت مسلمانوں کے پرسنل لاز سے زیادہ نہ تھی اور عیسائیوں پر ان کا اطلاق بھی نہ ہوتا تھا۔ عملاً یہ معاشرتی اصلاح کے قوانین تھے۔ زمفارا کے دارالحکومت گساؤ کے ایک دینی مدرسے کے پرنسپل سالم عثمان محمد کے مطابق شرعی قوانین کے نفاذ سے پہلے ریاست میں فسق و فجور عام تھا، چوریوں، شراب نوشی اور دوسری برائیوں کو روکنے

والا کوئی نہ تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس علاقے میں اسلامی شریعت صدیوں نافذ رہی۔ مگر برطانیہ نے ہمارے معاشرے کو سیکولر بنانے کے لیے برائیوں کو عام کر دیا اور شرعی قوانین ختم کر دیے۔

گورنر احمد ثانی نے جسم فروشی کے خاتمے کی بھی کوشش کی اور پیشہ چھوڑنے والی طوائفوں کے لیے مراعات کا اعلان کیا۔ بیشتر طوائفیں اپنے اڈوں سے غائب ہو گئیں جب کہ 30 طوائفوں نے اس پیش کش سے فائدہ اٹھایا۔ گورنر نے مخلوط تعلیم کے خاتمے اور خواتین کے لیے الگ سفری ٹرانسپورٹ کے لیے بھی کئی اقدام کیے، مگر صلیبی صدر اوبسانجو کو اسلامی قوانین کا نفاذ کسی طور منظور نہ تھا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ خاموشی سے زمفارا میں عیسائی پولیس کمشنر لگا دیا جس نے آتے ہی یہ اعلان کیا کہ شرعی قوانین سے متعلق اسے کوئی ہدایات نہیں ملیں اور نہ ہی وہ کسی دوسرے کو یہ کام کرنے دے گا۔

صلیبی صدر اوبنانجو نے شرعی قوانین کے نفاذ کو آئین کی خلاف ورزی قرار دیا اور کہا کہ کسی کو سنگسار کرنا یا اس کے ہاتھ کاٹنا آئین کے خلاف ہے۔ اس نے کہا کہ شریعت کوئی مرتب قانون نہیں، بلکہ یہ قرآن مجید اور دیگر کتب کے محض حوالے فراہم کرتی ہے کہ یہ قانون کون سی قسم کا ہے۔ صدر اوبسانجو بذات خود امریکہ گیا اور صدر کلنٹن سے ہدایات لیں کہ شرعی قوانین نافذ کرنے والی ریاستوں سے کیسے نمٹنا ہے۔ مغربی میڈیا نے بھی اوبسانجو کا مکمل ساتھ دیا۔ نائیجیریا کے مذہبی عیسائی رہنماؤں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہسٹریا کے مریض ہوں۔ انہوں نے اشتعال انگیز تقریروں سے صلیبی اقلیت کو خون خوار بنا دیا۔ ایک چرچ نے اعلان کیا کہ شرعی قوانین کے نفاذ کو نہ روکا گیا تو نائیجیریا ایک ”مسلم بنیاد پرست ریاست“ بن جائے گا۔ پینٹی کوسٹل چرچ، رومن کیتھولک بشپ سب چیخنے لگے کہ شرعی قوانین کا فوراً قلع قمع کر دو، ورنہ یہ عیسائیت کی بقا کے لیے بہت بڑا خطرہ بن جائیں گے۔ یہ بیانات پڑھنے اور تقریریں سننے کے بعد عیسائی خون خوار جنونی بن کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور صرف دو دنوں میں ایک ہزار کے قریب مسلمان شہید کر دیے، بیسیوں مسجدیں اور کروڑوں کی جائیدادیں جلا دیں۔ شرعی قوانین نافذ کرنے والی ریاستوں پر اس قدر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ ان قوانین کو واپس لینے پر مجبور ہو گئیں۔ الجزائر اور ترکی کے بعد صلیبی جمہوریت کا یہ ایک اور خوف ناک چہرہ ہے۔ یہ جمہوری دہشت گردی کی بدترین شکل ہے۔ اہل مغرب کو سوچنا چاہئے کہ وہ کب تک ان گھٹیا، ہتھکنڈوں، دہشت گردی اور سازشوں سے اللہ کی مخلوق کو اسلام سے دور رکھ سکیں گے۔

باب نمبر 5

بوسنیا۔ مسلمانوں کی قتل گاہ

بوسنیا جو اس وقت سربیائی مظالم کا تختہ مشق بنا ہوا ہے سابقہ یوگوسلاویہ کی ایک جمہوریہ تھا یوگوسلاویہ مشرقی یورپ کے وسط میں واقع ہے یہ چھ جمہوریتوں کی اتحادی حکومت کا نام تھا ان چھ جمہوریتوں کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

1۔ سربیا:۔ اس کا دار الخلافہ بلغراد ہے جو کہ نہر دانوں پر واقع ہے اور یہی تمام جمہوریات کا مشترکہ دار الحکومت ہے۔

2۔ کرواتیا:۔ اس کا دار الخلافہ زغرب ہے اور یہاں کے رہنے والے کروتی کہلاتے ہیں۔

3۔ بوسنیا:۔ اس کا دار الخلافہ سراجیو ہے۔

4۔ مقدونیا:۔ اس کا دار الخلافہ سکوپیا ہے۔

5۔ سوفینیا:۔ اس کا دار الخلافہ لیوبلیانا ہے۔

6۔ جبل الاسود:۔ یہ سب سے چھوٹی جمہوریہ ہے اس کا دار الخلافہ نیتوچراد ہے۔

یوگوسلاویہ کی ان چھ جمہوریاؤں میں بیس سے زائد اقوام آباد ہیں جن کی اپنی زبان ہے یوگوسلاویہ پہلی عالمی جنگ کے بعد سربیا کے نام سے معرض وجود میں آیا۔ دوسری عالمی جنگ میں جرمن اور اٹلی کا اس پر قبضہ رہا لیکن جرمن کی شکست کے بعد اس نے آزادی حاصل کی اور یہ چھ جمہوریائیں یوگوسلاویہ کے نام سے معروف ہوئیں یوگوسلاویہ کا کل رقبہ قریباً 255804 مربع کلومیٹر ہے اور 1985ء میں اس کی آبادی 2 کروڑ 27 لاکھ تھی جس میں 45 لاکھ سے زائد مسلم آبادی تھی جبکہ مسلمانوں کی اکثریت بوسنیا میں آباد ہے بوسنیا میں مسلمانوں کی تعداد قریباً 25 لاکھ ہے اور ان کی شرح 60 فیصد کے قریب ہے۔

مذکورہ بالا جمہوریاؤں میں سے مقدونیا، سوفینا اور کرواتیا نے یکے بعد دیگرے استقلال حاصل کیا جبکہ سربیا اور جبل الاسود نے مل کر یوگوسلاوی اتحاد قائم رکھا ان میں سے کرواتیا اور سلو

فینا کیتھولک فرقہ سے جبکہ سربیا آرتھوڈکس فرقہ سے تعلق رکھتی ہے جبکہ بوسنیا میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور وہاں ان کی حکومت ہے۔

یوگوسلاویہ میں اسلام

یوگوسلاویہ میں اسلام کی اشاعت دو ذریعوں سے ہوئی

1۔ مسلمان تاجروں کے ذریعے:۔۔۔ قرون وسطیٰ میں دوبروفنک شہر جواب کرواتیا کے ماتحت ہے ایک مستقل ملک تھا اور اس کے اسلامی ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات تھے جب مسلمان یوگوسلاویہ میں تجارت کی غرض سے آئے تو بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

2۔ خلافت عثمانیہ کے اسلامی لشکروں کے ذریعہ:۔۔۔

یورپ میں اسلامی فوجیں پہلی دفعہ 1353ء میں داخل ہوئیں۔ 1389 میں ایک بہت بڑا لشکر ”کوسوفو“ میں داخل ہوا اور اہل صلیب اور اہل اسلام کے درمیان ایک زبردست معرکہ ہوا جسمیں اہل صلیب کو شکست ہوئی اس فتح کے بعد مسلمان یورپ کے اکثر علاقوں میں پھیل گئے انہیں فتوحات کے تسلسل میں 1453ء میں بلغراد بھی فتح ہو گیا۔ 1463ء میں مسلمانوں نے سلطان محمد الفاتح کی قیادت میں بوسنیا کے اکثر علاقے فتح کر لئے جب اسلامی لشکر یوگوسلاویہ میں پہنچا تو لوگ اپنی خوشی اور رضامندی سے مسلمان ہونا شروع ہو گئے اسلامی لشکر کی آمد سے قبل بھی بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے چار صدیوں تک اسلام کا پرچم ان علاقوں میں شد و مد سے لہراتا رہا مسلمانوں نے ان علاقوں میں بہت سی مساجد تعمیر کیں اور مدرسے کھولے۔

جب خلافت عثمانیہ کی ساخت کمزور ہوئی تو آسٹریا نے یوگوسلاویہ پر حملہ کر کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور مجبوراً اسلامی فوجوں کو 1878ء میں بوسنیا سے نکلنا پڑا مسلمانوں نے ترکی اور دیگر اسلامی ممالک کی طرف ہجرت شروع کر دی اور آج بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہے آج بھی ترکی میں 40 لاکھ سے زائد ایسے مسلمان ہیں جو اصولاً یوگوسلاوین ہیں۔

خلافت عثمانیہ کی اسلامی فوجوں کے نکل جانے کے بعد عیسائیوں نے مسلمانوں پر ظلم وستم

کی انتہا کر دی انہوں نے صرف بلغراد شہر میں موجود 270 مساجد کو مسمار کر دیا اور یوگوسلاویہ کی سب سے خوبصورت مسجد جو 1521ء میں تعمیر کی گئی تھی کو ''اسمبلی حاؤس'' میں تبدیل کر دیا گیا پہلی عالمی جنگ کے بعد سربیائی اتحاد نے مسلمانوں کو تہہ و تیغ کرنا شروع کر دیا اور ان کی تمام جائیدادیں چھین لیں دوسری عالمی جنگ کے دوران عیسائیوں نے مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کر دیا ان کا قتل عام کیا گیا اور انہیں ہجرت پر مجبور کر دیا گیا اس جنگ کے بعد قریباً ڈھائی لاکھ مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا اور صرف ایک شہر میں 8 ہزار مسلمانوں کو ایک ہی دن شہید کر دیا گیا اس المناک کاروائی کے بعد سربی نصرانی کمانڈر نے اپنی اعلیٰ قیادت کو رپورٹ بھیجی کہ ''ہم نے آٹھ ہزار مسلمانوں کو ذبح کر دیا ہے جبکہ ہمارے صرف دو بہادر فوجی معمولی زخمی ہوئے اور وہ بھی دو بچوں کو ذبح کرتے ہوئے چھری ان کے پاؤں پر لگ گئی۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد یوگوسلاویہ کی عیسائی حکومت نے مسلمانوں کو کھلی چھٹی دے دی کہ وہ ہجرت کر سکتے ہیں لیکن اس شرط پر کہ واپس یوگوسلاویہ میں کبھی نہیں آئیں گے۔ یوگوسلاویہ کے بعد قریباً 24 ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا اور بوسنیا میں موجود (1700) سترہ سو مساجد جن میں دارالحکومت سرجیو میں 870 مساجد تھیں سب مسمار کر دی گئیں۔ مسلمانوں کی شرعی عدالتوں کو بھی ختم کر دیا گیا اور مسلمان عورتوں کے پردے پر پابندی عائد کر دی گئی اگر کوئی عورت پردے سے نظر آتی تو اس کا پردہ چھین لیا جاتا اسے مارا جاتا اور جیل بھیج دیا جاتا اسی طرح مسلمانوں کو ناجائز مقدمات میں گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا جاتا۔

1986ء میں سربیا کے دارالحکومت میں عیسائیوں کا علمی و فنی کنونشن ہوا جسمیں مسلمانوں کو یوگوسلاویہ سے ختم کرنے کے طریقوں پر غور کیا گیا اور صرف ''کوسوفو'' میں ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کو ملازمتوں سے برطرف کر دیا گیا اسی طرح تمام جمہوریاؤں کو اسلحہ واپس کرنے کا کہا گیا لیکن کرواتیا اور سلوفینیا نے اسلحہ واپس جمع کروانے سے انکار کر دیا جبکہ بوسنیا کے مسلمانوں کو اسلحہ ضبط کروانا پڑا کیونکہ ان کے پاس اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ اسلحہ دینے سے انکار کر دیتے یہی وہ کمزوری تھی کہ جب اپریل 1992ء میں بوسنیا نے اپنے استقلال کا اعلان کیا تو سربیائی فوج درندوں کی طرح بوسنیا کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی۔

بوسنیا اور سربیا کے درمیان موجودہ جنگ کا آغاز عید کے دن سے ہوا جب بیلنستیا شہر میں سربوں نے تین ہزار مسلمانوں کو ذبح کر ڈالا۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں نماز تراویح

کے دوران سربیائی عیسائی کتے ایک مسجد میں گھس گئے اور تمام نمازیوں کے شہید کر ڈالا اور پھر ان کی ویڈیو فلم بنا کر ٹیلی ویژن پر دکھائی اور یہ شرمناک پروپیگنڈا کیا کہ ''سربو!'' دیکھو مسلمانوں نے تمہارے کنبے کے لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے'' سربوں کے جذبات بھڑکانے کے لئے یہ حیلہ کامیاب رہا۔

آج بوسنیا کے مسلمانوں پر ظلم و جبر کے جو سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں ان کی کہانی آج کی نہیں بلکہ اس کا تسلسل صدیوں پر محیط ہے بوسنیا پر ڈھائے جانے والے مظالم کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا کہ موجودہ جنگ میں سربیائی فوج کی طرف سے قائم کردہ عقوبت خانوں میں اب تک 70 ہزار مسلمانوں کو شہید کیا جا چکا ہے جبکہ 30 ہزار مسلمان لاپتہ ہیں پندرہ لاکھ مسلمان ہجرت پر مجبور ہو چکے ہیں جبکہ ڈھائی لاکھ کے قریب مسلمان جیلوں کے بند ہیں۔ نیو یارک کے اخبار ''نیوز ڈے'' کے مطابق ایک ہزار مسلمانوں اور کروٹ باشندوں کو چار فٹ اونچے لوہے کے پنجروں میں قید کر دیا گیا جہاں انہیں نہ پانی دیا جاتا ہے نہ خوراک، ہر دوسرے تیسرے دن دس سے پندرہ قیدیوں کو نکال کر گولی مار دی جاتی اور بعض پر اتنا تشدد کیا جاتا ہے کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

بوسنیا میں مصروف عمل معروف عرب مجاہد کمانڈر شیخ عبدالعزیز نے کہا ہے کہ سعودی عرب پاکستان یا دیگر اسلامی ممالک بوسنیا کے مجاہدین کی کسی قسم کی مدد نہیں کر رہے سارے مسلم ممالک امریکہ سے ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ناراض نہ ہو جائے۔ شیخ عبدالعزیز نے کہا کہ صدر بوسنیا نے مجھ سے خود کہا کہ مجھ پر جتنا دباؤ مسلم بلاک کا ہے اتنا یورپ اور امریکہ کا بھی نہیں شیخ عبدالعزیز نے کہا کہ مساوات انسانی حقوق اور شخصی آزادی جیسی روایات پر مغربی اقوام صرف آپس کے معاملات میں عمل کرتی ہیں اور مسلمانوں کے لئے ہر قسم کا ظلم جائز سمجھتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اب تک ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کو بوسنیا میں قتل کر دیا گیا ہے انھوں نے کہا کہ اقوام متحدہ کے لوگوں نے سرب افواج سے کہا تھا کہ مسلمانوں کو ذبح نہ کیا جائے بلکہ انہیں گولی ماردی جائے لیکن سربوں نے جواب دیا کہ مسلمان اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر گولی ضائع کی جائے۔ مسلمانوں کو تڑپا کر ہمیں خوشی ہوتی ہے۔ کمانڈر شیخ عبدالعزیز نے بتایا کہ سرب مسلم نوجوانوں کے جسموں پر گہرے صلیب کے نشان بنا کر اور ان کے نازک اعضاء کاٹ کر تڑپتا چھوڑ دیتے ہیں جو تڑپتے تڑپتے مرجاتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ پچاس ہزار سے زائد مسلم خواتین کے ساتھ جن کی

عمریں 10 سال سے 70 سال تک کی ہیں۔ انتہائی نا قابل بیان شرمناک سلوک کیا گیا۔ بوسنیائی مسلم بچوں کو ان کے والدین کے سامنے ذبح کیا جاتا ہے اور والدین کو ان کا خون پینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جس کے بعد والدین کو بھی قتل کر دیا جاتا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ایک 12 سالہ بچی کو مجھ سے ملایا گیا جس کی تیس سے زائد سربوں نے کئی دن تک آبروریزی کی۔

بوسنیا میں زہریلی گیس سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد 5 ہزار ہو گئی

9 اور 10 اپریل کی درمیانی شب سرب فوج نے بوسنیا کے اہم صنعتی شہر گوراز دے پر اچانک بڑے پیمانے پر کیمیکل ہتھیار استعمال کیے۔ جس کی زہریلی گیس سے آخری خبریں آنے تک تقریباً 5 ہزار سے زائد مسلمان باشندے شہید ہو گئے سربوں کی اس جنگی جارحیت کے خلاف ترکی میں زبردست مظاہرے شروع ہو گئے ہیں عوام نے انقرہ میں امریکی سفارت خانے میں داخل ہو کر کافی توڑ پھوڑ کی اور عمارت کو زبردست نقصان پہنچایا۔ ترک ٹی وی نے اپنے تمام پروگرام منسوخ کر کے سارا دن ماتمی پروگرام پیش کیے مغربی ذرائع ابلاغ اس خبر کو چھپا رہے ہیں آج رات مقامی وقت کے مطابق 11 بجے رات سی این این پر امریکی صدر نے بھاری جانی نقصان کا اعتراف کیا لیکن سی این این نے کسی کیمیکل گیس کے استعمال کا ذکر نہیں کیا اتنے بڑے حادثہ پر امریکی اور یورپی ٹیلی ویژن نیٹ ورک کی مکمل خاموشی ان کی منافقت بے حسی تعصب اور مسلم دشمنی کا پردہ چاک کر رہی ہے۔

بوسنوی مسلمانوں کے سر ہتھوڑوں سے پھوڑے گئے تندروں میں زندہ جلایا گیا

بوسنیا میں ظلم کے کون کون سے اور کیسے کیسے پہاڑ مسلمانوں پر ٹوٹ گرے، ان کی ہلکی سی جھلک دنیا کو اب دکھلائی دے رہی ہے۔ اس جھلک کو دکھایا بھی مغرب کے صحافیوں نے ہے۔۔۔ کسی مسلمان صحافی کو تو وہاں جانے ہی نہیں دیا گیا۔ کیوں نہیں جانے دیا گیا۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان صحافی اقوام متحدہ کے چہرے سے نقلی سفید نقاب اتار کر کہیں اس

کا اصل کالا چہرہ بے نقاب نہ کر دے۔ جہاد بوسنیا کے دوران محترم مجیب الرحمٰن شامی، الطاف حسن قریشی، این آئی کے سربراہ حافظ عبدالخالق اور راقم کے لئے خود بوسنیا کی سفیر نے آسٹریا کے سفیر سے ویزے مانگے تا کہ ہم بوسنیا جا سکیں مگر متعصب صلیبیوں نے صاف انکار کر دیا۔

بوسنیا میں جنگ بندی کے ایک سال بعد اب ایک یورپین صحافی ٹیوڈ ورولا کسن نے ایک جگر پاش رپورٹ پیش کی ہے۔ آیئے ذرا اس صحافی اور دیگر صحافیوں کی رپورٹوں کی روشنی میں سرب مظالم کے دردناک اور ہولناک مناظر ملاحظہ کریں۔

جن علاقوں پر سربوں کا قبضہ ہوا وہاں مسلمانوں کو گھروں سے نکالا گیا۔ جو سڑکوں پر چل رہے تھے، انہیں وہاں سے جمع کیا گیا اور سب کو پکڑ پکڑ کر دریاؤں کے پلوں پر لے جایا گیا، جہاں ان کی شہ رگیں کاٹی گئیں۔ پھر انہیں دریا میں پھینک دیا گیا۔ بعض جگہ ایسا کیا گیا کہ بڑے بڑے گڑھوں کے کناروں پر جانوروں کی طرح لٹا کر مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔ وہاں اوپر تلے انہیں پھینک کر تڑپتی لاشوں پر مٹی ڈال دی گئی۔

اقوام متحدہ کے سائے تلے کیمپوں میں پناہ گزینی کی زندگی بسر کرنے والوں میں جب سرب ظالم داخل ہوئے تو انہوں نے ہتھوڑوں سے مسلمانوں کے سر کچل دیئے۔ کھوپڑیاں توڑ ڈالیں۔ معصوم بچوں کی کھوپڑیوں کو گنوں کے بٹوں سے پھوڑ ڈالا۔

بعض شہروں میں بڑے بڑے تندوروں میں مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔

مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے سرب آپس میں لڑ پڑتے

سربوں نے جن مسلمانوں کو مارا، یہ جنگی قیدی نہیں تھے بلکہ شہروں، دیہاتوں، گھروں اور بازاروں سے پکڑے ہوئے سول قیدی تھے۔۔۔ ان مظلوم قیدیوں کو سرب باشندے ہر اس چیز سے قتل کرتے جو کسی کے پاس موجود تھی۔ بعض لوگ چاقوؤں سے قتل کرتے۔ کچھ لوگ قینچیوں سے مارتے۔ نازک اعضاء کترتے۔ کئی ہاتھوں سے گلا گھونٹ دیتے۔ بعض رسیوں اور کپڑوں سے گلا دباتے۔ بعض ظالم ان مظلوم مسلمانوں کو لٹا کر انہیں سمینٹ کے بلاکوں، اینٹوں اور پتھروں وغیرہ سے قتل کرتے۔ سربوں کو جب مسلمان قتل کرنے کے مواقع میسر آتے تو یہ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لئے آپس میں لڑ پڑتے۔

”۲۱ مئی ۹۶ء کے ”نوائے وقت“ نے وائس آف جرمنی کے حوالے سے خبر دی ہے کہ

سربوں کے لیڈر لارڈ اوون اور برطانوی حکومت کے درمیان خفیہ ساز باز کا انکشاف ہوا ہے۔ سرب لیڈر نے برطانوی وزیراعظم کو ایک لاکھ پونڈ کا خفیہ تحفہ پیش کیا، ٹیوڈورلاکس نے صاف طور پر لکھا ہے کہ سربوں کی سرپرستی کرنے والے ممالک کا سربراہ برطانیہ تھا"۔

سربی عیسائیوں کی ایک تنظیم نے 20 ہزار مسلمان شہید کئے

بوسنیا میں خفیہ سرب تنظیم 20 ہزار مسلمانوں کے قتل عام میں ملوث ہے۔ دہشت گرد سرب تنظیم "ریڈ بیریٹس" نے وحشیانہ طریقے سے 20 ہزار مسلمان قتل کئے۔ تنظیم کے سربراہ کا نام فرینکو سماتوک ہے۔ امریکی جریدے ٹائم نے اپنی تازہ ترین اشاعت میں اپنی رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ مذکورہ انٹیلی جنس افسر نے کسی طرح سرب لیڈر ملازیوچ کا اعتماد حاصل کر لیا تھا جس نے اسے مسلمانوں کو خصوصی طور پر کچلنے کے لیئے منتخب کیا اور یوں اسے لامحدود اختیارات کا مالک بنا کر مسلمانوں کے قتل عام کی اجازت دی گئی فرینکو جو فرینکی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے نے ریڈ بیریٹس کے نام سے ایک دہشت گرد گروہ تشکیل دیا اور اس میں سابق پولیس اہلکاروں، قاتلوں اور مسلم دشمن شرپسندوں کو شامل کیا۔ انہیں مسلمانوں کو خفیہ طریقے سے صفحہ ہستی سے مٹانے کا ٹارگٹ دیا گیا اور اس نے دل کھول کر بوسنیا میں خونریزی کی۔ ریڈ بیریٹس کے ایک رکن نے بتایا کہ فرینکو اتنا ظالم اور وسیع اختیارات کا مالک تھا کہ بڑے بڑے لوگ اس کے نام سے کانپتے تھے۔ اس دہشت گرد گروہ کو فرینکو کے ساتھی کیپٹن ڈریگن نے خصوصی تربیت دی۔ رپورٹ میں انکشاف کیا گیا کہ سماتوک اور ریڈ بیریٹس دہشت گردوں کے ابھی تک اعلی حکام سے خفیہ تعلقات اور روابط ہیں۔

جس روز بیس ہزار مسلمان قتل کیے گئے اس روز عیسائیوں نے چرچ میں عبادت کی موسیقی کا پروگرام کیا اور شراب نوشی کی

"سربرانیکا بوسنیا کا وہ شہر ہے کہ جہاں سرب ظالموں نے آٹھ ہزار مظلوم سول مسلمانوں کو قتل کیا۔ ۱۷ جولائی ۹۶ء کے "نوائے وقت" کے مطابق تزلا میں ایک بہت بڑے اسٹیڈیم میں اس شہر کے قتل ہو جانے والے مردوں کی بیویاں، بہنیں، مائیں اور بیٹیاں اکٹھی ہوئیں وہ مظالم

کو یاد کر کے دو گھنٹے تک متواتر دھاڑیں مار کر روتی رہیں۔ ایک جانب یہ آہ وزاری تھی، دوسری جانب اسی روز اور اسی وقت سرب عیسائی اپنے چرچ میں جمع ہوئے۔ انہوں نے سربرانیکا کے اس دن کو یوم آزادی کے طور پر منایا۔ موسیقی کا پروگرام منعقد کیا اور شراب کی محفل سجائی۔ ''

ستر افراد کو زندہ جلا دیا گیا

''بوسنیا کے شہر گراڈ کے ایک مسلمان خاندان پر توڑے جانے والے مظالم یورپی اخباروں میں اس طرح بیان کیے گئے ہیں، ۲۷ جون کو زہرہ طور نامی خاتون جو ایک ٹیکسٹائل فیکٹری میں کام کرتی تھی وہ کام سے واپس گھر آئی تو دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی، اس نے دروازہ کھولا تو سامنے چھ سات پولیس والے کھڑے تھے جنہوں اس کی دو بہنوں ان کے بچوں اور ماں کو گھر سے نکلنے کا حکم دیا۔ اس کے بھانجوں اور بھانجیوں کی عمر دو سے سات سال کے درمیان تھیں۔ ان آٹھ افراد پر مشتمل خاندان کو بندوقوں کی نوک پر ایک ایسے مکان میں بند کر دیا گیا جہاں پہلے سے ساٹھ ستر افراد قید تھے۔ گھر کے تمام دروازوں اور کھڑکیوں کو تالے لگا کر بند کر دیا گیا۔ پھر چاروں طرف سے پٹرول ڈال کر آگ لگا دی گئی۔ کرفیو کے وقت آگ اس لیے لگائی گئی تھی تاکہ کوئی شخص کسی طرح اس قید خانے میں بچ کر نکل بھی جائے تو سربی فوجیوں کی گولیوں کا نشانہ بن جائے۔ آگ بھڑکی تو بچوں اور عورتوں نے چلانا شروع کر دیا لیکن یہ سب کچھ بے سود ثابت ہوا۔ ان کے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ آخر کار سب قیدی دھوئیں کی گھٹن اور آگ لگنے کے سبب جل کر ہلاک ہو گئے۔ صرف زہرہ جس نے حواس قابو میں رکھے تھے کسی طرح اس مکان سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی مگر اس نے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ گھر سے باہر عیسائی فوجی شراب پی کر دیوانہ وار ناچ رہے تھے۔ کچھ موسیقی سن رہے تھے، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کی چیخیں بھی ان کے دلوں میں ہمدردی کے جذبات پیدا کرنے میں ناکام رہیں۔

زہرہ چھپتی چھپاتی اس گھر سے نکل کر ایک قبرستان میں پہنچی پھر اٹھارہ روز کا پیدل کا سفر طے کرنے کے وہ عورت میڈیڈا کے علاقے میں قائم جرمنی کے اس کیمپ میں پہنچی جہاں ہزاروں بوسنیئی پناہ لیے ہوئے تھے۔ اس کے دونوں ہاتھ جھلسے ہوئے تھے جو ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئے تھے۔'' (بحوالہ ہفت روزہ ایشیاء'')

سربرانیکا مسلمانوں کا قتل عام۔۔۔ باقاعدہ پلاننگ

"نیز یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام سرب فوج کے کمانڈر ریڈ کو مال ڈک کی اپنے فوجیوں کو واضح ہدایات کے تحت کیا گیا تھا، نیز اس میں سرب صدر مملکت کراز چک کی "آشیرباد" بھی شامل تھی۔ ملاڈک نے اپنے زیر کمان فوجیوں کو سربرنیکا کے میونسپل آفس میں بلا کر شادیوں کے اندراج کا ریکارڈ دکھاتے ہوئے کہا تھا کہ:

"آخر مسلمان کب تک اس ملک کی آبادی میں اضافہ کرتے رہیں گے؟ ان کا نام ونشان مٹا دو تا کہ یہ خطرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے۔" چنانچہ سرب فوجیوں نے اپنی ہائی کمان کی ہدایت پر حرف بحرف عمل کرتے ہوئے سربرانیکا کو مسلمانوں سے پاک (خالی) کردیا۔ اس "کارنامہ" پر سرب صدر مملکت کراز چک نے اپنے کمانڈر ملاڈک کو "ٹرافی" سے نوازا۔

ملاڈک ہر کسی کو یہ ٹرافی دکھا کر پھولے نہیں سماتا تھا۔ اس نے ڈچ افواج کے کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل تھامس کرامنس کو بھی یہ ٹرافی دکھائی تھی۔"

بوسنیا کے مسلمانوں کے ٹکڑے کر کے قیمہ بنایا جاتا ہے

۴ جنوری کے روزنامہ جنگ کے مطابق بوسنیا کے وزیر اعظم حارث سلاجک نے یہ انکشاف کر کے دنیا کو چونکا دیا کہ سرب عیسائی بوسنیا کے مسلمانوں کو جب قید کرتے ہیں تو ان کے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور پھر بڑی بڑی مشینوں میں ڈال کر ان کا قیمہ بناتے ہیں اور اس قیمے کو دریا میں کی نذر کر دیتے ہیں۔

انہوں نے سرجیوو میں صحافیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کو یقین نہ آئے تو اقوام متحدہ کے تعینات افسروں سے پوچھ لیجئے وہ بھی تصدیق کریں گے۔

قارئین کرام! اقوام متحدہ والے تو تصدیق کر دیں گے مگر اس ادارے کا کوئی فائدہ؟ یہ وہ ادارہ ہے جس نے بوسنیا پر ہتھیاروں کے حصول پر پابندی لگا رکھی ہے یعنی سرب درندوں کے سامنے انہیں دفاع کا حق بھی نہیں تو یوں قیمے کا ذمہ دار تو یہ بدمعاش ادارہ ہے کہ جس نے حقوق انسانی کا جھومر اپنے ماتھے پر لٹکا رکھا ہے۔ آخر اس ادارے کے گندے اور انتہائی شرمناک

کردار پر دنیا کا ضمیر کب بیدار ہوگا؟ اور دنیا کا تو بیدار ہو یا نہ ہو یہ ایک الگ بات ہے مگر جو مسلمان ممالک ہیں کیا یہ سب بھی بے ضمیر ہیں کہ جو ابھی تک اس ادارے سے چمٹے ہوئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امن کے نام پر اس دہشت گرد حقوق کے نام پر درندگی کا کردار پیش کرنے والے اس ادارے کا اصل کردار دنیا کے سامنے لایا جائے اور اس ادارے کے کرتا دھرتا امریکہ کی بدمعاشی کو طشت از بام کر کے مسلمانوں کو اس ادارے کی غلامی سے نکالا جائے دیکھیے!

سور کو ہلاک کرنے کا تجربہ مسلمانوں پہ کام آیا

تیس آدمیوں کو آگ کی بھٹی ڈال دیا گیا

"دو ماہ قبل بوسنیا کے فوجیوں نے چند سربین عیسائی رضا کاروں کو گرفتار کیا، ان میں ایک ۲۱ سالہ ہیرک بھی شامل تھا۔ اس کی ایک بہن ایک مسلمان کے ساتھ بیاہی ہوئی ہے لیکن آرتھوڈکس عیسائی تعصب نے اسے اس قدر اندھا کر دیا کہ وہ ظالم بھیڑیے سے بھی زیادہ وحشی اور درندہ بن گیا۔ اس کے اعتراف جرم پر مبنی رپورٹ نیو یارک ٹائمز کے جون الیف برنز نے مرتب کی جو "ہیرالڈ ٹریبون" میں شائع ہوئی"۔

"یہ اوائل جون کی بات ہے کہ ایک دن ایک ۲۵ سالہ سرب اسے اور اس کے تین ساتھیوں کو وو گوسکا کے باہر ایک گھاس کے فارم میں لے گیا اور وہاں اس نے بتایا کہ سور کو کس طرح ہلاک کیا جاتا ہے، اس نے بتایا کہ سور کے سر کو کانوں سمیت پیچھے کی طرف کھینچے اور گلے پر چھری چلا کر شہ رگ کاٹ دیں۔ (دراصل ہمیں اس طریقے سے سمجھایا گیا تھا کہ گرفتار مسلمانوں کو کس طرح ہلاک کیا جانا چاہئے) چند دنوں بعد میں نے یہ تجربہ تین مسلمانوں کے گلے کاٹنے کے لیے کیا"۔

"ہیرک نے بتایا کہ دوسرا واقعہ جولائی کا ہے۔ یہ واقعہ مسلمانوں کے ایک گاؤں "ڈونجا" میں پیش آیا۔ ڈونجا بو کا وو گوسکا کے شمال مغرب میں تین میل کی مسافت پر ہے۔ وہاں تیس (۳۰) آدمیوں کو گولیوں سے بھون کر آگ کی بھٹی میں پھینک دیا گیا۔ گولیاں کھانے کے بعد کئی آدمی زندہ تھے جو آگ میں زندہ جل گئے۔

وہ بتاتا ہے!

”میں نے ان ۶۰ مسلمانوں کی لاشیں بھی دیکھی ہیں جنہیں سرب فوجیوں نے لڑائی کے دوران بطور ڈھال استعمال کیا۔“

مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کے بارے میں ہیرک نے بتایا:

”مسلمانوں کے ساتھ میرے تعلقات بہت اچھے تھے۔ ہمارے مسلمان ہمسائے ہمیں اپنے تہواروں پر خصوصی طور پر بلاتے اور ہم بھی انہیں کرسمس پر دعوت دیتے۔ انھوں نے کئی بار میری مدد کی، وہ میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے، میں جہاں بھی گیا، مسلمانوں نے میری مدد کی، وہ بالکل صحیح اور اچھے لوگ تھے مگر جب میں گزشتہ مئی میں سربین فوج میں شامل ہوا تو میرے سامنے مسلمانوں کا دوسرا رخ پیش کیا گیا۔ سربین سیاسی لیڈروں اور فوجی کمانڈروں نے بتایا:

”مسلمان بوسنیا میں ۴۴ فیصد ہیں مگر وہ بوسنیا کو اسلامی ریاست بنانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ ایک اسلامی ریاست میں سرب بچوں کو بھی اسلامی لباس پہننے ہوں گے اور مسلمانوں کی طرح رہنا ہوگا۔ اگر تم عیسائی رہنا چاہتے ہو تو پھر اپنی بستیوں کو مسلمانوں سے صاف کر دو۔“

بھوکے کتوں کے سامنے سربوں نے ڈال دیا

”برکو نامی کیمپ میں مسلمانوں کو ہلاک کر کے ان کی لاشیں کتوں کے آگے ڈال دی گئیں جب کہ بہت سی لاشیں گاڑیوں میں بند کر کے سوروں کے باڑوں میں بھجوا دی گئیں۔ کچھ لاشیں دریا برد بھی کر دی جاتی ہیں۔ یہاں ایک طوائف کے ذمے یہ کام ہے کہ وہ منتخب قیدیوں کو شیشے کی ٹوٹی ہوئی بوتل سے ذبح کرے اور ان کے پیٹ پھاڑے۔ وہ روزانہ کئی قیدی اسی طرح ہلاک کرتی ہے اور جب قیدی جان کنی کے عالم میں تڑپتے ہیں تو وہ خوشی سے نعرے لگاتی اور رقص کرتی ہے۔ یہ طوائف ٹوٹے ہوئے شیشے سے قیدیوں کی آنکھیں نکالتی اور ناک اور کان کاٹتی ہے۔ اس کیمپ سے ایک پچاس سالہ مسلمان قیدی کسی نہ کسی طرح فرار ہو کر لندن پہنچ گیا جہاں اس نے کیمپوں میں آنکھوں دیکھے واقعات سنا کر لوگوں کو ناقابل یقین خوف میں مبتلا کر دیا۔ اس شخص کا نام مرساد ہے اور اس نے بتایا کہ برکو شہر کی ۸۰ فیصد آبادی مسلمان اور

کروٹ تھی۔ جب سربوں نے اس پر قبضہ کیا تو ہمیں گرفتار کر کے مارا پیٹا اور پھر کیمپ میں ڈال دیا گیا۔ اس نے بتایا کہ اس کے سامنے تین قیدیوں کو اس بری طرح مارا گیا کہ وہ دم توڑ گئے۔ کیمپ میں اسپیشن کتے رکھے گئے ہیں جنہیں کئی دنوں تک بھوکا رکھا جاتا ہے اور پھر کچھ قیدی ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کے آگے ڈال دیئے جاتے ہیں۔ یہ بھوکے کتے جب ان کو کاٹنا اور بھنبھوڑنا شروع کرتے ہیں تو قیدیوں کی آہ و بکا دور تک سنی جا سکتی ہے۔ بھوکے کتے بالآخر ان زندہ انسانوں کو کھا جاتے ہیں۔ اس نے ایک چشم دید واقعہ سنایا جس میں یہ کتے ۱۰ نوجوان مسلمانوں کو چیر پھاڑ کر کھا گئے۔ ایک کروٹ پولیس افسر کو قیدی بنا کر لایا گیا جو زخموں سے لہو لہان تھا۔ سربوں نے قیدیوں سے کہا کہ اسے گولی ماردو۔ انھوں نے یکے بعد دیگرے ۲۰ قیدیوں کو یہ حکم دیا لیکن سب نے انکار کر دیا جس پر سربوں نے مذکورہ پولیس افسر کو گولی ماری اور پھر انکار کرنے والے قیدیوں کو بھی ہلاک کر دیا۔ کیمپ میں جونہی اطلاع ملتی کہ جنگ میں ایک سرب فوجی ہلاک ہو گیا ہے تو وہ ظالم اسی وقت ۱۰ مسلمانوں کو ہلاک کر دیتے۔ اگر دو سربوں کے مرنے کی اطلاع آتی تو ۲۰ مسلمانوں کو گولی ماردی جاتی۔"

بوسنیا کے مسلمان مردوں کا گوشت کھا رہے ہیں

اقوام متحدہ میں بوسنیا کے سفیر محمد صغیر بیگ نے کہا ہے کہ مشرقی بوسنیا میں مسلمان اپنی جان بچانے کے لئے مردوں کا گوشت کھا رہے ہیں انھوں نے کہا کہ چسکا شہر میں صرف دو روز میں بھوک اور سردی سے ۱۸۷ افراد جاں بحق ہو گئے۔ سربیوں نے مسلمانوں کے لئے خوراک لے کر جانے والے دو قافلوں کو راستے میں روک لیا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ بوسنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے اقوام متحدہ کا وجود بیکار نظر آنے لگا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اور اس کے ہمنوا یورپ میں ایک مسلمان مملکت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں سربیوں نے سراجیوو کی واحد بیکری کو بمباری کر کے تباہ کر دیا لہٰذا مسلمان بھوک اور سردی کے عذابوں میں گرفتار ہو کر اپنی جانیں دے رہے ہیں۔ آخر بین الاقوامی برادری اور اقوام متحدہ بوسنیا کے مسلمانوں کو بربادی اور تباہی کی کون سی منزل پر پہنچانا چاہتی ہے ان اداروں اور اقوام سے کسی فلاح کی امید نہ رکھنا چاہئے اور تمام مسلم ممالک کو اقوام متحدہ پر دباؤ ڈال کر اسے

سربوں کے خلاف کسی سخت اقدام پر مجبور کر دینا چاہئے۔

عورتوں کے پیٹ چاک کئے اور وہاں کتے اور بلی کے بچے رکھ دیئے

یہ خبریں تو پریس میں آ چکیں کہ سرب درندوں نے مسلمان حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کئے اور وہاں کتے اور بلی کے بچے رکھ کر پیٹ سی ڈالے۔ پچاس ہزار عورتوں کی عزتیں لوٹیں جن میں آٹھ سال کی بچیوں سے لے کر ستر سال کی بوڑھیاں بھی شامل ہیں۔

اب واشنگٹن کا صحافی پیٹر ماس کہتا ہے کہ مریجہ نامی ایک سترہ سالہ خوبصورت بوسنیائی لڑکی سے میں ملا۔ یہ مظلومہ کسی طرح سے بچ گئی تھی، اس کی چھوٹی بہن بھی اس کے ساتھ تھی مگر سرب فوجی انہیں بھی گھر سے گھسیٹ کر لے گئے۔ فوجی کمانڈر نے ایک کو ایک کمرے میں پھینک دیا اور لڑکی کو مذاق کرتے ہوئے اسے سرب درندوں کے حوالے کیا اور انہیں کہا ”اس سے سوال کرو لیکن بہت زیادہ نہیں۔“ اور پھر شیطان نے قہقہہ لگایا۔ غرض اس پندرہ سالہ لڑکی کے ساتھ ظالموں نے نہ جانے کیا کیا ظلم کیا کہ وہ جان سے ہار بیٹھی جبکہ مریجہ کسی طرح سے بچ نکلی۔

انگریز صحافی کہتا ہے کہ بوسنیا کی بہت سی لڑکیوں پر جو بیتی اب وہ سنانے کے لئے زندہ نہیں یعنی ان ظالموں کے ہاتھوں عزتیں لٹوانے کے بعد جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

سرب فوجیوں کے مظالم کی المناک داستان

بوسنیا ہرزگووینا کے مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں جتنا بھی کہا اور لکھا جائے کم ہوگا۔ ذیل میں کسی ظالم سرب کے ساتھ گفتگو کا ایک خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، ایک گاؤں جو روک کی پہاڑیوں میں واقع ہے اور کوئی ۲۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے، اس گاؤں پر ہر قسم کے اسلحہ سے فائر کئے گئے۔ اور دوسری طرف سے گاہے گاہے سرب فوجوں پر دیہاتیوں کی فائرنگ کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ اس گاؤں کے مظلوم مسلمان اپنے زیر زمین گھروں میں محبوس تھے۔ صرف ان کے رونے اور واویلا کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ محاصرے کے پہلے روز زوال تک

تو مویشیوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں لیکن دوسرے دن وہ بھی خاموش ہو گئیں۔ گھر ویران، گودام نظر آتش، گاؤں کی فضا توپوں کے گولوں کے دھوئیں سے پر اور صرف لوگوں کی فریادیں تھیں جو سنائی دیتی تھیں۔ لوگ اگرچہ فرار کی کوشش کرتے لیکن بدلے میں گولوں اور مارٹر توپوں سے ان کی لاشوں کے ٹکڑے ہوتے اور خاک وخون میں غلطاں ہوتے۔ دوسری طرف سرب کیمپوں میں سربی فوجی اپنے کمانڈر میلودو کو مورد ملامت قرار دیتے تھے کہ ہم ابھی تک اس گاؤں میں داخل کیوں نہیں ہو سکے۔ کمانڈر میلو طنزاً ہنستے ہوئے کہتا کہ تم سب آرام اور اطمینان سے رہو۔ تم سب کو چھ سات مرد مار ڈالنے اور اتنی ہی تعداد میں عورتیں اور جوان لڑکیاں عیش وتفریح کے لئے بی جائیں گی۔ کمانڈر میلورا اپنا خنجر تیز کرتے ہوئے اپنے ایک سپاہی سے کہنے لگا۔ بلیوران ہم اگلے گھنٹے میں گاؤں میں داخل ہوں گے۔ میلور نے اسی حالت میں کہا کہ گاؤں کے تمام مرد وزن بچے حتی کہ ان کے جانوروں کو بستی کے ایک طرف میں اکھٹا کیا جائے میلور کے پہلو کھڑے سرب فوجیوں نے خوشی کا نعرہ لگایا اور چند منٹوں کے بعد جبکہ بستی کا مکمل محاصرہ ہو گیا تھا۔ فائرنگ ہوئی اور سرب فوجی دس پندرہ کی تعداد میں فائرنگ کرتے ہوئے گاؤں میں داخل ہوئے ایک چھوٹے اور ویران گھر سے آٹو میٹک ہتھیار کی فائرنگ شروع ہوئی اور اسی ٹولی پر عدنان نامی مسلمان نے چند سربیوں کو واصل جہنم کر دیا گیا۔ ہر سرب فوجی دہشت اور بربریت کا مجسمہ بنا ہوا تھا، اس نے گھر کو گھیرے میں لیا گھر کی مسلمان عورتیں فریاد کرتیں اور فائرنگ کرنے والے جوان کو خبردار کرتی رہیں کہ عدنان محتاط رہو فوجی تمہارے پیچھے سے آ رہے ہیں مقابلہ چند منٹوں تک جاری رہا۔ اسی اثناء میں عدنان کا ایک دوست آزادی کی خاطر جام شہادت نوش کر گیا اور ان کے بعد عدنان جس کے پاس کارتوس ختم ہو چکے تھے۔ قیدی بنالیا گیا۔ سرب فوجی نے رائفلوں کے بٹوں سے عدنان پر وار کرنے شروع کر دیئے جس سے اس میں کھڑا ہونے کی سکت جاتی رہی ایک سرب نے اپنے خنجر سے ذبح کرنا چاہا لیکن کمانڈر نے اسے یہ کہہ کر منع کیا کہ اس کے ساتھ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ عدنان کی گرفتاری اور اس کے دوست کی شہادت کے بعد کوئی نہیں رہ گیا تھا کہ سربوں کا مقابلہ کر سکے، ہر فوجی کے گھر میں داخل ہونے سے ہر گھر میں ماتم اور واویلا برپا ہو جاتا تھا۔ سرب افواج نے گاؤں کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور لڑکیوں کی عصمتوں کو تار تار کیا۔ ایک سرب فوجی ایک ماں کی گود سے اس کا لال چھینتا ہے لیکن جب ماں مزاحمت کرتی ہے تو بچے کا سر تن سے جدا کر کے اس معصوم جسم کو

عورتوں کے درمیان پھینکا جاتا ہے، بچے کی ماں بے ہوش ہو جاتی ہے تو زنجیروں میں جکڑے ہوئے مرد ایک طرف اور عورتوں اور لڑکیاں دوسری طرف واویلا کرتی ہیں۔ سربی اپنا خنجر اٹھائے ایک بوڑھے بوسنیائی کی طرف جن کی داڑھی لمبی تھی گیا اور آنکھ جھپکتے میں ان کا کان کاٹ ڈالا بوڑھا آدمی زمین پر گر پڑا۔ سربی فوجی نے کان زمین سے اٹھا کر عورتوں کی طرف پھینکا۔

جب سرب فوجی اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ ابھی گاؤں میں کوئی نہیں بچا ہے تو انھوں نے قیدیوں کے گرد گھیرا ڈال دیا اور سب شراب پینے لگے۔ ایک بوڑھا آدمی جو قیدی تھا اور نماز پڑھ رہا تھا ایک فوجی اس کی طرف لپکا اور اپنا خنجر اس کی گردن میں پیوست کر دیا۔ بوڑھے کی چیخ نکلی اور زمین پر گر پڑا۔ اس ظالم نے اس بوڑھے کو مارتے ہوئے بڑے افتخار کے ساتھ اپنے کمانڈر تک پہنچایا اور اس حالت میں کہ اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ خنجر اس کی گردن میں پیوست کیا اور آہستہ آہستہ ان کی گردن کاٹنے لگا اور ان کے سر کو تن سے جدا کیا۔ جس سے خون کا فوارہ جاری ہوا اور چار منٹ تک تڑپنے کے بعد شہید ہو گیا۔ فوجی نے بریدہ سر کو اپنے کمانڈر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا یہ لیں ہماری طرف سے نماز پڑھنے کے جرم میں ہدیہ! کمانڈر نے بھی اس کی قدردانی کرتے ہوئے اسے شراب کی بوتل پیش کی۔ سرب فوجیوں نے جوان لڑکیوں کو عورتوں سے جدا کیا۔ لڑکیاں درخواست کرتیں بین و گریہ کرتیں اللہ کی صدائیں بلند کرتی دکھائی دیتیں لیکن ان وحشیوں نے ان کے لباس کو پارہ پارہ کر دیا۔ وہ سب کے سامنے ان مسلمان لڑکیوں کی عزت سے کھیلے۔ ایک بوسنیائی مرد نے سرب فوجیوں کو درخواست کی کہ مجھے مار ڈالیں لیکن اس [illegible] کی اہانت نہ کریں کیونکہ اس کا بھائی اور ماں آج ہی شہید ہو چکے ہیں سربوں نے اس پر حملہ کیا۔ کمانڈر نے اپنا خنجر (سراوچ) نامی ایک فوجی کو دیا اور کہا آؤ بیٹا دیکھوں کہ تم نے خنجر چلانا کیسے سیکھا ہے۔" فوجی نے کمانڈر سے خنجر لیا اور اس آدمی کو زمین پر دے مارا اور اس کی گردن پر خنجر چلانے لگا۔ وہ لڑکی دوڑی اور فوجی کی منت کرنے لگی کہ وہ میرے باپ ہیں اسے نہ ماریں لیکن اس وحشی نے اسکی طرف توجہ کیئے بغیر اس کا سر تن سے جدا کر کے اپنے کمانڈر کو پیش کیا اور بڑے افتخار سے ہنسنے لگا تو کمانڈر نے انعام کے طور پر اسے کہا ان لڑکیوں میں جو بھی اور جتنی آپ کو پسند ہو انتخاب کریں اور لے جائیں۔ لڑکی اپنے باپ کی سر بریدہ لاش کے قریب بیٹھی رہی۔ یہاں تک چند فوجی شراب کے نشے میں مست اس

کی طرف آئے اور اسے ٹرک کی طرف لے گئے۔ وہ مسلمان عورتوں کی عزتیں لوٹنے میں مصروف تھے۔ اعضاء کٹے ہوئے بچے شدید درد کی وجہ سے ہر طرف بھاگتے پھرتے اور اسی آدھ گھنٹے میں ۳۰۰ تک مردوں کے سرتنوں سے جدا کر دیئے گئے۔ فوجیوں کے کپڑوں سے خون ٹپکتا تھا اور کہنیوں تک ان کے انسانی ہاتھ مسلمانوں کے پاک خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ ان کی شکلیں انسانی نہیں تھیں بلکہ وحشی درندے تھے۔ ایک سرب فوجی نے ایک مسلمان جوان کا ہاتھ شانے سے کاٹا۔ دس پندرہ فوجی عورتوں پر برابر جارحیت جاری رکھے ہوئے تھے اور جو عورت مزاحمت کرتی اسے مار ڈالا جاتا۔ مختصر اس گاؤں میں ۲۰ مرد زندہ نہیں تھے۔ اس دوران کمانڈر نے کہا کہ "بس کرو مزید قتل نہ کرو کیونکہ ہمیں ان کے گاڑنے کی بھی فکر ہے۔" چنانچہ فوجیوں نے ایک مسلمان کو گاڑنے کے لئے ایک گڑھا کھودا۔ تقریباً سب مردوں کی لاشیں سربریدہ تھیں جن میں تین سال کے بچوں سے لے کر ۷۰ سال کے بوڑھے شامل تھے۔ ایک ۷۰ سالہ بوڑھی عورت پر دست درازی کی۔ کمانڈر میلوو قیدیوں کی طرف آیا اور ان کے حکم پر امام مسجد کی بیوی اور بچیوں کو اس کے پاس لایا گیا۔ کمانڈر نے امام مسجد کی بیٹی پر جارحیت کی اور اس ظلم سے اس بوڑھے امام کا چہرہ آنسوؤں اور پسینے سے شرابور تھا اور اس کے بعد فوجیوں نے اس کی بیوی اور دوسری بیٹی کے ساتھ زبردستی کی۔ ان جانکاہ واقعوں کے بعد میلوو کے حکم سے امام مسجد کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ اسی حالت میں گاؤں کی پوری فضا اللہ اکبر کی فضاؤں سے گونج اٹھی امام مسجد کی بیٹی برداشت نہ کر سکی اور دیوانہ وار سرب فوجیوں پر ٹوٹ پڑی۔

اسی اثناء امام مسجد کے بیٹے عدنان کو کمانڈر میلوو کے سامنے لایا گیا جس کا سارا جسم خون ہی خون تھا اور اس کے سامنے اس کی ماں اور بہن کے ساتھ زیادتی کی گئی کمانڈر نے یوران نامی فوجی کو حکم دیا کہ عدنان کی خوبصورت پلاسٹک سرجری کرے اس وحشی اور درندے نے اپنے خنجر سے اس مظلوم کے چہرے اور سر کا چمڑہ ادھیڑ دیا ان کی ماں اور بہن دیوانہ وار چیختی چلاتی اور بد حالی کی حالت میں زمین اور پتھروں پر سر دے مارتیں ان کی قوت برداشت سلب ہو گئی اور بالآخر اسے بھی بند بند سے کاٹا گیا اور ایک آن واحد میں امام مسجد کے خاندان کے 5 بے گناہوں کو شہید کر دیا گیا اتنے میں یوران نے ایک عورت جو حاملہ تھی میلوو گے سامنے پیش کیا میلو نے عورت کی طرف دیکھ کر یوران سے کہنے لگا ہاں بیٹا اب تمہارا کیا خیال ہے کیا اس بار بھی شرط جیتنے کا ارادہ ہے؟ یوران ہنسنے لگا اور مسلمان عورت کو کمانڈر میلوو کے قدموں میں گرا دیا اور

کہنے لگا مسجد کے تہہ خانے میں چھپی ہوئی تھی عورت کو چند دوسرے فوجیوں کی مدد سے زمین پر دے مارا اور اس کے لباس کو پھاڑا عورت بے بس ولاچار پڑی رہی یوران خنجر ہاتھ میں لئے عورت کے قریب بیٹھا اور کمانڈر سے کہنے لگا پہلے بتاؤ کہ اس عورت کے شکم میں بچی ہوگی یا بیٹا کمانڈر کہنے لگا شائد بچی ہو یوران نے سینے کی طرف خنجر مارا مظلوم عورت نے صرف ہونٹوں کو حرکت دی اور پھر قہقہہ اٹھا یوران معلوم ہوتا ہے بچہ ہے اور اس مرتبہ تم جیت گئے (معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل بھی ایسے واقعات ہوئے ہونگے)

آخر میں سرب فوجیوں نے عورتوں اور لڑکیوں کے ہمراہ اسباب نامعلوم مقام کی طرف روانہ کیا اور جاتے ہوئے تمام گھروں کو آگ لگادی امام مسجد کی سربریدہ اور اعضاء بریدہ لاش کو رسیوں سے مسجد کی دیوار سے لٹکا دیا ان کے جانے کے بعد مکمل بستی ایک ڈراؤنی اور سنسان وادی کی طرح رہ گئی (کیا یہی انسانیت کے علم برداروں کی انسان پرستی ہے؟) کیا تاریخ میں ایسا روا رکھا گیا ہے؟ کیا کوئی انسان یہ گوارہ کرسکتا ہے؟ کیا ہم مسلمانوں کو اپنی بہنوں پر ایسے مظالم کے باوجود بھی ان یورپ والوں کے لئے ہمدردی ہوگی؟ کیا ہماری غیرت اور حمیت اب بھی خاموش ہوگی؟ کیا مسلمان بہنوں کی آواز پر لبیک کہنے والا کوئی نہیں؟

بوسنیا سے مجاہدین کو نکال دیا جائے ہماری افواج اور امن وامان کو ان سے خطرہ ہے (امریکی سفیر)

10 جولائی کے روزنامہ پاکستان کے مطابق بوسنیا میں امریکی سفیر جان مینزیز نے بوسنیا کے صدر علی عزت سے ملاقات کی اور کہا کہ امریکہ کو اس بات پر تشویش ہے کہ بوسنیا میں ابھی تک بعض غیر ملکی مجاہدین موجود ہیں۔ ان غیر ملکی مجاہدین کی اکثریت نے بوسنیا کی خواتین سے شادی کرلی ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ ان مجاہدین کو بوسنیا سے نکال دیا جائے کیونکہ ان سے نیٹو کی افواج کو خطرہ ہے اور امن وامان کا مسئلہ بھی اٹھ کھڑا ہوا ہے۔

ڈھائی لاکھ بوسنوی مسلمانوں کے قتل پر مغربی صحافی بھی اقوام متحدہ کی بدمعاشی پر برس پڑا

بوسنیا کے دس لاکھ مسلمانوں میں سے ڈھائی لاکھ مسلمان سربوں کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے۔ یہ مغربی صحافی بتاتا ہے کہ جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو میرے جیسے لوگ مغربی ذرائع ابلاغ پر یقین کیے ہوئے تھے جو ہمیں یہ بتا رہے تھے کہ دونوں ہی پارٹیاں مجرم ہیں اور دونوں نے ہی ایک دوسرے کا قتل کیا ہے۔ اس نے دراصل مغرب کی کسی بھی پارٹی کی مدد نہ کرنے کی پالیسی کی تصدیق کی حالانکہ ہتھیاروں کی سپلائی پر پابندی لگانا ہی اقوام متحدہ کا واحد اقدام تھا جس سے اقوام متحدہ نے مسلمانوں کی نسل کشی میں بھرپور طور پر حصہ لیا۔ ایک شہر میں تو اقوام متحدہ کے دستوں نے باقاعدہ سرچ لائٹوں کی روشنی بھاگتے ہوئے مسلمانوں پر ڈالی تاکہ سرب انہیں آسانی سے نشانہ بنا سکیں۔

سربوں کی سرپرستی کرنے والے ممالک کا سربراہ برطانیہ تھا۔ اس کی قیادت سیاست دان لارڈ اوون کے ہاتھ میں تھی جس کے نام سے وہ پلان جانا جاتا ہے جسے اوون پلان کہا جاتا ہے۔ جس کے مطابق سربوں کو بوسنیا کے ان حصوں پر قبضہ برقرار رکھنے کا حق دیا گیا جہاں سے انہوں نے مسلمانوں کا صفایا کر دیا تھا اس شخص کے بارے میں خود اس کی اپنی پارٹی کے لیڈر کا کہنا ہے کہ اس کے پاس ایک مکمل بدمعاش ہونے کی بھی صلاحیت ہے۔

اقوام متحدہ کے فرنچ کمانڈر نے یہ کہہ کر قتل عام کو روکنے سے معذوری ظاہر کی کہ بلقان کی حالت ایسی ہے جہاں ہر شخص دوسرے سے خوفزدہ ہے اور جس سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے (یعنی سربوں کو مسلمانوں کا قتل کرنے دیا جائے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں) میڈیا نے بھی اپنی آنکھ بند کر لی۔ (تھیوڈور ولاکسن۔ نوائے وقت 96-7-7)

برطانیہ کے جان میجر نے سربوں سے ایک لاکھ پونڈ کے عوض مسلمانوں کی لاشوں کا سودا کیا

96-5-21 کے نوائے وقت نے وائس آف جرمنی کے حوالے سے خبر دی ہے کہ

سربوں کے لیڈر لارڈ اوون اور برطانوی حکومت کے درمیان خفیہ ساز باز کا انکشاف ہوا ہے۔ سرب لیڈر نے برطانوی وزیر اعظم جان میجر کو ایک لاکھ پونڈ کا خفیہ تحفہ دیا۔ اس انکشاف کے نتیجے میں کنزرویٹو پارٹی کے سربراہ نے تحقیق شروع کردی ہے۔ قارئین کرام! بوسنیا میں جاری جنگ کے دنوں میں جان میجر کا خط بھی منظر عام پر آچکا ہے جو اس نے مختلف صلیبی راہنماؤں کو لکھا۔ اس میں جان میجر نے واضح طور پر اعتراف کیا کہ ہم بوسنیا کی جنگ کو اس وجہ سے طول دے رہے ہیں اور امن میں تاخیر کررہے ہیں تاکہ یورپ میں ایک مسلمان ملک نہ ابھرے اور جب تک امن قائم ہو تب تک سرب اپنا کام دکھا چکے ہوں اس خط کے بعد اب رشوت کا انکشاف بھی ہو چکا ہے اور مغربی صحافی ٹیوڈور لاکسن نے بھی صاف طور پر لکھا کہ

سربوں کی سرپرستی کرنے والے ممالک کا سربراہ برطانیہ تھا۔

اقوام متحدہ مسلمانوں کے جگا بدمعاش جگوں کا ایک ہی علاج۔ الجہاد

مغربی صحافی نے بات واضح کردی کہ میڈیا یہودیوں اور صلیبیوں کے کنٹرول میں ہے۔ اس نے مظلوم اور مقتول مسلمانوں کی طرف سے آنکھ بند کرلی۔ اس کی آنکھ پر پٹی اقوام متحدہ نے باندھی اور پھر اس نے دیکھا کہ سربوں کے لئے ساری صلیبی حمایت کے باوجود بوسنیا کے مسلمان فوجی اور مجاہدین اب اس قدر بڑھ چکے ہیں۔ حوصلہ مند ہو چکے ہیں کہ انہوں نے سرب درندوں کو پیچھے دھکیلنا شروع کردیا ہے۔ اپنا بدلہ لینا شروع کردیا ہے۔ تو اس جگا بدمعاش نے ترپ کا پتہ جو اس نے گذشتہ تین سال سے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اسے استعمال کرنے کا پروگرام بنایا۔

یہ محفوظ اور مستور پتہ یہ تھا کہ اقوام متحدہ نے اپنی ذمہ داری کے زیر سایہ بوسنیا کے بعض علاقوں کو محفوظ آسمان یا محفوظ مکان کا نام دے کر بوسنیا کے مظلوم شہری لوگوں کو وہاں بسا دیا۔ ان علاقوں میں تزلا، زیپا اور سربرانیکا کے شہر تھے۔ ان ظالموں نے مسلمانوں کو ہتھیار رکھنے کی اجازت نہ دی اور کہا کہ ہم جو تمہارے نگہبان اور محافظ ہیں لہٰذا تمہیں ہتھیار رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تو علمبردار ہیں امن کے اور آپ کے لیے ہتھیار رکھنا امن کے خلاف ہے اور

پھر ان مسلمانوں کو زندگی کی سہولتیں بہم پہنچانا شروع کر دیں۔ بوسنیا کے مسلمان دھوکے میں آ گئے یہ سمجھ کر کہ بوسنیا اقوام متحدہ کا رکن ملک ہے۔ اقوام متحدہ نے اسے تسلیم کیا ہے۔ یہ سربوں سے ہمارے ملک کو نہ بچا سکا تو چلو ہم نہتے سول مظلوموں کو تو بچائے گا۔۔۔ اس بدمعاش نے تین سال تک بچائے رکھا۔۔۔۔ محفوظ کیے رکھا اور اب اپنا یہ محفوظ پتہ اس نے پھینکنے کا پروگرام بنایا۔۔۔

پتہ پھینکنے والے اقوام متحدہ کے جو فوجی دستے تھے، وہ روس کے آرتھوڈکس عیسائی تھے۔ یوں وہ اپنے آرتھوڈکس سرب عیسائیوں کے ہم مذہب تھے۔ برطانیہ کے دستے بھی موجود تھے فرانس کے دستے بھی موجود تھے۔ ان سب صلیبوں نے اقوام متحدہ میں موجود مسلمان ملکوں کے دستوں کو اس آپریشن کے قریب نہ آنے دیا۔ ان کی پوسٹنگ دور کی جگہوں پر کی۔ اور راستہ صاف تھا۔ انہوں نے سربوں کو دعوت دی۔ اقوام متحدہ کے یہ صلیبی دستے خاموش تماشائی بنے رہے اور پھر 13 جولائی 1995ء کو سرب صلیبیوں نے نہتے مسلمان مظلوموں پر وہ مظالم کیے کہ جن کے دلفگار، جگر پاش اور اندوہناک مناظر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

صلیبوں پہ لٹکی لاشیں اور رقص ابلیس

”بوسنیا کے شہر ”بوسنکی نووی“ کے ایک نواحی گاؤں میں درختوں سے دس بارہ افراد یوں باندھے گئے تھے جیسے انہیں صلیب پر چڑھایا جا رہا ہو۔ انکے ہاتھوں پر لمبی لمبی کیلیں ٹھونک دی گئی تھیں، ان کے جسم سے خون رواں تھا۔ ان کے ارگرد عیسائی مرد اور عورتیں شیطانی ناچ ناچ رہے تھے جن کے ہاتھوں میں تیز دھار خنجر تھے۔ ان میں سے ایک ایک آدمی یا عورت ناچتے ہوئے بندھے ہوئے مسلمانوں کے قریب پہنچتا اور تیز دھار خنجر سے ان کے سینے پر ایک لمبا سا زخم بنا دیتا۔ خنجر کی کاٹ سے مسلمانوں کی چھاتی خون کا دھارا اگل دیتی اور اس کی بھیانک اور ناقابل برداشت چیخیں فضا میں پھیل جاتیں۔ اس بندھے ہوئے انسان کی چیخیں اور آہ وزاری سن کر وہاں موجود عیسائی تشدد پسندوں کے نہ رکنے والے قہقہے فضا میں پھیل جاتے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ انسان نہیں شیطان ہیں۔

باری باری درختوں سے بندھے ہوئے تمام انسانوں کے سینے پر صلیب کے بڑے

بڑے نشان بنا دیئے گئے۔ اس دوران یہ ظالمانہ کھیل کھیلنے والے برابر ہنستے اور قہقہے لگاتے رہے تھے۔ یہ کھیل اس وقت تک جاری رہا جب تک ان کے تشدد کا نشانہ بننے والے مر نہ گئے۔"

(بحوالہ "ہفت روزہ ایشیا")

مسلمان شہداء کی آخری چیخوں کا مذاق "بالکل اذان یا تلاوت کی طرح"

"تاپ کیجک حریم نے بتایا کہ میں گورسک گاؤں کا واحد زندہ بچ جانے والا مسلمان ہوں۔ ۲۰ جون کو سربی فوجیوں نے ۷۵ مسلمان عورتوں، بچوں اور مردوں کو گرفتار کیا اور انہیں ایک تہہ خانے میں لے جا کر وہاں دستی بم چلا دیئے۔ جیسے ہی شہید ہونے والوں کی آخری چیخیں بلند ہوئیں، قاتلوں نے ان کا یہ کہہ کر مذاق اڑایا "بالکل مسجد کی طرح" یعنی اذان یا تلاوت کی آواز کی طرح"۔

(بحوالہ "اردو ڈائجسٹ")

مسلمان قیدیوں کا قتل صرف اس لیے کہ زخمی سرب فوجیوں کو خون کی ضرورت تھی، قیدیوں کی آنکھیں نکال دی گئیں قیدیوں کے پنجرے

"بوسنیا کے افسروں نے نمائندہ "ٹائم" کو بتایا کہ سرب فوجی ۱۰۵ عقوبت کیمپ چلا رہے ہیں جن میں دو لاکھ ساٹھ ہزار افراد اپریل سے اب تک رکھے گئے ہیں۔ ان میں سے سترہ ہزار افراد کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اب بھی کم از کم ایک لاکھ تیس ہزار افراد کیمپوں میں بند ہیں۔ ان کیمپوں میں کس قدر ظلم ہو رہا ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ براتونک میں وک کیرازک کے پرائمری سکول میں قائم عقوبت کیمپ کے پانچ سو مسلمانوں کو اس لیے قتل کر دیا گیا کہ زخمی سرب فوجیوں کو خون دیا جا سکے۔ جاون ژنتر کی قیادت میں سربی فوج کے ایک دستے نے قیدیوں کو الٹا لٹکا دیا اور ان کی آنکھیں خصوصی ہکیں استعمال کر کے نکال دیں۔

نیویارک کے اخبار "نیوز ڈے" کے نمائندے کو مغربی بوسنیا میں واقع عمارسکا آئرن مائننگ کمپلیکس میں ایک سابق قیدی نے بتایا کہ ایک ہزار سے زائد مسلمانوں اور کروٹ باشندوں کو چار فٹ اونچے لوہے کے پنجروں میں قید کیا گیا تھا جہاں پینے کو پانی نہ کھانے کو

خوراک دی جاتی۔ ہر دوسرے تیسرے دن ۱۰ تا ۱۵ قیدیوں کو نکال کر گولی سے اڑا دیا جاتا۔ بعض کو اس قدر مارا جاتا کہ وہ جان ہار دیتے۔''

(بحوالہ ''اردو ڈائجسٹ'')

گاؤں کے گاؤں برباد

باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت بوسنیا کے مسلمانوں کی جائیدادیں، معاشیات اور 500 سالہ تہذیب کو تباہ کیا جارہا ہے۔ مختلف قصبوں میں تباہی و بربادی کے اگرچہ مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں مگر مقصد ایک ہی ہے یعنی مسلمانوں کا خاتمہ 1991ء کی مردم شماری کے مطابق مشرقی بوسنیا کے ایک چھوٹے سے قصبے ولاسینیکا میں 18699 مسلمان آباد تھے مگر اب وہاں کوئی بھی نہیں۔ کچھ کو قتل کر دیا گیا اور کچھ ہجرت پر مجبور ہو گئے۔

جنگ سے پہلے بانجالوکا میں 3'50'000 مسلمان تھے۔ ان میں سے 90 فیصد یا تو قتل کر دیئے گئے ہیں یا پھر پناہ کی تلاش میں دوسرے علاقوں میں جا چکے۔ ڈیوک، دریائے دریِنا کے کنارے ایک خوبصورت گاؤں تھا، اب وہاں صرف ایک کھنڈر ہے۔ زورنک میں بھی 4000 مسلمان تھے مگر اب ایک بھی نہیں اور گاؤں کی مسجد کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا ہے۔

مسلم قبرستانوں کی بے حرمتی مساجد کی بے حرمتی

''سرب فوجیوں نے مسلمانوں کے قبرستانوں سے مردوں کو اکھاڑنا شروع کر دیا ہے۔ وہ قبروں سے لاشوں کو نکالتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے باہر پھینک دیتے ہیں۔ عرب مجاہد شیخ محمود باخاذق بتاتے ہیں کہ آتھوڈوکس صلیبی اب تک ۸۰ مساجد تباہ کر چکے ہیں ان میں سراجیوو کی وہ مسجد بھی شامل ہے جو بلقان کی سب مسجدوں میں بڑی اور یورپ کی تمام مساجد سے پرانی ہے۔ یہ جنگ جو کئی مہینوں سے جاری ہے اس میں صرف پہلے مہینے میں ۲۳ ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے''۔

(بحوالہ ''اردو ڈائجسٹ'' اکتوبر ۱۹۹۲ء)

دربدر لوگ

بی بی سی لندن نے اپنی نشریات میں بتلایا کہ ان لوگوں کو جب مقدونیہ سے نکال کر البانیہ پہنچایا گیا تو ہمارے نمائندے نے ایک انتہائی بزرگ خاتون سے پوچھا وہ کہہ رہی تھی۔ ہم کسووو سے نکلے جنگلوں کو سر کر کے۔ سردی میں ٹھٹھرتے، بارش میں بھیگتے مقدونیہ میں آئے۔ اب وہاں سے یہاں آگئے۔ وہاں سے بھی بھگادیئے گئے۔ بس مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ ہم کیا ہیں؟ کیا ہم انسان ہیں؟؟ انسانوں کے ساتھ ایسا ہو رہا ہے؟ چنانچہ نامہ نگاروں نے بتلایا کہ رو رو کر لوگوں کے آنسو بھی خشک ہو گئے ہیں۔

سرب فوجیوں کے عورتوں پر جنسی مظالم

’’سراجیوو کے ایک اکیس سالہ مزدور ہیرک نے اعتراف کیا ہے کہ اس نے سات مسلم عورتوں کی عصمت دری کی جن میں سے دو کو ہلاک کیا۔ اس کے علاوہ اس نے اٹھارہ اور بھی قتل کئے ہیں۔ ’’ہمیں آبروریزی کا حکم دیا جاتا تھا تا کہ ہمارا مورال بلند ہو۔‘‘ اس نے بوسنیا کے دارالحکومت کے ایک فوجی قید خانے میں بیان دیتے ہوئے کہا: ’’ہمیں یہ کہا گیا تھا کہ اگر ہم عورتوں کی آبروریزی کریں گے تو بہتر طور پر لڑسکیں گے۔‘‘ اس نے دعویٰ کیا کہ وہ اور اس کے ساتھی فوجی اکثر ’’سونجا کیفے‘‘ جاتے جو سراجیوو سے باہر بہت سے آبروریزی کے کیمپوں میں سے ایک کیمپ ہے جہاں ستر (۷۰) مسلم لڑکیاں اور خواتین رکھی گئی ہیں۔ جو لڑکیاں ہلاک ہو جاتیں ان کی جگہ فوراً دوسری بھیج دی جاتیں۔‘‘

ٹائم۔ ۱۵ مارچ ۱۹۹۳ء:

’’مئی ۱۹۹۲ء سے اب تک بوسنیا میں دہشت گردی سے:

ہلاک کئے گئے : ایک لاکھ تیس ہزار

آبروریزی : بیس ہزار

زندانی کیمپوں میں : ستر ہزار

بوسنیا میں پناہ گزین : ساتھ لاکھ چالیس ہزار

بوسنیا سے باہر پناہ گزین : دس لاکھ

مردہ ماں سے بدفعلی کرو، معصوم بیٹے کو حکم

"عالمی خبر رساں ایجنسی رائٹر کی خبر کے مطابق ایک ۳۰ سالہ مسلم بوسنین خاتون ٹروچ کے نظر بندی میں محصور اپنے کم عمر لڑکے کو کھانا پہنچانے گئی تو اسے روک کر اس کے شوہر کے بارے میں پوچھ گچھ شروع کر دی گئی اور جب وہ کیمپ کے نگران سرب کمانڈر کے حسب منشا معلومات فراہم کرنے سے قاصر رہی تو اسے زدوکوب کیا گیا اور اس کا لباس تار تار کر دیا گیا۔ جب وہ اپنے ننگے جسم کو چھپانے کے لیے دوہری ہوئی تو اس کے سر میں گولی مار کر اسے زمین پر ڈھیر کر دیا گیا۔ جب خاتون کا بیٹا اپنی ماں کی مدد کے لئے آگے بڑھا تو سرب فوجیوں نے اسے دبوچ لیا۔ نشہ میں دھت ایک سرب فوجی افسر نے بندوق کی نوک پر بدنصیب لڑکے سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے کپڑے اتار دے اور اپنی مردہ ماں کے ساتھ بدفعلی کا ارتکاب کرے۔ جب لڑکے نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو اسے بھی گولیوں کی باڑھ مار کر ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سلا دیا گیا"۔

(بحوالہ "ماہنامہ الاشرف" کراچی)

بوڑھا دادا اور مردہ پوتے کا کلیجہ

"سرب درندوں نے ایک ضعیف العمر شخص کو مجبور کیا کہ وہ اپنے مردہ پوتے کا سینہ چیر کر اس کا کلیجہ و جگر چبائے"۔

(بحوالہ "ماہنامہ الاشرف" کراچی۔ بحوالہ روادی اور مغرب)

جاؤ سربین بچوں کو جنم دو۔ بھوک، اذیت اور موت کے کیمپ

"ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ کئی کئی ماہ تک مسلمان اور کروٹ لڑکیوں کو سربی فوجی جنسی غلام بنا کر رکھتے ہیں۔ جب حمل واضح ہو جائے تو یہ کہہ کر رہا کر دیتے ہیں: جاؤ، جا کر سربین بچوں کو جنم دو"۔

"سربی فوجیوں نے دس لاکھ سے زیادہ مسلمانوں اور کروٹوں کو ان کے اپنے گھروں سے نکال دیا ہے۔ ان میں سے بے شمار کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور کئی کو قتل کر دیا گیا۔ یہ خانہ جنگی نہیں ہے جیسے یوگوسلاویہ کہہ رہا ہے بلکہ یہ تو زمین کے ایک خطے کو اپنے مخالف لوگوں سے مکمل طور پر

صاف کرنے کی مہم ہے، یعنی مسلمانوں کی نسل کشی کی مہم"۔

منجا کے عقوبت کیمپ کے بارے میں، نمائندہ لکھتا ہے:

"وہ مردوں کی طرح رہ رہے تھے، مکمل خاموش اور ہڈیوں کے ڈھانچے بنے ہوئے اور خوف زدہ چہروں کے ساتھ ۲۳۰x۳۰ کے کیمپ میں ۱۶۰۰ افراد قید تھے۔ ان میں سے بیشتر عمارسکا کے نزدیکی کیمپ سے یہاں لائے گئے تھے۔ اس کیمپ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہاں کم از کم گیارہ ہزار مسلمان اور کروٹ قید ہیں۔ میڈیا نے اسے بھوک، افلاس، عقوبت اور موت کا کیمپ قرار دیا ہے۔"

عصمت دری کا مقصد

صرف اور صرف مسلمان خواتین کی تذلیل کرنا

بوسنیا کی تمام مائیں اور خواتین کہتی ہیں "ہم چاہتے ہیں کہ ساری دنیا سچائی کو جان لے کہ سرب فوجی خواتین پر کیسے کیسے وحشیانہ مظالم کر رہے ہیں" 17 سالہ سناوا جس نے اپنے ہاتھ سے ایک بیان لکھ کر تزلا ہسپتال کے چیف گائنا کالوجسٹ کو پیش کیا، اس نے کہا "میں نہیں چاہوں گی کہ ایسے تجربے سے دوبارہ گزروں۔ یہ دنیا کی بدترین سزا ہے"۔

بریزوو پو جلے کا واقعہ بوسنیا میں پیش آنے والے عصمت دری کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں واقعات میں سے ایک ہے۔

زوورنک کے قریب لپے گاؤں کی چار نوجوانوں لڑکیوں نے تزلا میں ایک ملاقات میں بتایا کہ سرب فوجیوں نے جہاں ہمیں رکھا تھا وہاں دس روز تک ہر رات کو تین سے زائد آدمی عصمت دری کرتے۔ بوسنیا کی نمائندہ خواتین کے ایک گروپ نے الزام لگایا ہے کہ اس وقت بھی دس ہزار سے زیادہ مسلم خواتین سربوں کی قید میں عصمت دری کا مسلسل شکار ہو رہی ہیں۔

ڈاکٹر ملیکا تزلا میں گائنا کالوجیکل ٹیم کی لیڈر ہیں۔ انہوں نے کہا:

"میری اور میری ہم پیشہ دیگر ڈاکٹرز کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عصمت دری سرب فوجی اپنی جنسی خواہش کی خاطر نہیں کرتے بلکہ اس کو بطور جنگی ہتھیار استعمال کر رہے ہیں"۔

بوسنوی عورتوں کا رلا دینے والا پیغام

ہمارے لئے اور کچھ نہیں کر سکتے، تو کم از کم ایک جہاز مانع حمل کی گولیاں ہی بھیج دو تا کہ ہم سرب بچے تو پیدا نہ کر سکیں۔

"رائٹر" کے مطابق مسلمانوں کی نسل کشی کی مہم میں سب سے زیادہ ظلم لڑکیوں پر ہو رہا ہے۔ تین لڑکیوں نے "رائٹر" کے نمائندے کو بتایا کہ انہیں گھروں سے نکال کر رو گئیا کے اسکول میں قید کر دیا گیا پھر ایک دوسری جگہ لے جا کر عیسائی فوجیوں نے ان کی اجتماعی آبرو ریزی کی۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ کئی ماہ تک مسلمان اور کروٹ نسل کی لڑکیوں کو سربی فوجی "جنسی غلامی" میں رکھتے ہیں اور جب حمل واضح ہو جائے تو یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ "جاؤ............" جا کر سربی بچے جنو "بوسنیا کی ایک مسلم دوشیزہ نے اپنے مسلمان بھائیوں کے نام ایک پیغام کہا تھا کہ میرے مسلمان بھائیو......! اگر تم ہمارے لئے کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم ایک جہاز مانع حمل گولیاں ہی بھیج دو تا کہ ہم سرب بچے پیدا نہ کر سکیں۔" یہ ایک مسلمان بہن کا اپنے بھائیوں کے پیغام نہیں بلکہ عالم اسلام کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے کہ ایک مسلمان بیٹی اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتی ہے......؟؟؟ مسلم عورتوں کے بارے میں سربیائی فوج کے کربناک مظالم کو قلم بند کرتے وقت قلم کی حرمت پامال ہوتی ہے غیر ملکی میڈیا نے ان عفت مآب دوشیزاؤں کے نام لے لے کر ان کے انٹرویوز نشر کیے جن پر تاریخ انسانی کے بدترین جنسی مظالم روا رکھے گئے......؟؟؟

ایمنسٹی انٹرنیشنل کے نمائندے کے مطابق بوسنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہو رہا ہے اور سربیا نے جرائم کی انتہا کر دی ہے جسے نسل انسانی کبھی معاف نہیں کرے گی۔"

75 ہزار سے زائد مسلمان لڑکیوں کی آبرو ریزی کی گئی

بوسنیا کے کیمپوں کے بارے میں انصار برنی کے دل ہلا دینے والے انکشافات

بوسنیا کے بارے میں ویسٹرن میڈیا نے جو کچھ کیا ہے بوسنیا کے حالات اس سے کہیں زیادہ سنگین ہیں بوسنیا دنیا کے نقشے میں آزاد ہے مگر وہ آزاد نہیں ہے جگہ جگہ آگ لگی ہے اور انسانی اعضاء بکھرے پڑے ہیں جنہیں کتے کھا رہے ہیں۔ یہ بات بوسنیا سے واپسی پر ایک پریس کانفرنس میں انصار برنی نے بتائی انھوں نے بتایا کہ بوسنیا میں مسلمان کو داخل نہیں ہونے دیا جاتا اقوام متحدہ کی جانب سے جو امدادی سامان بھیجا گیا تھا وہ کروشین اور سربین لے گئے ہیں۔ کروشیا میں جو کیمپ ہیں ان کے اندر کروشین فوجی نشے کی حالت میں داخل ہو کر عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں اور سامان چھین کر لے جاتے ہیں اور یہ سامان کروشیا کے بازاروں میں فروخت ہو رہا ہے اسپتالوں میں دوا نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ مسلمان سحری کے وقت برف کھا کر روزہ رکھتے ہیں اور افطار بھی برف سے ہی کرتے ہیں انھوں نے بتایا کہ 57 ہزار سے زائد عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی ہے جس میں سے کئی ہزار لڑکیاں حاملہ ہیں انھوں نے بتایا کہ مسلم لڑکیوں کا کہنا ہے کہ کہ انہیں نہ تو کھانے چاہئے نہ ہی کپڑا چاہئے بلکہ انہیں جس طرح بھی ہو اسقاط حمل کی گولیاں جلد مل جانی چاہئیں انھوں نے بتایا کہ ہماری کوشش ہے کہ وہ حاملہ لڑکیاں جو ایک یا دو ماہ کے حمل سے ہیں انہیں کسی طرح دوا پہنچا دی جائے انھوں نے بتایا کہ بوسنیا کے مسلمانوں کو جو امدادی سامان بھیجا جا رہا ہے اس سے کروشیا امیر ترین ملک بن رہا ہے انھوں نے کہا کہ اقوام متحدہ اور امریکہ کیوں خاموش ہیں کیا مسلمانوں کی مدد کرنا ان کے فرض میں شامل نہیں ہے انھوں نے کہا کہ بوسنیا کے مسلمانوں ی طاقت ختم کرنے کے لئے انہیں جدا کیا جا رہا ہے اور انہیں وہاں سے نکال کر جرمنی ہالینڈ، فرانس، آسٹریلیا اور اسرائیل تک پہنچا دیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مجھے ایک عورت نے بتایا کہ اس کے آٹھ بچے ہیں مگر اب اسے نہیں معلوم کہ اس کے بچے اور شوہر کہاں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہماری یہ کوشش ہے کہ تمام کیمپوں کا سروے کر کے ان کی فہرست بنائی جائے تاکہ بچھڑے ہوئے پھر دوبارہ مل سکیں۔

”......ایس جو اس وقت شمالی کروشیا کے ایک پناہ گزین مرکز میں مقیم ہے ان بچ رہنے

والے لوگوں میں سے ہے جو بھیانک واقعات سے دوچار ہوئے۔ نازیوں کی نسلی صفائی کی مہم جو یورپ کے اعصاب پر ایک کابوس کی طرح سوار ہے اس سے زیادہ بھیانک واقعات اس وقت بوسنیا کے مسلمانوں کے ساتھ دہرائے جا رہے ہیں۔ بوسنیا میں باقاعدہ ایذا رسانی اور قتل و غارت کے دستاویزی واقعات کے ساتھ اب سربیوں کے خلاف جرائم کا ایک نیا سلسلہ اجتماعی آبروریزی کا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ ان مظلوموں اور ستم رسیدوں کی تعداد کتنی ہے۔ اگرچہ تخمینہ ہے کہ اس وحشت و درندگی کا شکار تیس ہزار سے پچاس ہزار عورتیں ہیں جو زیادہ تر مسلمان ہیں۔ گزشتہ چند ماہ میں وحشیانہ جنسی تشدد کا غم انگیز لاوا مظلوم پناہ گزین عورتوں کی ذاتی شہادتوں سے پھوٹ پڑا ہے جن سے سرب افواج کے جنسی مظالم کے لرزا دینے والے واقعات سامنے آئے ہیں۔ مظالم کا شکار یہ مظلوم عورتیں بتاتی ہیں کہ چھ چھ سات سات سال تک کی بچیوں تک کو بار بار جنسی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ یہ آبروریزی سرب ہمسایوں اور اجنبیوں سب کی طرف سے کی جاتی رہی۔ اجتماعی آبروریزی اس وحشیانہ سفاکی سے کی جاتی تھی کہ ستم رسیدہ لڑکیاں اس دوران میں جاں بحق ہو جاتی تھیں۔ اجتماعی آبروریزی کے کیمپ بنائے گئے تھے۔ جہاں سربوں کے گروہ باری باری آ کر مسلم اور کروشین لڑکیوں سے جنسی تشدد کرتے اور انہیں ہلاک کرتے تھے۔ نوجوان لڑکیوں کی آبروریزی ان کے ماں باپ، جوان بھائیوں اور بچوں کے سامنے کی جاتی۔ یہ آبروریزی اس وضاحت کے ساتھ کی جاتی کہ مسلم خواتین حاملہ ہوں اور انہیں اس وقت تک قیدی بنا کر رکھا جاتا جب تک وہ ناپسندیدہ سربین بچوں کو جنم نہ دے لیں۔

کئی رپورٹیں تصدیق طلب ہیں۔ بعض رپورٹوں کی شاید کبھی بھی آزادانہ تصدیق نہ ہو سکے۔ مگر شہادتی حکایات کا اتنا بڑا ڈھیر لگ گیا ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ اور خواتین کی انجمنوں نے اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ہے کہ کسی طرح کا ایکشن لیا جائے اور کوئی اقدام کیا جائے۔ اب تک اس مطالبے کا یہ اثر ہوا ہے کہ امریکہ (یو۔ ایس۔ اے) اور یورپین کمیونٹی محض انٹیلی جنس رپورٹیں جمع کر رہی ہیں۔"

١٢ سالہ لڑکی کی مسلسل ٩ دن تک اجتماعی عصمت دری

آبروریزی کے جرم کا اندوہناک واقعہ ایک معصوم ١٢ سالہ مسلمان بچی دسویجا کے ساتھ بھی پیش آیا جسے اس کے گاؤں جلیک سے بے دخل کر کے مشرقی بوسنیا کے قصبے فوکا کے ایک کیمپ میں ٧٠ دوسرے افراد بشمول عورتوں، بچوں اور بوڑھے مردوں کے ساتھ رکھا گیا اور بعد ازاں شیطانی ہوس کا نشانہ بنایا گیا۔ اس معصوم بچی نے اپنی داستان بیان کرتے ہوئے کہا کہ اسے ایک روز اس کیمپ سے دور ایک خالی فلیٹ میں لے جایا گیا اور دو سربوں نے اس نازک اور معصوم بچی کو درندگی کا نشانہ بنایا۔ اس کرب ناک واقعے کی یاد نے اس کی آنکھوں میں آنسو دے دیئے اور بلبلاتے ہوئے اس نے کہا کہ میری عصمت کو داغ لگانے کے بعد مجھے مختلف سربوں نے مسلسل ٩ راتوں تک اس تشدد کا نشانہ بنایا اور اس کے بعد ایک روز میری ماں، مجھے اور دوسری عورتوں کو بھی مجموعی طور پر ہوس کا نشانہ بنایا گیا۔ اس کے بعد ٧ اکتبر کو اسے سربیائی فوجیوں کے تبادلے میں سراجیو کے ایک کیمپ میں بھیج دیا گیا جہاں وہ اپنی ماں اور ایک چھوٹی بہن کے ہمراہ رہ رہی ہے۔“

(بحوالہ ”بیدار ڈائجسٹ“)

درندوں نے 25 ہزار مسلم خواتین کے مخصوص اعضا کاٹ ڈالے

بوسنیا اس وقت دنیا میں وہ ظلمت کدہ بن چکا ہے جہاں روزانہ مسلمانوں کو کیڑے مکوڑوں سے بدتر سمجھ کر مارا جا رہا ہے انسانی حقوق کی ایک عالمی تنظیم کی حالیہ رپورٹ کے مطابق سرب درندوں نے ٥٠ ہزار پاکباز بوسنیائی مسلمان خواتین کی اجتماعی آبروریزی کرنے کے بعد ان کے پستان اور شرم گاہیں تیز دھار آلوں سے اذیتیں دے دے کر کاٹ ڈالیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے خبر رساں اداروں کے مطابق بوسنیا میں اڑھائی لاکھ سے زائد مسلمان وحشت و بربریت کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ ٣٠ ہزار خواتین بیوہ اور ٧٠ ہزار کے قریب بچے یتیم کر دیئے

گئے ہیں سرب فوجیوں نے جنسی تشدد کے بعد سینکڑوں حاملہ عورتوں کے پیٹ چھید ڈالے اور نامکمل بچوں کو جشن منانے کے لئے آگ تاپنے کا ایندھن بناتے رہے ہیں متاثرہ خاندانوں میں سے ایک خاندان کے سربراہ نے انتہائی دکھ کے ساتھ بتایا کہ کسی مسلم ملک یا اسلامی اخبار میں اتنی ہمت اور جرات پیدا نہیں ہوئی کہ وہ ہم پر توڑے جانے والے شرمناک مظالم کو منظر عام پر لے کر آئے تا کہ ساری انسانیت سربیوں کا بھیانک چہرہ دیکھ سکے ایک ۶۵ سالہ پروفیسر زینب نے روتے ہوئے خبر رساں ادارے کو بتایا کہ مجھ سمیت میری چھ بیٹیوں کے ساتھ اس قدر جنسی زیادتی اور ظلم ہوا ہے کہ میں نے ایک مسلم اخبار کے ایڈیٹر کو تفصیلات بتائیں تو اس نے انہیں فحش قرار دے کر شائع کرنے سے انکار کر دیا عالمی انسانی حقوق کی اکثر تنظیموں نے اپنی خفیہ اطلاعات جب اسلامی اخبارات تک پہنچائیں تو انھوں نے انہیں شائع کرنے سے معذرت کر لی اور اسے فروغ فحاشی کی مہم قرار دے دیا ایک ۸۷ سالہ بوڑھے بوسنیائی مرد کی ماں بہو اور پانچ بیٹیوں کو ظالموں نے درندگی سے مار ڈالا عورتوں کی بوسنیائی تنظیم نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ لگتا ہے مسلمان بہرے گونگے اور اندھے ہو چکے ہیں ہم پر قیامت ٹوٹ چکی ہے اور وہ ابھی تک طاقت رکھنے کے باوجود وحشت اور بربریت سے ہماری خلاصی نہیں کروا سکے ان مظالم کی تفصیلات خاور زبیر ٹرسٹ کے چیئرمین میاں خاور نے بھی حاصل کر کے اسلامی ذرائع ابلاغ تک پہنچائی ہیں بوسنیائی خواتین کے حقوق کی محافظ تنظیم کی سربراہ کا کہنا ہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل رابطہ عالم اسلامی اور اسلامی کانفرنس نے بوسنیا میں مسلمانوں کو بچانے کے لئے کوئی قابل ذکر عملی اقدامات نہیں کئے۔

ننگے باپ بیٹے کو کہا ایک دوسرے کا آلہ تناسل کاٹ دیں

فضل نے اس دن ۷۰ مسلمان مردوں کو کیمپ کے اندر گرفتار دیکھا اور کیمپ کے باہر ایک ہزار مردوں، عورتوں اور بچوں کے گروپ کی نسلی صفائی کا مشاہدہ کیا۔ کیمپ ایک کھلے اسٹیڈیم میں واقع تھا۔ اس نے کیمپ کے اندر قیدیوں پر ہونے والے مظالم کی ناقابل تصور اور ہولناک داستانیں سنائیں۔

۱۲ یا ۱۳ جون کو ایک دن کیمپ کا انچارج یوسان دیپک آیا اور اس نے ایک اسٹیج بنوائی۔

اس کے ہاتھ میں ایک لسٹ تھی جس میں باپ اور بیٹوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اس نے سات جوڑوں کو بلایا اور اسٹیج پر چڑھ کر ننگا ہونے کے لئے کہا۔ اس کے بعد اس نے ہر جوڑے کو آمنے سامنے کھڑا ہونے کے لئے مجبور کیا۔ نصف افراد کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کے آلِ تناسل کو کاٹ دیں۔ شدید زخم کی وجہ سے بیشتر افراد کچھ دیر بعد شہید ہو گئے۔ اس کے بعد دیپک نے ۱۶ سالہ مسلمان لڑکے کو باہر نکالا اور اسے کہا کہ وہ اپنے باپ کے بارے میں بتائے۔ دیپک نے اس کے باپ سے پوچھا کہ کیا آپ کا یہی ایک بیٹا ہے۔ باپ نے کہا کہ ہاں۔ اس کے بعد دیپک نے بندوق کی نال لڑکے کی گردن رکھی اور گولی مارتے ہوئے کہا ”اب آپ کا کوئی بیٹا نہیں۔“

* * *

پڑوسی فرعون بن گئے

سربوں کے مظالم نازیوں سے نہ صرف مختلف بلکہ زیادہ ہولناک ہیں۔ یہاں بوسنیا میں ظلم کا شکار ہونے والے ماضی میں ظالموں کے یا تو ہمسائے تھے، یا ہم پیشہ یا پھر دوست۔ سربوں نے عیسائی تعصب میں صدیوں کے تعلقات اور مسلمانوں کے احسانات کو بھلا دیا۔

۵۹ سالہ نضیف بنجالوکا میں سالہا سال سے اپنے سرب ہمسایوں کے ساتھ خوش و خرم رہ رہا تھا۔ وہ آپس میں پکے دوست تھے۔ وہ ہر رات گھنٹوں اکٹھے بیٹھتے اور خوش گپیاں لگاتے۔ جنگ کے بعد صورت حال بدل گئی۔ سرب ہمسایہ فرعون بن گیا۔ نضیف نے اسے سمجھایا کہ لڑائی اس کی وجہ سے شروع نہیں ہوئی اور نہ وہ کسی لڑائی میں شریک ہے۔ نضیف نے اس سے کہا ”میرا تو کوئی بیٹا بھی نہیں جو سربوں کے خلاف لڑ رہا ہو۔“

ہمسایہ فرعون بن کر چیخا ”خاموش رہو بلیجا (مسلمانوں کے لئے تحقیر آمیز نام) میں آپ پر گولی ضائع نہیں کروں گا بلکہ میں تمہیں جلاؤں گا اور تمہارے گھر کا نام و نشان مٹا دوں گا۔ میں صاف بتا دوں کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

دو سال تک نضیف کی فیملی گھر میں قید ہو کر رہ گئی۔ اشیائے ضروریہ لانے کے لئے وہ گھر کے پچھلی طرف کھڑکی میں سے باہر نکلتے اور ساری رات خوف اور پریشانی میں گزار دیتے۔

انہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا کہ نہ معلوم سرب کب گھر پر حملہ کر دیں۔ بالآخر ۱۶ فروری کو وہ دن آ پہنچا جب دو سرب گھر میں داخل ہوئے اور پیسوں کا مطالبہ کیا۔ تضیف کے پاس انہیں دینے کے لئے کچھ نہ تھا۔ تضیف کی ۳۳ سالہ بیٹی ریسما نے بتایا ”انھوں نے میری ۹ سالہ بیٹی کو شدید زخمی کر دیا۔ اس کی ناک اور کانوں سے خون بہنے لگا۔ میں چیخی کہ میری بیٹی کو چھوڑ دو۔ میری چیخ پر وہ مجھ پر جھپٹ پڑے اور میرے خاندان کی آنکھوں کے سامنے دونوں نے باری باری میری عزت لوٹ لی۔“

اس کی ۲۷ سالہ بہن کو بھی معاف نہ کیا گیا۔ تضیف کا خاندان ہجرت کر کے کروشیا میں ایک مہاجر کیمپ میں آ گیا۔ اب وہ اپنے گھر کبھی واپس نہیں جائیں گے۔ تضیف کی بیوی کا کہنا ہے ”وہاں ہمارے لئے کوئی زندگی نہیں۔ وہاں کسی بھی مسلمان کے لئے کوئی زندگی نہیں۔“

۴۵ سالہ تسمہ بتاتی ہے کہ وہ گھر کی طرف جا رہی تھی کہ ایک مسلح سرب نے بندوق کی نال پر مجھے اور میرے ساتھ ایک دوسرے مسلمان مرد کو قصبہ سے باہر چلنے کو کہا۔ اس نے بتایا میں پریشان ہو گئی۔ پورے سفر کے دوران میں اس آدمی نے بندوق کی نال میرے بیٹے کی گردن پر جمائے رکھی۔“

اس نے مزید بتایا:

”اس ظلم کی یادیں بہت ہولناک ہیں۔ پر جیڈور فٹ بال اسٹیڈیم میں تمام مسلمان گرفتار کر کے رکھے گئے تھے۔ وہاں ہونے والے مظالم بیان کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ میں کیسے بتاؤں کہ مجھ پر کیسا کیسا وحشیانہ جنسی تشدد ہوا۔ مجھے بہت زیادہ مارا پیٹا گیا۔ انہیں جب ضرورت ہوتی، ہم میں سے جن کو چاہتے بلا لیتے۔ سب سے زیادہ ہولناک ظلم ان مظالم کا جبری نظارہ کرنا ہوتا تھا۔ ایک رات انھوں نے آگ کا الاؤ جلایا اور اس میں کئی مسلمان مردوں کو پھینک دیا۔ میری پیٹھ پر بندوق رکھ کر کہا کہ میں روزن دیوار سے اس کا نظارہ کروں۔ آگ کے الاؤ میں جلتے ہوئے مسلمان تڑپ رہے تھے اور سرب فوجی مجھے کہہ رہا تھا ”دیکھو وہ کیسے گیت گا رہے ہیں اور کیسا ڈانس کر رہے ہیں۔“

* * *

زمین و آسمان کو رلا دینے والا واقعہ

اس نے زرد رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا جو اسے ہسپتال والوں نے دیا تھا، اس کے بال پونی ٹیل تھے، اس کی بڑی بڑی بھورے رنگ کی آنکھیں بے حس تھیں۔ ڈاکٹر کی رپورٹ بتاتی تھی کہ سمیرا ۱۹۸۹ء میں پیدا ہوئی۔ اسے رفع حاجت اور پیشاب کرنے سے تکلیف ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ''زیادتی'' کی گئی تھی۔

جب وہ والدہ کو ملی تو وہ بے ہوش تھی، اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی، اس کا پاجامہ غائب تھا اور اس کی ٹانگوں کے درمیان سے خون نکل رہا تھا، صابریجہ اپنی بیٹی کو اٹھا کر باہر لے گئی اور اس نے اسے ایک پمپ کے ٹھنڈے پانی سے نہلایا تا کہ وہ ہوش میں آ جائے۔ ...... ''ایک چٹنک (سربی سپاہی) آیا اور اس نے پوچھا کہ کس نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔'' اور کہنے لگا کہ ''میں اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کروں گا۔ اس کا نام ماتو تھا اور وہ واحد نیک چٹنک تھا جو پچھلے چھ ماہ میں مجھے ملا۔''

اس رات ماتو ان کے قیدی کمرے میں آہستہ سے گیا اور لڑکی کے لئے ایک انڈا اور ٹوسٹ لے گیا۔ دوسرے دن سمیرا نے اپنی ماں کو بتایا کہ ایک آدمی نے اسے چھوا تھا۔ پھر اس نے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔

اس وقت سمیرا اور اس کی ماں ایک ہسپتال میں ہیں۔ وہ شمالی بوسنیا کی آخری مسلم بستی سے بھاگے تھے جب سربیا نے اسے تباہ کر دیا تھا۔ صابریجہ کی چھاتی پر نیلے رنگ کے داغ تھے جو کاٹنے سے پڑ گئے تھے جب اس سے زیادتی کی گئی تھی۔ اب یہ نشان اور اس کی بچی کا پھٹا ہوا پردہ بکارت ہی اس زیادتی کا ثبوت ہے۔

صابریجہ نے ۱۲ سال کی عمر میں اسکول چھوڑا اور ۱۵ سال کی عمر میں حسن سے شادی کی۔ وہ ۲۲ سال کا تھا اور وین ڈرائیور تھا۔ پچھلے سال ۱۵ مئی تک وہ وین چلاتا تھا اور صابریجہ کھیتوں میں کام کرتی تھی۔ اس دن دوپہر کو جب وہ آلو بیچنے کے لئے اپنی نند کو ملنے ایک سرنگ میں سے جو شہر سے ۱۵ میل دور تھی گزر رہی تھی اور سمیرا اور اس کی تین ماہ کی دوسری بیٹی امیرہ اس کے ساتھ تھیں تو اندھیرے میں سے سات آدمی اچانک نکلے اور انہیں ایک ٹرک میں ڈال لیا۔ ''وہ مجھے

گالیاں دے رہے تھے۔ ''تم مسلم کتیا۔'' ٹرک میں اتنا خون تھا کہ اس کے جوتے اس میں بھیگ گئے۔ وہ آدھ گھنٹے تک ٹرک چلاتے رہے حتیٰ کہ پلیکا پہنچے۔ وہاں ایک مرغی خانہ تھا۔ اب وہاں آدمی بھرے تھے جو اتنے زیادہ تھے کہ سانس لینا دشوار تھا۔ ایک لڑکے مصطفیٰ نامی نے لوگوں کو ہٹا کر ہماری جان بچائی۔

دو دن کے بعد ایک نرس جس کا نام مدیحہ تھا اور جو ۲۱ برس کی تھی، آئی۔ اس نے میری تین ماہ کی لڑکی کو ٹانگوں اور بازوؤں سے پکڑا اور دیوار کے ساتھ دے مارا اور بولی۔ ''کہاں ہے تمہارا علیجاہ (صدر بوسنیا)!'' پھر وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی جہاں زمین پر بھوسہ بچھا تھا اور جہاں دس عورتیں بیس سال عمر کی تھیں۔ بچوں والی صرف میں تھی۔ دوسرے کمرے میں ۱۵ سال سے ۱۹ سال کی عمر کی لڑکیاں تھیں۔ انہیں ہر روز باہر لے جایا جاتا تھا۔ کمرے کے درمیان ایک پردہ تھا۔ جب وہ ختم کر لیتے تو کہتے'' جاؤ اپنا بچہ سنبھالو۔''

صابر یجہ پہاڑوں کے درمیان سے اپنے بچوں کو تزلا لے گئی۔ ''ہم بہت سے تھے مگر بعض برف میں گر گئے۔ وہ بھوک سے نڈھال تھے اور کمزور تھے۔ اب میں خوش ہوں کہ میں زندہ ہوں۔''

* * *

سرب علاقے میں ۱۵۰ مربع گز کی اجتماعی قبر

بوسنیا میں ۱۹۹۵ء کے قتل عام کے سلسلے میں ایک ایسی اجتماعی قبر ملی ہے جس میں کئی سو مسلمانوں کو قتل کرنے کے بعد پھینک دیا گیا تھا۔ اس قبر کا محیط ۱۵۰ مربع گز بتایا گیا ہے۔ کھدائی سے انسانی اعضا کپڑے اور گولیوں کے خول ملے ہیں۔ سرب فوج نے اس علاقے پر اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا تھا۔ ان میں مرد عورتیں بوڑھے اور بچے بھی شامل تھے۔ قتل کیے جانے والے مسلمانوں کی تعداد ہزاروں سے بھی متجاوز کر گئی تھی۔ اب اس علاقہ میں جگہ جگہ اجتماعی قبریں مل رہی ہیں جن میں درجنوں افراد کی نعشوں کے ٹکڑے ملتے ہیں۔ جس نئی قبر کی کھدائی کی گئی ہے وہ ایک بہت بڑا گڑھا ہے۔ خدشہ ہے کہ اس میں کئی سو افراد کو قتل کر کے

پھینک دیا گیا تھا۔ اعداد و شمار کے مطابق ۸۰۰ مسلمانوں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل رہا کہ وہ زندہ ہیں یا سربوں نے انہیں قتل کر دیا ہے۔

اجتماعی قبروں سے بارہ ہزار سے زیادہ لاشیں برآمد

اقوام متحدہ کے ذرائع کے مطابق کسووا میں اب تک دریافت ہونے والی اجتماعی قبروں سے بارہ ہزار سے زیادہ لاشیں برآمد ہو چکی ہیں اور قبروں کی دریافت کا سلسلہ جاری ہے۔

بوسنیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی اجتماعی قبر

گزشتہ تین برس میں سربوں نے بوسنیا کے مسلمانوں کا جس طرح قتل عام کیا اور مسلسل کئی مہینے مسلمان خواتین کو حراست میں رکھ کر بے آبرو کیا اور پھر انہیں قتل بھی کر دیا اس کے شواہد مسلسل ملتے رہتے ہیں۔ اب سربوں کے زیر تسلط علاقے میں ایک بہت بڑا گڑھا ملا ہے جہاں مسلمان مردوں عورتوں کی نعشیں بھر کر اوپر مٹی ڈال دی گئی تھی۔ اب تک ملنے والی اجتماعی قبروں میں یہ سب سے بڑی قبر ہے جو بہاج کے علاقے میں ملی ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ سینکڑوں مسلمانوں کو قتل کر کے گڑھے میں پھینک دیا اور اوپر سے مٹی ڈال کر ڈھانپ دیا گیا۔ ان دو برسوں میں اس پر اور بھی مٹی پڑتی رہی اور یہ گڑھا ایک طرح پر ہو گیا۔ کسی وجہ سے اس گڑھے کا ایک سرا نیچے کی طرف ہو گیا تو پتہ چلا یہ گڑھا ہے جب کھودا گیا تو اس میں سے نعشیں ہی نعشیں نکلنا شروع ہو گئیں۔ سو سے زیادہ نعشیں برآمد ہو چکی ہیں جبکہ ابھی نعشیں نکالنے کا کام جاری تھا۔

* * *

اجتماعی قبروں سے تہہ در تہہ لاشوں کی برآمد

جنگی جرائم سے متعلق بین الاقوامی ٹریبونل کی 20 رکنی ٹیم نے مشرقی بوسنیا میں سربوں کے ہاتھوں سربرنیکا شہر کے قرب و جوار میں مارے جانے والے مسلمانوں کی ایک درجن سے زیادہ اجتماعی قبروں کی نشان دہی کے بعد قبروں سے لاشیں نکالنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ امکان ہے کہ لاشیں نکالنے کا یہ کام تین ماہ تک جاری رہے گا۔

گزشتہ سال جولائی میں سربوں نے سربرینکا پر قبضہ کے بعد کم از کم 7 ہزار بوسنیائی مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے بعد ان کی لاشوں کو اجتماعی قبروں میں دفنا دیا تھا...... اور 35 ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو قصبہ سے نکال دیا تھا۔ قبروں کی کھدائی کرنے والی ٹیم کا کہنا ہے کہ انہوں نے ایک قبر کا صرف ایک تہائی حصہ کھودا اور اس میں بری طرح خراب ہوئی لاشوں کی تقریباً تین تہیں دیکھی ہیں۔ ٹیم کے ماہر ولیم ہیگلنڈ نے بتایا کہ تقریباً 40 لاشیں برآمد ہو چکی ہیں اس اجتماعی قبر کو بڑی احتیاط سے ماپا گیا ہے اور اس کی تصاویر بھی اتاری گئی ہیں لاشوں کی پوزیشن اس طرح سے ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ جب انہیں گولی ماری گئی اس وقت وہ اونچی جگہ سے گڑھے میں منہ کے بل گرے ہیں۔ دو لاشوں کے ہاتھ ابھی تک رسی سے کمر کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ ان قبروں کے بارے میں آسٹریا کے اخبار "ڈائی پریس" نے لکھا تھا کہ اخبار نویسوں نے ایک قبر میں 500 سے زیادہ لاشیں دیکھیں جن میں چار سو سے زائد بچوں کی تھیں۔ ایک اور قبر سے ایک ہزار لاشیں برآمد ہوئیں۔

اجتماعی قبروں کی کئی کئی تہیں

گیارہ جولائی کے نوائے وقت کی خبر کے مطابق مشرقی بوسنیا میں عیسائیوں کی تحقیقاتی ٹیم نے کئی اجتماعی قبریں دریافت کی ہیں۔ ٹیم کے رکن ولیم ہیگلنڈ کے مطابق یہ قبریں دراصل بہت بڑے گڑھے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹیوں پر سے بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کے ہاتھ رسی سے باندھے جاتے اور پھر سر قلم کر کے گڑھے میں پھینک دیا جاتا۔ ان گڑھوں میں کئی کئی تہیں بن گئیں اور ان میں لوگوں کے ہاتھ ابھی تک رسیوں سے بندھے ہوئے ہیں۔

بڑا سا میدان مسلمانوں کی تڑپتی لاشیں

نوجوان ہاشو کو قیدی کی حیثیت میں بیونیکا Bunica لے جایا گیا پھر دیگر مسلمانوں کے ہمراہ کونجی وک پولجی Konjevic Polje کے قریب ایک میدان میں لے جایا گیا یہ میدان مسلمانوں کی لاشوں سے اٹا پڑا تھا ہاشو نے دیکھا کہ تقریباً 500 مسلمان پہلے ہی اس

حالت میں میدان میں موجود ہیں کہ ان کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے ہیں۔ تمام قیدیوں کو کہا گیا کہ وہ ان لاشوں پر لیٹ جائیں تا کہ انہیں جنت میں بھیجا جا سکے۔ سرب عیسائی خوف و دہشت کی فضا برقرار رکھنے کے لئے قہقہے لگاتے گالیاں بکتے اور صبر کی تلقین کرتے کافی دیر تک اس طرح دہشت پھیلانے کے بعد بالآخر مسلمانوں کو کہا گیا کہ اب وہ موت کے لئے تیار ہو جائیں فائرنگ اسکواڈ کو ہاتھ کے اشارے سے فائرنگ کا حکم دیا گیا سرب عیسائیوں نے دہشت زدہ مسلمانوں کے ساتھ ایک بار پھر مذاق کیا اور ان کے سروں کے اوپر سے فائرنگ کرتے رہے وہ قہقہے لگاتے اور فحش گالیاں بکتے رہے۔ پھر ایک سرب نے فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ بچوں کو علیحدہ کر لیں تا کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں بھی سربوں کے نام سے ہی دہشت زدہ زندگی گزاریں۔ ہاشو کو دیگر تین اور بچوں کے ساتھ علیحدہ کر دیا گیا اور اس طرح اس کی جان بچ گئی۔

میلوودین کے قافلے کے چند افراد کیمنیکا کے مقام پر سربوں کی جانب سے کی گئی قتل و غارت گری سے بچ نکلنے میں تو کامیاب ہو گئے لیکن محفوظ مقام پر پہنچنے کے لئے انہیں اب بھی ویلسنیکا دورتک روڈ کے اس حصہ سے گزرنا تھا جہاں چپہ چپہ پر سرب دہشت گرد کتوں کی طرح مسلمانوں کو سونگھتے پھر رہے تھے میلوودین اور اس کے کزن حارث نے دو دن تک کوشش کی کہ وہ کسی نہ کسی طرح سڑک کے اس حصہ سے بچ کر نکل جائیں وہ راستہ تلاش کرتے رہے لیکن انہیں سڑک سے ہٹ کر اور کوئی محفوظ راستہ نہ مل سکا اس تگ و دو میں وہ سربوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے انہیں Grbavci کے مقام پر ایک اسکول کے جمنازیم ہال میں منتقل کر دیا گیا وہاں تین ہزار کے قریب پہلے ہی مسلمان قیدیوں کی حیثیت میں موجود تھے۔ 14 جولائی کو سرب عیسائیوں کی مزید نفری اس عارضی قید خانے پہنچی اور تمام مسلمانوں کو ٹرکوں میں سوار ہونے کے لئے کہا گیا سربوں نے بتایا کہ قیدیوں کے تبادلے کی تقریب کے لئے انہیں لے جایا جا رہا ہے میلوودین اور کزن نے جمنازیم کے دروازے پر سرب کمانڈر جنرل رتکو میلاڈچ کو دیکھا وہ سرب افسروں کو قیدیوں کے بارے میں احکامات دے رہا تھا ان کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے اور ٹرکوں میں سوار کر کے ریلوے لائن کے ساتھ بنی سڑک پر ایک میل کا سفر کرنے کے بعد ایک میدان میں اتار دیا گیا انہیں اس طرح کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا کہ ان کی پشتیں سربوں کی جانب رہیں۔ حارث نے اپنے کزن کو کہا کہ یہ ہمیں قتل کرنے یہاں لائے ہیں ابھی یہ جملہ مکمل

ہی ہوا تھا کہ سربوں نے فائرنگ شروع کر دی حارث مجروح ہو کر اپنے کزن میلوودین پر گر پڑے تقریباً ایک منٹ تک ان کا جسم تڑپتا رہا اور بالآخر ساکت ہو گیا۔ میلوودین کی زندگی ابھی باقی تھی لہٰذا وہ کسی کا نشانہ بننے سے قبل ہی اپنے کزن حارث کے نیچے دب گئے سرب عیسائی وقفوں وقفوں سے مسلمان کو ٹرکوں میں بھر کر لاتے پاگلوں کی طرح قہقہے لگاتے اور فائرنگ کر کے انہیں شہید کر دیتے اگر کوئی زخمی تکلیف سے بے قرار ہو کر سربوں کی منت کرتا کہ وہ اسے مار دیں تو وہ قہقہے لگاتے اور کہتے کہ موت کے لئے اتنے بے چین نہ ہو تم خود ہی مر جاؤ گے وہ مسلمانوں کو غلیظ گالیاں بکتے اور کہتے کہ سب سے اچھا مسلمان وہ ہے جو مر چکا ہو۔ کم و بیش سارا دن ہی کھیل کھیلا جاتا رہا۔ مسلمانوں کو اس قدر کثیر تعداد میں قتل کیا گیا کہ میدان کے کنارے پر بنی ہوئی نکاسی آب کی نالی خون سے بھر گئی۔ میلوودین نے دیکھا کہ ایک زخمی نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن تکلیف کے باعث وہ چند قدم ہی دوڑنے کے بعد گر پڑا اور سرب درندوں نے اس پر کئی میگزین خالی کر دیئے ایک سرب افسر نے کہا کہ یہ اس طرح نہیں مریں گے ان میں سے ہر ایک کو پکڑ کے ان کے سر پر فائر کرو چنانچہ آنے والے مسلمانوں کے ساتھ یہی عمل دھرایا جانے لگا جب رات کے سائے گہرے ہونے لگے تو سرب درندے سارے دن کی قتل و غارت گری سے تھک ہار کر اس مقام سے چلے گئے۔ میلوودین نے اپنے آپ کو لاشوں کے نیچے سے نکالا اور لاشوں سے بھرے ہوئے میدان سے بھاگنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ ایک اور مسلمان بھی ان ہی کی طرح بچ نکلا تھا یہ 56 سالہ حریم سلاجک تھے وہ ایک قریبی گاؤں میں بڑھئی تھے لیکن عیسائی سربوں کی قید کے دوران فاقوں کے باعث اس قابل نہ تھے کہ طویل فاصلہ طے کر سکتے انھوں نے میلوودین کو کہا کہ وہ اس کی فکر ترک کر کے اپنی جان بچانے کی کوشش کریں لیکن میلوودین نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ ضعیف اور نڈھال حریم سلاجک کو اپنی کمر پر لادے دشوار گزار پہاڑی راستوں اور جنگلوں میں لئے پھرتے رہے اور مسلمانوں کے زیر کنٹرول علاقے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

* * *

باب نمبر 6

الجزائر میں مسلمانوں کا قتل عام

الجزائر کی خفیہ قاتل مشین

الجزائر پر باقاعدہ قبضہ کرنے سے قبل صدیوں تک فرانس اپنے پادریوں کو صرف ان فرانسیسیوں کی رہنمائی کے لئے بھیجتا رہا جو وہاں جا کر بس گئے تھے، لیکن (levig erie) کو فوج کو ہمراہ روانہ کیا جس کو ۱۸۶۷ء میں الجزائر کا آرچ بشپ بنا دیا گیا۔ اس نے بالکل واضح الفاظ میں کہا "خدا نے ہمیں یہ موقع دیا ہے کہ ہم بربروں کو خدا سے روشناس کرا دیں اور اس خطے کو عیسائیت کا گہوارہ بنا دیں۔" پھر جب فرانس نے الجزائر پر پوری طرح تسلط جما لیا تو لیو گری کے منصوبے پر عمل شروع کر دیا، بہت سی مساجد کو گرجوں میں تبدیل کر دیا گیا، ہزاروں کی تعداد میں مبلغین بھیجے گئے اور ہزاروں اسکول اور اسپتال کھول دیئے گئے۔

شروع میں فوج کے اعلیٰ عہدوں پر کسی الجزائری کو فائز نہ کرنے کی پالیسی پر عمل کیا گیا لیکن تقریباً پچاس سال بعد اس پالیسی میں تبدیلی کر دی گئی اور ان الجزائری اشخاص کو اعلیٰ عہدے دیئے جانے لگے جنہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا یا ان کو جو دین کو ایک فضول چیز سمجھتے تھے، عربی کے بجائے فرانسیسی زبان بولنے پر فخر کرتے تھے اور فرانسیسی عورت سے شادی کرنے کو معراج سمجھتے تھے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ الجزائر کو آزادی مل گئی لیکن آزادی کا فائدہ عوام کو نہ پہنچا۔ فوج کے عیسائی، لادین اور آزاد خیال لوگوں نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور آج تک حکومت کی باگ ڈور انہی کے ہاتھوں میں ہے اور وہی حاکم بنے بیٹھے ہیں۔

الجزائر کے عوام کے مسلسل اصرار پر اور دنیا کو دکھانے کے لئے فوجی حکومت نے ۱۹۹۲ء میں انتخابات کرائے لیکن اسلامک لبریشن فرنٹ کی غیر معمولی کامیابی سے وہ ایسے گھبرائے کہ انتخابات کو کالعدم قرار دے دیا۔ ان انتخابات کے بعد سے اب تک ۱۶۵۰۰۰ انسانوں کو دہشت

گردی کا نشانہ بنایا جا چکا ہے۔ جس میں غیر ملکی بھی شامل ہیں ایمنسٹی انٹرنیشنل کی حالیہ رپورٹ کے مطابق ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۸۰۰۰۰ ہے۔ مغربی ممالک کے اخبارات اور رسائل یہ پروپیگنڈا کرتے نہیں تھکتے کہ اسلامک لبریشن فرنٹ کا ایک دھڑا جو انتہا پسندوں اور بنیاد پرستوں پر مشتمل ہے ان تمام ہلاکتوں کا ذمہ دار ہے اس دھڑے کو" مسلح اسلامی گروہ" کے نام سے شہرت دی گئی ہے۔ کافی عرصے سے تقریباً روزانہ یہ خبریں شائع ہو رہی ہیں کہ متذکرہ بالا گروہ کے لوگ معصوم اور بے گناہ لوگوں کو بھی اپنی بربریت کا نشانہ بناتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں پر یکا یک حملہ آور ہوتے ہیں اور نوزائیدہ بچوں، بوڑھی عورتوں، معمر مردوں کو بھی نہیں بخشتے، چھریوں سے گلے کاٹ دیتے ہیں یا کلہاڑیوں سے سر قلم کر دیتے ہیں۔ لڑکیوں کو اغواء کر کے لے جاتے ہیں اور ان کی عصمت دری کر کے انہیں قتل کر دیتے ہیں، لیکن حقیقت زیادہ عرصے تک چھپائی نہیں جا سکتی۔

تقریباً تین ہفتہ قبل انگریزی روزنامہ" ڈان" میں ایک امریکی صحافی کا مضمون شائع ہوا تھا جس نے کچھ دوسرے صحافیوں کے ساتھ چند ان دیہاتوں کا دورہ کیا تھا جہاں کہ بے گناہ لوگوں کے گلے کاٹ دیئے گئے تھے۔ ان کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ ان دیہاتوں سے فوجی چوکیوں کا فاصلہ اتنا کم تھا کہ مظلوموں کی چیخ و پکار نہ سننا ممکن ہی نہ تھا۔ پھر آخر ان چوکیوں پر متعین سپاہی ان کی مدد کو کیوں نہیں پہنچے؟

گیارہ نومبر کے روزنامہ ڈان میں (انگریزی روزنامہ لندن" آبزرور" سے ماخوذ) ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ جس کا عنوان ہے" الجزائری خفیہ قاتل مشین" اور یہ مضمون جان سوینی اور لیونارڈ ڈوہل، دو انگریزوں نے لکھا ہے۔ مضمون طویل ہے اس لئے اس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:

یوسف جوزف نامی ایک الجزائری نے چودہ سال تک الجزائری ملٹری سیکورٹی سروس میں ایک اہم عہدے پر کام کیا۔ [illegible] کام کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ کوئی راز اس سے چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ ڈھائی سال قبل وہ یکا یک لندن بھاگ گیا اور اپنے ساتھ بہت سے راز معہ ثبوت لے گیا۔

یوسف جوزف نے ملٹری سیکورٹی کی اذیت گاہوں کا حال بھی بتایا اس نے کہا" انسانوں کو زندہ جلا دیا جاتا ہے، جس کی بو بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ میں نے ایک اذیت دینے والے

فوجی افسر کو ایک بوڑھے سے یہ کہتے سنا ”بولو ورنہ تمہاری چودہ سالہ بیٹی کی عصمت دری تمہاری آنکھوں کے سامنے کی جائے گی۔“ ”میں نے ایک بار ایک اذیت گاہ میں ایک انسانی آنکھ میز پر رکھی دیکھی جس میں کھانا کھانے کا کانٹا چبھا ہوا تھا۔“

انہی صحافیوں کا ایک مضمون ۱۲ یا ۱۳ نومبر کو روزنامہ ڈان میں اسی موضوع پر شائع ہوا ہے جس میں اس بات کے مزید ثبوت پیش کیے گئے ہیں کہ الجزائر میں دہشت گردی کی سو فیصد ذمہ داری ملٹری سیکورٹی پر عائد ہوتی ہے۔ اسلامک لبریشن فرنٹ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

یورپ کے لوگ انسانی بنیادی حقوق کے چیمپئن بنتے ہیں اور قانون توہین رسالت کو ظالمانہ قرار دیتے ہیں لیکن جب اپنے مالی مفادات پر ضرب پڑتی نظر آتی ہے تو نہ صرف یہ انسانی حقوق کی پامالی کو نظر انداز کرتے ہیں بلکہ ان کی مدد کرتے ہیں جو انسانوں کے بنیادی حقوق پامال کرتے ہیں۔

الجزائر میں ہولناک تشدد کا عفریت

(دی انڈی پنڈنٹ لندن کی رپورٹ)

الجزائر میں وحشیانہ ہولناک قتل و غارت کا جو بازار گرم ہے الجزائری حکومت اس کا الزام اسلام پسندوں پر لگاتی ہے۔ بیدار ڈائجسٹ میں اس سے قبل بھی مختلف رپورٹیں شائع کی جا چکی ہیں کہ یہ قتل و غارت حکومت، غیر ملکی ایجنسیوں اور علیحدگی پسندوں کی کارستانی ہے اور بدنام اسلام پسندوں کو کیا جا رہا ہے۔ ذیل میں بھی ایک رپورٹ دی جا رہی ہے جو لندن کے روزنامہ ”دی انڈی پنڈنٹ“ میں 31۔ اکتوبر 1997ء کو شائع ہوئی ہے۔ رپورٹ پڑھتے وقت ایک بات ذہن میں رکھیں کہ صلیبی یورپ اور مغرب الجزائر کی نیم فوجی حکومت کے حامی ہیں (ادارہ بیدار)

مل گریو یا سنٹرل لندن کے شیراٹن ہوٹل کے برآمدہ میں کھڑا انسپکٹر عبدالسلام ہر لحاظ سے ایک پولیس مین دکھائی دیتا ہے۔ لمبا قد، ہر فرد کو مشکوک نظروں سے دیکھنا، جارحانہ طبیعت، خوش مزاجی مگر مضطرب انداز سے ہاتھ ملانا جیسی ساری خصوصیات اس میں پائی جاتی ہیں۔ جب وہ اپنی خوفناک خونی داستان سنانا شروع کرتا ہے تو وہ اس انداز سے سناتا ہے کہ

جیسے ایک پولیس آفیسر اپنی کارکردگی کی رپورٹ دے رہا ہو، بالکل ویسے ہی جب وہ الجزائر کے ہوائی اڈے کے قریب واقع دار البیدہ میں پولیس کے سامان کے انچارج کے طور پر رپورٹ دیا کرتا تھا۔ اب وہ پولیس سے علیحدہ ہو چکا ہے۔

وہ 1981ء میں پولیس بھرتی ہوا۔ اس کا کہنا ہے کہ ''میں عوام کی خدمت کرنا چاہتا تھا'' مگر 1988ء میں صورت حال خراب ہو گئی جب جمہوریت کے حق میں ہونے والے مظاہروں کو فوج کے ذریعے روکا گیا۔ پولیس تھانوں پر حملے شروع ہو گئے۔ اسلامک سالویشن فرنٹ اسے کبھی بھی پسند نہ تھا۔ 1991ء میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی یقینی جیت کے نتیجے میں فوجی حمایت سے قائم حکومت کو انتخابی نتائج منسوخ کرنے پڑے اور پارٹی پر پابندی لگانا پڑی۔ عبد السلام ایک غریب اور پسماندہ ضلع ''کوبا'' میں رہتا تھا مگر جب مسلم چھاپہ ماروں نے پولیس پر حملے شروع کئے تو اسے گھر کو چھوڑ کر سونے کے لئے پولیس اسٹیشن آنا پڑتا۔

شیراٹن ہوٹل کی انتظار گاہ میں کافی کی چسکی لیتے ہوئے اس نے کہا ''ہمیں دہشت زدہ کر دیا گیا تھا'' ہر روز ہمارے دوست قتل ہو رہے تھے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ اس صورتحال میں ہم کیا کریں۔ اعصاب کو پرسکون رکھنے کے لئے تھانوں کے اندر سارے پولیس والے حشیش پیتے تھے۔ جب ہم رات کو کسی آپریشن کے لئے جاتے تو گولیاں کھا کر جاتے۔ میں اس وقت ایک ڈرائیور تھا۔ ہم اس حد تک خوف زدہ تھے کہ میرے پولیس کے ساتھی ہر متحرک چیز پر اندھا دھند فائرنگ کر دیتے۔

جب کسی مقام کے بارے میں خفیہ اطلاعات ملتیں تو ہمارے افسر ہمیں متعلقہ مقام پر بھیجتے اور کہتے ''کسی قیدی کو یہاں زندہ نہ لانا۔ سب کو مار دینا''۔ 1992ء میں سارا سال یہی ہوا۔ میں اپنے دوستوں کو گلیوں میں بے رحمی سے اسلام پسندوں کو قتل کرتے دیکھتا۔ ایسا ہر روز دو تین بار ہوتا کہ اسلام پسندوں کو محاصرے میں لے کر مار دیا جاتا۔

مارچ 1994ء میں ایک علی الصبح 5 بجے انسپکٹر عبد السلام اور اس کے ساتھیوں کو الجزیرہ کے باہر اسلام پسندوں کے ایک گاؤں ''سدی موسیٰ'' بھیجا گیا۔ ''ہم ایک بڑی فورس تھے۔ پولیس اور جینڈرمیری (gwndarmerie) کے دستے اکٹھے تھے۔ ہم نے گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔ ہر طرف سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ ہم بھی کر رہے تھے اور چھاپہ مار بھی۔ ہم نے جگہ کو گھیر لیا۔ ایک دستہ اندر چلا گیا۔ یہ وہ دستہ تھا جو قتل کرتا تھا۔ جب سورج چڑھا تو وہ لاشوں کو

باہر لائے۔ لاشوں کی تعداد 90 تھی جن میں تین عورتیں بھی تھیں۔ زیادہ تر کو گولیوں اور فائر کئے ہوئے گرینیڈوں سے ہلاک کیا گیا تھا۔ پولیس اور فوج کے صرف تین افراد مارے گئے اور پندرہ زخمی ہوئے۔''

سدی موسیٰ میں بعد میں عورتوں اور بچوں کے قتل عام کا واقعہ پیش آیا۔ حکومت کا کہنا تھا کہ یہ قتل عام اسلامک آرمڈ گروپ (gia) کے چھاپہ ماروں نے کیا ہے لیکن عبدالسلام کو بن زرگا (ben zarga) اچھی طرح یاد ہے ''معروف دہشت گرد ملیانی منصوری کے بارے میں خفیہ اطلاعات ملنے کے بعد ہم 1994ء میں وہاں گئے تھے۔ اطلاعات میں بتایا گیا تھا کہ ملیانی منصوری وہاں اپنی فیملی کے ساتھ قیام پذیر ہے۔ (بعد میں ملیانی منصوری کو سیکورٹی فورسز نے قتل کر دیا تھا) ہمیں وہ وہاں نہ ملا مگر جس علاقے میں اس کا دو منزلہ گھر تھا اسے ہم نے محاصرے میں لے لیا۔ ہم نے گھر کے اندر آنسو گیس پھینکی۔ گھر کے اندر مقیم افراد کو لاؤڈ اسپیکر پر کہا گیا کہ وہ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیں۔ ادھر سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس کے بعد ہم نے آر پی جی سے گرینیڈز کی فائرنگ شروع کر دی۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہاں 3 بچے، دو عورتیں اور ایک آدمی تھا۔ ان تمام کو جلا کر مار دیا گیا۔

قیدیوں کے منہ پر کپڑا باندھ کر تیزاب ڈالدیا جاتا

عبدالسلام کے خوفناک ڈراؤنے خواب تشدد اور انٹروگیشن سنٹروں میں قیدیوں سے وحشیانہ تفتیش کی یادداشتوں کے لئے مخصوص ہو چکے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ اس نے ان وحشیانہ کارروائیوں میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

''بعض اوقات قیدیوں کو تیزاب پینے پر مجبور کیا جاتا یا پھر ان کے منہ پر کپڑا باندھ کر اس پر تیزاب انڈیل دیا جاتا۔ تشدد عدالتی پولیس کرتی۔ وہ اپنا یہ کام مکینکس گیراج میں کرتے۔ مجھے ان کے نام بھی یاد ہیں۔ ایک کا نام بوساد تھا۔ بعد میں وہ مر گیا تھا۔ دو قیدیوں کی داڑھیاں کھینچتے اور ناخن اکھاڑتے۔ بعض اوقات قیدیوں کو میز کے ساتھ اس طرح کھڑا کیا جاتا کہ ان کے خصیے (testicles) میز کے اوپر آ جاتے۔ خصیوں کو چھڑیوں سے پیٹا جاتا۔ بوتلوں کے اوپر انہیں بٹھایا جاتا۔ اس دوران میں ان سے پوچھا جاتا کہ ساتھ دیگر افراد

کون ہیں۔ ان کے دوست کون ہیں۔ ان کا اسلحہ کہاں ہے۔ ان کے منصوبے کیا ہیں؟ قیدیوں میں سے چند اطلاعات دے دیتے۔ کچھ اطلاعات دینے کے بجائے مرنے کو ترجیح دیتے۔ [illegible] قیدی زیر آب تشدد سے مر جاتے۔ جنہیں قتل کرنے کے احکام آتے انہیں شہر کے باہر لے جایا جاتا۔ وہ جانے لگتے تو ان کی پشت پر گولیاں ماردی جاتی۔ ان کی لاشیں ان کے گھر والوں کو دینے کے بجائے مردہ خانے لے جائی جاتیں اور خفیہ طور پر دفنادی جاتیں۔“

ڈرائیور کی ڈیوٹی کے علاوہ عبدالسلام الجزیرہ کی شہری پولیس کا آرڈی نینس آفیسر بھی تھا۔ اٹلی، جرمنی اور امریکہ سے ہتھیاروں کی وصولی اس کے ذمہ تھی۔

”ہم کپڑے، یونیفارم اور گولہ بارود اٹلی سے حاصل کرتے۔ پمپ ایکشن، شاٹ گنز اور بریٹا 9 ایم ایم پسٹل بھی اٹلی دیتا۔ تشدد کے آغاز پر اٹلی نے ہمیں 7 ۔ ایم ایم پسٹل دیے تھے۔ آنسو گیس، فلاک جیکٹس، پولیس ”ننجا“ یونیفارم مع ماسک ہمیں امریکہ دیتا۔ پولیس کیلئے کاریں جرمنی اور فرانس سے منگوائی جاتیں۔ 1992ء کے آخر میں ہم نے پولیس کو تربیت کے لئے فرانس بھیجنا شروع کردیا۔“

دو سال قبل عبدالسلام نے الجزائر کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کرلیا کیونکہ اس نے اپنے ہی لوگوں کی طرف سے اپنی زندگی کے لئے خطرہ سمجھا۔ اس کا کہنا ہے کہ

”مجھے شک ہونے لگا تھا کہ پولیس کے افراد جو مرے تھے ان میں سے زیادہ تر اپنے ہی حکام کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے کیونکہ وہ حکومت کے ساتھ اس کی توقعات کے مطابق تعاون نہیں کررہے تھے یا پھر حکومت یہ شک کررہی تھی کہ ان افراد کی اپوزیشن کے ساتھ ہمدردیاں ہیں۔ پولیس میں میرے کئی دوست قتل ہوچکے تھے۔ ان میں سے اکثر گھر پر ہی قتل ہوئے۔ بعض اوقات ہم قاتلوں کا پیچھا کرتے ہوئے پولیس بیرکوں تک پہنچ جاتے خاص طور پر بیناک نون کے علاقہ میں۔ جب ہم انہیں دیکھتے، وائرلیس پر حکام بالا سے پوچھتے کہ اب ہم کیا کریں۔ ”واپس آجائیں، اس علاقہ کو فوراً چھوڑ دیں۔ مشن مکمل ہو چکا۔“ جواب ملتا“۔

برطانوی اخبارات کے بعض نمائندوں نے جن میں آبزرور کے جان سوینی۔ انڈی پینڈنٹ کے رابرٹ فسک، ٹائمز کے انتھونی لائیڈ اور چینل فور نیوز کی سائرہ شامل تھیں۔ الجزائر

کا دورہ کر کے خوفناک انکشافات کیے ہیں۔ ان صحافیوں کے مطابق الجزائر کے قتل عام میں فوج ملوث ہے۔ ۱۹۹۷ء میں قتل عام کے تین بڑے خونی واقعات جہاں رونما ہوئے وہ جنوبی الجزائر کا علاقہ تھا۔ جسے فوج نے گھیر رکھا تھا۔ وہاں قاتلوں نے ۲۰۰ بچوں، مردوں اور عورتوں کو ذبح کر دیا اور پولیس جب حرکت میں آئی تو کوئی قاتل گرفتار نہ ہو سکا۔ ان مقتولین کی ہمدردیاں اسلام پسندوں کے ساتھ تھیں۔ فوج کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد ہی پولیس موقع پر پہنچتی ہے۔

ان صحافیوں کے مطابق الجزائری فوج اور پولیس کے ان ملازمین نے جو فرار ہو کر برطانیہ پہنچے۔ ان میں سے ایک سابق فوجی یوسف نے قتل عام کی کاروائیوں کے واقعات سناتے ہوئے بتایا کہ وہ اور اس کے فوجی ساتھی قتل عام سے پہلے کس طرح اسلام پسندوں کا روپ دھارتے اور مصنوعی داڑھیاں لگا کر معصوم شہریوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔

برطانیہ میں پناہ حاصل کرنے والے دو پولیس ملازمین نے آبزرور کو ایک دردناک کہانی سناتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے الجزائر کے ایک علاقے کے گرد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گھیرا ڈالا اور بجلی منقطع کر دی اور پھر سیکورٹی ملیشیا کے جوان علاقے کے اندر داخل ہو گئے اور جب وہ دو گھنٹے تک کاروائی مکمل کرنے کے بعد باہر آئے تو ہم ان کے چلے جانے کے بعد جائے وقوعہ کے کلین اپ کے لیے گئے تو میں نے اپنی آنکھوں سے ہلاک شدہ مردوں عورتوں اور بچوں کو دیکھا۔ یہاں تک کہ ایک معصوم بچے کا گلا کٹا ہوا تھا۔

اسلام پسندوں کے خلاف سازش

الجزائر کے ایک قصبے کا واقعہ سناتے ہوئے منحرف الجزائری پولیس والوں نے بتایا کہ اس قصبے میں سیکورٹی ملیشیا والے اسلام پسندوں کا مخصوص لباس پہنے اور بناوٹی داڑھیاں لگائے ہوئے پہنچے اور انہوں نے ہمارے افسر کو بتایا کہ ہم قصبے کا گھیراؤ کر چکے ہیں۔ اب تم انتظار کرو۔ دو گھنٹے بعد وہ واپس آئے تو ہم نے پوچھا کہ کیا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے کہا کہ کچھ نہیں اور پھر انہوں نے اپنے خون سے آلودہ ہاتھ پونچھ ڈالے اور جب ہم علاقے میں داخل ہوئے تو ہر گھر میں لوگوں کے گلے کٹے ہوئے تھے ان کے سر تن سے جدا نظر آ رہے تھے۔

برطانوی صحافی جان سوینی کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ یورپ الجزائر میں اپنے مفادات کی وجہ سے الجزائر کی حکومت کی مخالفت سے ہچکچاتا ہے۔ کیونکہ الجزائر میں تیل اور گیس کے بھاری ذخائر موجود ہیں۔ الجزائر سے سپلائی ہونے والی گیس سے ہی میڈرڈ اور روم کے چولہے جلتے ہیں۔ علاوہ ازیں الجزائر کے برطانیہ کے ساتھ پٹرولیم کے ۸، بلین پونڈ کے معاہدے ہیں۔ کوئی مغربی حکومت الجزائر کے ساتھ بگاڑ پیدا کرنا نہیں چاہتی۔ کیونکہ ان کے نزدیک معاشی اور تجارتی مفادات مسلمانوں کے خون سے کہیں زیادہ فوقیت رکھتے ہیں۔

الجزائر جنونی قاتلوں کی سرزمین

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ 5 جون کو انتخابات کے بعد الجزائر میں قتل وغارت ختم ہو جائے گی یا کم از کم اس میں کمی آ جائے گی مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ وحشیانہ قتل وغارت کی وارداتوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ الجزائر کی حکومت حسب سابق اس درندگی کا ذمہ دار اسلام پسندوں کو ٹھہرا کر ان کے خلاف سخت ظالمانہ اقدام کر رہی ہے جبکہ اسلام پسندوں کا کہنا ہے کہ ایسی درندگی کی وارداتیں کوئی جاہل مسلمان بھی نہیں کر سکتا کجا کہ اسلامی نظام کے علمبردار اس شیطانی کھیل میں حصہ لیں۔ اس بات کا جائزہ ہم بعد میں لیں گے کہ یہ قتل وغارت بند کیوں نہیں ہو رہی، اس قتل وغارت کی سنگینی کا اندازہ لگانے کے لئے ماہ اگست میں ہونے والی چند اہم وارداتوں کا مطالعہ کر لیں۔

9۔ اگست کی خبروں کے مطابق اس روز 31۔ افراد قتل کئے گئے۔ مقتولین کے سر چاقوؤں سے کاٹے گئے تھے۔ زندہ بچنے والا ایک شیر خوار بچہ اپنی ماں کی سر کٹی لاش پر دودھ پینے کی کوشش کر رہا تھا۔

14۔ اگست کو نیوز ایجنسی اف پ بتاتی ہے کہ الجزائر میں 22 عورتوں سمیت 44 افراد کو ذبح کر دیا گیا۔ بچ جانے والوں نے بتایا کہ حملہ آوروں نے چند خواتین کے پیٹ تک چاک کر دیے اور دو نوجوان لڑکیوں کو ذبح کرنے سے پہلے ان کے ساتھ زیادتی بھی کی۔ حملہ آوروں نے شیر خوار بچوں کو رونے کے لئے چھوڑ دیا اور ماؤں کو ہلاک کر دیا۔ ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق 5 جون کے بعد تک 800 افراد ذبح کئے جا چکے ہیں۔ صرف اگست کے 13 دنوں میں

1200 افراد کو ذبح کیا گیا ہے۔

نیوز ایجنسی اف پ نے 22 اگست کو بتایا کہ الجزائر کے جنوب میں ایک گاؤں میں خواتین اور بچوں سمیت 63 افراد کے گلے کاٹ کر ہلاک کیا گیا ہے۔ 26 اگست کی خبروں کے مطابق تازہ واردات میں 38 افراد قتل ہوئے جبکہ 2 اگست سے اب تک 3 دنوں میں کم از کم 100۔ افراد مارے جا چکے ہیں۔

27۔ اگست نیوز ایجنسی اے این این بتاتی ہے کہ تازہ ترین واقعہ میں 64۔ افراد کو ذبح کیا گیا ہے۔ چار عورتوں کو اغوا بھی کیا گیا ہے۔ گزشتہ چار روز میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد 181 ہو گئی ہے۔

29 اگست کو کئی نیوز ایجنسیاں بتاتی ہیں کہ سدی موسیٰ کے نواحی علاقوں میں 300۔ افراد کو ہلاک کیا گیا ہے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں۔ ہلاک کرنے اور گولیوں سے بھوننے کے بعد کئی لاشوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ دہشت گردوں نے 5 گھنٹوں تک قتل عام کیا۔ اس کے بعد 20 جوان لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ یہ واردات 28 اور 29۔ اگست کی درمیانی رات کو ہوئی۔ اس کے اگلے روز الجزیرہ کے جنوب مغربی علاقے میں مزید 45۔ افراد کو ذبح کر دیا گیا۔

فرانس سے شائع ہونے والے روزنامہ "لی فگارو" (مئی 97ء) کے مطابق 92 کی فوجی بغاوت کے بعد سے اب تک 3 لاکھ افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔

ان خبروں کے پڑھنے کے بعد کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ الجزائر کوئی مسلمان ملک ہے۔ بیدار ڈائجسٹ کے شمارہ مئی میں ایک الجزائری صحافی کے حوالے سے لکھا تھا کہ الجزائر میں شیطانی قتل و غارت میں علیحدگی پسند بربر، اسرائیل، امریکہ اور فرانس کی قاتل ایجنسیاں ملوث ہیں۔ ایسا اس لئے کیا جا رہا ہے کہ 1991ء کے الیکشن میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی جیت نے امریکہ، یورپ اور اسرائیل کو پریشان کر دیا تھا۔ ان ممالک کی قاتل ایجنسیاں الجزائری عوام میں اسلام اور جہاد کے خلاف نفرت پیدا کرنا چاہتی ہیں اسی لئے ہر وحشیانہ واردات کے بعد اس کو اسلام پسندوں کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ ان تمام شیطانی حربوں کے باوجود الجزائر کے عوام کے دلوں سے اسلام کو نہیں نکالا جا سکا ہے۔

امریکہ و فرانس کا خیال تھا کہ الیکشن کروا کر اپنی مرضی کے نتائج حاصل کر کے الجزائری

عوام کو کٹھ پتلی نمائندوں کے ذریعے کنٹرول کرلیں گے مگر دھاندلی کے ذریعے بننے والی حکومتیں بھی بھی حالات پر قابو نہیں پا سکتیں۔ 16۔ نومبر 1995ء کے صدارتی الیکشن بھی ایک فراڈ تھے۔ 5۔ جون کے الیکشن بھی ویسے ہی تھے۔ دونوں مواقع پر ایک بات حیران کن تھی کہ الیکشن کے چند دنوں میں قتل وغارت کی وارداتیں نہیں ہوئیں۔ اگر اسلامک سالویشن فرنٹ کے کارکنان اس قتل وغارت میں ملوث ہوتے تو خون ریزی بڑھ جاتی۔ چند دنوں کے لئے خون ریزی بند ہونے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ قاتل الیکشن میں اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے لئے مصروف ہو گئے تھے۔

سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ نئی منتخب پارلیمنٹ گزشتہ نامزد قانون ساز باڈی (cnt) سے مختلف نہیں ہے بلکہ اسی کی کاپی ہے۔ بس انتخابی رنگ چڑھایا گیا ہے۔ مبصرین نے موجودہ پارلیمنٹ کے لئے

"a tailor made parliament" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

1991ء کے انتخابات میں 231ء کے ایوان میں اسلامک سالویشن فرنٹ نے 188 نشستیں حاصل کی تھیں۔ اس وقت حکمران پارٹی نیشنل لبریشن فرنٹ کے ایک رکن نے انکشاف کیا ہے کہ دھاندلی سے اسلامک فرنٹ کو 24 سیٹوں سے محروم کیا گیا تھا۔ اس کا مطلب ہوا کہ اسلامک فرنٹ نے 212 سیٹیں جیتی تھیں۔

موجودہ الیکشن کے نتائج اس طرح رہے۔ صدر زیرول کی ڈیموکریٹک نیشنل ریلی (rnd) جو تین ماہ قبل ہی بنائی گئی تھی کو 308 کے ایوان میں 155 آزادی کے وقت سے برسراقتدار نیشنل لبریشن فرنٹ (fln) کو 64 (گزشتہ الیکشن 1991ء میں fln کو صرف 15 سیٹیں ملی تھیں۔ یہ پارٹی مکمل طور پر حکومت اور فوج نواز ہے)۔ ایس ایم پی کو 69 (یہ حکومت اور فوج نواز اسلام پسند پارٹی ہے۔ 1991ء کے الیکشن میں اسے ایک بھی سیٹ نہیں ملی تھی) عبداللہ جباءاللہ کی نحدا پارٹی کو 34 سیٹیں ملی تھیں)، علیحدگی پسند بربر پارٹی کو بھی اتنی ہی سیٹیں ملیں 1991ء کے الیکشن میں اس پارٹی کو کوئی سیٹ نہ ملی تھی۔ 11۔ آزاد امیدوار کامیاب ہوئے۔

الیکشن میں اپنی مرضی کے نتائج کے لئے اپنی مرضی کے انتخابی قوانین بنائے گئے۔ اپوزیشن جماعتوں کو ووٹوں کی گنتی میں شامل نہ کیا گیا۔

الیکشن کے ہر مرحلے میں دھندلی سے کام لیا گیا۔ عرب پریس نے انتخابی گنتی میں شریک اہم افسروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ اصل گنتی میں ایس ایم پی کو 155 سیٹیں ملی تھیں۔ ایک دوسری رپورٹ کے مطابق ایس۔ ایم پی کو 130 نیشنل لبریشن فرنٹ کو 120 صدر زیرول کی پارٹی rnd کو صرف 50 سیٹیں جبکہ آئت احمد کے ffs کو 30 سیٹیں ملی تھیں مگر اعلان میں نتائج بدل دیے گئے۔

جب انتخابی قوانین کے نفاذ سے لے کر انتخابی نتائج کے اعلان تک ہر مرحلہ میں دھاندلی ہوئی ہو، عوام کی صحیح نمائندہ جماعت انتخاب سے باہر ہو، 3 لاکھ سے زیادہ افراد قتل ہو چکے ہوں، ہزاروں کی تعداد میں اسلام پسند بیوروکریٹ، انتظامی امور کے ماہرین، دانشور، علماء مارے جا چکے ہوں، ہزاروں جیلوں میں ہوں تو پھر محض مصنوعی طریقوں، اصل انتخاب کے بجائے دھاندلی سے بنائی گئی ربڑ سٹمپ پارلیمنٹ اور فوجی طاقت کے بل بوتے پر نہ ملک چلایا جا سکتا ہے اور نہ خانہ جنگی میں ملوث گروہوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ ایسی حکومت میں ہر قسم کے تعصبات جنم لیتے ہیں اور قاتلوں ڈاکوؤں کے گروہ تشکیل پاتے ہیں جس سے جلد یا بدیر ملک وسیع خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے اور الجزائر اس خانہ جنگی کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اس خانہ جنگی سے بچاؤ کا ایک ہی طریقہ ہے کہ الجزائر کی فوج غیر جانبدار الیکشن کروا کر حکومت الیکشن جیتنے والی سیاسی پارٹی کے حوالے کر دے۔ کاٹھ کے گھوڑوں سے دوڑیں نہیں جیتی جاتیں اور مصنوعی طریقوں سے حکومتیں نہیں چلتیں۔ فوج کو یہ حقیقت اب بلا تاخیر تسلیم کر لینی چاہئے کہ صدر زیرول کی حکومت ایک مصنوعی حکومت ہے اور پارلیمنٹ عوام کے ووٹوں کے بجائے غیر منصفانہ انتخابی طریقہ کار کی پیداوار ہے۔

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے بھی الجزائر کی قتل و غارت پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے عالمی رہنماؤں سے اپنا کردار ادا کرنے کیلئے کہا ہے۔ عالمی رہنماؤں کا کردار یہی ہے کہ وہ الجزائر میں فرانسیسی اور امریکی مداخلت کو روکیں اور الجزائر کی فوج پر دباؤ ڈالیں کہ وہ بلا تاخیر منصفانہ انتخابات کروا کر حکومت فاتح پارٹی کے حوالے کر دے۔

ایک لاکھ افراد قتل ہو چکے ہیں۔۔۔۔۔ الجزائری صدر

الجزیرہ (اف پ) الجزائر کے صدر عبدالعزیز بوطفلیکا نے اعتراف کیا ہے کہ گزشتہ سات سال میں تشدد کے واقعات میں ایک لاکھ سے زائد افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ تاہم انہوں نے کہا کہ ملک اب سیاسی تشدد کے آخری مرحلے میں ہے اور خون خرابہ ختم ہونے والا ہے۔ انہوں نے یہ بات الجزائر کی فرانس کے قبضے سے آزادی کی 37 ویں سالگرہ کے موقع پر ریڈیو ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہی۔ صدر عبدالعزیز بوطفلیکا نے امید ظاہر کی کہ مختلف متحارب الجزائری طبقے ایک دوسرے کو معاف کردیں گے اور خون خرابہ بند کردیں گے۔ انہوں نے کہا کہ یہی وجہ ہے کہ پارلیمنٹ میں ایک ایسا بل منظوری کے لئے پیش کیا جارہا ہے جس کے تحت حکومت کے ایسے مخالف اسلام پسند مسلح افراد کو عام معافی دے دی جائے گی جو سزائیں کاٹ رہے ہیں۔

"الجزائر" میں اسلامک سالویشن فرنٹ (f.f.s) نے جمہوریت کی بنیاد پر اکثریت حاصل کی لیکن یورپی ممالک کو یہ کب گوارا تھا کہ یہاں اسلام نافذ ہو۔

اسلامی فرنٹ پر مظالم

اس لئے وہاں ایک ظالمانہ فوجی انقلاب لایا گیا اور اسلامک فرنٹ پر مظالم کا ایک ایسا باب شروع کیا گیا جس کے سامنے ہلاکو اور چنگیز خان کے مظالم بھی ہیچ ہیں۔ ذیل میں ایک ایسے ہی واقعے کا تذکرہ ہے جو انگریزی کے روزنامے "انڈیپنڈنٹ" (independent) کے صحافی "رابرٹ فسک" (robert fisk) نے لکھا ہے اور جو روزنامہ "دی نیوز the news" کی سات فروری 1994ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ اب آپ واقعہ پڑھئے اور خون کے آنسو روئیے۔

"اس کا نام "محمد" تھا لیکن جن مظالم سے پچھلے چار ماہ میں اس کا واسطہ پڑا ہے، اگر آپ

اس کی جگہ ہوتے تو یقیناً اپنا نام تبدیل کر لیتے۔ اس نے مجھے بتایا کہ کس طرح اسے بلیچ (bleach) ملا پانی پینے پر مجبور کیا گیا یہاں تک کہ وہ الٹیاں کرنے لگا۔ کس طرح اسے بجلی کے شاک دیئے گئے جن سے اس کے تلوؤں کی کھال اتر گئی۔ کس طرح اس کا سر گٹر کے گندے پانی میں ڈبویا گیا یہاں تک کہ وہ نیم جان ہو گیا۔

وہ بیان کرتا ہے کہ جب اس کے ایک ساتھی نے تشدد کے باوجود بولنے سے انکار کیا تو پولیس اس کی 55 سالہ ضعیف والدہ کو گرفتار کر لائی۔ اور یہ کہتے ہوئے محمد دھاڑیں مار کر رونے لگا کہ جب اسے عقوبت خانے سے باہر لایا گیا تو وہ برہنہ تھی اور اور خون میں نہائی ہوئی تھی لیکن اس نے ہمیں کہا کہ ہمت کرو میرے بیٹو۔

محمد ایک انیس سالہ نوجوان ہے اور اسے سرکاڈجی جیل سے رہائی ملے صرف تین دن ہوئے ہیں لیکن وہ ایک جہاں دیدہ بوڑھے کی طرح باتیں کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے "مجھے اپنے اوپر فخر ہے اور میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس امتحان میں کامیاب کیا"

یہ بیان کرنا بہت مشکل ہے کہ 10 اکتوبر 1993ء کے بعد محمد پر کیا گزری۔ جب تین نقاب پوش پولیس والے رات دو بجے اس کے گھر (واقع سالومبر) کا دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے۔ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے پولیس ٹرک کے اندر پھینک دیا گیا جہاں سے اسے شاؤنیوف کے پولیس کالج لے جایا گیا۔

محمد گو اسلامک فرنٹ سے اپنے تعلق کا برملا اظہار تو نہیں کرتا لیکن اس بات کا وہ اعتراف کرتا ہے کہ وہ الجزائر کی مسجد کا ایک مبلغ ہے اور قرآن کالج کا ایک طالبعلم (اور گو کہ وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرتا لیکن یقیناً وہ اسلامک فرنٹ کا حامی ہے) وہ سناتا ہے کہ گرفتاری کے بعد اس پر کیا گزری پولیس کالج میں اسے ایک تہہ خانے میں لے جایا گیا جو قریباً چار منزل نیچے تھا۔ یہاں بے شمار ٹارچر سیل قائم تھے۔ اور جس سیل میں اسے رکھا گیا، اس کی دیواروں پر خون کے دھبے تھے۔ اور اس قدر تیز روشنی تھی کہ وہ قریباً اندھا ہو چلا تھا۔ اسے ساتھ والے سیل سے چیخوں اور آہوں کی آوازیں برابر آتی تھیں۔

اسے سیل میں بیٹھے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ چند پولیس والے آئے اور اسے مرکزی عقوبت خانے میں لے گئے۔ وہاں تقریباً اٹھارہ آدمی موجود تھے جن میں سے چند غیر ملکی بھی تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اسلامک فرنٹ کا اسلحہ ڈپو کہاں قائم ہے۔ مجھے کچھ معلوم نہ

تھا۔ اس لئے میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس پر وہ مجھے مارتے ہوئے کمرے کے درمیان موجود گٹر پر لے گئے اور اسکا ڈھکنا اٹھا کر میرا سر اس گندے پانی میں ڈبویا۔ یہاں تک کہ میں نیم جان ہو گیا اور مجھے سانس بھی رک رک کر آنے لگا۔ لیکن میں نے پھر اسلحہ سے لاعلمی کا اظہار کیا کیونکہ میں اس کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔ پھر انہوں نے مجھے ایک بینچ پر باندھ دیا اور مجھے مارنا شروع کر دیا۔ جب بھی میں چیخنے کیلئے منہ کھولتا تو وہ بلیچ والے پانی میں بھیگا فوم میرے منہ میں ڈال دیتے۔ یہاں تک کہ میرا معدہ بلیچ کے پانی سے بھر گیا۔ پھر انہوں نے میرے پیٹ پر ٹھڈے مار مار کر مجھے الٹیاں کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے میرے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا وہ، وہ۔۔۔۔ محمد کی آواز رندھ گئی۔ کمرے میں صرف اس کی سسکیاں، آہیں اور دبی دبی چیخیں گونج رہی تھیں تھوڑی دیر بعد اس کے اوسان بحال ہوئے تو وہ بولا ”ان چار ماہ میں انہوں نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی یادیں ہمیشہ میرا پیچھا کرتی رہیں گی۔ اس کے بعد اسی دن وہ لوگ ایک الیکٹرک پستول لے آئے۔ جب وہ اسے میرے جسم سے لگا کر آن کرتے تو بجلی کے شاک سے میری جلد جل جاتی اور ان میں گڑھے پڑ جاتے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی چپل اتار کر پاؤں کے تلوے دکھائے جن کے کھال مکمل طور پر جل چکی تھی اور تین ماہ گزرنے کے باوجود تین سنٹی میٹر کا ایک گھاؤ واضح تھا۔ اس نے کہا کہ اسلحہ سے بار بار لاعلمی کے اظہار کے بعد اسے دھمکی دی گئی کہ اگر اس نے اسلامک فرنٹ سے تعلق کا اعلان نہ کیا تو اس کی بیوی کی عفت کو پامال کیا جائے گا۔ انہوں نے ایسا میرے ایک دوست کے ساتھ بھی کیا۔ وہ کہتا ہے اس کا نام سید شعیب احمد تھا۔ اس نے بھی فرنٹ سے اپنے تعلق کو ظاہر نہیں کیا۔ وہ ظالم اس کی جوان بیوی کو گرفتار کر لائے اور اس کی عزت تار تار کر دی لیکن پھر بھی وہ ثابت قدم رہا۔ پھر وہ۔۔۔۔ احمد سے ضبط نہ ہو سکا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا اور میرا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ یہ کون سا جذبہ ہے جو اس لڑکے کو اتنے تشدد کے بعد بھی ایک ان دیکھے اللہ پر یقین اور اس کی راہ میں متزلزل ہونے سے نہیں روک سکا۔ جب محمد کی طبیعت سنبھلی تو وہ یوں گویا ہوا۔ اس کی بیوی کی عزت تار تار کرا دی گئی۔ وہ ثابت قدم رہا لیکن۔ ان ظالموں نے اس پر بس نہیں کیا۔ وہ اس کی ماں کو بھی اٹھا کر لائے اور اس کی عزت اس کی آنکھوں کے سامنے لوٹی۔ وہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ اس کو ایک ستون سے باندھا ہوا تھا۔ اس کی والدہ اور بیوی دونوں اس تشدد کو تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئیں۔ اب وہ ٹوٹ گیا تھا۔ اس

کی شخصیت بکھر گئی تھی اور ایک ہفتے بعد فوجی کورٹ نے اسے سزائے موت سنا دی۔۔۔ چند ہفتوں کے تشدد کے بعد محمد کو مدانیا کے پولیس اسٹیشن لے جایا گیا۔ یہاں اس پر ظلم وابتلا کا نیا دور شروع ہو۔ وہ کہتا ہے "ایک دن انہوں نے مجھے رسیوں سے باندھ کر زمین پر پھینک دیا اور ایک پولیس والا میرے سر اور چہرے پر ٹھڈے مارنا شروع ہو گیا جس سے میرے گال پھٹ گئے۔ ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اور دانت بھی ٹوٹ گئے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا اوپر والا ہونٹ اٹھا کر اپنا اوپر والا جبڑہ دکھایا جس میں سے اکثر دانت غائب تھے۔ اس تشدد کے بعد میری ہمت جواب دے گئی" وہ بولا۔۔۔ لیکن تم نے یہ جھوٹ سر کیوں لیا؟" میں نے یہ سوال کیا" آپ میری جگہ ہوتے تو میں پھر آپ سے پوچھتا۔ وہ بولا۔۔۔ آخر 23 دن کا متواتر تشدد کون برداشت کر سکتا ہے۔ میری نظر کے سامنے لوگوں کو الٹا لٹکا کر تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک محمد عرسکی تھا جو بوصر ڈلیس کا امام تھا۔ اس کی دونوں آنکھیں نکال دی گئی تھیں اس کو مرنے کے لئے تڑپتا چھوڑ دیا گیا اور جب وہ مر گیا تو اخبار میں خبر لگا دی گئی کہ ایک دہشت گرد پولیس مقابلہ میں مارا گیا۔ میں اگر اب بھی جھوٹ نہ بولتا تو اور کیا کرتا۔ اب محمد کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ شدت غم کی وجہ سے وہ اب رو بھی نہیں رہا تھا۔ اس کی چیخیں اس کے سینے میں پھنس گئی تھیں۔ اس کے آنسوؤں کی لڑی ٹوٹنے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔ میرے اندر یہ منظر دیکھنے کی سکت نہ تھی۔ میں نے اس کے والد سے اجازت لی اور باہر نکل گیا۔

ورلڈ نیوز

الجزائر میں گزشتہ سال 9123 افراد قتل ہوئے

الجزائر میں گزشتہ سال بھی خون بہتا رہا۔ کینڈا سے شائع ہونے والے جریدے "کریسنٹ انٹرنیشنل" نے ایک عرب اخبار کے حوالے سے لکھا ہے کہ الجزائر کی وزارت دفاع کی تیار کی گئی ایک خفیہ رپورٹ کے مطابق گزشتہ سال 9123 افراد قتل ہوئے ہیں جب کہ مالی نقصان کا اندازہ 800 ملین ڈالر لگایا گیا ہے۔ یہ اعداد و شمار 1994ء کے اعداد و شمار سے ملتے جلتے ہیں۔ اس سال یعنی 1994ء کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ اس سال اسلامی گروپوں اور حکومتی سیکورٹی فورسز میں تصادم کی فضا بلند ترین تھی۔ اس رپورٹ کے مطابق:

1۔ اسلام پسند گروپوں، مسلح دہشت گرد گروپوں کے 1070 افراد ہلاک ہوئے۔

2۔ سیکورٹی فورسز کے 607 اہلکار قتل ہوئے۔

3۔ 117 آفیسرز مارے گئے۔

4۔ حکومت سے منسلک غیر فوجی مسلح فورسز مثلاً سیلف ڈیفنس گروپس، میونسپل گارڈز وغیرہ کے 131 اہلکار قتل ہوئے۔

5۔ 300 افراد ایسے مارے گئے جن کی شناخت نہ ہو سکی۔

6۔ 6898 عام شہری مارے گئے۔

رپورٹ کے مطابق قتل عام کے 71 واقعات ہوئے ان میں فی واقعہ 4 تا 21 افراد مارے گئے۔ 2000ء کے دوران میں اوسطاً روزانہ 25 الجزائری قتل ہوئے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل کی رپورٹ کے مطابق حکومت نے اس بات کا کوئی جواب نہیں کہ زیر حراست 4000 سے زیادہ افراد کیسے غائب ہوئے ہیں۔ مبصرین کا خیال ہے کہ نظر بندی کیمپوں سے اتنے زیادہ افراد کے غائب کرنے میں خفیہ ایجنسیاں ملوث اور ذمہ دار ہیں۔ فرانس میں مقیم ایک الجزائری بزنس مین یعث نصر اللہ جو 1997ء کے قتل عام کے ایک بڑے واقعہ میں زندہ بچ گیا تھا، نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ سیکورٹی فورسز سے وابستہ قاتل دستہ (death squad) دارالحکومت الجزائر کے مضافات میں بن طلحہ قصبہ کے قتل عام میں ملوث تھا۔ اس قتل عام میں یکم ستمبر کی رات کو 400 آدمی مارے گئے تھے۔ قتل عام کے وقت فوج بھی وہاں موجود تھی اور اس نے راستوں کی ناکہ بندی کر رکھی تھی تاکہ مقتولوں کے رشتہ دار انہیں بچانے کے لئے نہ پہنچ سکیں۔ 5 گھنٹوں کے قتل عام کے دوران فضا میں فوجی ہیلی کاپٹر گھومتا رہا۔ جب قاتل کام مکمل کر چکے تو ہیلی کاپٹر بھی اور فوجی بھی غائب ہو گئے۔ نصر اللہ کا کسی اسلام پسند گروپ سے کوئی تعلق نہیں، اس کی تصدیق مغربی میڈیا نے بھی کی ہے۔ یاد رہے کہ الجزائر میں خون ریزی کا سلسلہ اسلامک سالویشن فرنٹ کی انتخابات میں واضح جیت کے بعد انتقال اقتدار سے قبل ہی جنوری 1992ء میں فوجی بغاوت کے بعد شروع ہوا۔ خونریزی کے اس سلسلہ میں کم از کم ایک لاکھ افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور بعض رپورٹوں میں یہ تعداد دو لاکھ بتائی جاتی ہے۔ اس قتل عام کے ذمہ دار امریکہ و یورپ ہیں جنہوں نے اسلامی حکومت کا قیام روکنے کے لئے فوجی بغاوت اور سرکاری سرپرستی میں قتل عام کی حمایت کی ہے۔

الجزائر میں زبردست مظاہرے اور تصادم ۸ پولیس اہلکاروں سمیت ۱۵۰ افراد ہلاک

اسلامک سالویشن فرنٹ کو کالعدم قرار دینے اور ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد پورے الجزائر میں مظاہرے اور فوج و پولیس کیساتھ تصادم میں زبردست اضافہ ہو گیا ہے۔ پولیس اور فوج سے جھڑپ میں چند دنوں میں ۱۵۰ افراد ہلاک ہو چکے ہیں کل ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد سے اب تک ۸ پولیس، اہلکار ہلاک ہو گئے۔ پولیس اہلکاروں کو مسلح افراد نے دارالحکومت جزیرہ کے قدیم مقام قصبہ میں گولیوں سے ہلاک کر دیا جبکہ دو پولیس اہلکار کو جو اپنی گاڑیوں میں گشت پر تھے فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ حکام کا کہنا ہے کہ افغانستان کی جنگ میں حصہ لینے والے الجزائری باشندے حرکت میں آ گئے ہیں اور وہ حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کو ہوا دے رہے ہیں۔ سالویشن فرنٹ کی انتخابات میں کامیابی کو کالعدم کرنے کے بعد گزشتہ روز فرنٹ کو بھی کالعدم قرار دیا گیا ہے اور اس کے سینکڑوں کارکنوں اور اہم لیڈروں کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ دو روز قبل ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد فرنٹ کی جانب سے ملک گیر احتجاج شروع ہو گیا ہے۔ فوج کی حمایت یافتہ بوضیاف کی حکومت اس احتجاجی تحریک کو بزور قوت کچلنے کی کوشش کر رہی ہے تاہم فی الحال صورت حال قابو سے باہر ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ فرنٹ نئے سرے سے انتخابات کا مطالبہ کر رہا ہے جبکہ اب اس بات کا امکان بالکل ختم ہو چکا ہے کہ آئندہ انتخابات میں فرنٹ کو حصہ لینے دیا جائے۔ الجزائری حکام کو سب سے زیادہ پریشانی مساجد کے پیش اماموں اور نمازیوں سے ہے جن کی اکثریت فرنٹ کے ساتھ ہے اور ہر جمعہ کو نماز کا اجتماع سالویشن فرنٹ کا اجتماع بن جاتا ہے۔ حکومت نے اب تک ۶۰ سے زائد مساجد کے امام گرفتار کر لئے ہیں اور متعدد بڑی مسجدوں میں تالے لگا دیئے گئے ہیں تاہم حکومت کی اس کاروائی نے فرنٹ کی حمایت میں کمی کے بجائے اضافہ کر دیا ہے جبکہ حکومت کی مخالفت میں بدستور اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ فرنٹ کے علاوہ دوسری سیاسی پارٹیوں نے بھی ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ پر کڑی تنقید کی ہے۔

الجزائر میں مظاہرین پر فوجی ہیلی کاپٹر کی فائرنگ۔15افراد ہلاک

اجزائر کے مشرقی شہر بتنہ میں فوج نے مظاہرین پر ہیلی کاپٹر سے گولیاں برسا کر ۱۱۵فراد کو ہلا کر اور درجنوں کو زخمی کر دیا۔ اسلامی نجات پارٹی کے حامی عدالت کی جانب سے مسجد کے امام کو سزا سنائے جانے کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ حکام کا کہنا ہے کہ ایک عالم کو عوام کو اکسانے کے الزام میں دو ماہ قید کی سزا سنائی گئی تھی جس پر عدالت کے باہر موجود ایک ہجوم مشتعل ہو گیا اور اس نے سیکورٹی فورس پر فائرنگ اور پتھراؤ کیا الجزائر کے ایک اور شہر قسطنطنیہ سے بھی جھڑپوں کی اطلاعات ملی ہیں پولیس کے ذرائع نے کہا کہ فائرنگ سے ۱۶افراد ہلاک ہوئے نجات پارٹی کے ترجمان نے کہا ۱۱۴افراد فائرنگ سے ہلاک ہوئے جب کہ فوجی ہیلی کاپٹر کی فائرنگ سے درجنوں زخمی ہوئے اس واقع کے بعد فوج نے شہر بتنہ جانے والے تمام راستے کاٹ دیئے اور شہر میں بکتر بند گاڑیاں تعینات ہیں ادھر الجزائر کے موجودہ سرابرہ نے کہا ہے کہ سیاست کے لئے مذہب کو ہائی جیک نہیں کیا جانا چاہئے۔

الجزائر میں ۳۸مسلمان عسکریت پسندوں کو سزائے موت

مانیٹرنگ ڈیسک الجزائر کی ایک عدالت نے ۳۸مسلمان عسکریت پسندوں کو موت کی سزا سنائی ہے ان کے خلاف گزشتہ اگست میں الجزائر کے ہوائی اڈے پر بم چلانے کا الزام تھا۔ وائس آف امریکہ کے مطابق ملزموں میں سے بارہ عدالت میں موجود تھے

باقی ۳۶ملزموں کے خلاف ان کی غیر حاضری میں مقدمہ چلایا گیا اور انہیں قصوروار گردانا گیا مقدمات کی سماعت ایک خصوصی ٹریبونل نے کی بم پھینکنے اور تشدد کی دوسری وارداتوں کی بناء پر مزید ۱۱۳افراد کو ایک تا بیس سال قید کی سزائیں دی گئی ہیں تین کو بری کر دیا گیا ہوائی اڈہ پر بم کے دھماکے سے نو افراد ہلاک اور ۱۲۰سے زیادہ زخمی ہوئے تھے یہ الجزائر کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوششوں میں انتہائی خون ریز کوشش تھی۔

قتل عام جاری

رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی الجزائر میں قتل عام میں اضافہ ہو گیا مختلف واقعات کے دوران اس ماہ تقریباً ۱۲۰۰۰ افراد کو قتل کیا گیا۔ جن میں زیادہ تر معمر لوگ "عورتیں اور بچے شامل ہیں ان میں اکثر کو خنجروں سے ذبح کیا گیا۔ الجزائر کی موجودہ حکومت اسلامک سالویشن فرنٹ نامی جہادی تنظیم پر الزام عائد کرتی ہے کہ یہ قتل عام مذکورہ تنظیم کرا رہی ہے۔ جبکہ تنظیم کا دعویٰ ہے کہ ان واقعات کے پیچھے حکومت کا ہاتھ ہے جس کا مقصد مجاہدین کو بدنام کر کے ان کو مٹانے کے لئے ہر حربہ جائز قرار دینا ہے۔ الجزائر میں اس وقت سے خانہ جنگی جاری ہے جب ۱۹۹۲ء میں اسلامک سالویشن فرنٹ کو انتخابات میں بھاری کامیابی حاصل کرنے کے باوجود حکومت سے محروم رکھا گیا۔ اس دوران اب تک تقریباً ۶۵۰۰۰ افراد ہلاک ہوئے ہیں۔ موجودہ حکومت اصل مقصد سے ہٹ کر اس بات کی طرف دنیا کی توجہ مبذول کرانا چاہتی ہے کہ اسلامک سالویشن فرنٹ کو کس طرح ختم کیا جا سکے۔

ٹائم لکھتا ہے" اسلام کے احیاء کے لئے لڑنے والے مجاہد کہلاتے ہیں اور اپنے مرنے والوں کو شہید کا نام دیتے ہیں۔ وہ حکومت کی فوجوں کو نفرت سے "حرکس" کہتے ہیں۔

۲۳ سالہ عبدالرحمٰن جو اس سال mia کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس کے والد عمار اینٹوں کا کاروبار کرتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ الجزائر سے ۳۰ کلو میٹر دور بن زرگاہ میں رہائش پذیر ہیں۔ بیٹے کی شہادت کے موقع پر عمار نے کہا۔۔۔

"میں فرانس کے خلاف تحریک آزادی کے دوران مجاہدین کو رقم فراہم کرتا تھا۔۔۔ ہم ایک اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے، لیکن nlf نے اس کے بجائے ہمیں سوشلزم اور سیکولرازم دیا۔"

"خوف" وہ مشترکہ جذبہ ہے جو تمام الجزائریوں میں مشترک ہے۔ الجزائر یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جو fis کے ایک سرگرم کارکن ہیں۔ وہ حکومت کی طرف سے انتقام کے خطرے کے پیش نظر اپنا نام بتانے سے گریزاں تھے۔۔۔۔ پروفیسر صاحب کو اپریل میں سیکورٹی افواج نے زبردست تشدد کا نشانہ بنایا۔ تشدد سے ان کے ہاتھوں اور ٹانگوں کی جلد پر گہرے نیلے اور سرخ رنگ کے نشان پڑ گئے تھے۔

بے پناہ تشدد کے بعد پروفیسر صاحب کو ایک ماہ تک گرفتار رکھا گیا اور اس دوران وہ دن رات لوگوں کی چیخیں سنتے رہے۔ ”اس وقت تک مجھے معلوم نہ تھا کہ نسوانی مصائب کیا ہوتے ہیں۔ انہوں نے ایک شخص کو بیت الخلا میں پھینک دیا۔ پانچ دن بعد ہم نے دیکھا کہ وہ مر چکا تھا۔ محافظوں نے بتایا کہ مرنے والا فوجی تھا جو فرار ہو گیا تھا۔ اس کے کپڑے خون سے لت پت تھے۔ اور یہ ممکن نہ تھا کہ اس کی کسی طرح مدد کی جا سکتی۔“

* * *

باب نمبر 7

برما میں مسلمانوں کا لرزہ خیز قتل

برما میں مسلمانوں کی حکومت

برما جنوب مشرقی ایشیا میں دو لاکھ ۶۲ ہزار مربع میل پر مشتمل ایک بدھسٹ ملک ہے جہاں ۷۸۸ء سے مسلمان آباد ہیں۔ وفاق برما کے زیر انتظام ریاستوں میں مسلم اکثریتی صوبہ ''اراکان'' ہے جہاں ستر فیصد مسلمان آباد ہیں جس کا برما سے کوئی زمینی راستہ نہیں ہے۔ کوہ ہمالیہ کا بلند و بالا پہاڑ اراکان یوما طویل حد فاصل ہے، اس صوبہ ''اراکان'' کے مغرب میں بنگلہ دیش، شمال میں چین پہاڑوں کا سلسلہ اور جنوب میں خلیج بنگال واقع ہے۔ اراکان کا رقبہ تقریباً سولہ ہزار کلومیٹر اور آبادی چالیس لاکھ ہے یہاں آٹھویں صدی عیسوی کے اوائل تک اسلام کی روشنی پھیل چکی تھی، گویا ایک ہزار دو سو چار سال سے یہاں مسلمان آباد ہیں۔ پندرہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک اراکان میں مسلمانوں کی حکومت رہی ہے۔ اٹھارہویں صدی کے اوائل میں اس پر برما نے قبضہ کرلیا اور انیسویں صدی کے اوائل میں انگریز نے برما سمیت اراکان کو بھی قبضہ کر کے فرقہ وارانہ فسادات شروع کروادیے۔ ۱۹۴۲ء میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا، عالم انسانیت کے لئے تاریکی اور مسلم دنیا کے لئے بدترین یادگار ہے۔ جس میں لاکھوں مسلمان متاثر ہوئے اور چار سو مسلم بستیاں تباہ ہوئیں۔ اور ستر ہزار سے زائد مسلمان شہید کیے گئے یہ ایک قومی فساد تھا کیونکہ اس وقت وہاں کوئی حکومت نہ تھی۔

مسلمانوں پر ظلم وستم کی ابتداء

مورخہ ۴؍ جنوری ۱۹۴۸ء کو برما آزاد ہوا۔ تو انگریزوں نے اراکان کو برما کے ساتھ الحاق کر کے مسلمانوں کو بدھ مت والوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ اس طرح مسلمانوں پر ظلم وستم کے ایک نئے دور کا آغاز برمی حکومت کی سرپرستی میں شروع ہوا۔ جسے ۱۹۶۲ء کے جنرل ”نے ون“ کے سرخ انقلاب نے ناقابل برداشت بنا دیا اور فوجی حکمرانوں کے ظلم وستم اور بربریت سے تنگ آ کر مسلمانان اراکان ہجرت پر مجبور ہوئے۔ آج اراکان کے مسلمان مختلف ممالک میں جو دربدری کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ اسی ناقابل برداشت ظلم وستم کا نتیجہ ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بلا ضرورت وبغیر مجبوری اپنا وطن چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ تو اراکان (برما) جیسے زرخیز علاقے کو خوشی سے چھوڑ کر دربدری کی زندگی گزارنے پر کون راضی ہو سکتا ہے؟ ہاں جب ظلم وبربریت حد سے تجاوز کر جائے اور قوت برداشت جواب دے جائے تو انسان جنگ پر آمادہ ہو جاتا ہے اگر ممکن ہو۔ ورنہ نقل مکانی پر مجبور ہو جاتا ہے۔

گزشتہ چالیس پینتالیس سال سے عموماً اور ۱۹۶۲ء سے خصوصاً غاصب برمی فوج نے ظلم و بربریت کا جو بازار گرم کر رکھا ہے اور برمی بدھسٹ فوج گھروں میں گھس کر جوانوں، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کو بلا تمیز پکڑ لیتی ہے۔ فحش گالیوں سے ظلم کا آغاز ہوتا ہے تھپڑ، ڈنڈے اور بندوقوں کی سنگینوں کا استعمال وحشیانہ طریقے سے کیا جاتا ہے۔ عورتوں کی بے حرمتی اور جوان مسلمان لڑکیوں کی آبروریزی کے واقعات عام ہیں۔ برمی بدھسٹ فوج گھروں میں کوئی قیمتی چیز نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ گھڑیاں بھی اتار لیتی ہے قرآن مجید محفوظ جگہوں سے اٹھا کر پھینک دیتی ہے ان کے اوپر اپنے گندے پاؤں رکھ کر کھڑی ہو جاتی ہے اور احتجاج کرنے والوں کو احتجاج کرنے سے پہلے ہی بعض وقت گولی مار دی جاتی ہے مسجدوں میں نماز پڑھنے والے نمازیوں پر لاٹھی چارج کرتی ہے برمی فوجیوں کے اس ظلم وستم و بربریت کو دیکھ کر کیا عالم اسلام پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اراکان کے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے آگے بڑھے؟

کیا عالم اسلام پر اراکانی روہنگیا مسلمانوں کا یہ حق نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں سے تعاون کی اپیل کریں؟ اس میں شک نہیں کہ عالم اسلام پر یہ فرض عین ہے کہ وہ اس وقت اسلام کی سربلندی اور آزادی کی خاطر جہاد کرنے والے اراکانی مسلمانوں کے ساتھ شانہ بشانہ

کھڑے ہو جائیں اور غاصب بدھسٹ برمی فوجوں کے خلاف میدان جہاد میں کود پڑیں۔ یہ اس لئے کہ اراکان کے روہنگیا مسلمانوں نے اس جہاد کا آغاز کسی ذاتی غرض یا دنیاوی مفاد کے حصول کے لئے نہیں بلکہ اسلام کی سربلندی کے لئے کیا ہے۔ اراکان میں اس وقت اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ قرآن مجید اور مسجدوں کی بے حرمتی کی جارہی ہے۔ اس وقت اراکان (برما) میں صرف مسلمان ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت نہیں لوٹی جارہی، بلکہ قرآن مجید اور حدیث رسولؐ کی بھی بے عزتی کی جارہی ہے۔ حیرت ہے عالم اسلام کی اس بے حسی پر کہ اراکان میں برمی بدھسٹوں کا ظلم وستم اپنے آخری حدوں کو چھو رہا ہے لیکن اب تک عالم اسلام نے ان کے خلاف نہ تو کوئی انتہائی قدم اٹھایا ہے اور نہ ہی برما سے صحیح احتجاج کیا ہے۔ تعجب ہے کہ عالم اسلام یہ اقدام تک نہیں کرسکا کہ قرآن مجید اور حدیث رسولؐ کی بے حرمتی کرنے والے بدھسٹ حکومت برما کے ساتھ تجارتی اور سفارتی تعلقات ختم کرنے کا اعلان کرے۔

ایک طرف صورت حال یہ ہے کہ اراکان (برما) کشمیر اور دیگر مسلم اقلیتوں پر ہونے والے مظالم پر تمام کافر ممالک اپنی آنکھیں بدستور بند کئے ہوئے ہیں۔ وہ ممالک جو اپنے آپ کو انسانیت کا چیمپئن قرار دیتے ہیں ان کی زبانیں اراکان اور کشمیر و دیگر مسلم اقلیت کے بارے میں گنگ ہیں۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔ لیکن دوسری طرف مسلمانان عالم خواب کی لمبی چادر تان کے سوئے ہوئے ہیں کہ بیداری کی لہر ابھی تک ان میں پیدا نہیں ہورہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اراکان، کشمیر، فلسطین اور دیگر مسلمان اقلیت جہاد کے پروگرام کو لے کر دین اسلام کی سربلندی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور تمام تر مصائب و مشکلات صرف اور صرف اسلام کی خاطر برداشت کررہے ہیں۔ وہ تمام کے تمام میدان جہاد میں کود پڑے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے شہادت کی موت قبول کررہے ہیں۔ ان کا ارمان اسلام کو سربلند دیکھنا اور کافروں سے آزادی حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نصرت مجاہدین کے ساتھ شامل حال ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی محنت کا ثمر دکھادے گا لیکن مسلمانان عالم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دیں گے کہ انھوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ تعاون کیوں نہیں کیا۔

ارکانی مسلمانوں پر کئے جانے والے مظالم پر ایک سرسری نظر

(۱)...... جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ مسلمان اراکان میں بارہ سو سال سے آباد ہیں تاریخ کے صفحات اس کے گواہ ہیں اس کے باوجود برما کی ظالم بدھسٹ حکومت مسلمانوں کو وہاں کے شہری تسلیم کرنے اور انہیں شہری حقوق دینے کے لئے تیار نہیں۔ انہیں غیر ملکی سمجھا اور کہا جاتا ہے۔

(۲)...... مسلمانوں کی نقل و حمل پر پابندی ہے ایک شہر سے دوسرے شہر بغیر پاس کے نہیں جاسکتے، ارکانی مسلمانوں کو دارالحکومت "رنگون" جانے کی عام اجازت نہیں ہے۔

(۳)...... کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مسلمان طلباء کا داخلہ آسانی سے نہیں ہوتا اس لئے مسلمان تعلیمی اعتبار سے بھی پسماندہ ہیں۔

(۴)...... سرکاری ملازمین میں مسلمانوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں کسی اہم عہدے پر کسی مسلمان کے فائز ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۵)...... ۱۹۶۲ء کے سرخ انقلاب نے خاص طور پر مسلمانوں کو معاشی اور اقتصادی طور پر بالکل مفلوج کر کے رکھ دیا۔ مسلمان وہاں کی معیشت پر چھائے ہوئے تھے کارخانے اور دکانیں زیادہ تر مسلمانوں کی تھیں یہ سب چیزیں قومیالی گئیں، رہی سہی کسر سو اور پچاس کے نوٹ منسوخ کر کے پوری کر دی۔ نوٹ کئی دفعہ منسوخ کئے گئے، زمینیں مسلمانوں سے چھین کر سکھوں کو دے دی گئیں۔

(۶)...... زمین کی پیداوار (دھان) کا مقرر کردہ حصہ معمولی قیمت پر حکومت کو فروخت کرنا پڑتا ہے پیداوار ہو یا نہ ہو ہر صورت میں حکومت کا حصہ دینا پڑتا ہے۔ لیکن جب چاول کی قلت پیدا ہو جاتی ہے تو مسلمانوں کو مہنگے داموں بھی چاول فروخت نہیں کئے جاتے۔

(۷)...... فوجی اور ان کے کارندے بازاروں اور دکانوں سے پسندیدہ چیز بلا قیمت اٹھا کر لے جاتے ہیں گھروں سے مرغیوں کا لے جانا تو معمول کی بات ہے۔

(۸)...... پہاڑوں کے اندر دسیوں میل دور فوجی چھاؤنیوں تک رسد اور دوسرے سامان لے جانے کے لئے مسلمانوں کو بطور قلی استعمال کیا جاتا ہے بسا اوقات اس میں ہفتوں لگ جاتے ہیں۔ اجرت تو دور کی بات ہے۔ پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں دیا جاتا۔ جو لوگ نان

شبینہ کے محتاج ہوتے ہیں اگر ایسے لوگوں کو لے جایا گیا تو ان کے بیوی بچے فاقے کرنے اور بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

(۹)...... قلی کے لئے اگر کسی بستی سے مرد نہ مل سکے تو باپردہ خواتین کو قلی بنا کر اور ان کے سروں پر سامان رکھ کر لے جایا جاتا ہے۔ کیا دنیا اس کی نظیر پیش کر سکتی ہے۔

(۱۰)...... دینی مدارس کے طلباء، وعلماء کی توہین وتذلیل کی جاتی ہے اور انہیں بھی قلی بنا کر لے جایا جاتا ہے۔

(۱۱)...... مساجد اور مدارس میں سخت پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں ان کے اخراجات کی تفصیل دینی پڑتی ہے اور طلباء کو داخلہ دینے یا خارج کرنے کے لئے مقامی حکام سے اجازت لینی پڑتی ہے آئے دن مدارس کی انکوائری ہوتی رہتی ہے۔

(۱۲)...... ایک بڑی جامع مسجد جو تبلیغ کا مرکز بھی تھی سیل کر دی گئی ہے۔

(۱۳)...... سال دو سال بعد آپریشن اور انکوائری کے بہانے مسلمانوں کی بستیوں کا محاصرہ کیا جاتا ہے، فوجی خوب لوٹ مار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ عورتوں کی آبروریزی بھی کرتے ہیں اگر اعلیٰ حکام سے شکایت کی جائے تو الٹا مقدمہ درج کر لیا جاتا ہے۔

(۱۴)......۱۹۷۸ء کا آپریشن نہایت تکلیف دہ ناقابل برداشت اور جان لیوا ثابت ہوا جس میں تین ہزار سے زائد مسلمان ہلاک ہوئے بے شمار عورتوں کی عصمت دری کی گئی اور تین لاکھ سے زائد مسلمان بنگلہ دیش پناہ لینے پر مجبور ہوئے جس سے پوری دنیا واقف ہے۔

(۱۵)...... مسلمانوں کی زمین پر سکھوں کی بستیاں بسائی جا رہی ہیں اور تعمیر کا کام مسلمانوں سے بیگار کے طور پر لیا جا رہا ہے۔

(۱۶)...... مسلمانوں کو مختلف الزامات کے تحت گرفتار کر کے ان پر بے پناہ تشدد کیا جاتا ہے تشدد کی تاب نہ لا کر بہت سے ہلاک ہو جاتے ہیں اور بہت سے ناکارہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے مسلمانوں کو غائب کر دیا گیا، یہ ظلم کی چند صورتیں ہیں۔ براہ کرم مسلم ممالک کے سربراہ برما کے مظلوم مسلمانوں کے حالات پر توجہ فرمائیں۔

اراکان میں کئی صدی تک مسلمانوں کی حکومت رہی ہے چنانچہ ذیل میں اراکان کے مسلم بادشاہوں کے نام دیئے جارہے ہیں

نمبر	نام	عرصه
(۱)	سلیمان شاہ	۱۴۰۴_۱۴۳۴ء
(۲)	علی خان	۱۴۳۴_۱۴۵۹ء
(۳)	کلمہ شاہ	۱۴۵۹ء_۱۴۸۲ء
(۴)	منکو شاہ	۱۴۸۲ء_۱۴۹۱ء
(۵)	محمد شاہ	۱۴۹۱_۱۴۹۳ء
(۶)	نوری شاہ	۱۴۹۳_۱۴۹۴ء
(۷)	شوق موقدول	۱۴۹۴_۱۵۰۰ء
(۸)	علی شاہ	۱۵۰۹_۱۵۱۳ء
(۹)	جلال شاہ	۱۵۱۳_۱۵۱۵ء
(۱۰)	لال شاہ آزاد	۱۵۱۵_۱۵۲۱ء
(۱۱)	الیاس شاہ	۱۵۲۳_۱۵۲۵ء
(۱۲)	علی شاہ	۱۵۲۵_۱۵۳۱ء
(۱۳)	سلطان زبوک شاہ	۱۵۳۱_۱۵۵۳ء
(۱۴)	سکندر شاہ	۱۵۷۱_۱۵۹۳ء
(۱۵)	سلیم شاہ	۱۵۹۳_۱۶۱۲ء
(۱۶)	حسین شاہ	۱۶۱۲_۱۶۲۲ء
(۱۷)	سلیم شاہ	۱۶۲۲_۱۶۳۸ء

۱۹۴۲ء کا مسلم کش فساد

جاپان کے قبضے کے دوران میں بدھوں نے ۱۹۴۲ء میں اراکان میں اور برما کے بقیہ علاقوں میں وہاں کے مقامی بدھوں نے مسلمانوں کا زبردست قتل عام کیا۔ حکومت ناکام تھی کوئی فسادات کو روکنے والا نہ تھا۔ مگھوں کی یہ خواہش تھی کہ چاول اور دیگر نعمتوں سے مالا مال علاقے اراکان سے مسلمانوں کا وجود ختم کر کے مکمل بدھ علاقہ بنایا جائے۔ چنانچہ ۱۹۴۲ء میں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور پانچ لاکھ بے گھر کر دیئے گئے۔

ان حالات سے تنگ آ کر بنگال کے مشرقی علاقہ بریسال، دیناج پور، رنگپور اور چاٹگام میں جا کر مسلمان پناہ گزین ہوئے۔ ان مسلمانوں کی املاک پر مگھ بدھوں نے قبضہ جما لیا۔

اس بربریت اور مسلم کش تحریک کی قیادت بدھوں کی متعصب جماعت ''تھاکن'' کے قائد اوچو کھائیں نے کی۔ اس نے مقامی بدھ مگھوں کو اسلحہ اور گولہ بارود مہیا کیا اور منظم طریقے سے مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔

برما میں جاپانیوں کے قبضے کے دوران میں بہت سے ہندوستانی یہاں سے بھاگ نکلے۔ کیونکہ برمی سپاہ آزادی جس کی قیادت بورین آنگ کر رہا تھا، نے آزادی کے نام پر زبردست لوٹ مار کی۔ مسلمانوں کی جان و مال، عزت و عصمت غرض کچھ بھی محفوظ نہ رہا۔ ہجرت کر کے جانے والوں کی اکثریت کو راستے میں ہی شہید کر دیا گیا اور بہت کم لٹے پٹے قافلے ہندوستان پہنچ سکے۔

۴۰ ہزار برمی جنگلوں میں پڑے ہیں

روزنامہ جنگ کراچی نے ۲۸/اپریل ۷۸ء کو خبر دی کہ ''اکیاب اور اراکان سے نکالے ہوئے ۴۰ ہزار برمی مسلمان جنگلوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں اور فاقوں کا شکار ہیں۔ ان مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ عورتوں کو بے آبرو کیا گیا اور ان کو مہلک ہتھیاروں سے زخمی کیا گیا اور ان کے گھر بار لوٹ لئے گئے۔ اب تک سینکڑوں مسلمان وحشیانہ کارروائیوں کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکے ہیں۔ اور بنگلہ دیش کی سرحدیں بند ہو جانے کے بعد

واپس جانے والے برمی (اراکانی) مسلمانوں کو اپنے گھروں میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ مسلمان جنگلوں میں پڑے ہوئے ہیں اور ان میں عورتیں، بچے اور مرد زخمی ہیں۔''

زمیندار دانہ دانہ کا محتاج ہو گیا

ہانگ کانگ کے ہفت روزہ فار ایسٹرن اکنامک ریویو کے ڈھاکہ کے نامہ نگار نے اطلاع دی کہ ''ایک کیمپ میں اس کی ملاقات ۷۵ برس کے بوڑھے سلطان احمد سے ہوئی۔ وہ پچھلے سال تک اپنے وطن میں ایک خوش حال زمیندار تھا۔ پچھلے سال اس کی زمینوں پر ایک ہزار ٹن چاول پیدا ہوا تھا۔ مگر آج وہ اپنے خاندان کے ۱۸۰ افراد کے ساتھ دانے دانے کو محتاج ہے۔ اس کے ۳۰ سالہ بیٹے شمس العالم کو برمی پولیس نے اغوا کر کے قتل کر دیا۔

مسلمانوں سے دھوکہ

ایک کارروائی ۱۲ر فروری ۱۹۸۱ء کو جزیرۂ پاتا اور سلولو میں کی گئی۔ اس جزیرے کے باشندوں نے ہتھیار ڈال دیئے لیکن انہیں معاف نہ کیا گیا۔ فوجی سپاہیوں نے ان کا قتل عام کیا۔ حکومت نے اس جزیرے میں اپنے فوجی دستے اس لئے بھیجے تھے کہ وہ ہتھیار پھینکنے والوں سے ہتھیار واپس لے لیں، لیکن جونہی وہ لنگر انداز ہوئے انھوں نے اہالیان جزیرہ پر جن میں زیادہ تر وہ شہری تھے، جنہوں نے اطاعت قبول کر لی تھی، وحشیانہ کارروائیاں شروع کر دیں۔ مردوں کو قتل کرنے کے علاوہ عورتوں کی آبروریزی کی، رہائش گاہوں کو جلا دیا اور مساجد کے اندر کتوں کو ہلاک کیا، لوگوں کو بہلا پھسلا کر ایک جگہ جمع کیا گیا اور پھر ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا۔

ظلم کی داستان

برما نے انگریزی استعمار سے نجات کے لئے جو جدوجہد کی مسلمانوں نے اس میں بھرپور حصہ لیا اسی بنیاد پر آزادی کے بعد انہیں یقین تھا کہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہونے کے ناطے وہ آزادی کی نعمتوں سے پوری طرح بہرہ ور ہوں گے لیکن مسلمانوں کی یہ خوش فہمی جلد ہی

دور ہو گئی مسلمانوں کے قتل عام کا سلسلہ 1937 ء سے شروع ہوا 1942 ء میں یہ وحشیانہ عمل اپنی انتہا کو پہنچ گیا اور پورے ملک میں ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں کو بے دردی اور بے رحمی سے قتل کر دیا گیا اس بربریت اور قتل عام کی قیادت بدھوں کی متعصب جماعت نکسن پارٹی کے قائد اوجو کھائیں نے کی ان کا نعرہ ہے کہ برما صرف بدھوں کے لئے ہے اس نے مقامی بدھ مگھ قبائلیوں کو اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کیا اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ہزاروں روہنگیا مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ پچاس ہزار سے زائد مسلمان گھربار چھوڑ کر رنگ پور (بنگلہ دیش) کے کیمپوں میں پناہ گزین ہو گئے کچھ عرصہ بعد وہ واپس گئے تو ان کی زمینوں اور جائیدادوں پر مقامی بدھ قبضہ کر چکے تھے۔

1948 ء میں ایک بار پھر مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا حکومتی فوجیوں نے مسلمانوں کو جی بھر کے لوٹا۔ ۳۳ ہزار مسلمان اپنی جانیں بچانے کے لئے بنگلہ دیش میں داخل ہوئے۔ ان کی جائیدادوں پر بھی بدھوں نے قبضہ کر لیا۔

برما کی سوشلسٹ حکومت کے ان بہیمانہ مظالم سے تنگ آ کر برمی مسلمانوں نے مجاہد تحریک شروع کی برما کے مسلح فوجیوں نے سینکڑوں مسلمانوں کے روح وجسم کا رشتہ توڑ دیا۔ ہزاروں گرفتار ہوئے اور متعدد گاؤں جلا دیئے گئے مسلم خواتین اغوا کی گئیں اور برمی فوجیوں نے ان کی بے حرمتی کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن سوشلسٹوں کے ان مظالم پر کسی کا ضمیر بیدار نہ ہوا نہ کسی کی آنکھ سے آنسو بہا، نہ انسانی حقوق کے علمبرداروں نے اس ظلم کے خلاف آواز بلند کی اور نہ مساوات کے راگ الاپنے والوں نے ان مظلوموں کی دادرسی کی۔

1948-49 ء میں برمی فوج نے مسلمانوں کے تین سو دیہات 44 مساجد اور مدرسے جلا دیئے اور دو ہزار دو سو مسلمانوں کو شہید کیا۔

مارچ 1954 ء میں مسلمانوں کے بھرپور احتجاج کے باوجود مسلمانوں کے لئے تنسیخ نکاح کا ایک بل منظور کیا گیا جس کی رو سے بدھ عورتوں کی طرح مسلمان عورتیں بھی اپنے شوہروں کو طلاق دے سکتی ہیں مسلمانوں کی تمام سماجی اور مذہبی انجمنیں توڑ دی گئیں اور مسلمانوں کو انجمن سازی کے حق سے محروم کر دیا گیا۔

عوام پر خونچکاں مظالم

1955ء کے ابتدائی چند ماہ مسلمانوں کے لئے قیامت صغریٰ کا پیغام لے کر آئے اس عرصہ میں برما کی مسلح افواج نے مسلمانوں پر مظالم اور تشدد کی انتہا کر دی مسلمانوں کے متعدد دیہات سے خواتین اور مردوں کو گرفتار کیا گیا اور ان کے گاؤں کو نذر آتش کر دیا ایک روز جب برمی فوجی ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی کی ناپاک جسارت میں مصروف تھے کہنایوں گاؤں کے مسلمانوں انہیں گھیرے میں لے لیا اور مسلم خاتون کو ان کے ظلم سے چھڑانے کی کوشش کی برمی مسلح افواج کے ایک دستے نے عقب سے حملہ کر کے انہیں گرفتار کر لیا۔ اور انہیں جسمانی و ذہنی اذیتیں پہنچائیں۔ فوجیوں نے اس گاؤں کے پچاس بوڑھے مسلمانوں کو حراست میں لے لیا اور انہیں اذیتیں پہنچانے کے بعد شہید کر دیا۔

1967ء میں حکومت برما نے اقتصادی زندگی میں دوررس تبدیلیوں کا اعلان کیا اور تمام زمینیں، صنعتیں اور نجی تجارت قومی تحویل میں لے لی گئیں تمام بنک مارکیٹیں اور دوکانیں ختم کر دی گئیں کسانوں سے مویشی چھین لئے گئے ان تبدیلیوں سے مسلمان خاص طور پر بری طرح متاثر ہوئے اور اقتصادی و معاشی طور پر تباہ ہو کر رہ گئے اسی طرح جولائی 1967ء میں برمی حکومت نے راشن بند کر دیا جس کے نتیجہ میں صوبہ اراکان کے 25 ہزار مسلمان بھوکوں مر گئے۔ مسلمان اقتصادی طور پر بری طرح کچلے گئے ان کی حیثیت غلاموں سے بھی بدتر ہو کر رہ گئی اور انہیں کسی قسم کا قانونی اور معاشرتی تحفظ حاصل نہیں شمالی اراکان کے مسلمان جو کہ روہنگیا کہلاتے ہیں خاص طور پر بڑی مشکل میں گرفتار ہوئے مونگڈ بوتھیڈ نگ، کیوکٹو اور اکیاب کے علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہ اس علاقے میں پانچ سو سال سے آباد ہیں اور برما کے شہری ہیں برما کا یہ الزام کہ یہ غیر ملکی ہیں سراسر غلط ہے اور غیر ملکی جرم میں ایک ہزار خاندانوں کو جیل میں ڈال دیا گیا اسی طرح برما بھر کی جیلوں میں 20 ہزار سے زائد مسلمان اب بھی ایسے ہیں جو پندرہ بیس برس سے ناکردہ گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں۔

1967ء میں 48 ہزار مسلمانوں پر مشتمل 6 ہزار خاندان مشرقی پاکستان دھکیل دیئے گئے وہ سرحد عبور کر کے جب واپس برما پہنچے تو انہیں برمی حکام نے مونگلو کے کنسٹرکشن کیمپوں میں قید کر دیا خوراک نہ ملنے کی وجہ سے چند ایک کے سوا باقی تمام بھوک سے مر گئے۔

مئی 1973ء میں بری فوج نے 28 بے گناہ مسلمانوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا اسی طرح دسمبر 1974ء میں برما کی مسلح افواج نے دو سو خاندانوں کو کشتیوں میں ڈال کر ایک چھوٹے سے جزیرے میں چھوڑ دیا چند دن بعد یہ سب لوگ ڈوب گئے مسلمانوں کی دینی اور مذہبی زندگی پر ہی نہیں سماجی اور معاشرتی زندگی پر بھی سوشلسٹ فوجیوں نے یلغار کر رکھی ہے مسلمان خواتین کی عصمت محفوظ نہیں 1975ء تک ایک لاکھ 22 ہزار سات سو سے زائد مسلمان شہید ہو چکے تھے لاکھوں قرآن مجید کے نسخوں اور مذہبی کتابوں کو نذر آتش کر دیا گیا تھا ایک لاکھ 25 ہزار مسلمانوں کو زبردستی بدھ مت کا پیرو بنا دیا گیا۔

سوشلسٹ حکومت نے اسلامی لٹریچر کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی قرآن پاک اور مذہبی کتب کی اشاعت اور درآمد ممنوع قرار دیدی گئی اور مسلمانوں پر قرآن وسنت کے منافی قوانین زبردستی مسلط کر دیئے گئے۔

اپریل 1978ء سے اب تک 80 ہزار سے زائد مسلمان بری فوجیوں کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں مکانات جلا دیئے گئے 2 لاکھ سے زائد مسلمانوں کو جلاوطن کر دیا گیا مسلمانوں پر ظلم وتشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ 5 لاکھ سے زائد مسلمان پاکستان، بنگلہ دیش، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، برطانیہ، امریکہ، سنگاپور اور دوسرے ممالک میں ہجرت کر گئے۔ فروری 1978ء میں ہزاروں مسلمانوں کو کسی عدالتی کاروائی کے بغیر جیلوں میں ڈالا گیا ان مسلمانوں کی جان ومال عزت وآبرو محفوظ نہیں مسلمانوں کو برما کے دوسرے علاقوں میں آزادانہ سفر کی اجازت نہیں۔ بلکہ یوں سمجھئے وہ صوبہ اراکان کے یرغمالیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دو سال میں مسلمان کا خاتمہ کر دیں

1988ء میں برما کی فوجی انٹیلیجنس کے سربراہ میجر جنرل کن نے کہا تھا کہ وہ دو سال کے اندر اندر تمام باغیوں کا خاتمہ کر دے گا۔ یہ عزم لے کر بری فوج نے ظلم کا آغاز کیا تھا۔ نیوز ویک نمائندہ لکھتا ہے کہ ہر آنے والے مہاجر سے بری فوج کے ظلم وتشدد کی داستان سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ سرحدی قصبے تیکناف کے 45 سالہ عامر حسین کی زبانی بتاتا ہے۔ بری فوج نے میرے سامنے میری (عامر حسین کی) بیوی اور نو عمر بیٹی کی عصمت دری

کی۔ میرا سولہ سالہ بیٹا گرفتار کر کے لے گئے جو تا حال واپس نہیں آیا۔”

نیوز ویک کا نمائندہ لکھتا ہے کہ برما سے ہجرت کر کے آنے والی ہر مسلمان عورت ظلم کی ایسی ہی داستان لئے ہوئے ہے۔ عامر حسین کے بارے میں وہ مزید لکھتا ہے کہ اسے ایک سال کے دوران میں دوبارہ برما واپس جانا پڑا۔ لیکن آئندہ کے بارے میں وہ اس قدر خوف زدہ ہے کہ وہ کہتا ہے۔ برما واپس جانے کے بجائے میں یہاں بھوک سے مر جانا پسند کروں گا۔”

فوجی جنتا مسلمانوں سے ان کے شناختی کارڈ، پاسپورٹ، راشن کارڈ، اور شناخت کے ہر قسم کے کاغذات چھین لیتی ہے تا کہ واپس آنے پر وہ اپنے آپ کو برما کے شہری ثابت ہی نہ کر سکیں۔ نیوز ویک کا نمائندہ لکھتا ہے کہ مہاجرین کی اکثریت ننگے آسمان تلے بکھری پڑی ہے۔ بھوک، سردی، اور بیماریاں موت کا سایہ بن کر ان پر منڈلا رہی ہیں۔

اب آئیں پاکستانی اخبارات کے حوالے سے مختصراً ان رپورٹوں کا بھی تذکرہ کر دیں جو انہوں نے برما کے بارے میں شائع کی ہیں۔

تین فروری کے اخبارات میں آتا ہے کہ برما کے قید خانوں میں خوراک نہ ملنے سے تین سو مسلمان شہید ہو گئے۔ برما کی فوجی جنتا نے قید خانوں میں انہیں خوراک مہیا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

بنگلہ دیش کے اخبار دیانک نے بتایا کہ مرنے والے ان 2500 نوجوانوں میں سے ہیں جنہیں اراکان سے گرفتار کیا گیا تھا۔

5 فروری کو اخبارات میں یہ خبر شائع ہوتی ہے۔

”برما کی سرحدی فوج نے کشتیوں کے ذریعہ فرار ہونے والے مسلمانوں پر فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں 35 افراد ہلاک اور 20 زخمی ہو گئے۔ 75 افراد لاپتہ ہیں۔ ایک تیسری کشتی پر فائرنگ کے نتیجہ میں مزید 20 افراد شہید ہو گئے۔ 60 سالہ سیدہ خاتون نے بتایا کہ اس کے خاندان کے 16 افراد لاپتہ ہیں۔”

بعد میں شائع ہونے والی رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ سرحدی گاؤں یوتھی ڈانگ پر برمی فوج نے حملہ کر کے 50 نوجوانوں کو گرفتار کیا۔ اور فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے انہیں گولیوں سے اڑا دیا۔ قتل عام کے ایک دوسرے بڑے واقعے میں 500 مسلمانوں کے ایک

قافلے کو گھیرے میں لے لیا اور چاروں طرف سے ان پر گولیوں کی بارش کر دی جس سے دو سو مسلمان شہید اور بے شمار زخمی ہوئے۔

مہاجرین کی حالت زار

امریکہ محکمہ خارجہ نے اپنی سالانہ رپورٹ میں برما میں انسانی حقوق کی حالت کو انتہائی افسوس ناک قرار دیا ہے۔ وائس آف جرمنی نے بتایا ہے کہ برمی مسلمانوں سے شناختی کارڈ، پاسپورٹ، جائیداد اور دیگر املاک کے کاغذات چھین کر پھاڑ دیئے گئے ہیں۔ اس طرح ان کی شہریت کے نشانات مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

بنگلہ دیش سے موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق برمی مسلمان مہاجرین کا قحط سے مر جانے کا خطرہ ہے کیونکہ بنگلہ دیش کی حکومت اور عالمی برادری کی طرف سے دی جانے والی امداد بہت ہی کم ہے۔ کاکس بازار کے ایک حکومتی اہل کار نے کہا کہ اس امداد کو ضرورت کے سمندر میں ایک قطرہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ کاکس بازار میں ایک لاکھ پندرہ ہزار مہاجرین پناہ گزین ہیں جن کی تعداد میں روز بروز اضافہ جاری ہے۔ عالمی ادارہ خوراک نے 19 لاکھ ڈالر کی امداد کی منظوری کی ہے۔ اس سے قبل اقوام متحدہ کے کمیشن برائے مہاجرین نے 11 لاکھ ڈالر اور یورپی برادری نے 6 لاکھ 25 ہزار ڈالر کی امداد دینے کا اعلان کیا تھا۔ فرانس کے ڈاکٹروں کے خیراتی اداروں نے 38 ٹن ادویات اور 40 میڈیکل کارکن امداد کے طور پر بھیجے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ انتہائی ناکافی ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ اس قدر ظلم کے باوجود عالمی برادری کی طرف سے برما کی فوجی جنتا کی اسی طرح مذمت نہیں کی جا رہی جس طرح کی جانی چاہیے تھی۔ چین کی طرف سے اسے برابر اسلحہ مل رہا ہے۔ نیوز ویک کے نمائندے کے مطابق چین برما کی فوجی جنتا کو ایک بلین ڈالر کا اسلحہ فراہم کر رہا ہے۔ جس میں چھوٹے ہتھیاروں سے لے کر ٹینک، پٹرول بوٹس اور جیٹ فائٹرز تک شامل ہیں۔

1942ء سے 1991ء

(یعنی ہجرت کے موجودہ سلسلہ سے پہلے تک)

اراکانی مسلمانوں پر مظالم کے اعداد و شمار

1...... آبادیاں جو تباہ کی گئیں۔ 715

2...... مختلف اوقات میں افراد کی تعداد جنہیں ہجرت پر مجبور کیا گیا۔ 1200,000

3...... جو افراد قتل عام میں مارے گئے 1,80,000

4...... آتش زنی کے واقعات۔ 6,700

5...... عصمت دری کے واقعات۔ 2600

6...... عمومی قتل کے واقعات۔ 6000

7...... گرفتاریاں، نظر بندیاں۔ 4500

8...... مساجد، مدارس جو شہید کیے گئے۔ 1975

9...... اسلامی کتب جو جلائی گئیں۔ 7,00,00

10...... اوقاف، ٹرسٹ کی املاک کی ضبطی۔ 6000 ایکٹرز مین

11...... زمین، جائیدادیں جو ضبط کی گئیں۔ اندازہ نہیں

12...... اہم ملازمین جو برطرف کیے گئے۔ 10500

13...... افراد جو لاپتہ ہیں۔ 21500

14...... جن سے بے گار لی گئی ہے۔ 2,50,000

برما میں ایک لاکھ مسلمان عورتوں مردوں اور بچوں کو قتل کردیا گیا

مساجد اور مدارس تباہ، قرآن مجید کے نسخے نذر آتش

عورتوں کی آبرو لوٹ لی گئی

اسلامی سیکرٹریٹ کے نام مولانا ظفر انصاری کا خط

کراچی ۱۵ اپریل (پ ر) برما میں ایک لاکھ مسلمان عورتوں مردوں اور بچوں کو نہایت بے دردی سے قتل کردیا گیا۔ مسلمان عورتوں کی عزت لوٹ لی گئی، متعدد مساجد اور مدارس کو مسمار کردیا گیا اور قرآن کریم کے نسخوں کو نذر آتش کردیا گیا ہے۔ یہ بات پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل اور رابطہ عالم اسلامی کے رکن اور سابق رکن پارلیمنٹ مولانا ظفر احمد انصاری نے اسلامی سیکرٹریٹ کے سیکرٹری جنرل کے نام ایک برقیہ میں کہی ہے۔ انہوں نے اپیل کی ہے کہ برما کی مسلمان اقلیت کا مسئلہ اسلامی کانفرنس اور اقوام متحدہ میں اٹھایا جائے۔ ڈاکٹر کریم گایا کے نام برقیہ میں مولانا ظفر احمد انصاری نے کہا کہ برما کی ۳۰ لاکھ مسلمان آبادی میں ۱۵ لاکھ افراد صرف ضلع اکیاب میں رہتے ہیں، جو صوبہ ارکان کا حصہ ہے اور بنگلہ دیش کی سرحد سے قریب ترین ہے۔ وہاں ان کی زندگی خوف و دہشت اور دھمکیوں کے سبب عذاب بن چکی ہے۔ گزشتہ فروری میں تقریباً ایک لاکھ مردوں عورتوں اور بچوں کو یا تو قتل کردیا گیا یا انہیں پناہ گزینوں کے کیمپوں میں رہنے پر مجبور کردیا گیا ہے۔ جہاں ان پر تشدد کیا جاتا ہے۔ اور عورتوں کی عزت لوٹ لی جاتی ہے۔ انہوں نے اپیل کی ہے کہ اس معاملے کو ڈاکر میں ہونے والی اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں اٹھایا جائے۔ اور مسلمانوں کو ظلم و تشدد اور نیست و نابود ہونے سے بچایا جائے۔ اقلیتی مسلمانوں کی نگاہیں اسلامی کانفرنس کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اس سلسلے میں اگر ضرورت ہو تو اس مسئلہ کو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے کمیشن میں بھی لے جایا

جائے۔ اور برما کی حکومت سے کہا جائے کہ وہ مسلمانوں کے قتل عام اور تباہ کاری کو فوراً بند کرے۔ (روزنامہ امن ۱۶ اپریل ۱۹۷۸ء بروز اتوار)

برمی فوج نے ایک سو مسلمانوں کو مشین گن سے بھون ڈالا

”بنگلہ دیش کی سرحد پر وحشیانہ فائرنگ سے سینکڑوں مسلمان زخمی، راستہ روکنے والے بنگلہ دیشی فوجیوں نے لرزہ خیز مظالم سے متاثر ہو کر اپنی بندوقوں کا رخ برمی فوج کی جانب موڑ دیا، فائرنگ سے تین برمی فوجی ہلاک باقی بھاگ کھڑے ہوئے، فرانسیسی نامہ نگار کا آنکھوں دیکھا حال“

برمی فوج نے ۱۶ عورتوں کو سینے کاٹ کر خنجر گھونپ کر ہلاک کر دیا

برما بدھ آبادی کے فوج کے ساتھ ملکر نہتے مسلمانوں پر حملے

ڈھاکہ (خصوصی رپورٹ) برما میں مسلمانوں پر جاری مظالم میں اچانک اضافہ، فوج بدھ راہبوں کے ساتھ مل گئی۔ چھ دیہاتوں کا گھیراؤ کر کے دو ہزار مسلمانوں کو شہید و زخمی کر دیا گیا۔ تفصیلات کے مطابق بنگلہ دیش کے ساتھ واقع ملک برما میں مسلمانوں پر مظالم میں اچانک اضافہ ہو گیا۔ برما کی حکومت جس نے قانوناً مسلمانوں کو ملک کی شہریت سے محروم کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کا قتل عام کروا رہی ہے۔ گزشتہ ہفتے فوج کی طرف سے فراہم کیے گئے اسلحہ کے ساتھ ملک کے بدھوں نے مسلم آبادیوں کا گھیراؤ کر لیا۔ مسلمان جو کہ کچی جھونپڑیوں میں رہ رہے ہیں کے پاس دفاع کے لئے کچھ نہ تھا بدھوں نے جس کی قیادت ان کے راہب کر رہے تھے فوج کی نگرانی میں آئے اور مسلمانوں کے دیہاتوں کا گھیراؤ کر کے انہیں خودکار ہتھیاروں سے موت کے گھاٹ اتارنے لگے۔ بدھوں کے اچانک حملے کی وجہ سے ہر طرف افراتفری مچ گئی اور مسلمان اپنی جانیں بچانے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ بدھ جو جدید اسلحہ سے لیس تھے مسلمان عورتوں، بچوں کو بلا تفریق موت کے گھاٹ اتارنے لگے۔ بدھوں نے اس

دوران مسلمانوں کی جھونپڑیوں کو آگ لگادی اور ان کے گھروں کا سارا سامان لوٹ لیا گیا۔ مذکورہ واقعہ برما کے قصبے مالے فارا میں پیش آیا۔ مذکورہ واقعہ کے دوران فوج اور پولیس کے اہلکار جائے وقوع پر موجود رہے اور انہوں نے بدھوں کو حملہ کرنے اور قتل عام سے بالکل نہ روکا۔ یاد رہے کہ مسلمان برما کی کل آبادی کا 20 فیصد ہیں جن میں سے ان کی نصف آبادی اراکان میں رہائش پذیر ہے۔ برما کی حکومت نے 1994ء میں 3 لاکھ مسلمانوں کو مار کر ملک سے نکالا تھا اس کے بعد 199۸ء میں مسلمانوں کو نکالا گیا تھا۔ برما کے مسلم اکثریتی صوبے اراکان سے ہجرتیں کرنے والے لاکھوں مسلمان آج بھی بنگلہ دیش کی سرحد پر پڑے ہیں۔ بنگلہ دیش کی حکومت نے حال ہی میں ان مہاجرین کو یہاں سے بے دخل کرنے کی پالیسی پر زوروں سے عملدرآمد شروع کیا ہے اور ان کے خلاف متعدد الزمات لگا کر کاروائی شروع کردی ہے۔

مسلمانوں کا قتل عام

برما کی آزادی کے بعد بدھوں نے مکمل سیاسی اختیارات کا مالک ہو کر سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اس قتل عام میں مگھ بدھوں کو فوج اور پولیس کی اسی طرح معاونت حاصل تھی جس طرح ہندوستان میں مسلم کش فسادات میں ہندو بلوائیوں کو حاصل ہوتی ہے۔

امیگریشن کے حکام نے اراکانی مسلمانوں کے رجسٹریشن کارڈ چھین لئے اور انہیں زبردستی مشرقی پاکستان میں دھکیلنا شروع کردیا۔ ۳۰ ہزار مسلمان جان بچا کر بھاگ نکلے اور مشرقی پاکستان میں جا کر پناہ لی۔ ان کی جائیدادوں پر مقامی بدھوں نے قبضہ کرلیا۔ اس سال مسلمانوں کے خلاف دہشت کی فضا طاری کر کے امیگریشن ایکٹ کے تحت تفتیش کے بہانے سے مسلم علاقوں میں کم از کم ۱۳ بڑی مسلح کاروائیاں کی گئیں۔

اس کاروائی میں برما ٹیوریل فورس نے حصہ لیا تھا۔ یہ وہی تنظیم ہے جس نے ۱۹۴۲ء میں مسلمانوں کے خلاف دہشت ناک کاروائیاں کی تھیں۔ اس سال تقریباً ایک لاکھ مسلمان تہہ تیغ اور ۵ لاکھ مسلمان بے گھر کیئے گئے۔ برما کی آزادی کے بعد یہ پہلا تحفہ تھا جو اراکانی مسلمانوں کو متعصب برمیوں کی جانب سے ملا۔

برمنائزیشن پالیسی کے تحت بوتھیڈ انگ کے قبرستان پر قبضہ کر لیا گیا اور بعد ازاں اسے ہموار کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو اس امر کا علم اس وقت ہوا جب وہ ایک میت کو دفنانے کے لئے قبرستان گئے۔ قبرستان پر قابض فوجیوں نے میت کو دفنانے سے جبراً روک دیا اور ایک فوجی افسر نے میت کے ساتھ آنے والے مسلمانوں کو دھمکی آمیز لہجے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ

"اگر مسلمان برما میں رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے طور طریقوں اور مذہب کو خیر باد کہنا ہوگا اور بدھ اکثریت کی طرح اپنے مردوں کو دفن کرنے کے بجائے نذر آتش کرنا ہوگا۔"

برمیوں کے بقول مردوں کو دفنانے کی وجہ سے بہت سی قیمتی زمین ضائع ہو جاتی ہے جو کہ قومی دولت کا زیاں ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ برما میں لاکھوں ایکڑ زمین بغیر کاشت کے بنجر پڑی ہے اور مردوں کو جلاتے وقت ٹنوں کے حساب سے قیمتی ایندھن ضائع ہوتا ہے۔

منگڈو علاقہ میں جو مسلمان جمع ہوئے ان میں سے تین ہزار سے زائد افراد کو جہازوں میں سوار کر کے نامعلوم سمندر کی طرف لے جایا گیا۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ ان مسلمانوں کو بوریوں میں بند کر کے خلیج بنگال میں پھینک دیا گیا تھا۔ کاکس بازار (بنگلہ دیش) کے ماہی گیروں کا ایک جہاز اتفاق سے اس وقت سمندر میں موجود تھا۔ ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دو برمی جہازوں میں سے دو آدمیوں کو بوریوں میں بند کر کے سمندر میں پھینکا جا رہا تھا۔

برما میں چالیس علماء کرام کو زندہ دفن کر دیا گیا

ایک سو بیس عورتوں کی لاشیں برآمد

خوبصورت لڑکیوں کو پکڑ کر جہازوں سے رنگون بھیجا جا رہا ہے

چھ شہروں میں مسلمانوں کی جائداد لوٹ کر ان کے مکانات جلا دیئے گئے

کراچی ۳ مئی (پ ر) جمعیت مسلمین برما، کراچی کے رہنما عبدالسلام نے حکومت برما کی طرف سے برمی مسلمانوں پر توڑے جانے والے مظالم کی شدید مذمت کی ہے۔ انہوں نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ برما کے چھ بڑے شہروں میں مسلمانوں کے مکانات جلا کر ان کی املاک کو لوٹ لیا گیا۔ اس کے علاوہ ان کے ۱۴ گاؤں مکمل طور پر جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل

کر دیئے گئے۔ آبادیوں میں انسانوں کا قتل عام کیا گیا اور نوجوان عورتوں کو اغوا کر لیا گیا۔ انہوں نے برما کے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کی لرزہ خیز داستان بیان کرتے ہوئے کہا کہ اکیاب کے علاقہ سے ۱۲۰ عورتوں کی لاشیں نکالی گئی ہیں۔ اور ان کے اطراف کی بستیوں کے ۴۰ علماء کرام زندہ دفن کر دیئے گئے۔ عبدالسلام نے مزید کہا کہ ان انسانیت سوز مظالم سے تنگ آ کر برما کے مسلمانوں نے اپنی جان بچانے کی خاطر ملک سے فرار ہو کر ہمسایہ ملک بنگلہ دیش میں پناہ لینا شروع کر دی ہے۔ اور اس وقت تقریباً دو لاکھ مصیبت زدہ برمی مسلمان بنگلہ دیش کی سرحد پر جمع ہیں، جن کو سرحد پار کرنے کی اجازت نہیں مل رہی ہے لاتعداد مسلمان دریائے ناف پار کر کے بنگلہ دیش میں داخل ہونے کی کوشش میں برمی فوجوں کی گولیوں کا شکار ہو چکے ہیں، بوتھی ڈنگ کے کیمپوں میں ہزاروں مسلمانوں کو قیدی بنا کر رکھا گیا ہے جہاں کھلے مقامات پر عورتوں کی عصمت دری کی جاتی ہے، اور برمی فوجوں کے ان مظالم کا شکار ہو کر لاتعداد معصوم لڑکیاں جاں بحق ہو چکی ہیں اس کے علاوہ برمی فوجیں خوبصورت لڑکیوں کو پکڑ کر بحری جہازوں کے ذریعے رنگون بھیج رہی ہیں، مدرسہ اشرف العلوم نور اللہ پاڑہ کے ملانا اسعد اللہ اور مولانا نجم الدین کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اور کئی مسجدوں کو نذر آتش کر دیا گیا اس کے علاوہ جیلوں میں خوراک میں زہر ملا کر مسلمانوں کو ہلاک کیا جا رہا ہے۔ جناب عبدالسلام نے مزید بتایا کہ کم سن بچوں کو ان کی ماؤں کی گود سے چھین کر جنگل میں چھوڑ دیا جاتا ہے جہاں وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتے ہیں انہوں نے عالمی ریڈ کراس اور اقوام متحدہ سے اپیل کی ہے کہ برما کے مظلوم مسلمانوں کو حکومت کے انسانیت سوز مظالم سے نجات دلانے کے لئے مداخلت کی جائے انہوں نے اسلامی ممالک سے بھی مداخلت کا اپیل کی ہے۔

ظلم کی دلخراش داستان

رات کے ۹ بجے کا عمل ہوگا۔ اس بستی کے بھی مکین سونے کی تیاریاں کر رہے تھے نیند کی پرسکون وادی میں جانے کے لیے وہ بالکل تیار بیٹھے تھے کہ اچانک فضا فوجی بوٹوں کی مانوس آواز سے گونج اٹھی نیند کی دیوی سے ہم آغوش ہونے کے لئے پر تولنے والے اب ہراساں بیٹھے اپنے مستقبل کے متعلق فکر مند تھے فوجیوں کی آمد نے انہیں بہت کچھ سمجھا دیا تھا اب منتظر تھے کہ فرشتہ اجل کس کس کے لیے پیام موت لایا ہے فوجیوں نے اس بار بستی کے ایک محلے کو ہی

گھیرے میں لیا تھا یہ بات خلاف توقع تھی کچھ ہی دیر بعد وہ ان گھروں میں داخل ہو چکے تھے ان کی ہولناک نظریں نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کی متلاشی تھیں جوان کے لیے تفریح طبع کا باعث بن سکیں تھوڑی سی تگ ودو کے بعد انہیں گوہر مراد مل گیا اور وہ ۱۲ نوخیز دوشیزاؤں کو دھکیلتے ہوئے اپنی فوجی چوکی کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے آج انہوں نے قتل وغارت سے اجتناب کیا تھا اسی وقت سے یہ ۱۲ مسلمان دوشیزائیں اپنی قسمت کے فیصلے کی منتظر بیٹھی ہیں اور پھر گویا ان کی بےچینیوں کو قرار آ گیا کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور وہ فوجیوں کے نرغے میں ایک آراستہ کمرے میں پہنچائی جا چکی تھیں۔

وہاں پر پہلے ہی سے بیسیوں فوجی جمع تھے اور شراب کے جاموں سے اپنا دل بہلا رہے تھے انہیں دیکھتے ہی ان کی آنکھوں میں مخصوص شیطانی چمک لہرا گئی اور خوشی سے ان کی باچھیں اتنی کھل اٹھیں کہ ان سے رال ٹپکنے لگی وہ سب وحشیانہ انداز میں قہقہے لگانے لگے۔ مسرت سے بے حال ہوئے جا رہے تھے اور شراب کے نشے نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی حوا کی بیٹیاں اب شیطانوں کے نرغے میں آ گئی تھیں وہ بری طرح خوفزدہ ہو چکی تھیں اور خزاں رسیدہ پتوں کی طرح کانپ رہی تھیں آنے والا وقت انہیں اپنے آئینے میں مستقبل کے مناظر دکھا رہا تھا۔ پھر شاید کھیل شروع کرنے کا فیصلہ آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا گیا ور ان کی تعداد موافق ۱۲ فوجی آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے لگے باقی فوجی باہر کھڑے ہو گئے تھے اور اپنی باری کے شدت سے منتظر تھے اس مرحلے پر ان مظلوم اراکانی لڑکیوں کی یہ شدت سے خواہش تھی کہ زمین پھٹ پڑے اور وہ اس میں سما جائیں مگر معلوم ہوتا تھا کہ اس فوجی چوکی پر خدائی راج ختم ہو گیا ہے اور شیطانی حکومت قائم ہو چکی ہے انہوں نے منت سماجت کی ان کی چیخوں نے عرش کو تو ضرور ہلا ڈالا ہو گا مگر فرشی شیطانوں کو ان کی چیخوں میں ایک عجیب سا سرور آ رہا تھا وہ وحشیانہ انداز میں قہقہے لگا رہے تھے اور انہیں نوچ رہے تھے بھنبھوڑ رہے تھے شیطانیت ان پر پوری طرح غالب آ چکی تھی اور وہ اپنی ہولناکیوں کا بھرپور مظاہرہ کر رہے تھے اسی طرح باری باری سب فوجیوں نے انہیں اپنی شیطانیت کا اس شدت سے نشانہ بنایا کہ ان میں سے آٹھ تو موقع پر ہی دم توڑ گئیں اور باقی چار خون میں لت پت تکلیف کی شدت سے چلاتے ہوئے دھیرے دھیرے موت کے بھیانک اندھیروں میں گم ہوتی جا رہی تھیں کچھ ہی دیر بعد وہ چاروں بھی شیطانی ہوسناکیوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنی عصمتوں کی تار تار چادر لیے خدا کے

حضور فریادی بن کر جا چکی تھیں ان کے بے جان لاشے یہ سوال کر رہے تھے کہ ہماری عصمتوں کے لٹیروں سے کب انتقام لیا جائے گا۔۔۔۔ کب تک مسلمان لڑکیاں اس بربریت کا شکار ہوتی رہیں گی۔۔۔۔۔۔ کب ہمارے بھائی ہماری عصمتوں کی محافظت کا فریضہ سرانجام دیں گے۔۔۔۔۔۔ کب ہمارے ننگے سر تحفظ کی ردا سے ڈھکے جائیں گے۔۔۔۔۔۔ کب ہماری طرف اٹھنے والے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔۔۔۔۔۔ کب ہماری طرف اٹھنے والی آنکھیں نکالی جائیں گی۔۔۔۔ کیا ہماری عصمتوں کا لہو تمہاری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں۔۔۔۔۔ کیا ماؤں کی کوکھیں بانجھ ہوگئی ہیں۔۔۔۔۔ کیا ماؤں نے خالد بن ولید، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم جیسے فرزند پیدا کرنا بند کر دیے ہیں۔۔۔۔۔۔ اور پھر کچھ ہی دیر بعد ان کے سوال کرتے ۔ بے جان لاشے باہر پھنکوائے جا چکے تھے اور وہ شیطانی درندے اپنے آئندہ شکار کے حصول کے لیے مسلمان آبادیوں کی طرف جانے کی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے وہ ایک عجیب سا سرور اپنے سارے رگ و پے میں محسوس کر رہے تھے اور اس بات کے خواہش مند تھے کہ یہ کیفیت ہمیشہ ایسے ہی قائم رہے۔

میں خون کے آنسو رو رہا ہوں اور حقیقتوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں کہ ایک اور داستان میری تمام کوششوں پر پانی پھیرتے ہوئے مجھے اپنے طلسم میں گرفتار کر لیتی ہے۔

سورج اپنا سفر تقریباً پورا کر چکا ہے اور اب غروب ہونے کے قریب ہے فضا میں نہ معلوم خاموشی بسیرے ڈالے ہوئے ہے ہوا تقریباً تھم چکی ہے اور ماحول حبس زدہ ہو گیا ہے آشیانوں کو لوٹنے والے پرندے بھی خلاف معمول خاموش ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ آج کوئی اہم واقعہ وقوع پذیر ہونے والا ہے کچھ ہی دیر بعد اس اہم واقعے کی نوعیت کا اندازہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ دو درجن کے قریب فوجی پانچ آدمیوں کو دھکیلتے ہوئے ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے ہیں۔ وہ پانچوں قیدی معلوم ہوتے ہیں اور سنگینوں کے نرغے میں ہونے کے باوجود ان کے چہروں پر چٹانوں کی سی سختی اور پہاڑوں کا سا عزم جھلکیاں دکھا رہا ہے وہ پیش آمدہ واقعات کے بارے میں کسی بھی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہیں فوجیوں کے تنگ حلقے میں وہ نیوکلیس کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں وہ ان کے فیصلے کے منتظر ہیں۔ فوجیوں میں سے کسی کو بھی یہ جرات نہیں ہو رہی کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے بھی بارش کے پہلے قطرے کی مانند شش و پنج کا شکار

ہیں ان میں سے ایک نے ہمت کر ہی لی وہ بولا اب بھی وقت ہے کہ تم ہمیں اپنے ساتھیوں کے بارے میں بتا دو۔ ہم نہ صرف تمہیں رہا کر دیں گے بلکہ اتنے انعام واکرام سے نوازیں گے کہ جس کا تم تصور ہی نہیں کر سکتے اس نے گویا ترپ کا پتہ پھینک دیا تھا اور اب گیند ان پانچوں کے کورٹ میں تھی۔

ان پانچوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کیے اور ان میں سے ایک نے وہ جواب دیا کہ جو تاریخ میں صرف مسلمانوں ہی کا خاصہ رہا ہے۔

”شیطانو! تم سمجھتے ہو کہ ہمیں خوفزدہ کر کے اور لالچ کے بل بوتے پر قوم سے غداری پر آمادہ کر لو گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے ہم تو اس نبیؐ کے امتی ہیں کہ جسے دنیا کا کوئی لالچ راہ حق سے نہ ہٹا سکا تمہارا خیال ہے کہ موت کے خوف نے ہمارے ایمان کو ڈگمگا دیا ہو گا مگر تم یہ بھول گئے ہو کہ ہم تو موت کے زندگی سے بھی زیادہ شیدائی ہیں مسلمان تو پیدا ہوتے ہی موت کو اپنی دلہن بنانے کے خواب دیکھتا ہے اور ہر گام پہ اپنا حجلہ عروسی سجاتا ہے ہماری موت ہمیں شہادت کے مرتبے پر فائز کر دے گی اور آزادی کی جو شمع ہمارے لہو سے فروزاں ہو گی اس کے گرد ہزارہا آزادی کے پروانے اکٹھے ہوتے رہیں گے اور ایک وقت آئے گا کہ ہماری روحیں صبح آزادی کو طلوع ہوتا ہوا دیکھ رہی ہوں گی۔ آؤ! آگے بڑھو اور ہمارے لئے دائمی مسرتوں کا انتظام کرو۔“ اس کے لہجے کی ایمانیت نے اس کے چہرے کو منور کر دیا تھا دوسرے چاروں کے چہرے بھی ایمانی نور سے معمور نظر آتے تھے۔

تمام فوجی ششدر رہی تو رہ گئے تھے یہ جواب ان کے منہ پر طمانچہ ثابت ہوا تھا وہ حیران تھے کہ یہ لوگ کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں موت کا خوف بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ ڈال سکا مگر وہ اس بات سے قطعی ناآشنا تھے کہ وہ تو اس نشے کے عادی ہیں کہ جس کا کوئی توڑ نہیں اور یہی نشہ اسلام، ان میں سر چڑھ کر بول رہا ہے چنانچہ فوجیوں نے انتہائی اقدام اٹھایا اور انہیں پہاڑ کی بلندی سے نیچے پھینک دیا مگر وہ یہ نہ جان سکے کہ پستیوں میں وہ نہیں ہم گرے ہیں وہ تو بلندیوں کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو چکے ہیں ان کے بری طرح کچلے ہوئے لاشے لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے محسوس ہوتے تھے اور شہادت کی نایاب مہک فضا میں رچ بس سی گئی تھی

اللہ اکبر۔۔۔! ۔۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔! ۔۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔۔! ۔۔۔۔

باب نمبر 8

بلغاریہ میں مسلمانوں کا قتل عام

ترکوں نے بلغاریہ پر پانچ سو برس حکومت کی بازنطین پر پہلی ضرب اس وقت لگی جب مراد اول نے ۱۳۶۱ء میں تھریس پر قبضہ کر لیا ۱۳۶۶ء میں بلغاریہ پر حملوں کا آغاز ہو چکا تھا ترکی فوجیں وادی مرتنا کو روندتی کوہستان روڈوب تک پہنچ چکی تھیں مراد کے قابل جرنیل (لالہ شاہین) نے ۱۳۶۱ء میں بلغاریوں اور سربیوں کی متحدہ فوج کو ساماکوف کے مقام پر شکست دی کچھ عرصے تک فتوحات کا سلسلہ شمالی بلقان تک ہی محدود رہا ۱۳۸۱ء میں مراد نے پھر پیش قدمی کی اور اس کی فوجوں نے دریائے دردر پار کر کے موناسترکا پورا علاقہ لے لیا صوفیہ بھی اسی دوران فتح ہوا۔

۲۷ دسمبر ۱۹۴۴ء کو صوفیہ میں ان کا ایک اجلاس ہوا۔ ۲۰۰ کے قریب نمائندے شریک ہوئے انھوں نے حکومت کے سامنے کئی مطالبات رکھے اہم مطالبہ یہ تھا کہ ملکی پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی ہونی چاہئے اس اجلاس میں بلغاریہ کی کمیونسٹ پارٹی کے رہنما نے خلاف توقع تقریر کی اس نے دھمکی کے انداز میں کہا کہ بلقان صرف بلقانیوں کے لئے نہیں عثمانی ترکوں کے تمام نشان مٹا دینے ہوں گے اس تقریر کے سات ماہ بعد حکومت نے مسلمانوں کے تمام مدرسے قومی ملکیت میں لے لئے ترکی کے بجائے بلغاری زبان میں تعلیم لازمی قرار دی ان اقدامات سے ترکوں میں ناخواندگی کا تناسب بڑھ گیا تعلیم کی شرح گھٹ کر گیارہ فیصد رہ گئی البتہ حکومت نے پارلیمنٹ میں ان کی نمائندگی کا حق تسلیم کر لیا کمیونسٹوں کے قبضے سے پہلے بڑے شہروں میں بے شمار مسجدیں تھیں سو کے قریب مدرسے تھے علماء کی ایک کثیر تعداد درس اور ہدایت میں مصروف تھی، انقلاب کے بعد اکثر مسجدیں شہید کر دی گئیں مدرسوں میں مسلمان علماء کے درس پر پابندی لگا دی گئی۔ ۱۹۴۶ء میں تمام ترک مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے تھے اب یہ تناسب گھٹ کر نو فی صد رہ گیا ہے۔ ۱۹۴۹ء سے پہلے مسلمان اپنے رسم و رواج کے مطابق

زندگی بسر کر سکتے تھے کمیونسٹوں نے جہاں ان کی آزادی چھینی وہاں ان کے وحدت بھی پارہ پارہ کی انہیں گھروں سے نکالا اور گاڑیوں میں بھر کر مختلف مقامات پر پہنچا دیا ہزاروں خاندان ایک دوسرے سے بچھڑ گئے لیبر کیمپوں میں ان سے جبری محنت لی گئی۔

۱۹۸۰ء کی مردم شماری کے مطابق بلغاریہ کی کل آبادی ۸۱۸۶۲۰۰۰ ہے اندازے کے مطابق یہاں ۱۵۰۶۰۵۴۰ میں اشتراکی منصوبہ سازوں نے انہیں اپنی زمینوں اور گھروں سے بے دخل کر کے دور پلار اور ڈبلیوٹ کے جزیرے بیلسن بھیج دیا اب یہ علاقے جبری محنت کا کیمپ بن گئے ہیں کمیونسٹوں کے ظلم و ستم سے بھاگ کر بیرون ملک پناہ لینے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے ۱۹۶۸ء میں بلغاروی ترکوں کے انخلاء کے بارے میں بلغاریہ ترکی معاہدہ ہوا اس معاہدے میں پومک اور خانہ بندوشوں کا کوئی ذکر نہیں، انداز ان کی تعداد ۱۹۵۰ء کے اعداد و شمار کے مطابق بالترتیب اور ۱۱۰۰۰۰ مسلمانوں کو جبراً بلغاروی بنانے کی مہم شروع ہوئی حکومت کے اس فیصلے سے مسلمانوں میں ہیجان پھیل گیا ملک بھر میں احتجاجی مظاہرے ہوئے حکومت نے تشدد سے کام لے کر بے شمار مظاہرین کو گولی سے اڑا دیا، جولائی ۱۹۷۰ء میں بلغار کمیونسٹ پارٹی نے حکم نمبر ۵۴۹ جاری کیا حکمنامے میں کہا گیا تھا کہ مسلمان اپنی انفرادیت ترک کر کے سلاف قوم میں مدغم ہو جائیں اسلامی نام کی بجائے بلغاری نام اختیار کریں، سرکاری ضابطے نافذ ہونے کے بعد اسلامی لباس سے منع کر دیا گیا بچوں کے ختنے پر پابندی لگی خلاف ورزی پر پانچ سال قید دی جاتی مسلمان خواتین سے کہا گیا کہ وہ آئندہ برقع پہن کر باہر نہ نکلیں، حیادار اور پردے دار عورتوں کو سپر مارکیٹوں میں تنگ کیا گیا حکومت نے ایک سرکلر کے ذریعے ہدایت جاری کی کہ برقع پوش خواتین کو بسوں ٹرینوں اور سرکاری بسوں میں داخل نہ ہونے دیا جائے اسلامی طریقے پر تجہیز و تکفین خلاف قانون قرار دی گئی اکثر اوقات کمیونسٹ قبریں اکھاڑ کر دیکھتے کہ مردے کو سرکاری احکام کے مطابق دفن کیا گیا ہے یا نہیں۔

۱۹۷۰ء کے اوائل میں ایک مہم کے دوران میں بلغاریہ کے ہزاروں ترک ہلاک کر دیئے گئے۔ جو لوگ دہشت گردی سے بچنے کے لئے پہاڑوں میں پناہ گزین ہوئے ان پر فضا سے بمباری کی گئی اس کے نتیجے میں ساڑھے سات سو سے زائد مسلمان شہید ہو گئے۔

مسلمان اپنا تہذیبی تشخص چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے تو فوجی کارروائی سے کام لیا گیا فروری ۱۹۸۵ء میں ہوم پارٹی کے آپریشن میں چالیس ترک مسلمان بیدردی سے قتل کر دیئے

گئے۔ ۱۹۷۳ء کے اوائل میں وہ ۱۶۵ مسلم اساتذہ اس جرم پر برطرف کر دیئے گئے تھے انھوں نے اسلامی نام ترک کرنے سے انکار کر دیا تھا، ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے حکومتی اداروں کو آگاہ کیا گیا کہ ان برطرف شدگان کو کسی قسم کی ملازمت نہ دی جائے۔

بلقانی ترکوں کی ثقافتی انجمن کے صدر جناب محمد غوث نے کہا کہ اب ترکوں کو زہریلی سوئیاں چبھو کر ہلاک کیا جا رہا ہے۔ اب تک ۲۷۰ ترک اسی طریقے پر موت کی نیند سلائے جا چکے ہیں۔

۲۹ رجون ۱۹۸۵ء کو سرخالی نامی قصبے کے ایک مسلمان صابری رشید کو فوجیوں نے دن دہاڑے ہلاک کر دیا وہ دو بچوں کا باپ تھا اس کا قصور یہ تھا کہ اس نے بلغاری نام رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔

بلغاریہ میں روس کا اثر نمایاں ہے دونوں ملکوں میں زبان اور رسم الخط ایک ہے بلغاری روس کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے ہیں زار الیگزنیڈر دوم کا مجسمہ قومی اسمبلی کے سامنے نصب ہے ۱۸۷۸ء میں اسی روسی شہنشاہ کی قیادت میں ایک خونریز جنگ کے بعد بلغاریہ ترکی سے الگ ہوا اس جنگ میں ۲۰۰،۰۰۰ روسی کھیت رہے اس پس منظر میں بلغاریہ روس کا مفتوحہ علاقہ ہے روسی افسر ہر ادارے میں موجود ہیں بلغاریہ کی خفیہ ایجنسی میں بیس سے زائد کے جی بی کے مشیر تعینات ہیں ایجنسی کے ۱۳۰،۰۰۰ افسروں میں سے زیادہ تر روس کے تربیت یافتہ ہیں مشرقی بلاک کے تمام ملکوں کی خفیہ ایجنسیوں کے ارکان کو بلغاریہ کے تربیتی کیمپوں میں تیار کیا جاتا ہے تیسری دنیا کے سوشلسٹ تخریب کار بھی یہاں تعلیم پانے آتے ہیں بلغاریہ کی سرکاری ایجنسی لبنان اور یمن میں ہتھیار اسمگل کرتی رہی ہے مسلمانوں کا تشخص ختم کرنے کی مہم کے پیچھے کے جی بی کا ہاتھ نمایاں ہے۔

آباد مقدونی مسلمانوں کی مثال لے لیجیے سوشلسٹ ریاست بننے کے بعد ملک میں پہلی مردم شماری ہوئی تو اس میں ان کی تعداد ۲۵۰،۰۰۰ تھی۔ ۱۹۵۶ء میں یہ تعداد ۱۸۷،۷۸۹ رہ گئی، ۱۹۶۵ء کی مردم شماری تک صرف ۷،۸۰۰ مقدونی بچے انقلاب سے قبل سرکاری اعداد و شمار کے مطابق بلغاریہ میں ۱۰ لاکھ کے قریب مسلمان تھے ۱۹۷۵ء کی مردم شماری میں گھٹ کر آدھے رہ گئے دس برس بعد ۱۹۸۵ء میں آبادی کے بارے میں جو اعداد و شمار جاری کیے گئے ان میں سرے سے مسلمانوں کا ذکر نہ تھا بلغاریہ سے ہجرت کرنے والے ترکوں کا کہنا ہے کہ حکومت

مسلم اقلیت کو دبانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۷۹ء تک عشرے میں ۱۱۵،۴۰ بلغاری ترک ہجرت کر کے ترکی آ گئے کمیونسٹوں نے دسمبر ۱۹۷۸ء میں مسلمانوں کے باہر جا کر بسنے پر پابندی لگادی تو وہ تریکن اور سنتریا کے راستے رومانیہ اور ترکی پہنچنے لگے ان مہاجرین کا کہنا ہے کہ ناموں کی جبری تبدیلی کے بعد اب انہیں مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا جارہا ہے بلغاریہ کے ایک روزنامے نے اپنے ایک آرٹیکل میں لکھا ہمارے معاشرے میں مذہب کی کوئی گنجائش نہیں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ نماز روزے کا دھندا ترک کر دیں۔

ملک بھر میں ۱۱۸۰ مسجدیں تھیں جہاں باقاعدہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی تھی ان میں بیشتر بند ہو چکی ہیں یا پھر گرادی گئی ہیں دیہات میں سرے سے کوئی مسجد نہیں بچی سینو کے گاؤں میں ایک مسجد تھی ستمبر ۱۹۸۲ء میں وہ شہید کر دی گئی لتوبو اور کردفو کی مسجدیں منہدم کر کے ان کی جگہ کلب تعمیر کئے گئے آرتیکو میں پل بنانے کی خاطر مسجد زمین بوس کر دی گئی، حالانکہ یہ پل اور جگہ بھی بن سکتا تھا دارالحکومت صوفیہ میں انقلاب سے پہلے ۳۳۰ مسجدیں تھیں اب وہاں صرف ایک بچ گئی ہے صوبہ سمولن میں واحد مسجد ہے جو جمعے کے دن کھلتی ہے۔

ترکی میں سیاسی پناہ حاصل کرنے والے بلغاریہ کی خفیہ پولیس کے ایک سابق افسر رحیم نوت نے بتایا کہ شہر سمیلوں کے میئر محمد کامل کو نام بدلنے پر مجبور کیا گیا انکار کرنے پر اسے ٹرک نے سڑک پر کچل دیا اسی شہر میں چار ترکوں نے خودکشی کر لی رحیم نوت نے بتایا کہ ۱۹۸۴ء میں دس مسجدیں بم مار کر شہید کر دی گئیں کیونکہ حکومت ان کی جگہ کار پارک اور ہوٹل تعمیر کرنا چاہتی ہے کیوکرسا کا قبرستان منہدم کرنے کے لئے فوج بلڈوزر لے آئی لوگوں کو علم ہوا تو وہ گھروں سے نکل آئے انھوں نے اجداد کی قبروں کو مہندم کرنے کے خلاف مزاحمت کی تنبیہ کے باوجود لوگ وہاں سے نہ ہٹے تو فوج نے گولی چلادی پندرہ بیس نوجوان جو اپنے ساتھ چرایا ہوا اسلحہ لائے تھے جوابی فائرنگ کی، لڑائی پانچ گھنٹے جاری رہی، اس میں ۲۶۰ ترک مسلمان شہید ہو گئے دوسری جانب ۵۸ بلغاری فوجی ہلاک ہوئے، اشتراکی فوجیوں نے گاؤں نذر آتش کر دیا جو افراد وہاں سے بچ نکلے انھوں نے پہاڑوں پر پناہ حاصل کر لی۔

مارچ ۱۹۸۵ء میں فرانس کی ایک خبر رساں ایجنسی نے بلغار کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے سیکریٹری کا بیان نقل کیا جس میں کہا گیا تھا کہ نام بدلنے کے فیصلے پر ہر صورت میں عمل کیا جائے گا پھر اس قسم کی خبریں کہ پولیس اور فوج نے دو شہروں کا تسالی اور راز گرد کی ناکہ بندی

کر لی ہے اس کے بعد یہ علاقے بیرونی دنیا سے کٹ گئے یہاں تک کہ اگر کوئی غیر ملکی صحافی کسی ترک باشندے سے گفتگو کرنے کی کوشش کرتا تو پولیس اسے پکڑ کر لے جاتی ان اقدامات کا مقصد ترکوں کے بارے میں خبروں کو پھیلنے سے روکنا تھا مغربی سفارتی ذرائع کے مطابق ناموں کی جبری تبدیلی کے عمل کے دوران سینکڑوں ترک ہلاک کر دیئے گئے بعض ترک باشندوں نے جان کا خطرہ مول لے کر غیر ملکیوں سے جو گفتگو کی اس سے اس کی توثیق ہوتی ہے ترکوں کے اسکولوں میں ترکی زبان کی تعلیم منع ہے بلغاریہ کے حکمران ترک دشمنی میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ انھوں نے ترکی زبان میں گفتگو کرنے کو جرم قرار دیا ہے، ٹیلی فون پر بھی ترکی میں بات چیت پر پابندی ہے بلغاری ترک نہایت خستہ حالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں حکمران جماعت حکومت یا ایڈمنسٹریشن میں اس اقلیت کا کوئی نمائندہ موجود نہیں ترکوں کے حصے میں کم اجرت کی اسامیاں آئی ہیں جب کہ بلغار کمیونسٹ اونچے اونچے عہدوں پر فائز ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ مذہبی فرائض بھی رکاوٹ ڈالی جاتی ہے جو ترک مسجد جاتا ہے وہ ملازمت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے انہیں حج کے لئے مکہ معظمہ جانے کی اجازت نہیں ملتی اماموں کی تربیت کا آخری تعلیمی ادارہ ١٩٥٠ء میں بند کر دیا گیا تھا چنانچہ بلغاریہ میں عالموں یا اماموں کی تعداد ١٨٠٠ سے گھٹ کر اب صرف ٣٦٠ رہ گئی ہے اس وقت ٥٠٠٠ بلغاری ترک جیلوں میں بند ہیں۔

اسلامی دنیا اور خاص طور پر ترکی نے بلغاریہ کے رویے پر احتجاج کیا ہے۔ ١٩٨٥ء کے اوائل میں انقرہ سے بیان جاری ہوا کہ ترک حکومت بلغاریہ کے مسلمانوں سے لاتعلق نہیں رہ سکتی بیان میں مطالبہ کیا گیا کہ ترک پارلیمانی وفد کو اس علاقہ کا دورہ کرنے کی اجازت دی جائے جہاں مبینہ طور پر سینکڑوں ترک بلغاری فوجیوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تھے بلغاریہ نے یہ مطالبہ رد کر دیا انہی دنوں مہاجروں کے ایک وفد نے ترک صدارتی کونسل سے ارکان سے ملاقات کی اور انہیں بلغاریہ کے مسلمانوں کے حالت زار کے بارے میں شواہد مہیا کئے وفد نے اپنے موقف کے ثبوت میں تقریباً ١٠٠٠٠ تصویروں پر مشتمل البم بھی فراہم کیا۔ اسلامی ممالک تنظیم نے اس ضمن میں عالم اسلام کو توجہ دلاتے ہوئے امداد کی اپیل کی مارچ ١٩٨٥ء میں کانفرنس کے سیکریٹری جنرل جناب شریف الدین پیرزادہ نے ایک بیان میں قتل و غارت گری کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ بلغاریہ میں مسلم اقلیت کے حقوق بالکل نظر انداز کر دیئے

گئے ہیں عرب نیوز کی ایک رپورٹ کے مطابق مسلم ورلڈ لیگ نے بلغاریہ کی مسلمان اقلیت سے یک جہتی کا اظہار کیا اور حمایت کا یقین دلایا۔

تیسری دنیا کے ملکوں میں سے لیبیا کے ساتھ بلغاریہ کے ماہرین لیبیا میں کام کر رہے تھے تریپولی کی بین الاقوامی ایئرپورٹ بلغاریہ کی تکنیکی مدد سے بنی ہے صدر ژیکوف گزشتہ آٹھ سال کے دوران میں تین بار لبیا کا دورہ کر چکا ہے بلغاریہ جنوبی یمن کو سب سے زیادہ ہتھیار فراہم کرنے والا ملک ہے۔ بلغاریہ کے فوجی دستوں نے مسلم علاقوں کا گھیرا کر کے انہیں باقی ماندہ دنیا سے علیحدہ کر رکھا ہے ترک ایک دوسرے سے خط و کتابت نہیں کر سکتے ترکی زبان پر پابندی ہے انھوں نے آخر میں لکھا کہ بلغاری کے حکمران ترک دشمنی میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ انھوں نے عربی اور ترکی میں لکھے گئے قبروں کے کتبے تک اکھاڑ پھینکے ترکی میں آباد بلغاریوں نے بلغار کمیونسٹ پارٹی کی کانگریس کو مذمت کا ایک تار بھیجا جس پر ۳۰،۲۸۰ افراد کے دستخط تھے۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنی حالیہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ حکومت نے سینکڑوں ترکوں کو ہلاک کر ڈالا مسلمانوں سے جیلیں بھر گئی ہیں ان کی جداگانہ شخصیت ختم کرنے کے لئے حکومت ہر قسم کے حربے استعمال کر رہی ہے چالیس صفحوں کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ حال ہی میں نام بدلنے کی مہم کے دوران میں سیکورٹی افواج نے ۱۰۰ ترک ہلاک کر دیئے رپورٹ میں ان کے نام بھی درج ہیں ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ایک چشم دید گواہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جنوبی بلغاریہ میں فوج اور پولیس نے دستے ٹینکوں اور کتوں کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بستی پر حملہ آور ہوئے انھوں نے گھر گھر تلاشی لی اور موقع پر نئے ناموں کے شناختی کارڈ جاری کئے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دوسرے دن مقامی لوگوں نے احتجاجی مارچ کیا سیکورٹی فوج نے ان پر گولیاں برسا دیں چھ آدمی جاں بحق ہوئے ان میں ایک عورت اور اس کا دو سالہ بچہ بھی شامل تھا اسی جھڑپ میں ۱۰۰ ترک شہید ہوئے ایمنسٹی انٹرنیشنل کا کہنا ہے کہ اس کے پاس ۱۲۵۰ افراد کی فہرست ہے جو اس مہم کے دوران پکڑے گئے ایک آدمی دو ماہ کی قید کاٹ کر گھر پہنچا تو اہل خانہ غائب تھے ایمنسٹی کے مطابق حکومت نے سنگین کی نوک پر تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کے نام بدل دیئے ہیں اسلامی نام پر آئی ہوئی ڈاک تلف کر دی جاتی ہے ترک اپنا روایتی لباس شلوار نہیں پہن سکتے۔

مسلمان نماز روزہ کا دھندہ ترک کر دیں

بلغاریہ کے ایک روزنامے **Nove Svetlana** نے اپنے ایک آرٹیکل میں لکھا ہے "ہمارے معاشرے میں مذہب کی کوئی گنجائش نہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ نماز روزے کا دھندا ترک کر دیں۔"

۷۴ سالہ تو دور ژیکوف چالیس سال سے عہدۂ صدارت پر متمکن ہے وہ انتہائی متعصب کمیونسٹ ہے، اقوام متحدہ میں متعین ترکی کے مستقل مندوب جناب التر ترکمان نے بلغاری ترکوں کی حالت زار کے بارے میں سیکریٹری جنرل کو ایک مراسلہ بھیجا۔ اس میں تحریر تھا کہ بلغاریہ کے فوجی دستوں نے مسلم علاقوں کا گھیرا کر کے انہیں باقی ماندہ دنیا سے علیحدہ کر رکھا ہے، ترک ایک دوسرے سے خط و کتابت نہیں کر سکتے، ترکی زبان پر پابندی ہے، انھوں نے آخر میں لکھا کہ بلغاریہ کے حکمران ترک دشمنی میں اتنے آگے بڑھ گئے ہیں کہ انھوں نے عربی اور ترکی میں لکھے گئے قبروں کے کتبے تک اکھاڑ پھینکے۔ ترکی میں آباد بلغاریوں نے بلغار کمیونسٹ پارٹی کی کانگریس کو مذمت کا ایک تار بھیجا جس پر ۳۶،۴۸۰ افراد کے دستخط تھے۔

بلقانی ترکوں کی ثقافتی انجمن کے صدر جناب محمد غوث نے کہا کہ اب ترکوں کو زہریلی سوئیاں چبھو کر ہلاک کیا جا رہا ہے۔ اب تک ۳۷۰ ترک اسی طریقے پر موت کی نیند سلائے جا چکے ہیں۔

بلغاریہ............مسلم آبادی

۱۹۳۴ء	۱۳۳۹،۵۶۶
۱۹۴۶ء	۹۳۸،۰۰۰
۱۹۵۶ء	۱۰۷۵،۰۰۰
۱۹۷۱ء	۱۳۵۰،۰۰۰

(نوٹ) مسلمانوں کا سالانہ اضافہ آبادی ۳،۲ فیصد ہے، اس صدی کے آخر تک وہ کل آبادی کا ۳۰ فیصد ہوں گے۔

"مسلمان کل آبادی کا ۱۰،٦ فیصد ہیں۔"

۱۹۶۵ء کی مردم شماری میں اقلیتوں کی تعداد ۱۲،۱ تھی۔

بلغاریہ میں ترکوں کی تعداد ۲۰ لاکھ سے زائد ہے۔

پروفیسر طارق سومر پریذیڈنٹ انقرہ یونیورسٹی۔ ایمپیکٹ مئی ۱۹۸۵ء

"اسی دوران میں ۳۸،۰۰۰ مسلمانوں کو پکڑ کر اذیتی کیمپوں میں نظر بند کر دیا گیا۔"

(اخبار الاتحاد و متحدہ عرب امارات)

بلغاریہ کے مسلمانوں نے اپنے ۶۰۰ سالہ پرانے وطن کو خیر باد کر دیا

بلغاریہ کے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو چکا ہے اور وہ اپنے چھ سو سال پرانے وطن کو خیر باد کہنے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں۔ بلغاریہ چودھویں صدی میں سلطنت عثمانیہ کا حصہ بنا۔ اس دوران یہاں ترک مسلمانوں کی بڑی تعداد آباد ہوئی۔ ۱۸۷۸ء میں زار اعظم دوم کے دور میں روس نے بلغاریہ کو ایک خونریز جنگ کے نتیجے میں ترکی سے الگ کر دیا روس میں کمیونسٹ انقلاب کا اثر روس کے مفتوحہ علاقوں پر پڑا۔ بلغاریہ میں بھی کمیونسٹ برسر اقتدار آ گئے، جس کے نتیجے میں مسلمانوں پر مذہبی پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ ۱۹۴۹ء سے قبل تک بلغاریہ کے مسلمان اپنے رسم و رواج ادا کرنے میں آزاد تھے۔ کمیونسٹوں نے برسر اقتدار آنے کے بعد ۱۹۵۰ء میں انہیں ان کی زمینوں اور گھروں سے بے دخل کر کے مختلف مقامات پر پہنچا دیا۔ ہزاروں خاندان تتر بتر ہو گئے۔ لیبر کیمپوں میں ان سے جبری محنت لی گئی، ایک لاکھ ترک بلغاریہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ ۱۹۶۰ء میں مسلمانوں کو جبراً بلغاروی بنانے کی مہم شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے احتجاج کیا تو بے شمار مسلمانوں کو گولی سے اڑا دیا گیا۔

۱۱۸۰ مساجد کو کلب میں تبدیل کر دیا

۱۹۷۰ء میں کمیونسٹ پارٹی نے حکم نمبر ۵۴۹ جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ مسلمان اپنی انفرادیت ختم کر کے سلاف قوم میں مدغم ہو جائیں۔ اور اسلامی ناموں کی بجائے بلغاری نام رکھیں اسلامی لباس پر پابندی عائد کر دی گئی۔ برقعہ ممنوع قرار دے دیا گیا برقعہ پوش مسلمان خواتین کو سر بازار رسوا کیا گیا اور دفتروں اور سواریوں میں ان کے داخلہ پر پابندی لگا دی گئی۔ بچوں کے ختنہ پر پابندی لگا دی گئی۔ اسلامی طریقے پر مردے نہیں دفنائے جا سکتے تھے، باقاعدہ قبریں کھود کر تصدیق کی جاتی تھی کہ حکومت کے احکامات کی خلاف ورزی تو نہیں ہو رہی، جو

مسلمان تنگ آ کر پہاڑوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، ان پر فضا سے بمباری کی گئی اور سات سو مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ بلغاریہ کی ۱۱۸۰ مساجد میں اکثر کو یا تو بند کر دیا گیا یا مسمار کر دیا گیا۔ یا پھر انہیں کلب میں تبدیل کر دیا گیا۔ دارالحکومت صوفیہ میں ۳۳۰ مساجد میں سے اب صرف ایک مسجد باقی رہ گئی ہے۔ کمیونسٹوں کے برسر اقتدار آنے سے قبل کی مردم شماری کے مطابق بلغاریہ میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰ لاکھ بتائی گئی تھی۔ جو ۱۹۷۵ء کی مردم شماری میں گھٹ کر ۵ لاکھ رہ گئی۔ ۱۹۵۰ء کی مردم شماری میں مسلمانوں کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ جب کہ وہ کل آبادی کا ۲۰ فیصد ہیں۔ اور ان کی تعداد ۲۰ لاکھ کے قریب ہے۔ ۱۹۸۵ء میں فوج نے دو شہروں کا تسالی اور رراز گوروں کی ناکہ بندی کر دی اور ان کا رابطہ بیرونی دنیا سے کاٹ دیا۔

مسلمانوں کو عیسائیوں کے قبرستان میں دفنانے پر مجبور کیا

کسی ترک باشندے کو غیر ملکی صحافی سے گفتگو کی اجازت نہیں تھی، خلاف ورزی پر اسے گرفتار کر لیا جاتا، ترک زبان اور نام تبدیل نہ کرنے والے سینکڑوں مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اسکولوں میں ترکی زبان میں تعلیم ممنوع قرار دے دی گئی ہے، ترکی زبان کے کھلے عام استعمال پر بھاری جرمانے عائد کیے جاتے ہیں۔ بلغاریہ کے ترک مسلمان نہایت کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ حکومت میں ان کی کوئی نمائندگی نہیں ہے، انہیں کم اجرتوں والی اسامیوں پر ملازم رکھا جاتا ہے۔ مسجد جانے والے ترک کو ملازمت سے برطرف کر دیا جاتا ہے، حج کی کسی کو اجازت نہیں، جب حکومت نے مسلمانوں کا ایک قبرستان منہدم کرنے کی کوشش کی، تو مسلمان فوج کے راستے میں کھڑے ہو گئے، پانچ گھنٹہ تک دوبدو لڑائی کے نتیجے میں ڈھائی سو سے زائد مسلمان شہید ہو گئے۔ فوجیوں نے ان کے پورے کے پورے گاؤں نذر آتش کر دیئے۔ عربی اور ترکی میں لکھے گئے قبروں کے کتبے تک گوارا نہیں کیے گئے۔ ایسی بھی شکایت موصول ہوئی ہے کہ ترک مسلمانوں کو زہریلی سوئیاں چبھا کر ہلاک کیا جا رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں ۳۷۰ مسلمان راستے سے ہٹائے جا چکے ہیں، اسکولوں میں جو ترک بچے ایک دوسرے کو بلغاری نام سے نہیں پکارتے، انہیں پیٹا جاتا ہے۔ نماز جنازہ پر پابندی ہے اور مسلمان میتیں عیسائیوں کے قبرستانوں میں دفنانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

۹ لاکھ مسلمانوں کو بندوق کی نوک پر اپنے نام بدلنے پر مجبور کیا

بندوق کی نوک پر ۹ لاکھ مسلمانوں کو اپنے نام بدل دینے پر مجبور کر دیا گیا ہے، ایسی ڈاک جس پر اسلامی نام لکھے ہوں، ضائع کر دی جاتی ہے، ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ۱۹۸۵ء میں چالیس صفحات کی ایک رپورٹ میں بلغاریہ میں مسلمانوں کی حالت زار کا ذکر کیا ہے، رپورٹ کے مطابق بلغاریہ کی حکومت نے سینکڑوں ترکوں کو ہلاک کر ڈالا ہے۔ مسلمانوں سے جیلیں بھر دی گئی ہیں۔ ان کی جداگانہ شخصیت ختم کرنے کے لئے حکومت ہر حربہ استعمال کر رہی ہے۔ ایک مہم کے دوران جنوبی بلغاریہ میں فوج اور پولیس کے دستے ٹینکوں اور کتوں کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بستی پر حملہ آور ہوئے، جس سے ۱۰۰ ترک ہلاک ہوئے رپورٹ میں ہلاک اور گرفتار ہونے والوں کے نام بھی درج ہیں۔

نومبر ۱۹۸۵ء میں ترکی کے صدر کنعان ایورن نے پاکستان کا دورہ کیا تھا، اس موقع پر ان کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی گئی، جس میں اور سفراء کے ساتھ ساتھ بلغاریہ کے سفیر بھی موجود تھے، مگر صدر کنعان ایورن کی آمد پر وہ اٹھ کر چلے گئے۔ اس وقت کے صدر ضیاء الحق نے بلغاریہ کے سفیر کے اس اقدام پر اظہار افسوس کیا تھا اور بلغاریہ کے ترک مسلمانوں سے ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ اسی سال اسلامی کانفرنس کے سیکریٹری جنرل شریف الدین پیرزادہ نے بلغاریہ میں مسلم اقلیت کی قتل و غارت گری کی مذمت کی، مگر بلغاریہ کے مسلمانوں کے ساتھ کئے جانے والے ظلم و ستم میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی، بلکہ حالات روز بروز بدتر ہوتے چلے گئے۔

بلغاریہ میں مسجد کی آتشزدگی

بلغاریہ میں مسلمان مخالف عناصر نے ایک ۳۱۵ سالہ یادگار مسجد کو آگ لگا کر شہید کر دیا ہے، بلغاریہ کے یہ اسلام دشمن اس سے پہلے بھی سینکڑوں مساجد اور مدارس کو نذر آتش کر چکے ہیں۔ لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب بلغاریہ میں مسلمانوں کا الگ تشخص ختم کرنے کی کوششیں جاری تھیں اور مسلمانوں کو اسلامی نام رکھنے کی ممانعت تھی، پچھلے دنوں خبر تھی کہ بلغاروی پارلیمنٹ نے مسلمانوں کے خلاف اس قسم کے تمام امتیازی قوانین منسوخ کر دیے

ہیں، جن کی رو سے وہ اسلامی تشخص کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد امید ہوئی تھی کہ بلغاروی مسلمانوں کے ابتلا کا دور ختم ہو گیا ہے لیکن ان سے امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ لیکن مسجد کی آتشزدگی کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلغاریہ میں مسلمان مخالف عناصر نے ابھی تک اپنی سرگرمیاں ختم نہیں کیں بلکہ بلغاروی پارلیمنٹ کے فیصلے سے ان کی آتش انتقام بھڑک اٹھی ہے۔ اسلام دشمن عناصر نے بلغاریہ کی تاریخی جامع مسجد کو شہید کر کے بلغاریہ کی حکومت کو چیلنج کیا ہے ہمیں امید ہے کہ بلغاریہ کی حکومت ان عناصر کی سرگرمیوں کا نوٹس لے گی۔ اور عالم اسلام اپنی بیداری کا ثبوت دے گا۔

یوگوسلاویہ کے مسلمانوں کا قتل عام

جنگ عظیم دوم کے دوران میں کئی مزاحمتی گروپ سامنے آئے۔ شاہ پرست چیتنک (chernik) کی رہنمائی جنرل میخائلووچ کر رہا تھا۔ ایک گروہ کروٹ کے کمیونسٹوں پر مشتمل تھا۔ اس کی قیادت جوزف بروز ٹیٹو کے ہاتھ میں تھی۔ اس گوریلا لیڈر کی تربیت روس میں ہوئی تھی۔ مزاحمتی گروپ نہ صرف جرمنوں سے لڑ رہے تھے، بلکہ آپس میں بھی برسرپیکار تھے۔ بوسنیا کے مسلمانوں نے قابض جرمن افواج کا ساتھ نہ دیا تو میخائلووچ کے کروٹ اور سربی فاشسٹ غارت گری پر اتر آئے۔ انہوں نے یہاں کے باشندوں کو بے دریغ ہلاک کیا۔ پولینڈ میں یہودیوں کے قتل عام کے بعد یورپ میں یہ سب سے بڑا قتل عام تھا۔ اس میں لاکھوں مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ (ان پرآشوب حالات میں فلسطین کے عظیم مجاہد امین الحسینی نے یوگوسلاویہ جا کر مسلمانوں کے رضاکار دستے تشکیل دیے جو مدت تک فاشسٹوں اور کمیونسٹوں کے خلاف لڑتے بھڑتے رہے)

10.000 مسلمانوں کی شہادت

۱۸۷۷ء سے اب تک ۲،۳۳۲،۲۲۹ مسلمان بلغاریہ چھوڑ کر ترکی آ بسے ہیں۔ خبری ذرائع کے مطابق بلغاریہ کے سفاک کمیونسٹ حکمران تقریباً ۱۰،۰۰۰ مسلمانوں کو شہید کر چکے ہیں۔

یوگوسلاویہ 2400 مسلمان شہید

۱۹۷۹ء میں ایک نام نہاد دانشور روس سوزگ نے حکومت کے ایماء پر ”مطالعہ“ نامی کتاب لکھی۔ اس نے ایک مقام پر یوگو سلاویہ کے مسلمانوں کو ڈاکو اور لٹیرے کہا۔ اس کتاب کی بہت پبلسٹی ہوئی۔ مسلمانوں نے کافی احتجاج کیا۔ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں بوسنیا اور ہرزیگووینا کی کیمونسٹ لیگ کا اجلاس ہوا۔ مسلمانوں کے ”غیر محبانہ“ رویے پر سخت لے دے ہوئی۔ پریذیڈیم نے شہریوں سے اپیل کی کہ مسلمانوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں۔ کیمونسٹوں کی ری پبلیکن کانفرنس نے اپنے ایک اجلاس کے خاتمے پر انکشاف کیا کہ مسلمان نماز جنازہ کے بعد سیاسی تقریریں کرتے اور اشتراکی نظام کو بے نقط سناتے ہیں۔ اس پر حکومت نے قبرستان کا نظام مسلمانوں سے چھین کر میونسپلٹی کے سپرد کردیا۔

کیمونسٹ احیائے اسلام سے خوفزدہ ہیں۔ ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء کو ایک رسالے (studenstki list) میں ایک مذہبی آرٹیکل چھپا تو زاگریب کے پبلک پراسیکیوٹر نے اس کی ساری کاپیاں ضبط کرلیں۔ بوسنیا کے مسلمان اپنا ایک پرچہ (pererod) نکالتے ہیں، جو اکثر حکومت کے زیر عتاب رہتا ہے۔ مسلمانوں کو یہ کہنے پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ کیمونزم کے سائے میں بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر وہ اس کے برخلاف سچ کہہ دیں تو ان پر تشدد کیا جاتا ہے کیمونسٹ پارٹی اسلامی اداروں کے سربراہ خود مقرر کرتی ہے۔ بوسنیا اور ہرزیگووینا کے مسلمان انہیں علماء کہنے پر مجبور کیئے جاتے ہیں کہ وہ کیمونزم کے سائے میں بہتر زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر وہ اس کے برخلاف سچ کہہ دیں تو ان پر تشدد کیا جاتا ہے کیمونسٹ پارٹی اسلامی اداروں کے سربراہ خود مقرر کرتی ہے۔ بوسنیا اور ہرزیگووینا کے مسلمان انہیں علماء کہنے کے بجائے ”کیمسار“ کہتے ہیں۔

دوسری عالمی لڑائی کے بعد حکومت نے نوجوان مسلمانوں کی تنظیم ”ینگ مسلم ایسوسی ایشن“ کے تمام ارکان پکڑ لیے۔ حکومت بتا دینا چاہتی تھی کہ یوگوسلاویہ میں حکومت کروڑوں یا سربیوں کی ہے۔ تشدد انتہا پر پہنچا تو لاکھوں مسلمان ملک چھوڑنے پر مجبو ہوگئے۔ اسی دوران میں کیمونسٹوں نے ۲۴۰۰۰ مسلمان شہید کردیے۔

آزادی کی تحریک ۲۰۰۰ مارے گئے

یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ حکومت بیرون ملک سر چھپانے والے شہریوں کو ٹھکانے لگانے میں نہایت فعال ہے۔ ایک منحرف ابراہیم وہبی کو ۱۹۸۱ء میں برسلز (بلجیم) میں یوگوسلاویہ کی خفیہ پولیس s.d.s نے ہلاک کر دیا۔ اس حملے میں اس کی بیوی اور سات سالہ بچہ زخمی ہو گئے۔ اسی طرح قصووہ کے تین البانوی مسلمان یوسف گروالا، بروش گروالا اور ذکی قادری جنوری ۱۹۸۲ء میں بل بران (مغربی جرمنی) میں s.d.s کے ہاتھوں جاں بحق ہوئے۔

ٹیٹو کی موت کے ایک برس بعد مارچ ۱۹۸۱ء میں قصووہ میں شدید ترین نسلی فسادات پھوٹ پڑے۔ آغاز پرسٹینا یونیورسٹی سے ہوا جہاں طالب علموں نے ناقص خوراک اور رہائشی سہولتوں کے فقدان پر مظاہرے کیے۔ ان مظاہروں نے پورے صوبے کو لپیٹ میں لے لیا۔ لوٹ مار دو دن تک رہی۔ مظاہرین نے درجنوں کاریں جلا دیں، بسیں الٹ دیں اور دکانوں کے شیشے توڑ ڈالے۔ صوبے بھر میں پوسٹر چسپاں کیے گئے جن میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ قصووہ کو خود مختار ری پبلک کا درجہ دیا جائے، حکومت شہریو کے مقابلے میں فوج کے بکتر بند دستے، ٹینک اور ہیلی کاپٹر لے آئی۔ سرکاری ترجمان کے مطابق گیارہ شہری ہلاک اور ۷۵ زخمی ہوئے۔ غیر جانبدار مبصروں کا کہنا تھا کہ فوج کے ساتھ جھڑپوں میں تقریباً ۲۰۰۰۰ مسلمان مارے گئے۔ فسادات کے بعد پکڑ دھکڑ کا سلسلہ کئی برس جاری رہا۔ یوگوسلاویہ کے وفاقی سیکرٹریٹ نے جو اعداد و شمار جاری کیئے ان کے مطابق ۱۳۵۷۹ افراد کو مختلف نوعیت کی سزائیں سنائی گئیں۔ ۶۸۰ شہری سنگین جرائم میں ملوث بتائے گئے۔ ۱۹۸۳ء سے جولائی ۱۹۸۴ء تک ۴۲ مقدمے چلے۔ ان میں ۱۱۸۹ البانیوں کو پندرہ پندرہ سال قید سخت کی سزا ملی۔ ۱۸۴۸ البانیوں نے، سنگین جرائم میں ملوث ہونے پر طویل مدت کی سزائیں پائیں۔

مارچ ۱۹۸۴ء میں یوگوسلاویہ کی خبر رساں ایجنسی (tanjuq) نے انکشاف کیا کہ اپریل ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۲ء کے آخر تک ۱۰۰۰ کے قریب ایسے افراد پکڑے گئے تھے جن کا تعلق قصووہ کی ۳۷ غیر قانونی تنظیموں سے تھا۔

زاگریب کے اخبار (danas) نے ۱۴ اپریل ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں لکھا:

"مسلمانوں کا کوئی گھر ایسا نہیں بچا جس کا فرد جیل میں نہ ہو"

سربیا کے صدر نے ۱۲اپریل ۱۹۸۴ء کو پریذیڈیم میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے بڑے فخر سے کہا:

”ہم نے فسادات روکنے میں سختی سے کام لیا کوسووہ میں یہ کچھ ہو سکتا تھا ہم نے چھوٹے سے چھوٹا جرم کرنے والوں کو بھی نہ بخشا اور انہیں جیل بھیجا۔ ان لوگوں نے ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا تھا۔“

اسلام کی تبلیغ جرم بن گئی

اگست ۱۹۸۳ء میں سراجیوو کے بارہ مسلم دانش وروں (جن میں ایک امام اور دو خواتین شامل تھیں) کو ایک مقدمے میں دو سے چودہ برس کی سزائیں سنائی گئیں۔ قصور یہ تھا کہ وہ سرکار کے بنائے ہوئے طریقے کے خلاف اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ سزا پانے والوں میں ایک استاد بھی شامل تھا۔ اس نے اسکول کے بچوں کو بتایا تھا کہ اسلام میں خنزیر کا گوشت حرام ہے۔ یہی اس کا جرم تھا۔ فیصلے کے وقت ان مجرمان بے خطا کو عدالت میں پیش کیا گیا تو ان میں سے ایک نے قرآن پاک ہاتھوں پر بلند کر رکھا تھا۔ اس کے لبوں پر اس عظیم کتاب کی آیات تھیں۔ ۱۹۸۴ء میں حکومت نے تسلیم کیا کہ ”سراجیوو معاملے“ میں ۱۸۲۰ افراد پکڑے گئے تھے۔ انہیں جزیرہ گولی اوٹمب کے اذیتی کیمپ میں رکھا گیا تھا۔

واضح رہے کہ سراجیوو کی ۵۰۰،۰۰۰ آبادی میں ۶۰ فیصد مسلمان ہیں۔ یہاں ۱۰۰ سے زائد مسجدیں ہیں۔ ان میں بعض ۵۰۰ برس پرانی ہیں۔ رئیس العلماء کا مرکزی دفتر بھی اسی شہر میں ہے۔

۱۹۸۴ء ہی میں مسلمانوں کی دو غیر قانونی تنظیمیں پکڑی گئیں۔ پوچھ گچھ کے بہانے پولیس نے ۱۱۵۲ افراد گرفتار کر لیے۔ حکومت نے اعتراف کیا کہ کوسووہ کے فسادات کے بعد اس طرح ۵۰ زیر زمین تنظیموں کا صفایا کر دیا گیا۔

* * *

باب نمبر 9

بھارت میں مسلمانوں کا قتل عام

عازمین پاکستان پر ہندو مظالم کی داستان

قصاب کی دکان :۔

دہلی کے پرانے قلعے سے ٹرین کی روانگی سے قبل ڈوگرا فوجیوں نے تمام مسافروں کی تلاشی لے کر انہیں ایک چھوٹے سے چھوٹے چاقو تک سے محروم کر دیا۔ حد تو یہ ہے کہ مزدور پیشہ لوگوں کے بچے کچھے اوزار بھی چھین لئے گئے۔ تمام مسافروں کو بوگیوں میں بھیڑ بکریوں کی مانند بھرا گیا تھا جس کی وجہ سے گرمی اور گھٹن میں شدت پیدا ہو گئی تھی۔ لیڈیز کمپارٹمنٹ میں عورتوں اور بچوں کا گرمی سے برا حال تھا۔ گھٹے ہوئے ماحول پر طاری پراسرار اور انجانے خوف سے مرعوب ہو کر مائیں اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ہر ممکن طریقہ سے خاموش کرانے لگیں۔ یہ ٹرین دو دن کے سفر کے بعد جب کسی مسلم آبادی والے ریلوے سٹیشن پر رکی تو مقامی لوگوں کی امدادی پارٹیوں نے ہماری ٹرین کو اپنے نرغے میں لے لیا تھا۔ وہ لوگ روٹی، سالن، پکے ہوئے چاول، سبزی اور فروٹ وغیرہ مسافروں میں کثرت سے تقسیم کر رہے تھے، نا قابل شمار چھوٹے بڑے برتنوں کا انتظام تھا۔ یہیں امدادی پارٹیوں نے حملوں کی خبر دی اور مستقبل کے خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ کچھ ہندوؤں اور سکھوں نے اس گاڑی کو بیاس کے سٹیشن پر حملہ کر کے بالکل صاف کر دینے کا خوفناک منصوبہ تیار کیا ہوا ہے، اس لئے آپ لوگوں کو چاہئے کہ اپنے اپنے کمپارٹمنٹس کے دروازے اور کھڑکیاں اچھی طرح بند رکھیں۔ ابھی شام کا دھندلکا تھا جب ہماری ٹرین آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی نئی منزل کی جانب بڑھ رہی تھی۔ موسم انتہائی خوشگوار تھا، کبھی کبھی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ سڑے ہوئے انسانی گوشت کی بدبو اندر پھیل جاتی

تھی۔ باہر جھانکنے پر جگہ جگہ انسانی لاشیں بے ترتیبی سے ایک دوسرے کے اوپر پڑی ہوئی تھیں۔ ایک جگہ تو معصوم بچوں کی لاشیں اس حالت میں نظر آئیں کہ پتھر دل انسان بھی موم ہو جائے۔ یہی وہ رقت آمیز مناظر تھے جنہیں دیکھ کر پوری گاڑی میں توبہ استغفار کا ورد جاری ہو گیا تھا اور سب کے چہروں پر خوف وہراس نے اپنا رنگ جما لیا تھا۔ اگرچہ ابھی تک کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا، پھر بھی ہر شخص کو ایک ایک لمحہ انتہائی وحشت ناک اور کربناک معلوم ہو رہا تھا۔ ابھی ہماری ٹرین بیاس کے سٹیشن میں داخل ہو کر آہستہ آہستہ رک رہی تھی کہ اچانک کہیں قریب سے رائفل کی گولی چلنے کی آواز آئی۔ اس کے بعد مزید گولیاں چلیں اور خاموشی چھا گئی، لیکن اس اثناء میں توبہ استغفار کا ورد تیز ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے دیکھا کہ سٹیشن کے پل کے اوپر سے چند آدمی تیز تیز دوڑتے ہوئے ٹرین کی جانب آ رہے ہیں، ابھی دھندلکا اتنا گہرا بھی نہ تھا اس لئے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ چند سکھوں کا گروہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق گاڑی پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ گاڑی کے ساتھ چلنے والی ڈوگرہ فوج نے ہوائی فائر صرف اشارہ دینے کے لئے کیے تھے لیکن غلط فہمی کی بناء پر حملہ آور یہ سمجھ بیٹھے کہ فوجیوں نے ہم پر گولی چلائی ہے، اس لئے وہ سب چھپ گئے۔ چند لمحے انتظار کرنے کے بعد کچھ آدمیوں کو بات چیت کرنے کے لئے فوجیوں کے پاس بھیج دیا اور پھر دوسرے لمحے نیزوں، بھالوں، بلموں، تلواروں اور کرپانوں سے مسلح سکھ حملہ آوروں کا وہی گروہ فوجیوں کے کمپارٹمنٹ کے سامنے کھڑے ہو کر مخصوص اشارے سے اپنے مزید ساتھیوں کو بلا رہا تھا۔ آناً فاناً سکھ اور ہندوؤں کی جنونی یلغار نہتے مسافروں پر ٹوٹ پڑی۔ ٹرین کے بیشتر ڈبوں کی کھڑکیاں اور دروازے بند ہونے کی وجہ سے انہیں کچھ دقت ہوئی لیکن باہر سے بڑے بڑے پتھروں اور کلہاڑیوں کی مسلسل چوٹیں پڑنے سے ٹرین کے بوسیدہ تختے کب تک محفوظ رہ سکتے تھے۔ آخر کار تھوڑے ہی وقت میں ہر کمپارٹمنٹ کسی قصاب کی دکان کا منظر پیش کر رہا تھا۔ حملہ آور اندر گھس کر لوگوں پر مسلسل وار کر رہے تھے۔

کچھ حملہ آور زخموں سے چور مسافروں کو کھینچ کھینچ کر بوگی سے باہر نکال رہے تھے۔ بوگی کے سامنے بہت سے حملہ آور موجود تھے جو باہر گرنے والے مردوں اور عورتوں کے جسم نہایت بیدردی سے کاٹ کاٹ کر الگ پھینک رہے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے حملہ آور ایسے بھی تھے جو گرنے والے زخمیوں کو کھینچ کر پلیٹ فارم پر لے جاتے تھے جہاں ایک کنواں تھا۔ کچھ

وحشی قسم کے سکھ پہلے سے وہاں موجود تھے جو بے رحم قصاب کی مانند ہاتھ پاؤں اور سر وغیرہ کو بہت سے ٹکڑوں میں کاٹ کاٹ کر کنوئیں میں پھینک رہے تھے۔

بکری کے اغواء کے لئے بوڑھے کا قتل

لاہور سے امرتسر تک ۳۵ میل لمبی سڑک کے دونوں کناروں پر جابجا لاشوں کے ڈھیر تھے۔ یوں لگتا تھا یہ سارا علاقہ ایک طویل وعریض قبرستان میں تبدیل ہوگیا ہے۔ ہر طرف گلی سڑی لاشوں کی سڑاند پھیلی ہوئی تھی، راستے میں ایک ایک گز پر کوئی نہ کوئی لاش پڑی تھی۔ کسی شخص کی گردن کٹی ہوئی تھی۔ کوئی بدنصیب بھوک سے مرا تھا۔ سڑک کے کنارے پڑی ان لاشوں پر جابجا گدھ منڈلا رہے تھے اور کتے ان کی بوٹیاں نوچ رہے تھے۔ مسلمان مہاجرین کے قافلے میں ایک بوڑھا تھا جو صرف ایک بکری ساتھ لا سکا تھا۔ راہ چلتے ہوئے بکری قافلے سے الگ ہوگئی۔ بوڑھا اسے پکڑنے کے لئے دوڑ لگا رہا تھا۔ اچانک گنے کے کھیت میں سے ایک سکھ ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر نکلا، بوڑھے آدمی کا سر تن سے جدا کر دیا اور بکری اٹھا کر کھیت میں غائب ہوگیا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ ہم دیکھتے ہی رہ گئے۔

ہزاروں مردوں اور عورتوں کی لاشیں

تھوڑی دیر بعد قافلہ پھر روانہ ہوا۔ بہت سے سکھ کارکن سڑک کے کنارے اگی جھاڑیوں، لمبی گھاس اور تھوہر کے پودوں کے نیچے چھپے بیٹھے تھے۔ ایک سپاہی پل پر کھڑا ہوگیا اور برین گن سے ہوائی فائر کرنے لگا۔ یہ گویا جتھوں کے لئے حملے کا اشارہ تھا۔ فوراً ہی چاروں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ حملہ آور ٹرکوں پر چڑھ گئے اور جی بھر کر خون کی ہولی کھیلی۔ میں سب سے اگلے ٹرک میں بیٹھا ہوا تھا۔ حملہ پچھلی طرف سے شروع ہوا تھا اور حملہ آور بتدریج آگے بڑھ رہے تھے۔ جن مسلمانوں نے بھاگنے کی کوشش کی، وہ بھارتی فوج کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہمارا ٹرک بھی گھیرے میں آگیا۔ چند سکھ میری دو خالہ زاد بہنوں کو بالوں سے پکڑ کر زبردستی گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ خالہ نے انہیں پکڑنے کی کوشش کی، تو انہیں بھالے مار کر شہید کر دیا گیا۔ ایک چچا اور ان کی آٹھ سالہ بچی بھی شہید کر دیئے گئے۔ میرے بائیں کندھے اور پشت پر بھالوں کے پانچ چھ گہرے زخم آئے۔ میں ابھی ٹرک

میں ہی تھا جب باہر نکلنے کی کوشش کی، تو کھٹ سے کلہاڑی کی ایک کند ضرب میرے سر پر پڑی اور میں بے ہوش ہو کر منہ کے بل نیچے سڑک پر گر پڑا۔ ہوش آیا تو دیکھا کہ سڑک اور شہر کا کنارہ کوئی ایک ہزار عورتوں اور بچوں کی لاشوں اور زخمیوں سے پٹا پڑا تھا۔ میرے قریب ہی کنبے کے بارہ دوسرے افراد لاشوں کے درمیان مردہ پڑے تھے۔ میں بڑی دیر تک نیم بے ہوشی کی حالت میں وہیں سڑک پر پڑا رہا۔ حملہ آوروں نے اسی نیم بے ہوشی کے عالم میں میری تلاشی لی اور بٹوہ اور دوسری چیزیں نکال کر لے گئے۔ جب ذرا حواس درست ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ڈوگرے فوجی اور سکھ جتھے دار سب بڑھ بڑھ کر ٹرکوں میں لدا سامان لوٹ رہے تھے۔ یہ ہنگامہ ذرا سرد ہوا، تو سپاہیوں نے زخمیوں اور چھپے ہوئے خوفزدہ مسلمانوں کو گھیر گھار کر ایک جگہ اکٹھا کیا انہیں ٹرکوں پر سوار کرنے لگے۔ میں اپنے کنبے کے زندہ بچ نکلنے افراد کے ساتھ بڑی مشکل سے ایک ٹرک میں سوار ہوا۔ میرے چچا اور بہن جو شدید زخمی تھے، کسی طرح بھی ٹرک میں سوار نہ کرائے جا سکے۔ انہیں مجبورا وہیں سڑک پر مرنے کے لئے چھوڑ دینا پڑا۔

کھونڈا

بھرو کی ضلع امرتسر سے لٹے پٹے مسلمانوا، کا ایک قافلہ پاکستان کے لئے روانہ ہوا۔ اس قافلے میں اٹھارہ ہزار کے لگ بھگ افراد ہوں گے۔ ہندو فوج حفاظت کے بہانے اس قافلے کے ساتھ تھی۔ انہوں نے قافلے کو قصدا امرتسر شہر کے بیچوں بیچ گزارا۔ جب یہ قافلہ عین شہر کے وسط میں پہنچا تو ہندو فوج پیچھے ہٹ گئی۔ اب مسلمان عجیب کشمکش میں گرفتار تھے۔ پیچھے ہندو فوج سامنے ہندو مسلح پولیس۔ چھتوں پر سے بپھرے ہوئے ہندو سکھوں نے ان پر جلتا ہوا تیل، اینٹیں اور پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ یہ جان بچانے کے لئے آگے بڑھتے تو مسلح پولیس کی فائرنگ شروع کر دیتی۔ پیچھے ہٹتے تو فوج۔ یہ وحشت ناک ڈرامہ اسوقت تک کھیلا جاتا رہا جب تک اس قافلے میں ایک مسلمان بھی زندہ نظر آتا رہا۔ کئی نہتے مسلمانوں نے لاشوں کے انبار تلے چھپ کر جان بچائی۔ میرے ماموں بھی زندہ بچ نکلنے والے گنتی کے چند افراد میں شامل تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ''ولیا'' جو کہ سارے علاقے میں شہ زوری اور ڈانگ چلانے کے لئے مشہور تھا، اس وقت اس کا پیٹ چرا ہوا تھا۔ آنتیں باہر نکل آئی تھیں اور جسم گولیوں سے چھلنی تھا۔ ماموں کو دیکھا تو بولا: ''شاہ جی! میرا یہ کھنڈا ہی پاکستان لے جائیں یہی پاکستان کی

زیارت کرلے۔" ماموں جان اس کا کھونڈا پاکستان لے آئے۔ یہ آج بھی ان کے پاس محفوظ ہے۔ وہ اس سے والہانہ پیار کرتے ہیں اور اسے اپنی عزیز ترین متاع حیات قرار دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے دس ہزار کے قافلہ پر بھالوں اور کرپانوں سے حملہ

ریاست نابھ کے گاؤں دھنولہ کے دس ہزار مسلمانوں کا قافلہ لٹی پٹی حالت میں پاکستان کی طرف عازم سفر ہوا۔ اس کے میر کارواں میرے والد صاحب کے سگے ماموں مولانا محمد نذیر عرشی تھے۔ مولانا عرشی ایک جید عالم اور علم دوست ہستی تھے۔ قافلہ کوچ کرنے ہی والا تھا کہ سکھوں ہندوؤں کا ایک گروہ آیا۔ انہوں نے ریاستی پولیس سے کچھ بات چیت کی۔ یہ سب لوگ مسلح تھے۔ اس گروہ نے مولانا عرشی کے فرزند مرزا یعقوب کی ناک کو کرپان کی نوک سے چھید کر اس میں نکیل ڈال دی اور یہ کہہ کر انہیں گھسیٹنے لگے: "دے کے رہیں گے پاکستان۔" وہ مرزا یعقوب کو اسی حالت میں گھسیٹتے رہے۔ ان کے جسم کو بلموں، بھالوں اور کرپانوں سے کچوکے دیتے رہے۔ مرزا یعقوب کے بدن سے خون کے فوارے پھوٹتے رہے، مگر آفرین ہے، نہ وہ چیخے نہ وہ تلملائے حتی کہ ان کا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ مرزا یعقوب کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ مسلم لیگی تھے اور قیام پاکستان کے حامی تھے۔ وہ دھنولا میں کول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ جن لوگوں نے ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا تھا، ان میں سے بیشتر ان کے شاگرد رہ چکے تھے۔ اس قافلے میں سے بمشکل چھ ساڑھے چھ ہزار افراد زندہ بچے تھے۔ ڈیڑھ سو کے قریب جوان بیٹیاں ہندو سکھ درندوں کے ہتھے چڑھ کر ہم سے بچھڑ گئیں۔

گینگ ریپ

6 دسمبر 1992ء کو ایودھیا میں بابری مسجد کی شہادت کے بعد سورت میں خونیں کھیل کھیلے گئے۔ 8 دسمبر کی رات کو ان درندوں نے مسلمانوں پر حملے شروع کیے۔ پولیس اور قانون نافذ کرنے والے دوسرے ادارے ان کے مددگار تھے او گلیوں میں مسلمان عورتوں کو نہ صرف ان کے رشتہ داروں کے سامنے برہنہ کیا گیا۔ بلکہ ان کی جبری آبرو ریزی بھی ہوئی۔

اس دوران میں مردوں پر تشدد ہوتا رہا۔ رات بھر ننگے ناچ ہوتے رہے۔ صبح ہوئی تو اس کی روشنی میں ان ساری گھناؤنی وارداتوں کو ویڈیو کیمروں کے ذریعہ ”محفوظ“ کر لیا گیا۔ ریپ کے مناظر بھی فلمائے گئے۔ کوئی نہیں جانتا کہ ان درندوں نے یہ فلمیں کن لوگوں کے لئے بنائیں یہ شرمناک وقوعات صرف ایک رات نہیں چلے۔ ۱۰ دسمبر کو وحشی غنڈوں نے اس ٹرین پر حملہ کیا جس میں لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر فرار ہو رہے تھے۔ سورت بھساول لائن پر ٹرین کو روک لیا گیا اور مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ باہر آ جائیں۔ مردوں کو انہوں نے ذبح کر دیا یا پھر انہیں زندہ جلا دیا۔ عورتوں کی اجتماعی آبروریزی ہوئی بعد میں ان میں سے بعض عورتیں ریلوے لائن کے ساتھ واقع جھاڑیوں میں نیم مردہ حالت میں پائی گئیں۔

شہر میں جب قتل و غارت عروج پر تھی تو عورتوں کو گھر سے گھسیٹ کر بازاروں میں لایا گیا۔ بھوپال میں بھی یہی خونیں ڈرامے چلے جن کی اطلاعات بھارتی حکومت کو دہلی میں ملتی رہیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ البتہ بھارتی صدر نے ایک وزیر کو وزیر اعلیٰ کے پاس بھیجا اور کہا کہ حالات پر قابو پایا جائے۔ ایسی ہی وارداتیں اتر پردیش کے شہر کانپور میں ہوئیں۔ گھروں کو آگ لگائی گئی اور مسلمان عورتوں کی آبروریزی کی گئی۔ اس فرق کے ساتھ کہ قبل ازیں عورتوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا لیکن ان کی طرف سے شکایات کے بعد انہیں بھی موت کے گھاٹ اتارا جانے لگا۔

سورت بھسوال لائن پر ٹرین سے گھسیٹی جانے والی ایک ۱۹ سالہ لڑکی جو گینگ ریپ کا نشانہ بنی اس کا بھائی جو اس کے ساتھ ٹرین میں سفر کر رہا تھا لڑکی کے سامنے زندہ جلا دیا گیا۔ ایک شخص جو آسام سے اپنی بیوی کے ہمراہ آیا اسے اس کی بیوی کے سامنے ہلاک کر دیا گیا جبکہ اس کی بیوی گینگ ریپ کا نشانہ بنی۔ سورت کے پولیس سٹیشن کے ایک مسلمان افسر کی بہن کو بھی گینگ ریپ کیا گیا۔ ایک بڑا ہجوم اس افسر کی غیر حاضری میں اس کے گھر داخل ہوا۔ جہاں افسر کے والدین اپنی ایک بیٹی کے ہمراہ رہائش پذیر تھے۔ والدین تو کسی طور وہاں سے نکل بھاگے لیکن لڑکی پکڑی گئی۔ بعد میں اس لڑکی کی کھوپڑی پوسٹ مارٹم کے لئے لائی گئی کیونکہ ہجوم نے اسے گینگ ریپ کرنے کے بعد آگ میں جھونک دیا تھا جہاں اس کا سارا جسم جل کر راکھ ہو گیا تھا صرف کھوپڑی بچی۔ جس کا پوسٹ مارٹم ہوا۔

۸ دسمبر کی رات سورت کی تاریخ میں بربریت کی سب سے ہولناک رات تھی۔ لٹیروں

اور مجرموں کے ہجوم گلیوں میں دھاڑتے پھر رہے تھے اور پولیس غائب تھی۔ نوجوان مردوں کو تو فوراً ہی زندہ جلایا جاتا رہا لیکن عورتوں کو برہنہ کیا جاتا اور پھر ان سے کہا جاتا کہ جتنی تیزی سے دوڑ سکتی ہوں دوڑیں۔ ان میں سے بعض عورتیں بچے بغلوں میں لئے ہوئے دوڑیں لیکن قہقہے لگاتے ہوئے غنڈے انہیں پکڑتے رہے۔ اس ٹرین میں سفر کرنے والی ایک لڑکی نے کہا" کاش میں مرگئی ہوتی" وہ اپنے بھائی اور بھابھی کے ساتھ اس ٹرین میں سفر کر رہی تھی کہ غنڈوں نے اسے کھینچ کر نکالا، قریبی جھاڑی میں لے جا کر اسے بری طرح مارا پیٹا گیا اور پھر آبروریزی کے بعد زندہ جلا دیا گیا۔ بہت سی نوجوان لڑکیاں گم شدہ بیان کی گئیں۔

سب سے بدتر حال مقبوضہ کشمیر کی وادی کا ہے جہاں ہر روز کم از کم نصف درجن عورتوں کو ذلت یا موت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ عالم یہ ہے کہ دھماکوں کی آوازیں سنتے ہی کشمیر کی مسلم خواتین اپنے جسم پر تیل انڈیل کر ماچس ہاتھ میں لے کر بیٹھ جاتی ہیں کہ جونہی بھارتی فوجی گھر میں داخل ہوں وہ اپنے آپ کو شعلوں کی نذر کر دیں۔

مسلمانوں کی تلوار سے کٹائی

وجے نگر کی 7 سالہ کمسن لڑکی مہ جبیں جو اپنے گھر میں تنہا زندہ بچی ہے، اس نے جب اپنی داستان سنائی تو اس وقت وہاں موجود تمام لوگ دہاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ مہ جبیں نے بتایا کہ ہم اپنے گھر میں تھے۔ ہزاروں لڑکوں کا ٹولہ آیا۔ ہم نے دروازہ بند کر لیا۔ ہماری ماں دعا مانگنے لگی۔ شرپسند دروازہ توڑ کر اندر داخل ہوئے۔ ماں ان کے پیروں پر گر گئی۔ ہمارا باپ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ خدا کا واسطہ دیا، گھر کا سارا سامان لے جانے کو کہا لیکن ان لوگوں نے کچھ نہ سنا۔ ہمارے ماں باپ کو گھسیٹتے ہوئے گھر سے باہر لے گئے اور میرے سامنے تلوار سے کاٹنے لگے۔ میں اپنے چھوٹے بھائی کو لے کر بھاگی۔ پولیس والے کھڑے تھے لیکن کچھ نہیں بولے۔ میرے ماں باپ کا آج تک پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں ہیں۔

آسمان پھٹ کیوں نہ گیا!

وجے نگر ہی کی عائشہ بی بی نے بتایا کہ اس کے گھر شرپسندوں نے پہلے پتھراؤ کیا اور اسکے لڑکے اعجاز کا سر پھوڑ دیا، پھر لڑکیوں کے کپڑے پھاڑ کر انہیں برہنہ کر دیا اور ان سے کہا کہ رام بولو۔ جب وہ نہیں بولتی تھیں تو مارتے تھے اور پھر ان سب کی آبروریزی کی۔ اکبر بھائی نے بتایا

کہ اس کے والد عبدالقاضی کے اس کی آنکھوں کے سامنے کاٹ کر چار ٹکڑے کیئے گئے۔ اسی طرح ایک سابق پولیس جمعدار عبدالمجید غلام رسول کو بھی شرپسندوں نے ذبح کر دیا۔ شرپسند مسجد دربار مدینہ میں داخل ہوئے اور مولانا قطب الدین آسامی کو، جو مسجد کے امام ہیں، مسجد کے پنکھے پہ الٹا لٹکا دیا اور کہنے لگے "جے شری رام" بولو۔ امام صاحب "یا اللہ" کہتے۔ شرپسند پھر ان سے رام کا نام لینے کو کہتے۔ امام صاحب پھر "یا اللہ مدد" پکارتے۔ شرپسندوں نے امام صاحب کی بیوی کی آبروریزی کی جسے اسپتال میں داخل کیا گیا مگر وہ دو روز کے بعد جاں بحق ہو گئی۔ ایسے ہی مولانا عثمان کو بھی ذبح کر دیا گیا۔ ان کی بیوی کی اجتماعی آبروریزی کی گئی۔ اسی طرح وجے نگر کی بغل میں واقع دربار نگر مسجد کے امام کے بھی تین ٹکڑے کر دئے گئے۔ لوگوں نے بتایا کہ دربار نگر سوسائٹی میں ایک کھاڑی ہے۔ شرپسندوں نے مسلمانوں کو قتل کر کے اسی کھاڑی میں دفن کر دیا۔ کھاڑی کو پاٹ کر میونسپل کمیٹی نے اس پر پتھر بچھا دیا۔ کانگریس کے ایم ایل اے منو پچھوری والا اور بی جے پی کے ایم ایل اے ڈاکٹر کنو مساوانی نے مل کر یہاں قتل عام کروایا۔ گجرات کے سابق وزیر احمد سورتی جو سورت کے باعزت اور بااثر لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ جب وہ وجے نگر اور دربار نگر پہنچے تو تقریبا 37 لاشیں کٹی پھٹی پڑی تھیں، ان میں عورتیں بچے سب شامل تھے۔ ان کے بقول سورت کے 95 فیصد ہندوؤں نے اس خون خرابے میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اس میں بی جے پی اور آر ایس ایس نے اڑیا مالی قوم، کانھیا واڑی، مہراشٹرین، ہیرے تراشنے والوں اور یوپی کے ہندو بھیا لوگوں کو تشدد کے لئے استعمال کیا۔ وجے نگر میں کچھ لاشوں کو ہندوؤں ہی نے رشتے دار بن کر جلا دیا اور اب اس کا دعوی کر کے سرکار سے ایک ایک لاکھ روپیہ لے رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ان حالات میں بھی بعض ہندوؤں نے مسلمانوں کو بچایا۔ ایک ہندو نے پانی فیکٹری میں 67 مسلمانوں کو پناہ دی۔ شرپسند انہیں تلاش کرتے رہے لیکن وہ نہیں ملے۔ آخر پولیس فورس اور اقبال بھائی واڈی والا نے مل کر ان سب کو بچایا اور اگر دو چار منٹ کی تاخیر ہو جاتی تو سب مارے جاتے۔

وجے نگر کی مسجد گلی خان منزل، سعد الرحمن، منزل، شاہی منزل، آمنہ منزل، شیخ منزل اور پٹیل منزل کے تمام گھر نیست و نابود کر دیئے گئے۔ وجے نگر میں 78 لوگوں کو قتل کیا گیا جبکہ دو سو شدید زخمی ہوئے۔

وجے نگر کے بعد قتل و غارت گری کا ہولناک منظر قطار گام روڈ پر دیکھنے میں آیا جہاں

پھول پاڑہ با بھن پڑیا میں مقیم مہندی خان نامی ایک شخص نے بتایا کہ ہیرا تراشنے والے تقریباً 30 افراد آئے اور انہیں تلاش کرنے لگے جیسے ان کے پاس لسٹ ہو۔ انہوں نے نام بنام اعلان کیا اور کہا کہ باہر آ جاؤ۔ مہندی خان نے کہا کہ ہم سب ڈر کے مارے پیلو با بھن کے گھر میں گھس گئے لیکن شرپسند وہاں بھی آ گئے اور سب سے پہلے میری بیوی زہرہ کو تلوار اس طرح ماری کہ اس کا ایک ہاتھ کٹ کر دور گر پڑا اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔ شرپسندوں نے ترشول سے اسے چھلنی کر دیا۔ اس کے بعد میرے معصوم بچوں مصطفیٰ، علی رضا، مشتاق خان اور ایک بھانجے اصغر کو تلوار سے کاٹنے لگے۔ مہندی خان نے روتے ہوئے اس نمائندے کو بتایا کہ وہ یہ ظلم برداشت نہ کر سکا اور ایک غنڈے سے تلوار چھینی اور دو شرپسندوں کے ہاتھ اتار دیئے، پھر ایک کا پیٹ پھاڑ ڈالا، چوتھے کے سر پر وار کیا تو وہ بزدل بھاگ نکلے۔ اسی دوران یہ اپنے معصوم بچے اکبر کو لے کر وہاں سے بھاگا۔

۴۰۰۰ لاشیں گنیں

۴ر نومبر کی صبح کو دو ہزار کا ایک مجمع حملہ کے لئے بڑھتا نظر آیا جسے تتر بتر کر دیا گیا۔ ۱۱ بجے دن کو مدراس رجمنٹ نے سارے بہار شریف میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مسلح دستے کھڑے کر دیئے تا کہ پنڈت نہرو کے دورہ کے موقع پر امن و امان قائم رہے وہ شہر کے باشندوں کو مخاطب کرنے والے تھے اسی دن سہ پہر کو گشتی دستے پر کندی ٹاؤن اور اس سے ملحقہ مقامات پر روانہ کئے گئے ایک پلٹن ایک متاثرہ دیہات کی طرف روانہ کی گئی جس کی رہنمائی سابق فوجی کر رہے تھے۔ یہ پلٹن خوش قسمتی سے قبل اس کے کہ زیادہ نقصان ہوتا موقع واردات پر پہنچ گئی۔ اسے پانچ ہزار فسادیوں کے مجمع سے نپٹنا پڑا جس نے ابھی ابھی حملہ شروع کیا تھا۔ پلٹن کی طرف سے گولی چلائی گئی جس سے پندرہ آدمی وہیں ڈھیر ہو گئے مجمع بھاگ گیا۔ پلٹن دیہات میں داخل ہوئی یہاں سے اس نے سات سو مسلمانوں کو جن میں ہر عمر کے لوگ شامل تھے محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ شام کو برکندہ کے علاقے میں پھر شعلے بھڑکنے لگے۔ کرنل وے ننک بہ ذات خود پہنچے۔ گاؤں جل رہا تھا اور آٹھ سو مسلمان ادھر ادھر پناہ ڈھونڈ رہے تھے اور مدد کے جویا

تھے۔ انہیں حفاظتی دستے کے ساتھ انھوں نے محفوظ مقام پر روانہ کر دیا اور خود اس جگہ روانہ ہوئے جہاں سے فسادی حملہ آور آئے تھے تاکہ انہیں گرفتار کر لیا جائے وہ جیسے ہی پہنچے گاؤں کے لوگ بھاگ گئے پھر بھی چند لوگ انھوں نے گرفتار کر لئے جن کے بارے میں تصدیق ہو گئی تھی کہ وہ حملہ آوروں میں شامل تھے۔

اس رات فائرنگ، فسادی غنڈوں کی گرفتاری اور ہزاروں مسلمانوں کے انخلا کی اطلاعات آتی رہیں کئی مقامات پر سے یہ اطلاعات ملیں کہ جن مقامات پر مسلمان پناہ گزین رکھے گئے تھے۔ وہاں بار بار بپھرے ہوئے اور مشتعل گروہوں نے جو ہر طرح سے مسلح تھے حملہ کر کے ان پناہ گزینوں کو چھین لے جانے کی کوشش کی۔

۵ر نومبر کو بلسہا کے مغرب میں ایک بڑا فسادی مجمع ایک دیہات پر حملہ آور ہوا۔ یہاں مسلمانوں کی جو لاشیں گنی گئیں ان کی تعداد ڈیڑھ سو تھی۔

۶ر نومبر کو سب سے بڑا حملہ عمل میں آیا یہ حملہ پندرہ ہزار فسادیوں نے ایک دیہات تھارا پر کیا تھا۔ ہمارے آدمی جب وہاں پہنچے تو یہ خاک کا ڈھیر بن چکا تھا۔ لاشیں گنی گئیں تو تقریباً ۴ ہزار مسلمانوں کی نکلیں۔ ان مقتولین میں بہت سے لوگ شاٹ گن سے ہلاک ہوئے تھے۔ دوسروں کے بدن پر چھرے کے زخم تھے۔ ایسے لوگ بھی کافی تھے جو زندہ جلا دیئے گئے تھے۔ کئی کنوئیں لاشوں سے پٹ گئے تھے۔ صدہا آدمی زخمی تھے لیکن بہت بری طرح اور نہایت ہی مکروہ طریقے پر۔ اس صبح کو کرنل وے ننگ بہار شریف سے ہلسا کے لئے روانہ ہوئے لیکن فتوا پر ان کو ایک ٹرانسپورٹ افسر نے بتایا کہ نگر نموسا پر حملہ ہوا ہے۔ وہاں جاتے ہوئے راستے میں ایک کانگریسی مسلمان عبدالباسط سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بھی اس خبر کی تصدیق کی اور التجا کی کہ وہ فوراً جائیں اور مسلمانوں کو بچائیں۔ چنانچہ وہ اپنے تھوڑے بہت ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھے مگر جب ایک میل رہ گیا تو راستہ اتنا دشوار تھا کہ سواری بیکار ثابت ہوئی۔ چنانچہ وہ اپنے آدمیوں کو لے کر پاپیادہ میدان جنگ کی طرف بڑھے۔ حملہ آور مجمع کے نعرے صاف سنائی دے رہے تھے وہ اور تیزی سے لپکے۔ بہت سے مکانوں سے دھواں اٹھتا نظر آ رہا تھا جو نذر آتش کر دیئے گئے تھے۔ تقریباً دس ہزار کا مجمع نگر کو گھیرے ہوئے تھا اور بڑے جوش کے ساتھ لوٹ رہا تھا۔ آگ لگا رہا تھا اور جو مسلمان بھی ہتھے چڑھ جاتا تھا ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ جب اپنے آدمیوں کے ساتھ کرنل نے ونگ فسادی مجمع کو تتر بتر کرنے کے بعد نگر میں داخل ہوئے تو

انھوں نے دیکھا کہ بہت سی لاشیں گل سڑ گئی تھیں، اس کے معنی یہ تھے کہ حملہ آج ہی نہیں ہوا تھا کئی دن سے جاری تھا بے بس مسلمانوں کی اس چھوٹی سی تعداد کو یکسر نیست و نابود کرنے کا جو عزم حملہ آوروں میں پایا جاتا ہے صرف داروغہ جہنم کے لئے سزاوار ہو سکتا تھا۔ کرنل وے نگ کی پارٹی نے حملہ آوروں کو بھگانے کے بعد تھوڑے سے بچے کھچے مسلمانوں کو زندہ پایا لیکن یہ بھی دو ہزار کے قریب تھے ان کی حالت نازک ہو رہی تھی۔ انھوں نے ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر اب ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ حملہ آور اور بھرے ہوئے مجمع پر تین مرتبہ فائرنگ کی گئی تب جا کر وہ ٹلا۔

نو سو مسلمانوں کی شہادت

سورت ہم اس وقت گئے جب بھرے پرے مکانات کوئلہ ہو گئے تھے اور مظلوموں کی آنکھیں رو رو کر خشک ہو چکی تھیں۔ سرکاری اعتبار سے ساڑھے تین سو اور غیر سرکاری ذرائع کے مطابق کم و بیش ساڑھے نو سو کے قریب مسلمان شہید کئے گئے۔ ہم نے خیال کیا کہ ایودھیا میں بابری مسجد شہید کئے جانے کے بعد پورے ملک میں پھوٹ پڑنے والے پر تشدد واقعات کا اثر سورت میں بھی پڑا، لیکن یہاں تو شر پسندوں نے قتل عام کی سازش مہینوں پہلے تیار کر رکھی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ جن جن مسلم آبادیوں کو شر پسند نشانہ بنانے والے تھے اگر ان میں ایک دو گھر یا دکان کسی غیر مسلم کی تھی تو اس کے دروازے پر ''جے شری رام'' یا ''ہندو کی دکان'' لکھ دیا گیا تھا۔ پاس پڑوس کے تمام مکان جل کر خاک ہو گئے لیکن جس مکان پر ''شری رام'' لکھا تھا وہ بالکل محفوظ رہا تھا۔

وجے نگر میں نسوانی آبروریزی اور قتل

وجے نگر ویڈر روڈ پر واقع ایک بہت بڑی کالونی ہے جہاں تقریباً ساڑھے تین سو گھروں پر مشتمل مسلمانوں کی آبادی تھی۔ اس کے درمیان دربار مدینہ نامی ایک مسجد بھی آباد تھی۔ مسلمانوں کے گھروں میں کہیں کہیں ایک دو دکانیں اور مکانات ہندوؤں کے تھے جن پر ''جے شری رام'' لکھا ہوا تھا۔ ۷ دسمبر کو جب شہر میں تناؤ بڑھا تو وجے نگر کے ہندو نوجوانوں نے

مسلمانوں سے کہا کہ آپ لوگ یہاں اطمینان سے رہیں، کوئی گھر چھوڑ کر نہ جائے۔ ہم سب مل کر رہیں گے۔ اگر تمہارے گھروں میں کوئی ہتھیار ہیں تو وہ سب تم نکالو، ہم بھی نکالیں اور ضائع کر دیں۔ لوگوں نے بتایا کہ مسلمانوں نے سارے ہتھیار نکال کر پھینک دیئے جنہیں عیار ہندوؤں نے جمع کر لیا۔

۸ دسمبر کو صبح ۱۱ بجے شرپسندوں کا دو ڈھائی ہزار پر مشتمل ٹولہ وجے نگر میں داخل ہوا اور گھر گھر سے مسلمانوں کو نکال کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ یاسمین بانو دختر غفار احمد ہورانی تلاؤ میمن جماعت خانہ میں پناہ گزین ہے، اس نے بتایا کہ شرپسندوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور گھر کے آدمیوں کو گھسیٹ کر باہر نکالا اور تلوار سے مار ڈالا۔ وجے نگر کے اطراف میں پائپ لائن ڈالنے کے لئے بڑے بڑے گڑھے کھودے گئے تھے، وہ مسلمان مردوں کو کاٹ کاٹ کر ان میں ڈال دیتے اور پیچھے سے دس بارہ آدمی پھاوڑا لے کر گڑھے پاٹ دیتے تھے۔ یاسمین بانو نے بتایا کہ ۸ دسمبر کی شام اس نے اور لوگوں کے ساتھ گھر سے باہر نکل کر رام پورے میں جانے کی کوشش کی لیکن شرپسندوں نے ان سب کو گھیر لیا۔ یاسمین کی ماں کو پیٹرول ڈال کر جلا دیا گیا۔ اس کے باپ پر تیزاب انڈیل دیا جو اس کے سامنے تڑپ تڑپ کر شہید ہو گیا۔ تین لڑکیوں کو پکڑ کر ننگا کیا جن کی عمریں ۱۶ سے ۲۰ سال کے درمیان تھیں، پھر برہنہ حالت میں انہیں ایک کمرے میں لے گئے۔ وہ چلاتی رہیں لیکن درندے ان کی عزت لوٹتے رہے۔ پھر ان تینوں بدنصیبوں کو قتل کر کے گڑھے میں دفن کر دیا۔ اس کے بعد بلوائی میرے پاس آئے اور مجھے بھی برہنہ کر دیا اور میری آبروریزی کی۔ پھر میرے اوپر مٹی کا تیل چھڑک دیا۔ اتنے میں دو اور لڑکیوں کو پکڑ کر لایا گیا۔ سب ان کی طرف بھاگے تو میں برہنہ حالت میں وہاں سے بھاگی اور پھر ایک مقام پر گر کر بے ہوش ہو گئی۔ ہوش آیا تو اس کیمپ میں موجود تھی۔ اس نے بتایا کہ ہم ۳۵ افراد محلے سے نکلے تھے جن میں سے صرف ۷ زندہ بچے ہیں۔ اس طرح یحیٰی خان بناری نامی شخص کے شرپسندوں نے چار ٹکڑے کر دیئے۔ اس کی بیوی کو ذبح کیا اور پھر یحیٰی کے پورے خاندان کو اسی طرح کاٹ کر زمین میں دفن کر دیا۔

ٹرک میں بھرے بے بس مسلمانوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا

ہندی ہفت روزہ ’’چوتھی دنیا‘‘ کی رپورٹ میں بعض ایسے لرزہ خیز انکشافات کیے گئے ہیں جن سے درندے بھی کانپ اٹھیں۔ لکھا ہے کہ ’’اتر پردیش پی اے سی کی ۴۱ ویں بٹالین کے کچھ جوانوں نے بعض فوجیوں کے ساتھ مل کر میرٹھ کے فساد زدہ علاقے کے ایک محلے کے قریب چالیس افراد کو اپنے ٹرک میں لا کر غازی آبادی علاقے کی دو نہروں کی پٹریوں میں کھڑا کر کے سامنے سے گولی مار کر قتل کر دیا۔ اور اب اس سرکاری گناہ کو چھپانے کے لئے اعلیٰ افسر تک ہی نہیں وزیر اعلیٰ ویر بہادر سنگھ بھی سرگرم عمل ہیں۔ چوتھی دنیا کے نامہ نگار کی کئی روزہ کی محنت کے بعد یہ سنسنی خیز حقیقت سامنے آئی ہے۔

تاج بی بی

دکھیاری ماں کی دلدوز کہانی

میں نے ایک غریب عورت تاج بی بی کو بے خود دیکھا۔ اس کی گود میں ڈیڑھ دو برس کی بچی تھی، عورت کو دھکا دیا تو بچی گود سے گر پڑی تاج بی بی نے لپک کر اٹھالیا۔ ایک پولیس والے نے اس کی گود سے بچے کو چھین کر زمین پر پٹک دیا۔ بچی کی ایک آواز۔ اماں۔ نکلی اور دم توڑنے لگی۔ تاج بی بی نے پھر گود میں اٹھالیا۔ بچی مر چکی تھی۔ عورت کے حواس خراب ہو چکے تھے۔ پھر بھی بچی کو کلیجہ سے لگائے رہی۔ ۹ رفروری کو بڑی مشکل سے اس کی گود سے لے کر بچی کو دفن کیا گیا۔

دوسرے دن تاج بی بی کے اسی برس کے بوڑھے باپ کو پولیس والوں نے بے انتہا مارا اور اس کے بھائیوں سمیت لے جا کر جیل میں بند کر دیا۔ تاج بی بی کو کچھ دنوں کے بعد کلکٹر سے ڈیڑھ سو روپیہ سرکاری امدادی فنڈ سے دے کر اس کے انگوٹھے کا نشان لے کر اس کا بیان لکھ لیا گیا۔ اس واقعہ کو حکام نے چھپانے کی بہت کوشش کی مگر یہ مشہور ہوتا ہی رہا۔

بھارت میں

بہیمیت کی انتہا مسلمان زندہ جلائے جا رہے ہیں

بھارت میں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب دنیا کی اس سب سے بڑی نام نہاد جمہوریہ کے کسی نہ کسی حصے میں مسلم کش فسادات نہ ہو رہے ہوں۔ اب سکھوں کا قتل عام بھی شروع ہو گیا۔ جس سے واضح ہو گیا کہ ہندو خود کو ایک قوم اور باقی مذاہب کے لوگوں کو دوسری قوم سمجھتے ہیں۔ ان کا متحدہ قومیت کا نعرہ محض ایک فریب تھا جس کا مقصد دوسروں کو اپنا غلام بنانا تھا۔

آج کل صوبہ گجرات میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ اس صوبے کے کئی شہروں دارالحکومت احمد آباد، پالن پور اور بڑودہ میں فوج کے دستے گشت کر رہے ہیں اور پالن پور میں کرفیو نافذ ہے۔ یہ فسادات پچھلے ہفتہ ہندوؤں کے دیوتا کرشن جی کے یوم پیدائش کے موقع پر ہندوؤں کے غیر قانونی جلوس کی وجہ سے شروع ہوئے تھے۔ جس نے حسب معمول مظلوم مسلمانوں کو اپنا نشانہ بنایا۔

اس سے چند دن قبل بڑودہ میں مسلمانوں کی نسل کشی شروع کر دی گئی تھی۔ ان پر بموں سے حملے کیے گئے اور خواتین کی بے عزتی کی گئی۔

صوبہ گجرات میں گزشتہ دو مہینوں سے فسادات جاری ہیں۔ ۹ رجولائی کو احمد آباد میں جگن ناتھ دیوتا کی رتھ یاترا کے جلوس کے موقع پر مسلمانوں کی منظم نسل کشی کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ جلوس میں ہاتھیوں اور گاڑیوں پر کرشن، رکنی اور بلدیو کی مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک گاڑی میں اسلحہ بھرا ہوا تھا جب جلوس شاہ پور دروازے میں داخل ہوا تو جلوس کے شرکاء نے مسلمانوں کو فحش اور گندی گالیاں بکنا شروع کر دیں۔

اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنی ”مقدس“ گاڑی میں سے بندوقیں، ترشول اور دیگر اسلحہ نکال لیا اور مسلمانوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ہی پورے جلوس نے مسلمانوں کی املاک اور دکانوں کی لوٹ مار شروع کر دی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مٹی کا تیل چھڑک کر آگ بھی لگاتے جاتے تھے۔ ان کے پہلے شکار تین ضعیف العمر مسلمان تھے۔ ان میں ایک نابینا قمرو بابو بھی شامل تھے۔

ہندو غنڈوں نے شاہ پور دروازے کے قریب تنگ سرا کی مسجد پر بھی حملہ کیا۔ وہاں انھوں نے مسجد کے عمر رسیدہ موذن جمعہ چاچا کو تیز دھار ہتھیاروں سے شہید کر ڈالا۔ قرآن کریم کی بے حرمتی کر کے صفحات مقدسہ کو سڑک پر پھینک دیا۔ مسجد کا ایک مینار شہید کر ڈالا۔ اس کے علاوہ مسجد کے تین پنکھے اور صفیں اٹھا کر لے گئے۔ انھوں نے خباثت کا بدترین مظاہرہ یہ کیا کہ ساری مسجد میں جگہ جگہ پیشاب کر کے اسے ناپاک کر دیا۔

شاہ پور پتھر والی مسجد پر بھی شرپسندوں نے پیٹرول بموں سے حملہ کیا۔ اس تاریخی مسجد کے چار ستونوں پر اب تک گولیوں کے نشانات موجود ہیں۔

تلوار سے ہاتھ کاٹ کر آگ میں پھینک دیا

ابراہیم ماسٹر اپنے گھر میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ شرپسندوں کا ٹولہ ان کے گھر کے باہر آیا۔ ایک نے آواز دی ابراہیم بھائی دروازہ کھولو۔ ابراہیم نے جیسے ہی دروازہ کھولا، شرپسند گھر میں گھس آئے اور انہیں باندھ کر ایک طرف پھینک دیا۔ ابراہیم بھائی کی ۲۰ سالہ لڑکی کو کھینچ کر باہر لائے اور اس کے کپڑے اتار دیئے۔ اس نے احتجاج کیا تو تلوار سے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا، پھر دوسرا ہاتھ کاٹا گیا۔ گھر کے تمام سامان کو آگ لگائی اور ابراہیم بھائی کو آگ میں پھینک دیا۔ وہ چلانے لگے۔ بعد میں گھر کے دیگر افراد کو بھی آگ میں جھونک دیا گیا۔ پھر ابراہیم بھائی کی بہو کے کپڑے اتار کر اس کی اجتماعی آبروریزی کی اور برہنہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

انسپکٹر کی بہنوں کو بھی نہیں چھوڑا

سب انسپکٹر منشی کے گھر کو شرپسندوں نے گھیر لیا۔ ان کی بہنوں کے ساتھ اجتماعی آبروریزی کرنے کے بعد ذبح کر دیا گیا۔ وارچھا روڈ پر لڑکیوں کی چھاتیاں کاٹ دی گئیں اور سینوں پر "رام" لکھ کر چھوڑ دیا گیا۔ لوگوں نے رو رو کر منتیں کیں۔ ایک علاقے میں دو نوزائیدہ بچوں کو چیر کر تار میں باندھا اور لوہے کی سلاخ میں پرو کر ماں باپ کے سامنے انہیں آگ میں ڈال دیا۔

لوگوں نے بتایا کہ یہاں کی مسلم خواتین نے تلک لایا اور "جے شری رام" بولتے ہوئے وہاں سے بچ کر نکلیں۔ وارچھا روڈ کے ایک لڑکے نے ہچکیاں لیتے ہوئے بتایا کہ ہمارے گھر کا سارا

سامان جلانے کے بعد اس میں میرے ماں باپ کو رسی سے باندھ کر جھونک دیا گیا۔ عبدالرحمان خان نے بتایا: میں گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ شرپسند آئے۔ ان کے ہاتھوں میں تلواریں اور کرپانیں تھیں۔ میں ان کے پاؤں پڑ کر رونے لگا اور اپنے بچوں کی دہائی دینے لگا۔ لیکن پڑوس میں میرے بھائی نے میرے بچوں کو نکالا، لیکن شرپسندوں نے اس کے پیٹ میں کرپان گھونپ دی۔ اس طرح استادیوی روڈ کی مسجد اور نندو دوشی کی واڑی میں واقع پوری مسجد کو شرپسندوں نے توڑ کر زمین بوس کر دیا۔ وار چھا روڈ پر واقع مسلمانوں کے پانچ ہزار مکانات اور تین سو دکانیں لوٹ کر جلا دی گئیں۔

نہتے مسلمانوں پر ڈوگروں نے جو بے پناہ مظالم توڑ رکھے ہیں انہیں دیکھ کر کوئی غیرت مند انسان شرم سے گردن جھکائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سرکاری سپاہیوں اور عام غنڈوں کے گروہ پاکستان کی جانب آئے ہوئے مسلمان مہاجرین کا گولیوں سے شکار کر رہے ہیں اور کلہاڑیوں سے ان کے ٹکڑے کر کے پھینکتے جاتے ہیں۔ بالخصوص راجپورہ میں میرے قلب کی حالت ناقابل بیان تھی۔ اس مقام پر خود عمال حکومت اور فوجی احکام نے ایک مسلح جمعیت کو مسلم مہاجرین کے ایک ”کانوائے“ (بحفاظت چلنے والا قافلہ!) پر حملہ کی ہدایات دیں اور قافلہ کے قافلہ کو موت کی نیند سلا دیا۔ میں نے راستہ میں جابجا سرکاری حکام کو ڈوگرہ عوام میں اسلحہ تقسیم کرتے دیکھا۔

”میں جموں کے جس ہوٹل میں نظر بند تھا، اسی کے کمرہ سے میں نے دیکھا ایک رات میں ۲۶ مواضعات سے آگ کے شعلے اٹھتے ہوئے گئے اور قرب وجوار کے پناہ گزینوں کے کیمپوں سے بندوقوں اور مشین گنوں کے چلنے کی آوازیں تو تمام رات سنائی دیتی رہیں۔“

عورت کو ننگا کر کے گھمایا گیا

فن لینڈ کے ایک انجینئر مسٹر ایکینڈ ۹ دسمبر ۴۷ء کو بین الاقوامی بریگیڈ میں شامل ہو گئے ڈوگروں کے مظالم تو اس وقت تک بھی جاری تھے۔ چنانچہ کوٹلی کے قریب ایک نوجوان مسلم عورت کو بالکل ننگا کر دیا گیا۔ اور اسی حالت میں اسے بازاروں میں گھمایا گیا۔ اس کے بعد اس کی آنکھیں نکال دی گئیں۔ بعد میں یکے بعد دیگرے تمام اعضا کاٹ دیئے گئے اور ایک خنجر سے اس کے ماتھے پر، پاکستان، لکھ دیا گیا۔ اور اسے شہر کے باہر ایک درخت سے لٹکا دیا

گیا۔ دس دوسرے نوجوان مردوں کو مضبوط رسوں سے ایک لاری سے باندھ کر پوری تیزی سے چلایا گیا یہ بیچارے گھسٹنے کی حالت میں جاں بحق ہو گئے۔ اسی طرح ہزاروں مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دینے کے بعد ہلاک کیا گیا۔ ان کا قصور ظالم ڈوگروں کی نظر میں فقط یہ تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔

بھارت، ہندوؤں نے 18 مسلمان زندہ جلا دیئے

کلکتہ (نیوز رپورٹ) انتہا پسند جنونی ہندوؤں نے 18 مسلمان گھر میں بند کر کے زندہ جلا دیئے۔ بھارت کی ریاست مغربی بنگال میں کلکتہ کے گاؤں جوسن گڑیا میں ہندوؤں نے عبدالغنی اور ایک دوسرے مسلمان کے گھر کو آگ لگا دی۔ گھر میں موجود افراد نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو ہندوؤں نے باہر سے مار کر انہیں آگ کے اندر دوبارہ دھکیل دیا جس کی وجہ سے گھر میں موجود تمام 18 افراد بچوں سمیت زندہ جل کر راکھ بن گئے۔ اس بہیمانہ واقعہ کے خلاف شہر میں مکمل ہڑتال رہی۔ لوگوں نے زبردست مظاہرے کئے ابھی تک علاقے میں سخت کشیدگی پھیلی ہوئی ہے۔

سورت میں رام کے پجاریوں کے مسلمانوں پر وحشتناک مظالم

میرٹھ، ملیانہ اور بھاگل پور کے سانحات اب تک بدترین فسادات میں شمار کئے جاتے تھے جہاں مسلمانوں کی لاشوں پر فصلیں اگائی گئیں۔ ان واقعات کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، انسانیت لرز اٹھتی تھی، دل کانپ جاتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے انسانیت ظالموں کی چوکھٹ پر سسک سسک کر دم توڑ رہی ہو۔ وہ سب فسادات فرقہ ورانہ مذہبی جنون کے تھے لیکن گجرات کے شہر سورت میں مذہب کے جنونیوں نے بھگوان رام کے نام پر جو کچھ کیا، اسے لکھتے ہوئے مورخ کی انگلیاں کانپ جائیں گی جہاں معصوم مسلمانوں کو نہ صرف گاجر مولی کی طرح سفاکی کے کاٹا گیا اور ان کی املاک کو تباہ کیا گیا بلکہ مسلمان عورتوں کی اجتماعی آبروریزی بھی کی گئی۔ ان کے سینوں پر ’’شری رام‘‘ لکھا گیا۔ انہیں برہنہ کر کے سڑکوں پر دوڑایا گیا اور اس شرمناک منظر کی ویڈیو فلم اتاری گئی۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو چیر دیا گیا۔ نوزائیدہ بچوں کو لوہے کی سلاخوں میں پرو کر آگ میں سینکا اور پھر جلا دیا گیا۔ گھروں میں بند کر کے

پورے پورے خاندانوں کو نذر آتش کیا گیا۔ آگ کی لپیٹوں میں ماں، باپ بھائی، بہن چیختے اور چلاتے رہے لیکن بھگوان رام کے ماننے والوں نے بے رحمی سے آگ اور خون کا یہ کھیل جاری رکھا۔ مہاتما گاندھی کی وہ سرزمین جہاں سے انہوں نے عدم تشدد کا پیغام پوری دنیا کو دیا تھا، آج مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے لرزہ خیز مظالم کی گواہ ہے۔

لوگوں نے بتایا کہ 27 دسمبر کو سورت میں کارپوریشن کا الیکشن تھا انتخابی پروپیگنڈے کی شروعات تھی۔ شرپسندوں کے پاس الیکشن رول تھا، وہ اس میں سے نام دیکھ دیکھ کر مسلمانوں کے گھر جاتے اور تمام گھر والوں کو قتل کر دیتے۔

شہر کے کئی معتبر لوگوں نے نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر بتایا کہ شرپسندوں نے پورے علاقے میں جگہ جگہ لاؤڈ اسپیکر لگا رکھے تھے۔ وہ اونچی آواز میں ریڈیو ٹیپ بجاتے جس میں شور شرابا، مار بچاؤ اور نعرہ تکبیر کی آوازیں ہوتیں۔ یہ سن کر مسلمان اپنے دینی بھائیوں کی مدد کے خیال سے باہر نکلتے تو انہیں قتل کر دیا جاتا۔ اسی طرح ہندو علاقوں میں کیسٹ بجائی جاتی کہ ''ڈیڑھ دو سو ہندو لڑکیوں کو مسلمان اٹھا کر لے گئے ہیں اور ان کی آبروریزی کر رہے ہیں۔ ہندوؤ! باہر نکلو اپنی بہنوں کی حفاظت کرو۔'' اسی طرح اشتعال انگیز پروپیگنڈے سے شرپسندوں نے عام ہندوؤں کو نفرت کی آندھی میں جھونک کر انتقام کے لئے پاگل کر دیا۔ مسلمان اپنے گھروں میں بیٹھے تلاوت کرتے رہے، عافیت کی دعا مانگتے رہے اور شرپسندوں کے پانچ پانچ سو افراد کے ٹولے شہر کو جلانے، مسلمانوں کا قتل عام کرنے اور مسلم لڑکیوں کی آبروریزی کرنے کے لئے نکل پڑے۔ شرپسند سڑکوں پر آئے تو پولیس اپنے ہیڈ کوارٹر میں چلی گئی۔

بچوں کی کھوپڑیاں دیواروں پر ماردی گئیں

۶ نومبر ۱۹۴۶ء کی شام کو ایک تماشے میں جس کا انتظام مسلمان کر رہے تھے ایک موٹر سائیکل کا چکر بھی شامل تھا دیوار موت ''death waall) کہتے تھے اچھا خاصا مجمع یہ تماشا دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا۔ اسی اثنا میں رہتک کے ایک مسلمان نے جو اس تماشے میں حصہ لے رہا تھا کسی جاٹنی پر فقرا کسا۔ فوراً شور برپا ہو گیا کہ ایک مسلمان نے ایک ہندو خاتون کی توہین کی ہے، یہ سنتے ہی جاٹوں کا ایک گروہ موقع واردات پر پہنچ گیا اور اس نے مروجہ فیشن کے

مطابق میلہ کے مسلمان دوکانداروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر یہ کھیل میلے کے سارے رقبے میں شروع ہو گیا۔ جو مسلمان مرد، عورت یا بچہ نظر آیا اس کو بیدردی اور سفاکی کے ساتھ مار ڈالا گیا۔ حاملہ عورتوں تک سے رحم نہیں کیا گیا۔ ان کے نوزائیدہ بچے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور دوسرے بچوں کی کھوپڑیاں دیواروں پر ماردی گئیں یا زمین پر ٹیک دی گئیں زنا بالجبر اور آبروریزی کے بھی بہت سے واقعات ہوئے۔ عورتوں اور بچوں کو پاؤں پکڑ پکڑ کر گھسیٹا گیا اور ان کے جسم کو پاش پاش کر دیا گیا۔ تماشا گاہ کو لوٹ لیا گیا اور جو لوگ وہاں موجود تھے انہیں آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ڈال دیا گیا۔ بہت سے لوگوں کو نیزوں اور برچھوں سے ہلاک کیا گیا۔ کئی لوگ اسی طرح مارے گئے جیسے کسی زمانے میں ٹھگ لوگوں کی جان لیا کرتے تھے۔ قاتلوں کی عورتیں پاس کھڑی قہقہے لگا رہی تھیں اور جوش مسرت سے بے چین ہوئی جا رہی تھیں اور اپنے مردوں کو برابر اکسا رہی تھیں۔

بچوں کے دھڑ بغیر کے سر

"گارجین" اور "ٹائمز" کے نمائندوں کے مطابق (جنگ ۲۳ فروری) اس روز ۱۶ مواضعات کا مکمل صفایا کر دیا گیا۔ (ڈیلی ٹیلیگراف) (جنگ ۲۳ فروری) کے مطابق یہ تعداد ۱۷ ہے۔ ان نمائندوں نے بتایا کہ سارے علاقے میں ہم نے مردوں، بچوں اور عورتوں کو نزع کے عالم میں پانی مانگتے دیکھا۔ ایک گاؤں سے معصوم بچوں سر ملے جن کے دھڑ غائب تھے۔

دیگر اخباری اطلاعات اور نامہ نگاروں کی رپورٹوں کے مطابق مقتول مسلمانوں کی تعداد ۴ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔ صرف تین ہزار لاشیں ایسی تھیں جنہیں دفنایا نہ جا سکا تھا (نوائے وقت ۲۵ فروری) سفاکی اور درندگی کے اس خونی کھیل میں دس ہزار سے زائد مسلمان بری طرح زخمی ہوئے۔

(منگل دوئی) ہزاروں مسلمانوں کا قتل

یہاں ۲۲ فروری کو تیسرا بڑا قتل عام ہوا جس کا انکشاف ۹ روز بعد ہوا۔ بی بی سی کے مطابق یہاں ایک ہزار مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ ۲ مارچ کو جالکھوا واجالیوری کے ایک قریبی جزیرہ میں مزید ۱۴۰ افراد ہلاک اور سینکڑوں کو زخمی کر دیا گیا۔ منگل دوئی کا قتل عام اس افواہ سے شروع ہوا

کہ آسامی بولنے والے ایک لیڈر کو قتل کر دیا گیا ہے حالانکہ وہ دریا میں ڈوب کر مرا تھا (رائٹر ریڈیو، ڈی پی اے: جسارت ۶ مارچ)

ضلع کامروپ (سینکڑوں مسلمانوں کو ذبح کیا)

یہاں ۸، ۱۲، ۱۴، ۱۸ کو مسلمانوں پر لکھم پور وغیرہ میں حملے ہوئے۔ مسلمانوں کی بستیوں کا محاصرہ کر کے ۳ دیہات مکمل خاکستر اور سینکڑوں مسلمان ذبح کر دیئے گئے۔ رائٹر کے مطابق اس قتل عام کے دو روز بعد فوج پہنچی تو اس وقت مسخ شدہ کھوپڑیوں اور لاشوں پر گدھ منڈلا رہے تھے۔ اور مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں (رائٹر ریڈیو ۱۴ مارچ)

ایجنسی پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے مطابق ضلع کامروپ میں ۳۰ ہزار افراد بے گھر ہو گئے۔ حملہ آوروں نے سینکڑوں مردوں، عورتوں اور چھوٹے بچوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالا اور نہایت درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔“

۱۹۴۷ء سے اب تک بھارت میں ایک لاکھ سے زائد مسلمان قتل ہوئے، امام بخاری

نئی دہلی ۱۵، ستمبر (اے پی پی۔ ارنا) جامع مسجد دہلی کے امام سید عبداللہ بخاری نے کہا ہے کہ ۱۹۴۷ء سے اب تک بھارت میں ایک لاکھ سے زائد مسلمان قتل ہوئے ہیں۔ اور ان کی کروڑوں روپے کی ملکیت تباہ کی گئی ہے نماز جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کو ہوا دینے والوں کی مذمت کرتے ہوئے ان پولیس افسران کو سزا دینے کا مطالبہ کیا جنہوں نے دہلی کے حالیہ فسادات میں دانستہ غفلت کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے دریا گنج پولیس کے سربراہ پر الزام لگایا کہ اس نے حالیہ فسادات میں چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے متعصب ہندو تنظیم شیوسینا کے کارکنوں کو گرفتار نہیں کیا جنہوں نے مسلمانوں کی دکانیں لوٹیں۔

آسام میں ’’نیلی‘‘ کے 1800 مسلمانوں کا قتل عام

سری کرشنار پورٹ کے بعد پتواری کمیشن رپورٹ

’’نئی دنیا‘‘ مردوں عورتوں کو چھوڑ کر صرف بیسیوں معصوم بچوں کے قتل عام کی تصاویر شائع کر کے رقطراز ہوتا ہے!

معروف انگریزی جریدہ انڈیا ٹوڈے کا انکشاف۔ 1800 مسلمانوں کے قتل کی سزا میں صرف دو پولیس والے معطل۔

کتنی بھیانک گھڑی تھی وہ جب آسام میں نیلی کے بے گناہ مسلمانوں پر قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے کوئی 1800 مسلمان تہہ تیغ ہو گئے اور ان کا خون ناحق نیلی کے گلی کوچوں کو سرخ کر گیا۔ اس شرمناک قتل وغارت گری کا شکار جوان بھی ہوئے بوڑھے بھی، عورتیں بھی ہوئیں اور مرد بھی اور ساتھ ہی معصوم و بے زبان بچوں کے لہو کا دریا بھی بہہ اٹھا۔ مرنے والے مر گئے تھے، ان کو اجتماعی قبروں میں دفن بھی کر دیا گیا تھا، رونے والے رو کر تھک بھی چکے تھے اور سیاستدانوں کو جو ’’آہ وزاری‘‘ کرنی تھی وہ بھی ہو چکی تھی۔ اب سوال یہ تھا کہ اس مجرمانہ، ظالمانہ اور بے رحمانہ قتل وغارت گری کا ذمہ دار کون ہے؟ قاتل کتنے تھے، کہاں کے تھے اور کہاں چلے گئے؟ اس کے بعد سوال تھا کہ ان قاتلوں کے ہاتھ چشم زدن میں ایک ہزار آٹھ سو بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کا خون بہا دیا تھا۔ سوال یہ بھی تھا کہ اس تباہی میں جو خاندان اجڑ گئے ہیں اور جو گاؤں برباد ہوئے ہیں، ان کی دوبارہ آبادکاری کی جائے۔

۵۳ ہزار سے زائد مسلم کش فسادات

کم وبیش چالیس برس سے بھارتی حکمران اور فرقہ پرست ہندو تنظیمیں اسی طرح سے مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنا رہی ہیں۔ ہر مسلم تہوار پر فسادات کے ذریعے مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا جاتا ہے۔ ہندو تہواروں پر بھی مسلم کش فسادات کے ذریعے ان کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ اس [illegible] دیہ کہ بھارت دنیا بھر میں خود کو سب سے بڑا سیکولر اور

جمہوری ملک قرار دیتا ہے حالانکہ گذشتہ چالیس سال کے دوران ''سیکولر بھارت'' میں ۳۵ ہزار سے زائد مسلم کش فسادات ہو چکے ہیں جن میں لاکھوں مسلمان شہید کئے گئے۔ اربوں روپوں کی املاک تباہ کر دی گئیں اور ان گنت عزتیں لوٹی گئیں۔ لیکن مسلمان اتنے سخت جان نکلے کہ وہ ان تمام ظلم و ستم کے باوجود بھارت میں اپنا الگ وجود اور تشخص برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ وہ خود کو ہندو اکثریت سے الگ قوم قرار دیتے ہیں۔ بھارتی مسلمان اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ برصغیر ہند کی تقسیم اور ایک آزاد پاکستان کا قیام وقت کی ناگزیر ضرورت تھی۔

* * *

باب نمبر 10

انڈونیشیا میں 25 ہزار مسلمانوں کا قتل

انڈونیشیا میں جزائر ملاکو پر صلیبی درندوں کی خون ریزی

(ایک دلخراش رپورٹ)

انڈونیشیا دنیا کا چوتھا اور عالم اسلام کا سب سے بڑا ملک ہے جہاں مسلمانوں کا تناسب 90 فیصد سے زیادہ ہے جبکہ عیسائی، بدھ، ہندو اور غیر مذہب دس فیصد سے بھی کم ہیں، اس کے باوجود بعض جزائر میں مسلمانوں کی زندگی صلیبیوں کے ہاتھوں اجیرن بنی ہوئی ہے۔

ایک مسلم اکثریتی ملک میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کے لئے اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ صدر سوئیکارنو کے زمانہ میں سیکولرزم کے نام پر صلیبیوں کو نوازا گیا اور صدر سوہارتو تو آئے ہی صلیبی قوتوں کی مدد سے تھے۔ صنعت و تجارت، بیوروکریسی، وزارتی کابینہ ہر جگہ صلیبی چھائے رہے حتیٰ کہ فوجی جرنیلوں میں بھی انہی کی اکثریت تھی۔ پالیسی ساز اداروں میں ان کی تعداد اپنے تناسب سے کئی گنا زیادہ رہی۔ صلیبیوں نے انڈونیشیا کے فیملی لاز کو بھی تبدیل کرانے کی کوشش کی، تاکہ عیسائی آزادی سے مسلمان عورتوں سے شادیاں کر سکیں۔ 90 فیصد مسلم اکثریت کو ہر طرح کے حقوق سے محروم رکھا گیا اور صلیبی جرنیلوں کے ماتحت فوج نے ان پر ہر طرح کا ظلم ڈھایا۔ یہاں تک کہ 1990ء میں صدر سوہارتو حج پر گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے توبہ کی توفیق بخشی۔ توبہ کے بعد صدر سوہارتو نے 90 فیصد محروم آبادی کو ان کے حقوق دینے کی پالیسی پر عمل شروع کیا تو صلیبیوں کے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگے۔ فسادات میں تیزی آنے لگی اور صدر سوہارتو کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں۔ بدقسمتی سے ہر مسلمان ملک کی طرح انڈونیشیا میں بھی صلیبیوں نے اپنی دولت کے بل بوتے پر سازشوں کے لئے دینی قوتوں ہی کو استعمال کیا۔ صدر سوہارتو کی پالیسی کے نتیجے میں فوج سمیت ہر شعبے میں مسلمانوں کی تعداد

تیزی سے بڑھی مگر اب بھی وہ اپنی آبادی کے تناسب سے بہت پیچھے ہیں۔ صلیبی جنونیوں کے ظلم کی بنیادی وجہ ہی اہم انتظامی عہدوں پر صلیبیوں کا ہونا ہے ورنہ پانچ چھ فیصد صلیبی 90 فیصد پر ظلم کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

مسلمانوں کے کان، ناک انگلیوں کو کاٹ کر ہار بنا کر گلے میں پہنا گیا

گزشتہ سال 22 تا 24 مارچ کو صوبہ کالمستان (جزیرہ بورنیو) میں صلیبیوں نے ڈیاکوں کے ساتھ مل کر جو خونی ہولی کھیلی اس کی رپورٹنگ خود صلیبی اخباروں میں پڑھ کر بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً روزنامہ انڈی پنڈنٹ لندن لکھتا ہے کہ "مارنے کے بعد ہر عمر کے مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو بے رحمی سے چیرا پھاڑا اور کاٹا گیا، بعض افراد کو زندہ ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ کٹے ہوئے سر سڑکوں کے کنارے رکھ دیے گئے یا پھر شہر میں ٹرافیوں کی طرح اٹھا کر گھمایا گیا۔ کان، انگلیاں، ناک اور دیگر حصے کاٹ کر بطور زیور پہن لئے۔ مارکیٹ چوک میں نوجوانوں نے مسلمانوں کے دل اور جگر نکال کر پکائے اور وہاں لوگوں میں تقسیم کیے۔ کاٹے ہوئے بازو اور ٹانگیں آگ پر روسٹ کی گئیں۔ جو حصے بچ گئے وہ اپنے ساتھ لے گئے"۔ تقریباً ایک ہزار مسلمانوں کو قتل اور 13 ہزار سے زائد کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ اسی صوبے میں تین سال قبل تین ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ جس جزیرے میں بھی عیسائی قابل ذکر تعداد میں ہیں وہاں مسلمان بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیے جا رہے ہیں۔

صوبہ ملاکو میں فسادات

"صوبہ ملاکو" گزشتہ کئی ماہ سے مسلم کش فسادات کی زد میں ہے۔ عیسائی ذرائع کے مطابق "ملاکو" میں عیسائی 44 فیصد اور مسلمان 54 فیصد ہیں۔ یاد رہے کہ عیسائی اپنی آبادی ہر جگہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، "ملاکو" میں ان کی آبادی کسی صورت بھی تیس پینتیس فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ ملاکو کو مصالحوں کے جزائر (spice islands) بھی کہا جاتا ہے۔ ہندوستانی، چینی اور یورپی تاجر لونگ، جائفل، جاوتری وغیرہ کے لئے یہاں آتے رہے

ہیں۔ یہی مصالحے ان جزائر پر صلیبیوں کے قبضے کا باعث بنے۔ جب پرتگالی یہاں پہنچے تو ملاکو کو "بادشاہوں کی سرزمین" کہا جاتا تھا۔ بہر حال مصالحوں کی تجارت کا سلسلہ تو پرتگالیوں اور ولندیزیوں کی آمد سے بھی صدیوں پہلے سے جاری تھا۔ مشرقی افریقہ اور مڈغاسکر تک اس تجارت کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ براستہ ہندوستان اور خلیج فارس یورپ کو بھی مصالحوں کی سپلائی ہو رہی تھی۔ یہ انتہائی نفع بخش تجارت تھی۔ صلیبی مشنری اس علاقے میں پرتگالی تاجروں سے پہلے داخل ہوئے۔ پرتگالی ملاح یہاں 1509ء میں ولندیزی جدید ہتھیاروں کے ساتھ ملاکو پہنچنا شروع ہو گئے۔ ولندیزیوں نے 1602 میں "ولندیزی ایسٹ انڈیا کمپنی" بنالی۔ 1641ء میں ولندیزی ملاکو پر بھی قابض ہو گئے ہسپانیوں نے بھی اس علاقہ میں اپنی جگہ بنالی۔ اس طرح یورپیوں میں مقابلہ شروع ہو گیا۔

ولندیزیوں نے 1949ء میں امبون (ملاکو کا دارالحکومت) خالی کر دیا۔ صلیبی قبضے کے دوران حکومتی جبر اور لالچ کے ہتھیاروں سے انہوں نے لوگوں کو صلیبی بنایا۔ پولیس اور فوج میں ان لوگوں کو ترجیح دی گئی جو عیسائیت قبول کر لیتے تھے۔ سیکولر مسلم حکمرانوں کی وجہ سے آزادی کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہ آئی۔ فوج، پولیس اور دیگر انتظامی ادارے سابقہ پالیسیوں پر ہی چلتے رہے۔ مسلمان پہلے بھی محروم تھے، آزادی کے بعد بھی محروم رہے۔ مسلمانوں نے اپنے حقوق کی جدوجہد شروع کی تو صلیبی بلبلانے لگے، روز بروز تناؤ بڑھتا گیا جو بالآخر فسادات میں بدل گیا۔ عیسائی چوں کہ بہتر وسائل اور اسلحہ رکھتے تھے، انتظامیہ کی پشت پناہی بھی حاصل تھی اس لیے مسلمانوں نے بہت زیادہ جانی و مالی نقصان اٹھایا۔ مسلمانوں کے گھر، دکانیں اور مساجد نذر آتش ہونے لگیں۔ صلیبیوں کو ظلم کی کھلی چھٹی تھی۔ صرف گزشتہ سال جنوری میں ہونے والی لڑائی میں 200 سے زیادہ مسلمان شہید ہوئے۔ جبکہ 60 ہزار کو ہجرت کرنا پڑی۔ مسلمانوں کے 563 گھروں، 23 مسجدوں، 524 کاروں، 67 موٹر سائیکلوں اور 1862 سائیکلوں کو نذر آتش کیا گیا۔

ہمارے ذرائع ابلاغ کا کلی انحصار مغربی میڈیا پر ہے جو در حقیقت صلیبی میڈیا ہے۔ اس لئے ہم تک صحیح اطلاعات نہیں پہنچ رہیں۔ پورے صوبہ ملاکو کے مسلمان گزشتہ ایک سال سے زبردست صلیبی حملوں کی زد میں ہیں، جبکہ مغربی میڈیا میں زیادہ تر "امبون" کا نام ہی لیا جا رہا ہے۔

2500 مسلمان شہید

گزشتہ دسمبر میں جزیرہ ہل ماہیرہ میں مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے اور کم سے کم 2500 مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ انڈونیشیا کا اخبار ''ری پبلکا'' جو مسلمانوں کے بارے میں صحیح رپورٹنگ کرتا ہے نے 4 جنوری کو لکھا کہ ''28 دسمبر 1999ء کو شمالی ملاکو میں بدترین اور نہایت دلخراش سانحہ ہوا۔ ہل ماہیرہ اور توبیلو ضلع کے تین دیہات میں کم سے کم 800 مسلمانوں کو صرف ایک رات میں بے دردی سے ذبح کر دیا گیا اور خواتین کی گلیوں میں سر عام عصمت لوٹی گئی''۔ رپورٹ میں مجلس علماء انڈونیشیا کے نائب صدر ابن طاہر کے حوالے سے بتایا گیا کہ توبیلو میں کم و بیش 2000 مسلمانوں کو قتل اور چار مسجدیں نذر آتش کی گئیں۔ اسلامک افیئرز کے سنٹر کو بھی توڑ پھوڑ دیا گیا، یاد رہے کہ توبیلو کی کل آبادی 50 ہزار ہے اور اس سانحہ سے پہلے وہاں 5 ہزار مسلمان رہتے تھے۔

رپورٹ میں یونیورسٹی آف انڈونیشیا کی سوشل اینڈ پولیٹکل فیکلٹی کے ''ثمرین اہل توما گولا'' کا بھی حوالہ دیا گیا ہے، جو ہل ماہیرہ کا رہنے والا ہے۔ اس نے بتایا کہ سانحہ کا آغاز 25 دسمبر کو اس وقت ہوا جب عیسائی کرسمس کا تہوار منا رہے تھے۔ 10 تا 20 ہزار کا مجمع توبیلو میں اکٹھا تھا۔ وہ مسلمانوں پر کیوں چڑھ دوڑے اس کا ہمیں علم نہیں۔ ثمرین کے مطابق یہ حملے 18 اگست۔ 99 کے حملوں کا تسلسل معلوم ہوتے ہیں جب عیسائیوں نے ''مکیان مالی فوت'' جزیرہ سے مسلمانوں کو نکال باہر کیا تھا۔ مسلمان ''ترنیٹ'' جزیرہ میں چلے گئے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مسلمانوں نے جوابی حملہ کر کے ترنیٹ سے عیسائیوں کو نکال باہر کیا۔ یہ عیسائی ہل ماہیرہ میں آ گئے۔

مسلمان اس بات پر نالاں ہیں کہ انڈونیشیا کی حکومت اور مغربی میڈیا ''امبون'' کے فسادات کو تو اہمیت دے رہا ہے جہاں دسمبر 1998ء سے اب تک دونوں فریقوں کے 1200۔ افراد ہلاک ہوئے ہیں، مگر ہل ماہیرہ پر کسی قسم کی تشویش ظاہر نہیں کی جا رہی جہاں چند ہفتوں میں 2500 مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا ہے۔

مسلمان زندہ لڑکے کی کھال اتاری گئی

امبون میں بھی مسلمانوں پر حملے جاری ہیں۔ مسلم خواتین کی ایک تنظیم کی عہدیدار نے بتایا ہے کہ 19 رمضان المبارک کو الفتح مسجد میں پناہ لینے والے مسلمانوں پر عیسائیوں نے حملہ کیا۔ اس سے ایک روز قبل ایک مسلمان زندہ لڑکے کی کھال اتاری گئی جو بعد میں انتقال کر گیا۔ رپورٹ کے مطابق امبون میں کئی مسجدیں نذر آتش کر دی گئیں۔ اس کے باوجود مغربی میڈیا میں یہ تاثر دیا جا رہا ہے جیسے مسلمان عیسائیوں پر حملے کر رہے ہیں۔

مسلمان جہاد سے غافل

نوبل انعام یافتہ فرانسیسی رچرڈ موودات جس کا تعلق انسانی حقوق کے ایک گروپ سے ہے کا کہنا ہے کہ ”ملاکو میں دونوں کمیونٹیز تقریباً برابر ہیں مگر پورے ملاکو میں عیسائی مہاجرین کی تعداد 10 فیصد سے بھی کم ہے“ اس کا مطلب ہے کہ مسلمان جوابی حملے بہت کم کر رہے ہیں۔ وہ انڈی پنڈنٹ لندن کو مزید بتاتا ہے کہ ”میں نے اپنے آفس کے باہر عیسائیوں کو گلیوں میں مقتول مسلمانوں کی لاشیں کھینچتے ہوئے دیکھا ہے“۔

تلواروں اور بموں سے حملہ

دو جنوری کی خبر کے مطابق صوبہ ملاکو کے ماشوئی نامی قصبے میں عیسائیوں نے تلواروں اور دیسی ساخت کے بموں سے حملہ کر کے درجنوں مکانوں اور عمارتوں کو نذر آتش کر دیا، ایک مسجد کو بھی جلا دیا۔ حملوں میں 9 مسلمان شہید اور درجنوں زخمی ہوئے۔ تقریباً 12 ہزار افراد کو فوجی بیرکوں میں پناہ لینا پڑی۔ اس کے بعد کے واقعات میں مزید مسلمانوں کو شہید کئے جانے کی خبریں شائع ہوئی ہیں۔ 12 جنوری کی خبر کے مطابق ”بورو“ جزیرے کے عیسائیوں نے مشرقی ہل ماہیرہ پر حملہ کیا جس کے بعد سے 800 مسلمان غائب ہیں، خدشہ ہے کہ انہیں دور لے جا کر قتل کر دیا گیا ہے۔

یہ ہیں وہ حالات جن میں جکارتہ کے لاکھوں مسلمانوں نے احتجاجی مظاہرے کئے اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ خونی صلیبی درندوں کو لگام دے، ورنہ جکارتہ میں صلیبیوں کو پرامن

رہنے کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ 7 جنوری کو ہونے والے مظاہرے میں 3 لاکھ مسلمانوں نے شرکت کی۔ جکارتہ اور دیگر بڑے شہروں میں مسلمان طلباء کے مظاہرے بھی جاری ہیں۔

فار ایسٹرن اکنامک ریویو کی رپورٹ کے مطابق جکارتہ کی مسجد الاصلاح جو مسلمانوں سے بھری پڑی تھی 9 جنوری کو جزائر ملاکو میں صلیبیوں کی جانب سے مسلمانوں پر کیے جانے والے مظالم کے خلاف سراپا احتجاج تھی۔ ہزاروں مسلمانوں کی شہادت اور عورتوں کی بے حرمتی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے خبردار کیا گیا کہ یہ خونریزی یہاں بھی شروع ہو سکتی ہے۔ ایک مسلمان عالم رضا پہلوی نے کہا کہ انڈونیشی مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا ہے یہ تشدد پہلے ملاکو میں شروع ہوا جو اب دوسرے صوبوں میں پھیل رہا ہے یہ ناممکن ہے کہ یہ جکارتہ میں نہ پہنچے ہمیں اس کے لئے تیار رہنا ہوگا۔

نیوز ویک کے مطابق امبون میں پولیس کی ہمدردیاں عیسائیوں کے ساتھ ہیں۔ اپنی رپورٹ میں وہ لکھتا ہے کہ پولیس والے ڈیوٹی کے بعد اپنے ہتھیار نوجوان عیسائیوں کو دے دیتے ہیں۔ بقول نیوز ویک کے فوج کی ہمدردیاں مسلمانوں سے ہیں مگر وہ کہیں مداخلت نہیں کرتی۔

بظاہر مستقبل قریب میں عیسائیوں کے حملے رکنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس کا ایک ہی حل ہے کہ مغربی ممالک صلیبیوں کی پشت پناہی بند کر دیں، حکمران نوے فیصد مسلمانوں کے جذبات کا احترام کریں اور انہیں ان کا حق دیں، تمام محکموں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے جگہ دی جائے، عیسائیوں اور ہندوؤں کو تمام کلیدی عہدوں سے برطرف کر دیا جائے۔ جب تک عیسائی کلیدی عہدوں پر فائز ہیں یہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہیں گے۔ اگر عیسائیوں کو کلیدی عہدوں سے جلد نہ ہٹایا گیا تو پورا انڈونیشیا فسادات کی لپیٹ میں آجائے گا۔ امریکہ کو لبرل عبدالرحمٰن واحد بھی پسند نہیں، وہ اپنی ایجنٹ میگاوتی کو صدر دیکھنا چاہتا ہے مگر اب انڈونیشیا کے مسلمان بیدار ہو چکے ہیں اور امریکہ کے لئے وہ جگہ نہیں رہی جو دس سال قبل تھی۔ امریکہ کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ پوری دنیا میں مسلمان اس کے ظلم کے باعث اس سے اور اس کے کٹھ پتلیوں سے نفرت کرتے ہیں۔

انڈونیشیا ۔۔۔۔۔۔ نیا بوسنیا

اس وقت پوری غیر مسلم دنیا سے مرعوب روشن خیال، لبرل اور سیکولر مسلمان دانشوروں کی ایک ہی آواز ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں۔ مغربی میڈیا کا پروپیگنڈا اس حد تک کامیاب اور سحر انگیز ہے کہ بعض مخلص مسلمان بھی اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ حالات و واقعات اور اعداد وشمار کی روشنی میں کوئی سوچنے اور دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتا کہ حقیقی دہشت گرد کون ہے؟ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح نہ کاٹا جارہا ہو۔ انڈونیشیا کی 90 فیصد سے زیادہ آبادی مسلمان ہے، حکمران بھی مسلمان ہیں۔ اس کے باوجود مسلمانوں کا قتل عام کرنے اور انہیں تباہ کرنے اور ان کی جائیدادوں کو نذر آتش کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ گزشتہ دنوں ملاکو جزائر میں صلیبیوں نے جس بے رحمی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا وہ صلیبی مظالم کی تاریخ میں ایک اور سیاہ ترین باب کا اضافہ ہے۔ لندن سے شائع ہونے والے جریدے ایکٹ انٹرنیشنل نے اس قتل عام کی رپورٹ شائع کی ہے۔

اس رپورٹ کے مطابق میڈیکل ایمرجنسی ریسکیو کمیٹ (mer-c) کی ٹیم نے صلیبی حملہ آوروں کے ہاتھوں بچنے والے اور شدید زخمی ہونے والے ہزاروں مہاجرین کو طبی امداد دی جو انتہائی گندی عارضی پناہ گاہوں میں انتہائی کسمپرسی کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک کیمپ میں انہوں نے ایک 22 سالہ شخص کو موت کے منہ سے بچایا اور اسے بمشکل راضی کیا کہ وہ اس ناقابل بیان دہشت اور ظلم کے بارے میں کچھ بتائے جس کا اسے سامنا کرنا پڑا۔ اس نے اپنے ہولناک تجربات ومشاہدات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ٹوبیلو کے علاقے پوپیلو میں اس کے سامنے صلیبی دہشت گردوں نے اس کی بیوی اور ہمسایوں کو ذبح کر دیا۔

میں لاشوں کی چھ تہوں میں دفن تھا

گزرے ہوئے اذیت ناک لمحات کو یاد کرتے ہوئے اس نے کہا: ''جب دہشت گردوں کا ہجوم ہمارے گاؤں میں داخل ہوا تو میں پناہ کے لئے مسجد کی طرف بھاگا، وہاں مسجد کے اندر میرے درجنوں ہمسائے پہلے ہی قتل ہو چکے تھے۔ تلواریں لہراتے ہوئے صلیبی مجھے مارنے کے لیے میرا پیچھا کر رہے تھے۔ جب ایک برچھا میرے جسم میں داخل ہوا تو میں نے

محسوس کیا کہ اب دھڑکتا ہوا دل بند ہو جائے گا۔ میں بمشکل حملہ آور کا چہرہ دیکھ سکا اور گر پڑا۔ زخموں سے خون فوارے کی طرح بہنے لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ برچھا جسم میں مزید گہرائی میں دھکیلا جا رہا ہے۔ درد شدید تر تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ موت آئی ہی چاہتی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ چند ہاتھوں نے مجھے اٹھایا اور مسجد کے باہر لاشوں کی چھے تہوں کے نیچے دفن تھا۔ لاشوں کے اس ڈھیر میں کچھ لوگ اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔"

یہ بتاتے ہوئے جذبات پر قابو رکھنا اس شخص کے لیے مشکل ہو گیا اور آنسو آنکھوں سے نکل کر اس کے چہرے پر بہنے لگے۔ "لیکن میں زندہ تھا۔ مسجد کے پیچھے جنگل تھا مگر رات سے پہلے جنگل کی طرف بھاگنا مشکل تھا، اس لیے میں نے اسی حالت میں رات شروع ہونے کا انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نہیں جانتا کہ اپنے اوپر پڑی ہوئی لاشوں کو ہٹانے کے لیے میرے اندر قوت کہاں سے آئی۔ اسی وقت میں نے شور سنا "جلا دو، جلا دو" میں نے دیکھا کہ عمارت اور لاشوں کے انبار پر پٹرول چھڑکا جا رہا ہے۔ حملہ آوروں میں سے دو نے مجھے دیکھ لیا اور پکڑنے کے لیے بھاگے۔ میں نے ان کی چمکتی ہوئی تلواروں کو دیکھا اور زور سے "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کیا۔ اس کے بعد میری آنکھوں نے عجیب منظر دیکھا۔ اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوتے ہی تلواریں ان کے ہاتھوں سے دور جا گریں اور مجھے بھاگنے کا موقع مل گیا۔ میں ایام کی گنتی بھول گیا، مجھے کچھ یاد نہیں کہ کتنے دن میں جنگل میں بھٹکتا رہا۔ درختوں کے پتے میری غذا تھے اور پینے کو جیسا پانی بھی مل جاتا، پی لیتا اور کسی آواز کے محض شبے پر ہی فورا چھپ جاتا۔"

بالآخر چھپے ہوئے افراد کی تلاش میں فوجیوں کا ایک گروپ ادھر آیا اور ان کے ذریعے یہ شخص گلیلا سب ڈسٹرکٹ میں پہنچا جہاں mer-c کے ڈاکٹر ہزاروں مسلمان مہاجرین کا علاج کر رہے تھے۔ ڈاکٹروں نے اس شخص کا آپریشن کیا اور دیکھا کہ اس کے دائیں سینے میں کافی خون جمع ہے۔ اس کے باعث اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ بعد ازاں اس شخص نے شکایت کی کہ وہ سو نہیں سکتا۔ اگر کبھی نیند آتی تو جھٹکے سے آنکھ کھل جاتی۔ وہ چیخنے لگتا اور پسینے سے اس کا جسم شرابور ہو جاتا۔ ڈاکٹروں نے اسے بمشکل راضی کیا کہ وہ اپنے مشاہدات و تجربات اگل دے اور بتائے کہ نسل در نسل ساتھ رہنے والے صلیبیوں نے ایسا کیوں کیا؟

سر کٹی لاشیں

ایک شخص نے بتایا کہ ہمارے گاؤں کا محاصرہ کر کے ہمیں مسجد کی طرف بھگایا گیا۔ وہاں حملہ آوروں نے ان گنت بچوں کو چھین لیا۔ ان بچوں کو ہوا میں اچھالا گیا اور اپنی تلواریں ان کے اچھلے جسموں میں گھونپ کر انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے کئی بچوں کو پکڑا، ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر لٹکا دیا اور ان پر تیروں سے نشانہ بازی کی مشق کرنے لگے۔ جو بھی دہشت وخوف زدہ اور لاچار نوجوان ان کے قابو میں آیا اس کے جسم کے اعضا کاٹ دیے گئے۔ موت کا آخری وار کرنے سے پہلے مذاق کرتے ہوئے کہتے "مجھے معاف کرنا پلیز، میں تمہارے، کان، ناک چاہتا ہوں" اور اس کے بعد وہ اس کے جسم کے مطلوبہ حصے اور اعضا کاٹ لیتے۔

میڈیکل ایمرجنسی ریسکیو کمیٹی کے سربراہ جورنالس نے بھی اس شخص کی بیان کردہ کہانی کی تصدیق کی ہے۔ وہ اور اس کی ٹیم کے ارکان قتل عام کے بعد جب مسجد میں پہنچے تھے تو انہوں نے کٹی ہوئی ٹانگیں، بازو اور بچوں کی قطع وبرید شدہ لاشیں دیکھی تھیں۔ کئی بچے 5 سال سے کم عمر کے تھے۔ جورنالس نے بتایا کہ اس نے پوپیلو گاؤں میں سیکڑوں لاشوں کو دفنایا جن میں کافی تعداد سر کٹی لاشوں کی تھی۔

قتل عام سے جو چند افراد بچے اور جنہوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ شخص ان میں سے ایک ہے۔ اب وہ رات کو سو سکتا ہے۔ مگر اس وقت وہ غصے سے پاگل ہو گیا جب صدر عبدالرحمن واحد نے قتل عام کے بارے کہا کہ صرف پانچ افراد قتل ہوئے ہیں۔ اس نے کہا "جو کہے گا کہ میرے گاؤں میں صرف 5 آدمی مرے ہیں، میں اپنے مکے سے اس کا منہ بند کر دوں گا۔"

پادری کا کہنا مسلمان کالے دھبہ کی طرح ہیں ہمیں اس دھبہ کو مٹانا ہے

اپریل میں شائع ہونے والی اس رپورٹ کے مطابق تازہ ترین واقعات 8 اور 9 مارچ کو سب ڈسٹرکٹ گانے، تیمور گانے بارت اور جزیرہ ہل ماہیرہ کے گلیلا میں پیش آئے

ہیں۔ فدا، مافا، متونگ اکیلا مو اور بانو من کے دیہات میں کم از کم تیس مسلمان قتل، درجنوں زخمی، دو مساجد سمیت 150 عمارتیں نذر آتش ہوئیں۔

مسلم کش فسادات میں کل کتنی اموات ہوئیں، ان کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے۔ بعض سرکاری اہلکاروں کے مطابق ملاکو اور شمالی ملاکو میں 17 ہزار سے زیادہ افراد مارے جا چکے ہیں، مگر انسانی حقوق کی تنظیمیں تعداد اس سے کہیں زیادہ بتاتی ہیں۔

بدترین مظالم ہل ماہیرہ میں پیش آئے جو صوبے کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ صرف ایک رات میں صلیبی جنگ جوؤں کے لشکر نے توبیلو اور گلیلا کے کئی مسلمان دیہاتوں کی تقریباً ساری آبادی کا صفایا کر دیا۔ کم از کم 800 افراد کو ذبح کیا گیا۔ بڑی تعداد میں گلیوں اور مساجد کے اندر خواتین کو بے آبرو کیا گیا اور بے شمار مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ عوام کے ایک ہفتے کے شور وغل کے بعد انڈونیشی فوج کے صلیبی افسر اور مقامی کمانڈو بریگیڈیر جنرل تاما ئیلا (tamaela) نے اعتراف کیا کہ دس دنوں کے فسادات میں 771 مسلمان قتل ہوئے ہیں۔ اگلے روز "ہل ماہیرہ" کے پولیس چیف نے بیان دیا کہ ہل ماہیرہ کی صرف ایک مسجد میں جزیرہ جاوا کے 216 پناہ گزینوں کو زندہ جلایا گیا۔

31 دسمبر 1999ء بروز جمعۃ المبارک "تمیلو" کے علاقے میں عیسائیوں کا ایک گروہ اپنے پادریوں کی قیادت میں "راکارو" نامی علاقے کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ ان کے ساتھ میوزک بینڈ بھی بج رہا تھا اور ان کا پادری لاؤڈ اسپیکر پر یہ کہہ رہا تھا:

"مسلمانوں کا وجود انڈونیشیا میں کالے دھبے کی طرح ہے۔ ہمیں اس دھبے کو مٹانا ہے۔ ڈرو نہیں، آگے بڑھو! ہالینڈ، برطانیہ اور آسٹریلیا ہمارے ساتھ ہیں۔ آؤ تمیلو کو دوسرا اسرائیل بنا دو۔" تمیلو میں صرف دس روز میں دو ہزار اسی (2080) مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ ملوکو کے سارے جزائر میں قتل و غارت گری کا سلسلہ اسی طرح جاری ہے۔

مسلمانوں پر عیسائیوں کے حملے کے متعدد واقعات

24 جنوری 2000ء کو جزائر سوہی میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا جس میں دو ہفتوں کے دوران 1100 مسلمان شہید کر دیے گئے۔ عیسائیوں کے مظالم کا یہ سلسلہ لمبوک جزائر تک پھیلا ہوا ہے۔

16 مئی 2000ء کی شام کو عیسائیوں نے صوبہ باگولا (baguga) کے علاقے نی اونگ فرڈینینڈس (nyong ferdinandos) جو کہ مسلمانوں کا علاقہ ہے، پر حملہ کر دیا۔ مسلمان جان بچا کر قریبی علاقے لاریئر ڈیسا پاسو (larier desa passo) میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔ اسی جھڑپ میں 4 مسلمان شہید ہوئے اور 70 زخمی۔

17 مئی 2000ء کو آہورو (ahuro) نامی علاقے میں مسلمانوں اور عیسائی ملیشیا کے درمیان جھڑپ ہوئی جس میں 12 مسلمان شہید اور 40 زخمی ہو گئے جب کہ ایک عیسائی ہلاک اور 8 زخمی ہوئے۔ عیسائی ملیشیا کے پاس وافر مقدار میں پیٹرول اور دستی بم تھے۔

18 مئی 2000ء صبح چھے بجے سے شام ساڑھے چار بجے تک عیسائی ملیشیا اور مسلمانوں کے درمیان جھڑپ ہوئی جس میں 19 مسلمان شہید اور 51 زخمی ہو گئے۔ عیسائی ملیشیا کے نقصان کا علم نہیں ہو سکا۔

ملوکو میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور ترقی یافتہ ذرائع کے اس دور میں دنیا اس سے بے خبر تھی۔ حالانکہ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ذرائع ابلاغ کی ترقی کی وجہ سے دنیا سمٹ کر گاؤں (گلوبل ولیج) بن چکی ہے۔ یہ بات درست ہے لیکن ایسا تب ہوتا ہے کہ جب معاملہ کافروں کے مفادات کا ہو۔ لیکن جہاں مسلمانوں کا معاملہ ہو، مسلمان مظلوم ہوں، مسلمانوں کے خطوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہو رہی ہوں اور ظلم کرنے والے کافر ہوں تو سب کو چپ سی لگ جاتی ہے اور یہ اندھے، بہرے اور گونگے ہو جاتے ہیں۔ مجرمانہ خاموشی کے ساتھ معاملات کو دبا دیا جاتا ہے۔ یہ سب حقائق جو ہم نے آپ کے سامنے پیش کیے ہیں، ہمیں انڈونیشیا سے متعلق کئی اہم مسلم شخصیات کے ذریعے معلوم ہوئے۔ یہ ان واقعات کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں کہ جو وہاں ہو رہے ہیں۔ لیکن میڈیا سے ہمیں صرف یہی پتہ چلتا ہے کہ وہاں صرف معمولی نوعیت کے آپس میں فسادات ہو رہے ہیں اور بس!!

یہاں مسلمانوں کو کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے؟ یہ وہی جرم ہے جو کشمیر کے مسلمانوں نے کیا ہے چیچنیا، کوسوو، بوسنیا، فلپائن، فلسطین، برما، ہندوستان، اریٹیریا کے مسلمانوں نے کیا ہے۔ اور وہ جرم کیا ہے؟ قرآن مجید اس کی وضاحت کرتا ہے: وما نقموا منهم الا ان یومنوا بالله العزیز الحمید

ترجمہ: ان کا جرم سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تھے۔

انڈونیشیا میں آدم خور صلیبیوں کے مسلمانوں پر حملے

رونگٹے کھڑے کر دینے والی دلخراش رپورٹ

ایک ہزار عیسائی جنگجوؤں کا حملہ

انڈونیشیا کے جزیرہ بورنیو کے مسلمان انتہائی وحشی اور خونخوار دشمن کے ہاتھوں قتل وغارت اور نسلی صفائی جیسے مظالم کا سامنا کر رہے ہیں۔ قتل وغارت اور نسلی صفائی کا یہ وحشیانہ کھیل عیسائی اور ڈیاک (dayak) قبیلہ کے آدم خور مظاہر پرست کھیل رہے ہیں۔ جزیرہ کے صوبہ کالمنتان (kalmantan) سے موصول ہونے ولی جو رپورٹیں روزنامہ ”انڈیپنڈنٹ“ لندن اور دیگر اخباروں میں شائع ہوئی ہیں، وہ رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہیں۔ ان رپورٹوں کے مطابق سینکڑوں مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا ہے یا پھر آدم خوروں نے انہیں اپنی خوراک بنالیا ہے۔ ہزارہا مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا ہے۔

بورنیو کے مغربی ساحلی قصبے میں مسلمانوں پر جو حملے ہوئے ہیں یہ فروری کے آخر میں معمولی تنازعہ یعنی بس کے کرایہ پر شروع ہوئے۔ ڈیاک قبیلہ کے خونخوار آدم خور اپنے ہم نسل شہریوں کی حمایت میں پہاڑیوں سے اتر کر شہر چلے آئے اور اس طرح مسلمانوں پر حملے آئندہ چند ہفتوں تک جاری رہے۔

کئی دنوں کی لڑائی کے بعد انڈونیشی دستوں نے ۲۲ تا ۲۴ مارچ کو ڈیاکوں کا کریک ڈاؤن کیا مگر سرکاری دستے مسلمانوں کو آدم خور ڈیاکوں سے بچانے میں ناکام رہے۔ تنازعہ کا مرکز کالمنتان صوبہ کے شمال مغرب میں واقع سمباس (sambas) قصبہ ہے۔ قصبے پر تقریبا ایک ہزار جنگجوؤں نے حملہ کیا۔ یہ خونخوار جنگجو جزیرے کے گھنے جنگلات سے آئے۔ وہ تیر کمانوں، نیزوں اور گنوں (guns) وغیرہ سے مسلح تھے۔ اس حملہ کے بعد بیشتر مسلمان جنگلوں میں بھاگ گئے جنہیں بعد میں حملہ آوروں نے شکار کر کے قتل کر دیا۔ ان کی جائیدادیں لوٹ لی گئیں اور گھر جلا دیے گئے۔ حملہ انتہائی منظم تھا۔ سامان خورد ونوش اور دیگر ضروری اشیاء کے ٹرک حملہ آوروں کو برابر خوراک و دوسری اشیاء فراہم کرتے رہے۔

مسلمانوں کے بازو اور ٹانگیں آگ پر روسٹ کی گئی

ہر عمر کے مسلمان، مردوں، عورتوں اور بچوں کو بے رحمی سے چیرا پھاڑا اور کاٹا گیا۔ بعض افراد کو زندہ ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ کٹے ہوئے ”سر“ سڑکوں کے کناروں پر رکھ دیے گئے یا پھر شہروں میں ٹرافیوں کی طرح اٹھا کر گھمایا گیا۔ کان، انگلیاں، ناک اور دیگر حصے کاٹ کر ڈیاکوں نے بطور زیور پہن لئے۔ مارکیٹ کے چوک میں نوجوانوں نے مسلمانوں کے دل اور جگر نکال کر پکائے اور وہاں لوگوں میں تقسیم کیے۔ کٹے ہوئے بازو اور ٹانگیں آگ پر روسٹ کی گئیں اور جو حصے بچ گئے کئی جنگجو بعد میں کھانے کے لئے انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ ایسے ہی دلخراش مناظر کی رپورٹیں دیگر قریبی قصبوں اور دیہاتوں سے بھی ملی ہیں۔ کتنے آدمی قتل ہوئے، کتنوں کو کاٹ کر پکایا اور کھایا گیا؟ اس کی گنتی کرنا مشکل ہے لیکن یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تعداد سینکڑوں میں ہے۔ حکام کا کہنا ہے کہ چوں کہ لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے اس لئے گنتی کرنا ممکن نہیں۔ ایک اخباری خبر میں قتل کیے جانے والوں کی تعداد ایک ہزار بتائی گئی ہے، قتل کی وارداتیں بڑی تعداد میں دور دراز کے علاقوں میں بھی ہوئی ہیں۔ متاثرہ قصبوں سے تیرہ ہزار سے زیادہ مسلمانوں نے اپنے گھروں سے بھاگ کر چھاؤنیوں یا پھر صوبائی دارالحکومت پونٹیانک (pontianak) میں پناہ لی ہے۔ حکومت نے دو ہزار سے زیادہ پولیس اور دیگر فورسز کے جوان علاقے میں بھیجے اور انہیں حکم دیا کہ فسادیوں کو دیکھتے ہی گولی مار دیں۔ وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی آبادی اور گھنے جنگلات کے باعث حکومتی دستے کامیاب نہیں ہو سکے۔ یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ بعض علاقوں میں آدم خور حملہ آوروں کے خوف سے پولیس نے مسلمانوں کو تحفظ دینے سے انکار کر دیا کہ کہیں وہ (پولیس والے) خود ہی آدم خور ڈیاکوں کا شکار نہ بن جائیں۔

اس علاقے میں یہ کوئی پہلا فساد نہیں۔ تین سال قبل تقریباً ۳ ہزار مسلمانوں کو (جو ہمسایہ جزیرہ مادورا کے آبادکار تھے) ڈیاکوں نے ایسے ہی قتل کر دیا تھا۔ ہر موقع پر فساد کی وجہ معمولی واقعات ہی بنے ہیں، مثلاً زمین کا تنازعہ یا پھر مسلمانوں کا عیسائیوں اور مظاہر پرستوں سے کلچرل فرق۔ ڈیاکوں نے ہر موقع پر پہاڑوں سے اپنے ہم نسلوں کو بلا لیا اور ان جنگجوؤں نے بد ترین قتل وغارت کی۔

انڈونیشیا میں 25 ہزار مسلمانوں کا قتل

بورنیو میں یہ وحشیانہ مظالم اس وقت ہوئے جب انڈونیشیا کے دیگر حصوں میں بھی مظالم کا سلسلہ جاری تھا۔ دیگر حصوں میں ہونے والے مظالم بورنیو کی نسبت بہت کم ہیں۔ ملاکو صوبہ کے جزیرہ امبون میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان سات ہفتوں تک رہنے والی لڑائی میں ۲۰۰ سے زیادہ مسلمان مارے گئے ہیں۔ یہ لڑائی وسط جنوری میں شروع ہوئی تھی۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق کم وبیش ۳۳ ہزار افراد کو فاقہ کشی کا خطرہ ہے تشدد نے جزیرے کے معاشی حالات کو مفلوج کر دیا ہے۔ جزیرہ باقی دنیا سے تقریباً کٹ چکا ہے۔ یہاں بھی عیسائی جارحیت کا نشانہ مسلمان ہی بنے ہیں۔

جنوب مشرقی جزیرے مانگون میں عیسائیوں نے ۱۴ اپریل کو ایک مسجد پر حملہ کر کے ۳۰ مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ اس علاقے میں ہونے والے فسادات میں مرنے والوں کی تعداد ۱۲۰ تک جا پہنچی ہے۔ مسجد میں نماز فجر پڑھتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کیا گیا۔ اس کے بعد ہسپتال پر بھی عیسائیوں نے قبضہ کر لیا اور زخمیوں کو طبی امداد نہ مل سکی۔ عیسائی دہشت گردوں کے حوصلے اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ ۱۹ اپریل کو جکارتہ میں صدارتی محل سے صرف نصف میل کے فاصلے پر واقعہ جنوب مشرقی ایشیا کی سب سے بڑی مسجد ''مسجد استقلال'' میں بھی بم دھماکہ کر دیا۔ دھماکہ تین بجے ہوا۔

(بشکریہ بیدار ڈائجسٹ)

کان آنکھ اور انگلیوں کا زیور

ابھی حال ہی میں روزنامہ انڈیپنڈنٹ لندن اور دیگر اخباروں میں یہ دل دہلا دینے والی رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ انڈونیشیا کے جزیرہ بورنیو کے مسلمان انتہائی وحشی اور آدم خور صلیبیوں کے ہاتھوں وحشیانہ مظالم کا سامنا کر رہے ہیں۔ محض مذہبی اختلاف کی بناء پر جزیرہ کے صوبہ کالنات (kalimantan) میں صلیبیوں اور ڈیاک (dayak) قبیلے کے آدم خور مظاہر پرستوں نے مسلمان اقلیت پر مسلسل حملے کر کے سینکڑوں افراد کو قتل کر دیا۔ پھر ہر عمر کے مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو بے رحمی سے چیر پھاڑ دیا گیا۔ کٹے ہوئے سر سڑکوں کے کنارے رکھ

دیے گئے یا پھر شہر میں ٹرافیوں کی طرح اٹھا کر گھمایا گیا۔ کان، انگلیاں، ناک اور دیگر حصے کاٹ کر ذیاکوں نے بطور زیور پہن لیے۔ مارکیٹ کے چوک میں نوجوانوں نے مسلمانوں کے دل اور جگر پکا کر لوگوں میں تقسیم کیے۔ کاٹے ہوئے ہوئے بازو اور ٹانگیں آگ پر روسٹ کی گئیں۔ یاد رہے کہ انڈونیشیا میں مسلمانوں کے خلاف صلیبیوں کے یہ حملے ایک عرصے سے عالمی عیسائی طاقتوں کی شہ پر ہو رہے ہیں تاکہ انڈونیشیا میں مسلم عیسائی فسادات کرا کر اس مسلم ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔

مسلمان عورتوں کی عصمت دری

برطانیہ کے ماہنامہ امپیکٹ (اپریل ۲۰۰۰ء) نے تفصیل سے بتایا کہ کس طرح فسادات کا آغاز ہوا۔ کن علاقوں میں مسلمانوں پر تشدد کیا گیا، مسلمانوں کو کن علاقوں سے نکالا گیا اور ان کی املاک کو نذر آتش کیا گیا۔ پانچ ڈاکٹروں کی ڈائری کے اقتباسات پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سڑکوں پر مسلمان عورتوں کی عصمت دری کی گئی، اکا دکا مسلمان گھرانوں پر کتے چھوڑ دیے گئے تاکہ وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر جنگلوں یا ہمسایہ جزیروں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائیں، مساجد کی دیواروں کے ساتھ لگا کر مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔ توبیلو ضلع میں گولیلا داگاؤں کی "مسجد اخلاص" کے ساتھ مسلمانوں کی لاشوں کو جلا دیا گیا۔ عیسائیت قبول نہ کرنے والی عورتوں کو ٹرکوں میں بھر کر لاپتہ کر دیا گیا، ان پر کیا گزر رہی ہے کوئی نہیں جانتا۔

عالم اسلام کے ایک سرے نائیجیریا سے عیسائی مسلم فسادات کے نام پر مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی خبریں آتی ہیں تو دوسرے سرے انڈونیشیا سے بھی اس نوعیت کی خبروں کی کمی نہیں ہے۔ تہذیبوں کے تصادم کی پیشن گوئیاں کرنے والے شاید پیشن گوئیوں کو سچا کر دکھانے پر عمل پیرا ہیں۔

۲۵ ہزار افراد کا قتل

انڈونیشیا کے جزائر ملاکا میں گذشتہ ڈیڑھ برس میں ۲۵ ہزار سے زائد افراد مذہبی بنیادوں پر قتل و غارت کا شکار ہو چکے ہیں۔ قتل کرنے والے اور مسلم آبادیوں اور قصبوں کو تاراج کرنے والے پروٹسٹنٹ مسیحی ہیں۔ ۵ لاکھ انسان ظلم و تشدد کی داستانوں کے ساتھ ہمسایہ صوبوں میں پناہ لے چکے ہیں۔ سب سے بڑی اسلامی مملکت میں مسلمان ہی نسل کشی، جبری انخلا اور اجتماعی

عصمت دری کا شکار ہو رہے ہیں اور اس پر کہیں آہ و بکا بھی نہیں۔

مسلمانوں کے قتل عام کے لئے ملوکو میں دہشت گردی کے کیمپ کھل گئے

ملوکو کے دہشت گرد عیسائیوں نے ایمبون کے جنگلوں میں تربیتی کیمپ قائم کر لئے۔ آسٹریلیا، فلپائن، آئرلینڈ اور دیگر مغربی ملکوں کی طرف سے حمایت اور اسلحہ آنے کے بعد عیسائیوں میں نیا جوش پیدا ہو گیا۔ تربیتی کیمپوں میں سینکڑوں عیسائی نوجوان مسلمانوں کے قتل عام کی تربیت حاصل کرنے پہنچ رہے ہیں۔ عیسائیوں کی ریڈ آرمی کے سربراہ سا کیوس اوڈرا نے ایمبون میں بتایا کہ ہم مسلمانوں کے خلاف جنگ جاری رکھیں گے اور انہیں ملوکو سے بھگا کر یا ختم کر کے دم لیں گے۔ دوسری طرف عیسائی ملیشیا کا اب نیا نام لشکر مسیح رکھ دیا گیا۔ لشکر مسیح کا سربراہ بھی سا کیوس اوڈرا کو مقرر کیا گیا ہے۔ لشکر مسیح کے سربراہ نے ایمبون میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان یہاں اقلیت میں ہیں اس لئے انہیں یہاں رہنے کا حق نہیں ملوکو میں عیسائی اکثریت کو ہی رہنے کا حق ہے اور ہم یہ حق حاصل کریں گے۔ یہاں قابل ذکر امر یہ ہے کہ ایمبون میں ایمرجنسی کا نفاذ بھی بے اثر رہا ہے ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد بھی عیسائی دہشت گرد بغیر کسی رکاوٹ کے انہی کیمپوں میں تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ ان تمام تربیتی کیمپوں کو اسلحہ ریڈ کراس جو مہاجرین کی امداد کے بہانے آئی ہوئی ہے فراہم کر رہی ہے۔ لشکر مسیح کے مسلح غنڈے سروں پر سرخ پٹیاں باندھ کر دندناتے پھر رہے ہیں۔

ملوکو عیسائی ملیشیا نے مسلمان مہاجرین کی کشتی ڈبو دی

انڈونیشیا کے صوبے ملوکو میں جہاں عیسائیوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا تھا اور جس کی وجہ سے لاکھوں مسلمان ہجرت کر کے دور دراز چلے گئے تھے۔ واپسی کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ عیسائی ملیشیا جسے امریکہ، یورپ اور آسٹریلیا سمیت دنیا بھر کی عیسائی دنیا کی حمایت حاصل ہے۔ واپس آنے والی سلمانوں کی کشتیوں پر حملے شروع کر دیے ہیں۔ گزشتہ ہفتے شمالی ملوکو میں عیسائی ملیشیا نے ایک ایسی کشتی کو جس پر مسلمان مہاجرین سوار تھے سمندر میں ڈبو دیا یہ کشتی

مہاجرین کو ترنانی سے لے کر اولیو پترا جا رہی تھی کہ عیسائی ملیشیا کا نشانہ بن گئی۔ کشتی پر 70 مہاجر سوار تھے۔ جن کی اکثریت ڈوب گئی ہے۔ ڈوبنے والے مہاجرین کی تلاش شروع کردی گئی ہے اور تا حال 4 بچوں اور 7 بڑے افراد کی لاشیں مل چکی ہیں۔ حکام نے عیسائی ملیشیا اور بیرونی ممالک کے دباؤ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا کہ کشتی سمندر میں چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہوئی۔ یاد رہے کہ لشکر جہاد کی ملوکو آمد سے امن وامان بڑی حد تک بحال ہو چکا ہے اور مہاجرین گھروں کو لوٹنا شروع ہو گئے لیکن عیسائی ملیشیا نے ایک بار پھر سر اٹھالیا ہے۔

عیسائی قریب قصبہ ٹوبیلو کے مسلمانوں کے علاقہ میں گئے

سروں پر سرخ پٹیاں باندھے عیسائیوں نے دیہاتی آبادی کے کئی مسلمانوں کو ایک مقامی مسجد میں گھیر کر اندر کر دیا اور پھر مسجد کو بارود کے ذریعے اڑا دیا گیا (یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک مسلمان ملک کی مسلمان آبادی تو چھری اور چاقو سے لڑائی کر رہی ہے جبکہ عیسائی بارود اور آتشیں ہتھیاروں سے لیس ہیں اور انہیں استعمال کر رہے ہیں ظاہر ہے یہ ہتھیار مقامی طور پر تیار تو نہیں ہو رہے، کوئی ہے جو ان ہتھیاروں کی فراہمی کا ذمہ دار ہے، یہ مسلمانوں کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ آخر وہ کون ہو سکتا ہے) ٹوبیلو کی مسجد میں درجنوں افراد شہید ہو گئے، ٹوبیلو کی آبادی سے نکل کر بھاگنے والے مسلمان حسن کی ایک آنکھ ایک عیسائی دہشت گرد نے تیر مار کر پھوڑ ڈالی۔ اس نے بتایا کہ ایک عیسائی گن مین نے اس کے 20 سالہ لڑکے کو اس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کر ڈالا، حسن اور اس کے دیگر اہل خانہ نے قریبی جنگل میں جا کر پناہ لی۔ جہاں وہ کئی دنوں تک پانی اور خوراک کے بغیر زندہ رہے۔

میں گھر بار اور اپنا بیٹا کھو چکا ہوں اور اب میں اپنے پرانے خاندان کے ٹوٹے پھوٹے مکان میں رہائش پذیر ہوں

* * *

باب نمبر 11

فلسطین میں مسلمانوں کا قتل عام

مسجد اقصیٰ اور دوسرے مقدس مقامات پر

یہودیوں کی بمباری، بیت المقدس کے فوجی حاکم کا بیان

فلسطین کی عرب مجلس اعلیٰ کو بیت المقدس کے فوجی گورنر کی جانب سے ایک بیان موصول ہوا ہے۔ جس میں اس حملہ کی تفصیل بتائی گئی ہے، جو یہودیوں نے نو۔ دس رمضان المبارک مطابق ۱۶۔ ۱۷ جولائی ۴۸ء کو بیت المقدس پر کیا، اس حملہ میں یہودیوں نے سیکڑوں تباہ کن اور آتش گیر بم حرم شریف اور دوسرے مقدس اسلامی مقامات پر گرائے جن سے زبردست جانی و مالی نقصانات ہوئے۔ عالم اسلامی کی آگاہی کے لئے ذیل میں وہ بیان پیش کیا جاتا ہے۔

نو۔ دس رمضان المبارک ۱۳۶۷ء مطابق سولہ۔ سترہ جولائی ۱۹۴۸ء، بیت المقدس کے لئے سب سے سخت رات تھی۔ وحشی یہودیوں نے ساڑھے آٹھ بجے اس مقدس شہر میں بمباری شروع کی اور چار بجے تک بمباری کا سلسلہ جاری رہا۔ اس حملہ میں یہودیوں نے دو۔ تین اور چھ انچ کے دہانے والی توپوں سے سرنگ بچھانے والی مشینوں سے جو بم گرائے ان کی تعداد چار اور پانچ سو کے درمیان ہے۔ ان بموں کی بڑی تعداد مقدس عبادت گاہوں پر گری۔

(۲) ایک بم متبرک مسجد اقصیٰ کی چھت پر گرا جس سے چھت کے مشرقی حصہ میں شگاف پیدا ہو گیا۔ اور بعض کھڑکیوں کو نقصان پہنچا۔ دو بم مسجد کی چھت کے دوسرے گوشے میں گرے۔ چھت کے بڑے حصے کو نقصان پہنچا۔ ان بموں سے آگ بھی لگ گئی لیکن آگ پر بہت جلد قابو پالیا گیا۔

(۳) ایک اور بم صخرہ مشرفہ پر گرا۔ جس سے جسّتے میں شگاف ہوگیا۔ یہ بم صخرہ کے اندرونی حصے تک چلا گیا۔ اس نے تختِ منقش میں دو گز لمبا اور دو گز چوڑا سوراخ بنا دیا۔ نیز اس بم سے تین تاریخی کھڑکیاں تباہ ہوگئیں۔ ان کھڑکیوں میں سے ایک تقریباً تیرہ سو سال پرانی تھی۔ چھ دوسری کھڑکیوں کو زبردست نقصان پہنچا۔ مقام معراج پر بھی ایک بم گرا۔ جس سے تین سائبان ضائع ہوگئے۔ علاوہ ازیں حرم شریف، صحن میں چالیس بم گرے، جس سے نمازیوں کی بڑی تعداد شہید ہوگئی۔

(۴) ایک اور بم سرخ مینار والی جامع مسجد پر گرا۔ جس سے صحن کی مشرقی دیوار زینہ اور اس کے فوارے کو نقصان پہنچا۔ مسجد کے دوسرے حصے میں بھی معمولی نقصانات ہوئے۔

(۵) ایک بم جد عمرؓ پر گرا جس سے مسجد کے دروازے کو کافی نقصان پہنچا۔

اس کے علاوہ بعض یتیم خانے اور مدرسے اور شہر کی منڈیاں بمباری سے تباہ ہوگئیں۔ بمباری سے ٹیلی فون اور بجلی کے تار پانی کے نل بیکار ہوگئے۔ سڑکوں میں جابجا گڑھے بن گئے۔

بلاشبہ یہودیوں کی یہ چیرہ دستیاں دنیائے عرب اور دنیائے اسلام کے لئے تازیانہ عبرت ہیں، واقعات آنے والے مصائب وحالات کا پیش خیمہ ہیں۔ جن کی سازش یہودی مکمل کر چکے ہیں۔

وحشت اور بربریت کی بعض مثالیں

اس چھوٹی سی کتاب میں اتنی گنجائش نہیں کہ یہودیوں کے مظالم کی بات کی جائے۔ ہم یہاں ان کے بعض جرائم کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جن کی مثال تاریخ عالم میں مشکل سے ملے گی۔

یہودیوں نے اپنے جرائم کا آغاز "دیر یسین" کی بستی سے کیا۔ یہ اپریل ۴۸ء کا واقعہ ہے۔ یہاں انہوں نے تین سو انسانوں کو جن میں بڑی تعداد عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی تھی، بکریوں کی طرح ذبح کیا۔ اور ان کی لاشوں کو کنوؤں میں ڈال دیا۔ تاکہ اپنے ان وحشیانہ جرائم کی پردہ پوشی کر سکیں۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیئے۔ راستے میں انہیں جو بچے مل جاتے انہیں اپنا نشانہ بناتے، اور ان کے اوپر لوہے کی تختیاں رکھ کر ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں

چلاتے ان معصوم اور بے گناہ روحوں کے قتل سے اپنی پیاس بجھانے کے بعد انہوں نے کچھ عورتوں اور لڑکیوں کو گرفتار کیا۔ اور انہیں موٹروں میں بٹھا کر یہودی محلوں میں گشت کرایا۔ جہاں یہودی ان پر تھوکتے تھے، اور انہیں شرمناک اور ناگفتہ بہ الفاظ سناتے تھے۔ بعد ازاں ان عورتوں کو عرب محلّہ کی حدود پر چھوڑ دیا گیا، اور انہیں واپس جانے کا حکم دیا گیا۔ اور جب انہوں نے واپس جانا چاہا تو انہیں گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔

دیر یسین میں جو کچھ پیش آیا، یہ اس کا معمولی نمونہ ہے۔ اسی قسم کے بلکہ اس سے کچھ بڑھ چڑھ کر واقعات، حیفہ، یافہ بر یہ فصد، ساریس، شجرہ اور پھر لد، ناصرہ وغیرہ دوسرے مقامات میں پیش آئے۔

علاوہ ازیں ان بدبختوں نے اسپتالوں میں بکثرت زخمیوں کو قتل کیا۔ اور ان ڈاکٹروں اور نرسوں کو بھی قتل کر دیا جو زخمیوں اور بیماروں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ عرب قیدیوں کے لئے انہوں نے بارکیں بنوائیں جو نازی بارکوں سے مشابہ تھیں۔ قیدیوں کے ساتھ یہ انتہائی وحشیانہ سلوک کرتے، انہیں کوڑوں سے مار مار کر بے ہوش کر دیتے۔ پھر ان پر سرد پانی ڈالتے۔ اور جب انہیں ہوش آتا، تو پھر یہی کاروائی شروع کر دیتے۔ ان کے ہاتھ اور پیر مضبوط رسی میں باندھ کر دیوار سے باندھ دیتے اور ان کے کھانے کے لئے روٹی کے سوکھے ٹکڑے پیش کرتے اور ان سے دور رکھتے۔ پھر انہیں کھانے کا حکم دیتے۔ اور جب یہ مظلوم اس کھانے تک پہنچ نہ سکتے تو اس جرم پر انہیں بری طرح مارا جاتا۔ اور ان سے کہا جاتا کہ جب تک اسے نہ کھاؤ گے مار پڑتی رہے گی۔

یہودیوں نے عرب اسپتالوں کا سامان بھی لوٹ لیا۔ اور بے شمار عربوں کے گھروں کو لوٹ لیا، اور آگ لگا دی۔ اور گھر والوں کو صحراؤں میں بھاگنے پر مجبور کیا۔

بکثرت انسانوں کو زندہ آگ میں جلا دیا۔ یہودی جب کسی بستی میں داخل ہوتے تو بچوں کو پکڑ کر آگ میں زندہ ڈال دیتے، ان کی ماؤں کو گرفتار کرتے، انہیں یہ منظر دکھاتے اور پھر ان کو بھی اسی آگ میں ڈال دیتے خوبصورت نوجوان لڑکیوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جاتے، جن کے متعلق بعد میں معلوم ہوا کہ تل ابیب میں شرمناک پیشے پر مجبور کیا جاتا۔

شہر لد پر جب یہودیوں نے قبضہ کیا تو چار ہزار اشخاص کو مسجد میں جمع کیا۔ رمضان مبارک کا مہینہ اور یہ سب لوگ روزے سے تھے۔ انہیں دو دن تک بغیر کھانے اور پینے کے رکھا

گیا۔ اور جب انہوں نے پانی طلب کیا، تو یہودی پانی لائے۔ اور ان کے سامنے اس میں پیشاب کیا۔ اور پھر انہیں یہی پانی پینے پر مجبور کیا۔

”لد“ اور ”رملہ“ کے باشندوں کو دو دن تک بھوکا اور پیاسا رکھنے کے بعد ان میں سے ایک بہت بڑی تعداد کو قتل کرنے کے بعد یہودیوں نے بقیہ اشخاص کو حکم دیا کہ، پندرہ منٹ کے اندر دونوں شہروں کو خالی کر دیں، اور ان پر مشین گنوں سے فائرنگ شروع کر دی جس سے تقریباً دو ہزار آدمی راستے میں مر گئے۔ تصدیق بین الاقوامی ریڈ کراس نے بھی کی ہے۔ اور اس کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کیا ہے۔

یہودیوں نے نہ صرف عربوں کے مکانات کا جملہ سامان لوٹ لیا، بلکہ ان کے دروازے اور کھڑکیوں تک نکال لے گئے۔ اور اکثر مکانات میں آگ لگا کر انہیں ویران کر دیا۔

یہودیوں کی مسلمانوں کے خلاف نفرتیں

ایک یہودی مصنف نے لکھا ہے کہ:

اس عظیم تر اسرائیل میں پورا شام، پورا لبنان، اردن و عراق کا بڑا حصہ، صحرائے سینا، بالائی نجد اور مدینہ منورہ تک شامل ہے۔ کیونکہ سرور کائنات ؐ کے عہد میں یہود مدینہ میں آباد تھے۔

بن گوریاں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ

”یہودیوں کے لئے الگ سلطنت کا قیام صہونیت کا واحد مقصد نہیں ہے بلکہ اسرائیل کے قیام کے بعد ہمارے لئے اپنی تحریک کو آگے بڑھانا ضروری ہو گیا ہے۔ اسرائیل کی حکومت صرف ایک وسیلہ ہے، منزل نہیں ہے۔“

اور مسٹر بیجمین نے اسرائیلی پارلیمنٹ میں بہت پہلے بتا دیا تھا:

”اسرائیل کے لوگوں اور خود اسرائیل کی اس وقت تک کوئی اہمیت نہ ہو گی۔ جب تک کہ ہم اپنا پورا علاقہ بغیر امن کے اور صلح ناموں پر دستخط کئے بغیر آزاد نہ کرا لیں۔“

جون ۱۹۶۷ء میں جو جنگ ہوئی، اسرائیل اس جنگ کے لئے مدت سے تیاری کر رہا تھا، جبکہ عرب اس کے برخلاف اس پیمانے کی تیاری نہ کر سکے۔ قیام اسرائیل کے بعد سے

یہودیوں کا ہر قدم یہودی قوم کو ایک جنگجو فوج میں بدلنے کے لئے ہوتا ہے۔ ۱۹۵۱ء میں ایک یہودی صنعت کار نے ایک صنعتی رسالہ میں لکھا تھا:

''ہر معاشی قدم اور ہر ترقیاتی پروگرام فوجی نقطہ نظر سے بنایا جاتا ہے، چنانچہ اسرائیل کی مختلف شعبوں میں تعمیر و ترقی کی منصوبہ بندی، فوجی ضروریات کے مطابق، کچھ اس انداز میں ہوتی ہے کہ اسے کسی وقت بھی فوجی مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔''

اسرائیل کے سابق وزیر خارجہ مسٹر شیرٹ نے یروشلم میں ہجانہ کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بہت پہلے کہا تھا کہ:

''میں اسرائیل کے لوگوں سے کہتا ہوں کہ وہ خود کو مضبوط اور طاقتور بنائیں تمام اسرائیل کو جنگ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔'' اس نے اپنی کتاب

''اسرائیل...... میدان جنگ، میں لکھا کہ ''تنہا فوج فتح کی ضمانت نہیں دی سکتی بلکہ پوری قوم کو اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔''

اسرائیل میں جس حد تک جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اس نے ایک یہودی جرنلسٹ کو بھی اس نئے رجحان کی مذمت پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں ایک کتاب لکھی، جس پر اس کے خلاف زبردست ایجی ٹیشن ہوا۔ اور اس پر مقدمہ چلایا گیا۔ اس نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا:

''میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسرائیل میں اولیت انتہائی متشدد۔

یہودیوں کی نئی نسل پیدا کرنے کو حاصل ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ جوانوں کو کس طرح جنگی پیمانے پر تربیت دی جاتی ہے اور فوجی کارروائیوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بالکل وہی ہے جو نازیوں اور فاشسٹوں نے اپنایا تھا۔ انہیں بالکل ان جارحانہ اصولوں پر تعلیم دی جاتی ہے۔ جو فوجی طاقتیں اپنے جوانوں کی تربیت کے لئے اختیار کرتی ہیں۔ بچوں کی پرورش خالصتاً جنگی لائنوں پر ہوتی ہے۔ اسرائیل کی فضا میں جارحیت اور حملہ آوری کا جذبہ طاری ہے۔ اور میں نے سارے اسرائیل میں ایک ہی پکار سنی ہے۔ جنگ کی پکار اور یہی وجہ ہے کہ اسرائیل کا سالانہ جنگی بجٹ ۱۹۴۸ء سے اب تک کبھی بھی تین کروڑ ڈالر سالانہ سے کم نہیں ہوا۔''

جون ۶۷ء کی جنگ سے پہلے ہی امریکی فوجی ماہرین نے اس کی جنگی تیاریوں کے پیش

نظر واضح طور پر یہ کہہ دیا تھا۔ کہ وہ صرف چار پانچ یوم میں اپنے گردوپیش کی عرب ریاستوں کو چیٹ ڈالے گا۔ سیاسی حیثیت سے ہر موقع پر امریکہ اور اس کے ساتھی اس کی پشت پناہی کرتے رہے ہیں اور انہی کی حمایت کی وجہ سے اقوام متحدہ اس کی پے در پے زیادتیوں کا کوئی تدارک نہ کر سکی۔ نومبر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک اقوام متحدہ کے ۲۸ ریزولوشن وہ مسترد کر چکا تھا۔"

ستمبر ۱۳۹۸ء سے نومبر ۱۹۶۶ء تک اقوام متحدہ نے اس کے خلاف گیارہ مرتبہ قرارداد مذمت پاس کی، مگر اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس کی جرأت یا بے باکی کا اندازہ آپ اس سے کر لیجئے کہ جون ۶۷ء کی جنگ کے بعد جب جنرل اسمبلی کا اجلاس شروع ہونے والا تھا۔ اسرائیل کے وزیر اعظم لیوی ایشکول نے علی الاعلان کہا:

"اگر اقوام متحدہ کے ۱۲۲ ممبروں میں سے ۱۲۱ بھی فیصلہ دے دیں اور تنہا اسرائیل کا اپنا ووٹ ہی ہمارے حق میں رہ جائے۔ تب بھی ہم اپنے علاقوں سے نہیں نکلیں گے۔

مسلمانوں کے لئے اسلحہ رکھنے پر موت کی سزا

۱۹۲۴ء میں تنظیم کے اسلحہ خانے میں ستائیس مشین گنیں، ساڑھے سات سو رائفلیں، ایک ہزار پچاس پستول اور ساڑھے سات سو گرینڈ موجود تھے۔ یہ سارا سامان اس اسلحہ کے علاوہ تھا جو تنظیم کے اراکین کے پاس ذاتی استعمال کے لئے موجود تھا۔ یہ اسلحہ ایک امریکی تاجر کے ذریعہ حاصل کیا گیا تھا۔ فلسطین پر قابض برطانوی حکام بڑے پیمانے پر اسلحہ کی ناجائز برآمد سے بے خبر ہرگز نہیں تھے۔ مگر انھوں نے چشم پوشی سے کام لیا صیہونی دہشت پسندوں کی اس قدر ہمت بڑھی کہ ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ انھوں نے تل ابیب اور بعض دوسرے مقامات پر باقاعدہ اسلحہ ساز فیکٹریاں قائم کر لیں۔ رسمی اعتبار سے یہ فیکٹریاں غیر قانونی تھیں لیکن برطانوی حکام کی پالیسی کی وجہ سے ان سے کبھی باز پرس نہیں کی گئی۔ ان فیکٹریوں میں چھوٹے خودکار ہتھیار، گولہ بارود اور بم تک تیار کئے جاتے تھے۔ ۱۹۳۷ء کے ایک معتبر اندازے کے مطابق "ہگانہ" کے اراکین کی تعداد اکیس ہزار تک پہنچ گئی، جس میں چار ہزار خواتین بھی شامل تھیں۔

اس زمانے میں تنظیم کے اسلحہ خانے میں دو سو تین مشین گنیں، ساڑھے چار ہزار رائفلیں اور کوئی دس ہزار پستول موجود تھے۔

برطانوی حکام کی جانبداری کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ۱۹۳۶ء اور ۱۷۳۹ء کے درمیان جب عرب باشندوں نے صیہونیوں کی غیر محدود آمد اور ان کی دہشت انگیزی کے خلاف احتجاج کیا تو ملک میں ہنگامی حالت نافذ کر دی گئی۔ اجتماعی جرمانے اور اسلحہ رکھنے پر موت کی سزا مقرر کی گئی لیکن ان سب قوانین کا اطلاق صرف عرب آبادی پر ہوتا تھا۔ یہودی آباد کار عملاً ان کی زد سے باہر تھے۔ ان تین برسوں کے دوران ایک سو نو عرب باشندوں کو موت کی سزا دی گئی۔ ان کا جرم یہ بتایا گیا کہ ان کے پاس سے اسلحہ برآمد ہوا تھا۔ ہنگامی حالت کے تحت نافذ کردہ قانون کو کس بے دردی سے استعمال کیا گیا۔ اس کی ایک مثال اسی سال شیخ فرحان السعدی کے معاملہ سے ملتی ہے، اس بوڑھے شخص کے گھر سے ایک پرانی رائفل برآمد ہوئی تھی جو عرصے سے غیر استعمال ہونے کے سبب ناکارہ ہو گئی تھی، اور جسے صرف نمائش کے لئے لٹکایا ہوا تھا۔ یہ ناکارہ رائفل برآمد ہونے پر السعدی کو پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیا گیا۔ ایک طرف تو عربوں کے ساتھ اس قدر غیر منصفانہ اور بہیمانہ سلوک کیا جا رہا تھا۔ لیکن دوسری جانب صیہونیوں کو اسلحہ برآمد کرنے بنانے اور ان کے استعمال میں تربیت دینے کی پوری آزادی تھی۔

یہودیوں کے ناپاک عزائم

لارڈ ملنشٹ انگریز اپنے مذہبی جذبات کا ان الفاظ میں اظہار کرتا ہے۔ ''ہیکل سلیمانی کی از سر نو تعمیر کا دن بہت قریب آ گیا ہے اور اپنی بقیہ زندگی کو مسجد اقصیٰ کی جگہ پر ''ہیکل سلیمانی'' کی تعمیر کے لئے وقف کر دوں گا۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا ۱۹۲۶ء میں مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے۔

''یہودیوں کی دلی خواہش ہے کہ اسرائیل کا خون بہا ادا کریں اور فلسطین میں یہود قوم مجتمع ہو کر دوبارہ یہودی حکومت قائم کرے۔ ہیکل سلیمانی کی از سر نو تعمیر کی جائے اور تخت داؤد علیہ السلام دوبارہ قائم کر کے اس پر داؤدی نسل کا کوئی فرد جلوہ افروز ہو۔'' (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا جلد ۲۷، ۲۸۔ ص ۹۸۶، ۹۸۷)

ہم عنقریب عربوں کو فلسطین اور شرق اردن سے نکال کر صحرائے عرب میں دھکیل دیں

گے اور بہت جلد دریائے اردن کے دونوں کناروں پر یہودی حکومت قائم ہو جائے گی۔"

(از بیان فلادیمیٹر جابونگی صدر جماعت صیہونی)

فلسطین میں غیر قانونی طور پر کون رہ رہا ہے

برطانیہ کی حکومت نے فلسطین میں جو رائے شماری کرائی اس کے مطابق حقائق درج ذیل ہیں۔

فلسطین کی کل آبادی	۷۵۲،۱۸۲
مسلمان آبادی	۷۸ فیصد
عیسائی آبادی	۱۰ فیصد
یہودی آبادی	۱۱ فیصد

اور یہودیوں کی اس ۱۱ فیصد آبادی کا ۶۵ فیصد ان یہودی مہاجرین پر مشتمل تھا جو یورپ سے فلسطین منتقل ہوئے تھے۔ جبکہ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ فلسطین کی اس کل آبادی میں وہ ۵۰،۰۰۰ بدوی فلسطینی شامل نہیں جو صحرائے نجد میں مقیم تھے۔

مندرجہ بالا رائے شماری سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ فلسطین میں غیر قانونی طور پر کون رہا ہے؟ یہودی یا مسلمان؟ اب جنرل اسمبلی کی ان قراردادوں کا کیا حاصل کہ جو اسرائیل پر بے اثر ہیں اور اسرائیل کے حاشیہ بردار مسلسل اسے اپنے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لئے امداد مہیا کر رہے ہیں۔ اور اقوام متحدہ اپنی تمام تر قراردادوں اور وسائل کے باوجود بے بس ہے اور عالمی ضمیر خاموش تماشائی ہے۔ لمحہ فکریہ ہے انصاف پسند اقوام اور اسلامی ممالک کے حکمرانوں کے لئے !!! کیا اس بے بس، جانبدار اور صیہونیت نواز ادارے اقوام متحدہ کے وجود اور مردہ جسم کی کوئی مزید ضرورت ہے؟

عرب جیتی ہوئی جنگ ہار گیا

۱۵ مئی ۱۹۴۸ء کو عربوں پر یہودی حملوں میں اضافہ ہو گیا، اور گرد و پیش کی عرب ریاستوں نے بے سہارا عرب آبادی کو مار دھاڑ سے بچانے کے لئے مداخلت کرتے ہوئے اپنی فوجیں فلسطین میں داخل کر دیں۔ اس جنگ میں مقامی عیسائی عربوں کے ساتھ تھے اور باوجود اس کے کہ یہود جدید ترین اسلحہ سے لیس تھے۔ عربوں نے غزہ پٹی، بیر سبع، ذوالکرم ہابس

ان سے خالی کرالئے۔ اور بیت المقدس کے قدیم حصے پر قبضہ کر کے تل ابیب (اسرائیلی دارالحکومت) تک پہنچ گئے۔ یہودیوں کی ناکامی پر بڑی طاقتوں نے مجلس اقوام متحدہ کو جنگ بند کرنے پر مجبور کیا۔ اور عرب لیگ نے گیارہ جون کو بین الاقوامی رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے عارضی صلح کے طور پر چار ہفتوں کے لئے جنگ بند کردینے کا فیصلہ کیا۔ یہ عارضی صلح عربوں کے لئے زہر قاتل تھی۔ جس نے عربوں کی فتح شکست میں تبدیل کردی۔

عارضی صلح کے لئے طے پایا تھا کہ باہر سے کوئی یہودی فلسطین میں داخل نہیں ہوگا۔ فریقین اپنے اپنے علاقوں پر قابض رہیں گے۔ باہر سے کوئی اسلحہ آئے گا اور نہ ہی کوئی جنگی اقدام کیا جائے گا۔ لیکن یہودیوں نے یہ صلح تو صرف دم لینے اور تیاری کی تکمیل کے لئے کی تھی، انھوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور ”چیکوسلواکیہ“ سے دھڑا دھڑ اسلحہ آنے لگا۔

یہودیوں کی اسلحہ کی خریداری

یہودی مصنف جان کمشے لکھتا ہے:

”یہودی ایجنٹ اسلحہ کی خریداری کے لئے پورے یورپ اور امریکہ میں پھیل گئے۔ امریکی یہودیوں نے فراخ دلی سے عطیات دیئے اور تاجروں نے ڈالروں کے عوض اسلحہ کی رسد میں کوئی کمی نہ آنے دی۔ زیکوسلواکیہ نہایت مفید اور مددگار ثابت ہوا۔ پیراگ سے جنوبی فلسطین میں ”سیہونی ماوروے عقر“ تک ہوائی جہازوں سے اسلحہ پہنچنے لگا۔ اسی طرح یہودیوں نے بمبار بھی حاصل کرلئے۔ امریکہ اور برطانیہ سے لڑاکا اور بمبار طیارے فلسطین پہنچ گئے اور جب عارضی صلح ختم ہوئی۔ یہودی فوج کو ایک مختصر لیکن موثر فضائیہ اور ایک چھوٹی لیکن مضبوط اور دلیر بحریہ کی حمایت حاصل تھی۔“

اسرائیلیوں نے ۱۷؍ستمبر کو اقوام متحدہ کے ثالثی نمائندہ کاؤنٹ برناڈوٹ کو ہلاک کردیا۔ جنگ پھر چھڑ گئی۔ ۱۸؍اکتوبر کو اسرائیلی طیاروں نے بیت المقدس پر شدید بمباری کی، جنوری ۴۹ء میں یہود دور مصری حدود میں داخل ہوگئے اور انھوں نے برطانوی بمبار مار گرائے۔ برطانیہ نے معاوضہ طلب کیا تو روس نے یہود کی حمایت کا اعلان کر کے حالات کو مزید ابتر بنادیا۔ ۳۱ جنوری کو گیارہ ہزار قبرصی یہودی فلسطین میں داخل ہوئے، لیکن جب یہود کو مار

پڑنے لگی، تو اقوام متحدہ نے پھر مصالحت کا ڈول ڈالا، اور مارچ ۴۹ء میں جنگ بند کرادی۔ یہ عربوں کی سیاسی موت تھی۔ اسرائیل نے ۷۷ء۴۵ فیصد علاقے پر قبضہ کرلیا تھا۔ اور صیہونی منصوبہ تیسرے مرحلہ میں داخل ہو چکا تھا۔

۱۹۵۰ء میں ڈیوڈ بن گوریاں نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

”ہمیں جوش وخروش کے ساتھ جنگ جاری رکھنی ہوگی۔ یہ بیک وقت فوجی اور سیاسی جنگ ہوگی۔ ہمیں ایک بار پھر سلیمان کے زمانے کی سلطنت قائم کرنا ہے۔“

یہودیوں کا لبنان پر حملوں کا آغاز

اسرائیل نے لبنان کے خلاف بھی دہشت گردی اور ہلاکت خیزی کے وہی طریقے اختیار کیے جن پر وہ مقبوضہ فلسطین کے علاقوں میں عمل پیرا رہا۔

دسمبر ۶۸ء

صیہونی کمانڈوز نے بیروت کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر حملہ کیا اور مڈل ایسٹ ایئر لائنز (MEA) کے ۱۳ تجارتی اور ٹرانسپورٹ طیاروں کو مکمل طور پر تباہ کردیا، اس حملے کی بین الاقوامی پیمانے پر مذمت کی گئی۔

۲۷/ فروری ۷۲ء

اسرائیلی فضائیہ کے فنٹیم اور اسکائی ہاک طیاروں نے ”ارقوب“ کے علاقے میں بمباری کرکے ۱۱ شہریوں کو ہلاک ۵۰ سے زیادہ کو زخمی کرنے کے علاوہ ۱۸ عمارتوں کو جن میں ہسپتال اور دواخانے بھی شامل تھے مسمار کردیا۔

۱۷/ ستمبر ۷۲ء

اسرائیلی حملہ آوروں نے جنوبی لبنان کے ۱۶ قصبات ودیہات پر حملہ کرکے ۱۳۰ مکانوں کو تباہ کردیا اور ۷ افراد پر مشتمل ایک خاندان کو ہلاک کردیا۔

۱۹۷۳ء سے جنوبی لبنان پر اسرائیل کے حملے اس کی پالیسی کا ایک حصہ بن گئے ہیں، ان تمام حملوں کی تاریخ وار فہرست مرتب کرنا اس وقت ممکن نہیں ہے، اس علاقے میں اسرائیلی حملوں کا کردار قطعاً نسل کشی کے مترادف ہے جن کی وجہ سے لوگ سیدون، شمالی لبنان اور بیروت کی طرف نقل مکانی کر گئے ہیں اور وہ لوگ جو کسی وجہ سے نقل مکانی نہیں کر سکے، اسرائیلی

بمباری کے سائے میں زندگی بسر کر رہے ہیں، تاہم یہ بات بالکل واضح ہے کہ جنوبی لبنان پر اسرائیل کے باقاعدہ اور متواتر حملوں کی وجہ سے مارچ ۷۸ء میں ہزارہا شہری ہلاک ہوئے، اور اسرائیل نے دیگر اسلحہ کے ساتھ فاسفورس اور بینام بموں کا بے دریغ اور بہیمانہ استعمال کیا۔

۲۲/اپریل ٤٨ء۔

آدھی رات کو صیہونیوں نے شہر پر حادر اور "حا کر اہل" کی جانب سے اچانک حملہ کر کے شہر کی سڑکوں اور بڑی عمارتوں پر قبضہ کر لیا، حملے میں ۵۰ عرب ہلاک اور ۱۰۰ سے زیادہ زخمی ہوئے، حملہ چونکہ اچانک ہوا تھا اس لئے عربوں نے عورتوں اور بچوں کے ساتھ مکانات خالی کرنا شروع کر دیئے، اور ان کو ساحل کی جانب سے لے کر چلے تاکہ وہاں سے "عکرے" روانہ کر دیا جائے، اس انخلا کے دوران صیہونیوں نے حملہ کر کے مزید ۱۰۰ عربوں کو ہلاک اور ۲۰۰ کو زخمی کر دیا۔

۱۵۔۱٤/ فروری ٤٨ء۔

صیہونیوں کی فوجی تنظیم پالماش کی ایک بٹالین نے ساسا قصبے پر مثالی حملہ کیا، (تاکہ آئندہ حملوں میں اس کی تقلید کی جائے) اس حملے میں بیس مکانوں کو بموں سے اڑا دیا گیا، اس میں ۶۰ عرب جن میں اکثریت بچوں اور عورتوں کی تھی ہلاک ہو گئے۔

۲۱/ فروری ۷۳ء۔

اسرائیل نے لیبیا کے سویلین ایئر لائنز کے دو طیاروں کو گرا دیا، یہ طیارے محض سوء اتفاق سے سینائی کے اسرائیلی مقبوضہ علاقوں میں داخل ہو گئے ان طیاروں میں ۱۰۶ مسافر سوار تھے جو سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

۷/ جون ۸۱ء۔

اسرائیلی فضائیہ نے تموز کے علاقے میں حملہ کر کے عراق کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کر دیا۔ اس حملے میں ایک فرانسیسی انجینئر ہلاک ہو گیا، حملے کے روز اس مرکز میں تعطیل تھی، ورنہ ہلاک شدگان کی فہرست بہت طویل ہوتی۔

۱۶/ مئی ۷٤ء۔

اسرائیل کے جنگی طیاروں نے جنوبی لبنان میں پناہ گزینوں کے کیمپ نباتیہ پر لگاتار اور تابڑ توڑ حملے کئے، ان حملوں میں ۲۱/ فلسطینی ہلاک اور ۳۳ زخمی ہو گئے۔

یہودیوں کے شام پر حملے

۲۵/ فروری ۱۹۶۹ء

اسرائیلی طیاروں نے بیروت، دمشق، شاہراہ کے دونوں جانب آبادالحمہ اور میسالن نامی قصبات پر بمباری کر کے بہت سی عمارتوں کو نقصان پہنچانے کے علاوہ ۹ر شہریوں کو ہلاک اور ۳۱ کو زخمی کر دیا۔

یکم مارچ ۷۲ء

ایک شامی گاؤں پر اسرائیل کے فضائی حملے سے اسکول کی عمارت تباہ ہوگئی۔

۸/ ستمبر ۷۲ء

اسرائیلی فضائیہ نے شام کے سات قصبات و دیہات پر حملہ کر کے دو سو شہریوں کو ہلاک اور چار سو سے زائد شہریوں کو زخمی کر دیا۔

ایک ایک یہودی کو میدان میں نکل آنا چاہئے

(یہودی لیڈر کا پیغام)

چنانچہ جب ۱۳ر اگست ۱۹۵۱ء کو یروشلم میں عالمی صیہونی کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں سب سے اہم زیر بحث موضوع یہی تھا۔ ۱۹۵۲ء کے اوائل میں وزیر جنگ موشے دایان نے قوم کے نام پیغام میں کہا:

''ایک ایک یہودی کو میدان جنگ میں نکل آنا چاہئے، میں نے فوج سے کہہ دیا ہے کہ وہ دن رات تیاری میں مصروف رہے، یہودی سلطنت کا قیام ہمارا قومی نصب العین ہے اور ہم اسے حاصل کر کے دم لیں گے۔''

۱۳ر مارچ ۱۹۵۲ء کو یہودی ریاستوں کی سرحدوں کا تعین کرتے ہوئے لیبر پارٹی کے سربراہ ڈاکٹر عاری الکمان نے اس منصوبے کو فاش کر دیا۔ جواب تک مخفی رہا تھا۔ اس نے کہا:

''عظیم تر اسرائیل عراق سے سویز تک پھیلا ہوا ہے۔ یہی وہ طاقتور ریاست ہو سکتی ہے۔

جو مشرق وسطیٰ میں اندرونی اور بیرونی امن و استحکام کی ضمانت دے سکے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو صاف صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیں کہ فلسطین میں دنیا بھر کے یہودیوں کو جمع کر کے فوجی بنانے کا مطلب اسرائیل کی نئی سرحدوں کا تعین ہے جو عراق سے سویز تک پھیلی ہوں۔ اس کے بعد ہی اسرائیل مشرق وسطیٰ میں جمہوریت کا گہوارہ بن کر اپنے آپ کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔"

قبل ازیں اسرائیل کا وزیر اعظم بن گوریاں پارلیمنٹ میں ۱۹۵۱ء کی سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہہ چکا تھا کہ:

"ہمیں کوئی وسیع ملک نہیں ملا، بلکہ ہم ستر سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد اپنے ملک کے چھوٹے سے حصہ میں ابتدائی آزادی کی منزل میں داخل ہوئے ہیں۔"

اسی سال اسرائیل نے اپنی "میراث" کے ملک کی نشان دہی کرتے ہوئے پارلیمنٹ کی پیشانی پر یہ الفاظ کندہ کیے۔

"اے اسرائیل، تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں۔"

یہودیوں کے مصر پر حملے

واضح رہے کہ مصر پر بھی اسرائیلی فضائیہ کے حملے فوجی ٹھکانوں تک محدود نہ تھے۔

۴/ ستمبر ۶۷ء

اسرائیلیوں نے سویز اور پورٹ توفیق پر خوفناک شیلنگ کر کے ۴۴ شہریوں کو ہلاک، ایک ہسپتال اور دو مسجدوں کو مسمار کر دیا۔

۲۷/ ستمبر ۶۷ء

نہر سویز کے قریب اسماعیلیہ پر توپوں سے ایک ہزار گولے پھینکے گئے جن سے ۳۶ شہری ہلاک ہو گئے۔

۸/ جولائی ۶۸ء

اسرائیلی توپ خانے نے گولہ باری کر کے بہت سے مکانوں ایک صومعہ (عیسائیوں کی عبادت گاہ) اور دو مسجدوں کو مسمار کر دیا، اس گولہ باری سے کم از کم ۴۳ افراد ہلاک ہوئے۔

۸ ستمبر ۶۸ء

اسرائیلی توپ خانے کی گولہ باری سے اسماعیلیہ اور سویز میں ۲۰ شہری ہلاک اور ۱۰۰ زخمی ہوئے۔

۱۱/ مئی ۶۹ء

اسرائیلی توپ خانے کی شیلنگ سے پورٹ سعید میں ایک شہری ہلاک اور ۹ زخمی ہوئے

۳۱/ مارچ ۷۰ء

مصری حکومت نے اعلان کیا کہ جون ۶۷ء کی جنگ کے بعد ۶ سو شہری ہلاک اور ایک ہزار زخمی ہوئے اور متاثرہ قصبات کی ۲۸۰،۰۰۰ کی آبادی میں صرف ۱۵ ہزار افراد کا انخلا نہیں ہوا۔

۱۲/ فروری ۷۰ء

اسرائیلی فضائیہ نے ابوزابل کی ایک فیکٹری پر بمباری کر کے ۷۰ افراد کو ہلاک اور ۹۸ کو زخمی کر دیا۔

۳۱/ مارچ ۷۰ء

دریائے نیل کے ڈیلٹا میں واقع شہر منصورہ پر اسرائیلی طیاروں نے بم باری کر کے ۱۲ شہریوں کو ہلاک اور ۳۵ کو زخمی کر دیا۔

۸/ اپریل ۷۰ء

قاہرہ کے شمال میں صوبہ شرقیہ کے ایک قصبے کبرالبقر کے ایک اسکول پر بمباری کر کے اسرائیلی فضائیہ نے ۴۶ بچوں کو ہلاک کر دیا۔

”اسرائیل“ کی دہشت گردی

ماہ ستمبر کی تلخ یادیں

ماہ ستمبر اسرائیل اور فلسطینیوں ہر دو کے لئے اہمیت رکھتا ہے مگر مختلف انداز سے۔ فلسطینیوں کے لئے ستمبر کی یادیں انتہائی تلخ اور دردناک ہیں۔ اس ماہ میں صابرہ اور شتیلہ میں فلسطینیوں کا قتل عام ہوا۔ اسی ماہ میں کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ ہوا جس کے بعد مصر اسرائیل کا دوست

بن گیا۔ اسی ماہ میں یاسر عرفات اور اسرائیل میں تعلقات کی بنیاد رکھی گئی۔

صابرہ اور شتیلہ کا قتل عام ستمبر ۱۹۸۲ء میں ہوا۔ یہ کوئی قتل عام کا معمولی واقعہ نہ تھا بلکہ فلسطینیوں کی نسل کشی کے اسرائیلی منصوبے کا حصہ تھا۔ ۱۹۸۲ء میں ۱۶ اور ۱۸ ستمبر کے درمیان ۳۰۰۰ تا ۳۵۰۰ فلسطینیوں کو ذبح کر دیا گیا۔ یہ ایک ہولناک قتل عام تھا۔ برطانیہ کی ایک میڈیکل ڈاکٹر جو اس وقت بیروت میں تھی، لکھتی ہے، ”گولیاں مار کر قتل کرنے سے پہلے لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ انہیں وحشیانہ طریقے سے پیٹا گیا تھا، بازوؤں اور ٹانگوں کے گرد بجلی کی تاریں باندھی گئی تھیں، آنکھیں نکال دی گئی تھیں، بیشتر خواتین کی قتل سے پہلے عصمت دری کی گئی تھی، اکثر کی ایک سے زیادہ افراد نے آبروریزی کی تھی، بچوں کو بارود سے زندہ اڑایا گیا تھا۔“

یہ قتل عام دیر یاسین (۱۹۴۸) اور قبیوعا (۱۹۵۳) میں نسل کشی ہی کا سلسلہ تھا۔ مغربی کنارہ کے گاؤں قبیوعا میں ۶۶ مرد، عورتیں اور بچے قتل کیے گئے تھے۔

اسرائیل نے لبنان میں فلسطینیوں کے مہاجر کیمپوں پر بے شمار حملے کیے تھے۔ لبنان کے ہسپتالوں اور پولیس کے ریکارڈ کے مطابق صرف ۱۹۸۲ء میں ۴ جون تا ۳۱ اگست ۱۷۸۳۵ افراد اسرائیلی بمباری سے قتل ہوئے۔ ان اعداد و شمار میں وہ تعداد شامل نہیں ہے جن کی لاشیں نہیں ملی تھیں یا جن کو اجتماعی قبروں میں دفنایا گیا تھا۔

مسلمانوں کو قتل کرنا ہمارے لئے ایک قدرتی عمل ہے

اسرائیل کے ایک لیڈر کا بیان

”بین الاقوامی ہفتہ وار جریدہ ”نیوز ویک“ اپنے ہر شمارے میں OVERHEARD عنوان سے کچھ کارٹون اور خاص دلچسپ، معنی خیز، پر لطف بیانات یا تقریروں کے اقتباسات شائع کرتا ہے۔ ”نیوز ویک“ (۳۰ نومبر) میں overheard کے کالم میں کارٹونوں کے علاوہ دلچسپ اقتباسات بھی حسب معمول شامل ہیں۔

ایک بیان آپ بھی پڑھئے۔

اس کا سادہ سادہ لفظی ترجمہ یوں ہوگا۔

''میرا خیال نہیں ہے کہ میں نے عربوں کو قتل کرنے کے لئے کسی کی حوصلہ افزائی کی ہو۔ یہ تو قدرتی چیز ہے۔''

اب اس بیان میں جو خوفناک حقیقت مضمر ہے، اس پر بات کرنے سے پہلے اس بیان کا پس منظر واضح کرنا بھی ضروری ہے، اور یہ بھی کہ یہ بات لکھنے والا کون ہے۔ اسرائیل کی ایک دہشت گرد مسلم دشمن تنظیم **KACH** ہے۔ اس کا بانی کاہن فکر کا یہودی تھا۔ یہ بیان جو اوپر نقل کیا گیا ہے، **KACH** پارٹی کے بانی کے بیٹے بنیامین کاہن کا ہے۔

ان صاحب بنیامین کاہن پر یہ الزام ہے کہ یروشلم میں عربوں پر دستی بموں کے ذریعے جو حملہ کیا گیا، اس میں یہ صاحب بھی ملوث تھے۔ اس حملے میں ایک عرب ہلاک اور بارہ شدید زخمی ہوئے تھے۔ یہ معاملہ عدالت میں ہے اور اس مقدمے اور الزام کے حوالے سے بنیامین کاہن نے اپنی صفائی دیتے ہوئے وہ جملے کہے، جنہیں اسرائیل یہودیوں کے سرپرست ''نیوز ویک'' نے بھی اتنا اہم، دلچسپ اور معنی خیز سمجھا کہ اسے اپنے مستقل کالم **overheard** میں شامل کر لیا۔

بنیامین کاہن کا یہ ''بیان صفائی'' بہت معنی خیز ہے۔ اس میں ڈپلومیسی کا اظہار بڑے ہی بلیغ اور معنی خیز انداز میں ہوا ہے، اور پھر جملے کے تیور ملاحظہ ہوں۔

''میرا خیال نہیں ہے کہ......''

یعنی کس مہارت سے، کس محتاط انداز میں اپنے آپ پر کوئی حرف نہیں آنے دیا اور بیچ کے بھی پرخچے اڑا دیئے گئے ہیں، کل کو کہا جا سکتا ہے کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے یقین ہے...... یا میں نے واقعی...... بلکہ یہ کہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ میرا خیال نہیں ہے کہ...... ''یعنی آدمی بھول بھی سکتا ہے۔ اس کا حافظہ بھی جواب دے سکتا ہے۔ اس لئے میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا، لیکن میرا خیال نہیں ہے کہ میں نے کسی کی حوصلہ افزائی کی ہو، ترغیب دی ہو کہ تم عربوں کو قتل کرو......

دو جملوں پر مشتمل اس بیان کی روح تو دوسرے اور مختصر جملے میں ہے، جو ان الفاظ میں ہے۔ **"It is Natural"**

اس جملے کو پہلے جملے سے ملا کر پڑھیں اور تھوڑا سا غور کریں تو پوری یہودی اور اسرائیلی

ذہنیت عیاں ہو جاتی ہے۔ اس پورے جملے کو اب ذرا اپنے انداز میں کہیں تو محاورے کے مطابق جملہ یوں بنتا ہے۔

"بھلا مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں کسی کو عربوں کو قتل کرنے کے لئے اکساؤں، عربوں کو قتل کرنے کا جذبہ تو قدرتی طور پر ہم میں موجود ہے۔"

یوں بنیامین کا ہن صاحب اپنی صفائی میں یہ کہہ رہے ہیں کہ عربوں کو قتل کرنا تو ایک قدرتی عمل ہے، اس لئے مجھے بھلا کسی کو ایسی ترغیب دینے کی کیا ضرورت ہے، جو جذبہ اور ارادہ تو ذہن میں قدرتی طور پر موجود ہو، اس کی حوصلہ افزائی کرنا چہ معنی دارد...... ایسے شخص کو کسی طور پر مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ کسی قسم کی قتل و غارت گری یا حملے میں اس کا کسی قسم کا ہاتھ ہے۔ نہ صاحب ناں...... اس کی کیا ضرورت، عربوں کو موت کے گھاٹ اتارنا ایک قدرتی اور فطری چیز ہے۔ اس لئے جہاں قدرت یہ چاہتی ہو، وہاں کسی آدمی کا ملوث ہونا، کیا معنی رکھتا ہے...... بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایسا شخص جو عربوں کو قتل کرتا ہے، وہ تو اس میں قدرت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، وہ تو قابل فخر ہے کہ فطرت کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔

ان گنت تحریریں اور تصویریں اور باتیں ایسی ہوتی ہیں، جنہیں ہم پڑھتے دیکھتے اور سنتے ہیں، لیکن سرسری انداز میں پڑھ کر آگے نکل جاتے ہیں۔ ہم ان پر توجہ ہی نہیں دیتے، حالانکہ ان میں معنی کا ایک جہان چھپا ہوتا ہے۔ ایک پوری قوم کی ذہنیت مزاج اور ارادہ ان جملوں میں اپنا اظہار کرتا ہے۔ جس طرح بنیامین کا ہن کا یہ بیان صفائی دو جملوں پر مشتمل ہے، لیکن پوری اسرائیلی قوم کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے۔ چیخ چیخ کر اعلان کرتا ہے کہ یہودیوں اور اسرائیلیوں کے نزدیک عربوں کو قتل کرنا جائز ہے، فطری ہے، عبادت کا عمل ہے۔

میں اس جملے کو ایک اور طرح سے بھی پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس میں آپ صرف ایک لفظ **ARABS** کی جگہ **MUSLIMS** کر دیں تو اس جملے کی معنویت بھی مجروح نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی ایسی تبدیلی جو جملے میں ایزاد و اضافے کی حیثیت رکھتی ہو۔ اب یہ جملہ یوں بنتا ہے کہ

"میرا خیال نہیں ہے کہ میں نے مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے کسی کی حوصلہ افزائی کی ہو، یہ تو قدرتی چیز ہے۔"

اسرائیل اور یہودی دراصل، "عربوں" کو قتل کرنے کی پالیسی کوئی "قدرتی پالیسی" نہیں

سمجھتے، ان کے نزدیک اصل اور بڑی قدرتی پالیسی یہ ہے کہ مسلمانوں کو قتل کیا جائے۔ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کیا جائے۔ ’’عربوں‘‘ کو قتل کرنا تو ان کی ’’قدرتی پالیسی‘‘ کا پہلا مرحلہ ہے۔ پہلے مرحلے میں تو وہ اسرائیل میں بسنے والے، فلسطین کے حقیقی باشندوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا بھر کے مسلمانوں کو بھی قتل کیا جاتا ہے اور جب وہ اسرائیل میں بسنے والے ’’عربوں‘‘ کو قتل کر دیں گے تو پھر دوسرے مرحلے میں وہ دنیا بھر میں بسنے والے مسلمانوں کے خلاف اس قدرتی پالیسی کو عمل میں لائیں گے، اگرچہ جزوی طور پر وہ اس پالیسی پر اب بھی عمل کر رہے ہیں۔

دنیا کے کسی بھی خطے میں بسنے والا کلمہ گو مسلمان پہلے ہے اور...... کچھ اور بعد میں...... اسی لئے ہم مسلمانوں کو سنجیدگی سے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جب اسرائیل اور یہودی عربوں کے قتل کو قدرتی عمل کا نام دیتے ہیں تو وہ حقیقت میں مسلمانوں کے قتل عام کی ’’قدرتی پالیسی کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔‘‘

اسرائیل میں فلسطینی قیدیوں پر خطرناک سائنسی تجربات

فلسطین ٹائمز میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اسرائیلی ڈیفنس فورس فلسطینی قیدیوں پر نہایت خطرناک سائنسی تجربات کر رہی ہے۔ رپورٹ کے مطابق ہر سال تقریباً 1000 ادویات سے متعلق تجربات اسرائیلی جیلوں اور نظر بندی کیمپوں میں بند فلسطینی قیدیوں پر کیے جاتے ہیں۔ رپورٹ میں قابل اعتماد اسرائیلی ذرائع جن میں اسرائیلی پارلیمنٹ کے ممبران بھی شامل ہیں کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ اسرائیلی وزارت صحت نے ادویات بنانے والی کمپنیوں کو فلسطینی قیدیوں پر دواؤں کے تجربات کرنے کے لئے ایک ہزار سے زیادہ پرمٹ دیے ہوئے ہیں۔ ان کمپنیوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ فلسطینی قیدیوں کو ’’لیبارٹری جانور‘‘ سمجھ کر جو کچھ چاہیں کریں۔ اس غیر انسانی پریکٹس کا انکشاف شروع میں اسرائیلی پارلیمنٹ کے ممبر ’’دلیا اٹنک‘‘ نے کیا۔ اس نے مطالبہ کیا کہ اس غیر انسانی پریکٹس کی آزادانہ تحقیق ہونی چاہئے۔ دلیا اٹنک نے بتایا کہ ہر سال کم از کم ایک ہزار خطرناک ادویات کے فلسطینی قیدیوں پر انہیں بتائے بغیر ان پر تجربات کیے جاتے ہیں۔

اسرائیلی ہیلتھ منسٹری نے اس انکشاف کی واضح تردید نہیں کی ہے بلکہ وزارت صحت میں شعبہ ادویات کے سربراہ ایمی لیونٹ نے بالواسطہ اعتراف کیا ہے کہ قیدیوں پر ہونے والے تجربات میں 15 فیصد اضافہ ہوا ہے۔

اس انکشاف پر انسانی حقوق کی تنظیموں، قیدیوں اور ان کے گھر والوں نے سخت ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ ایک انسانی حقوق کی تنظیم کے آرگنائزر صالح الحاج یحییٰ نے اس انکشاف کو ''نہایت خوفناک'' قرار دیتے ہوئے کہا:

''اگر رپورٹ درست ثابت ہو جاتی ہے تو ردعمل کے اظہار کے لئے مجھے الفاظ نہیں ملیں گے۔''

یحییٰ نے خود بھی انکشاف کیا کہ خطرناک ادویات کے تجربات کے بارے میں سب سے پہلے لیکوڈ پارٹی کے موتی اریل نے بتایا تھا۔ تاہم یحییٰ نے اس پر حیرانی کا اظہار کیا کہ لیکوڈ پارٹی والوں نے ایسے اسکینڈل کا انکشاف کیوں کیا؟ اسرائیل کے سرکاری ترجمان خاموش ہیں۔ یحییٰ نے غزہ سے شائع ہونے والے ایک جریدہ ''الرسالہ'' کو بتایا:

''میں نے اسرائیلی وزارت صحت کے اہل کاروں سے رابطہ کی بڑی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ میں نے لیبر پارٹی کے ڈلیا انسک سے بھی رابطہ کی کوششیں کیں مگر کامیابی نہیں ہوئی۔''

''مرکز فلسطین برائے انسانی حقوق'' کے ذمہ داران نے بھی اس مسئلہ پر اسرائیلی حکام سے رابطہ کی کوشش کی مگر وہ بھی ناکام رہے۔

مقبوضہ علاقے میں موجود کئی انسانی حقوق کی تنظیموں کے ذمہ داران نے اس انکشاف پر حیرانی کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہا کہ وہ پہلے ہی ایسی باتوں کی نشان دہی کرتے آئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

''فلسطینی قیدی ایسی سنگین بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں جو انہیں گرفتار ہونے سے پہلے نہیں تھیں۔ کم از کم ۴۵ فلسطینیوں کی جیلوں میں یا پھر رہائی کے فوراً بعد اموات انہی تجربات کا نتیجہ ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ان اموات کو معمول کی اموات سمجھا گیا اور ان کی کوئی تحقیق نہ کی گئی۔''

سوال یہ ہے کہ اگر تحقیق کرا بھی لی جاتی تو اسرائیل کا کیا بگاڑا جا سکتا تھا۔ جس ملک کی اعلیٰ عدلیہ پولیس اور انٹیلی جنس تنظیموں کو قیدیوں پر تشدد کرنے کی اجازت دے وہاں انصاف

کہاں سے مل سکتا ہے۔ اسرائیل ان ۱۰۲ ممالک میں شامل ہے۔ جنہوں نے ۱۹۸۷ء میں تشدد ختم کرنے کے معاہدے پر دستخط کئے تھے۔ اسی سال انتفادہ بھی شروع ہوگئی۔ اب تک جیلوں میں بند فلسطینیوں میں سے کم از کم ۲۰ سیاسی قیدی تشدد سے شہید کئے جا چکے ہیں۔ تشدد مخالف پبلک کمیٹی اسرائیل کے بانی اور وکیل **Lea Tsemel** کا کہنا ہے کہ اسرائیل مغربی دنیا کا واحد ملک ہے جہاں اعلانیہ کھلے عام تشدد ہوتا ہے۔

بیت المقدس میں خون کی ندیاں بہہ گئیں

دل دکھے یا نہ دکھے...... روح تڑپے نہ تڑپے...... آنکھ روئے یا نہ روئے...... مگر آپ نے گذشتہ دنوں اخبارات میں چھپنے والی وہ دردناک، کرب انگیز اور عبرت آموز تصویر تو ضرور دیکھی ہوگی!!

سرزمین انبیاء فلسطین کے ایک مشہور شہر غزہ میں ایک گھر کی دیوار کی اوٹ میں ایک فلسطینی شخص دبکا ہوا بیٹھا ہے اور اس کی پشت کی جانب اس کا دس بارہ سالہ شہزادہ...... خوف و ہراس کا مجسمہ بنے باپ کی پناہ میں آنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے...... باپ اور بیٹے دونوں کی نگاہیں ان ہزاروں یہودی فوجیوں کی جانب اٹھی ہوئی ہیں جو فلسطینی مسلمانوں پر بارود کی ہولناک بارش کر کے انہیں خاک و خون میں تڑپا رہے ہیں۔ محمد الدرہ اور اس کا کمزور نحیف باپ غم و حسرت کی تصویر بنے اس خوفناک منظر کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اچانک قریب ہی کھڑے ہوئے فرانسیسی فوٹوگرافر کے ہاتھ حرکت میں آتے ہیں اور پھر چند ہی لمحوں میں سرزمین انبیاء کا یہ روح فرسا منظر ایک کافر کے کیمرے کی آنکھ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتا ہے۔

دوسری تصویر اس سے بھی زیادہ دردناک ہے...... ظلم و بربریت کی علامت بن جانے والی اسرائیلی فوج کے ایک دستے کی نظر اچانک ان دو بے بس انسانوں پر پڑ جاتی ہے جو ان سے نظریں بچا کر اپنی جان بچا رہے ہیں...... دستے کے مسلح فوجی آگے بڑھ کر محمد الدرہ اور اس کے والد کے قریب آ جاتے ہیں...... بالکل قریب...... صرف دس میٹر کے فاصلے پر...... یہ دیکھ کر باپ بیٹا ہکا بکا رہ جاتے ہیں انہیں سمجھ نہیں آتا کہ وہ کیا کریں اور کدھر جائیں؟ کسے پکاریں اور کس سے فریاد رسی چاہیں؟ مگر انہیں زیادہ دیر سوچنے کی فرصت نہیں ملتی کہ اچانک وحشی درندوں کی جدید ترین رائفلوں کا رخ کمسن محمد کی جانب ہو جاتا ہے...... محمد کا جو سانس اوپر ہے

وہ اوپر رہ جاتا ہے اور جو نیچے ہے وہ نیچے...... معصوم سا بچہ پہلے ہاتھ ہلا کر فوجیوں کو رکنے کا اشارہ کرتا ہے...... پھر مایوس ہو کر فرانسیسی فوٹو گرافر کو مدد کے لئے پکارتا ہے مگر شاید اس کی تو ابھی فلم مکمل نہیں ہوئی وہ ابھی مسلمانوں کی بے کسی و بے بسی مزید محفوظ کرنا چاہتا ہے...... یہ دیکھ کر محمد اپنا سر اپنے والد کی گود میں رکھ دیتا ہے...... فرانسیسی فوٹو گرافر کی انگلیاں پھر حرکت کرتی ہیں اور یہ تصویر بھی میڈیا کے لئے تحفہ بن جاتی ہے......

اس دوران منٹ سیکنڈ بن کر گزر جاتے ہیں کہ اچانک ایک یہودی کی رائفل آگ اگلتی ہے...... گولی سیدھی محمد کی ٹانگ میں پیوست ہو جاتی ہے...... معصوم شہزادہ تڑپ اٹھتا ہے...... لیکن جب اس کی نگاہ اپنے والد کے غمزدہ چہرے پر پڑتی ہے تو پکار کر کہتا ہے...... ''ابو جان! آپ فکر نہ کیجئے میں خیریت سے ہوں...... میری ٹانگ میں گولی لگی ہے...... آپ فکر نہ کریں...... آپ دیوار کے پیچھے چھپ جائیں......'' بس اس کے بعد محمد کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکل سکا...... کیونکہ یکے بعد دیگرے یہودی اسلحہ سے نکلنے والی بارود کی گولیاں اس کے چھوٹے سے...... نرم و نازک جسم میں داخل ہو جاتی ہیں...... محمد چند ہچکیاں لیتا ہے اور پھر نڈھال ہو کر دم توڑ دیتا ہے...... القدس کا معصوم شہزادہ شہید ہو چکا ہے اور اس کی لاش...... باپ کی گود میں پڑی ہے...... انسانیت کے قاتل یہ کارنامہ سرانجام دے کر آگے بڑھ چکے ہیں...... مگر انھوں نے جمال درہ کو صرف زخمی کرنے پر اکتفا کیا...... کیونکہ شاید انہیں معلوم ہے کہ وہ جیتے جی مر چکا ہے

......

فرانسیسی فوٹو گرافر کے کیمرے کی آنکھ اس منظر کو بھی محفوظ کر لیتی ہے......اور پھر اگلے دن پوری دنیا کا میڈیا ان کربناک تصویروں کو منظر عام پر لا کر اسلام کا نام لینے والے مسلمانوں کو چیلنج کر رہا ہے کہ...... ہے کوئی صلاح الدین ایوبی جو القدس کو یہود کے استبدادی پنجوں سے آزاد کرا سکے؟؟

بارہ سالہ محمد شہید کا والد جمال الدرہ ان دنوں لبنان کے ایک اسپتال میں زیر علاج ہے۔ اس نے صحافیوں کو بتلایا کہ وہ اپنے گھر سے معصوم محمد کو کھلونے دلوانے کے لئے نکلا تھا کہ اچانک ان کا سامنا اسرائیلی فوج سے ہو گیا۔ جمال الدرہ نے عالمی اسلامی برادری سے اپیل کی ہے کہ وہ اسرائیلیوں سے اس کے معصوم بچے کا خون کا انتقام لے۔

گذشتہ نصف صدی سے پنجہ یہود میں جکڑی ہوئی مسجد اقصیٰ میں اتنی سکت کہاں کہ وہ

اب مزید کسی صدمے کو سہہ سکے؟ مگر گذشتہ دنوں اچانک مسلمانوں کے اس قبلہ اول پر ایک مرتبہ پھر قیامت بیت گئی اور انبیاء کی یہ نشانی ایسے سانحے سے دوچار ہوئی جس کے بارے میں اس شہر مقدس کے باشندوں کا کہنا ہے کہ انہیں ماضی کے ایک طویل عرصے میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

یہ سانحہ کچھ یوں پیش آیا کہ استعماری طاقتوں کی ناجائز اولاد اسرائیل کی اسمبلی کی حزب اختلاف کے ایک رہنما ایریل شارون نے علاقے کا تذکرہ کیا کہ وہ اپنے دیگر یہودی ساتھیوں کے ہمراہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہو کر ہیکل سلیمانی کے سامنے عبادت کرے گا۔ شارون کا شمار اسرائیل کے انتہا پسند یہودی رہنماؤں میں ہوتا ہے اور ماضی میں مسلمانوں کے خلاف کئی معرکوں میں شریک رہا ہے۔ جن میں ۱۹۸۲ء میں پیش آنے والے صابرہ اور شتیلہ کے سانحے خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں جنرل شارون کی نگرانی میں تین ہزار سے زائد مسلمان شہید ہوئے تھے۔

شارون کے اس اعلان کے بعد فلسطینی مسلمانوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی کیونکہ مسلمان کسی صورت یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کی مقدس عبادت گاہ میں کوئی کافر قدم رکھے چہ جائے کہ ایک ظالم یہودی اپنے چیلوں کے ہمراہ ایسی ناپاک جسارت کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ فلسطینی مسلمانوں نے واضح طور پر اعلان کر دیا کہ وہ شارون کو کسی صورت مسجد مبارک میں داخل نہ ہونے دیں گے اور مکمل طور پر اس کی مزاحمت کریں گے۔ فلسطینی رہنماؤں نے واضح طور پر اسرائیلی حکومت کو خبردار کیا کہ وہ طاقت کے زور پر شارون اور اس کے ساتھیوں کا راستہ روکیں گے۔ اور اس سلسلہ میں جو بھی حالات پیدا ہوئے ان کی تمام تر ذمہ داری اسرائیلی وزیراعظم ایہود بارک پر ہوگی۔ مگر اسرائیلی انتظامیہ نے مسلمانوں میں پھیلے ہوئے اضطراب کو درخور اعتناء نہ سمجھا۔ جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اسرائیل یہ خیال کر چکا ہے کہ اب وہ طاقت کے زور پر فلسطینی مسلمانوں کو بے دم کر کے ان پر پوری دسترس حاصل کر چکا ہے اور اب مسلمان اس سے مقابلے کی ہمت نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ بارک نے نہ صرف یہ کہ شارون کی مسجد اقصیٰ میں داخلے پر پابندی نہیں لگائی بلکہ الٹا اس یہودی رہنما کی حفاظت کے لئے بھرپور اقدامات بھی کیئے تا کہ پر جوش مسلمان اسے کسی قسم کی گزند نہ پہنچا سکیں۔

یہودی لیڈر کے مسجد اقصیٰ پر ناپاک قدم

۲۸ ستمبر بروز جمعرات صبح ساڑھے سات بجے ایریل شارون حزب اختلاف کے چھ دیگر یہودی اراکین اور متعدد یہودی ہمنواؤں کے ہمراہ مسجد اقصیٰ کے صحن میں پہنچا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ہیکل سلیمانی کی زیارت کرنے آیا ہے۔ اس موقع پر یہودیوں کے اس گروہ کی سیکورٹی کے لئے تین ہزار کے لگ بھگ اسرائیلی فوج کے مسلح اہلکار بھی مسجد اقصیٰ کے اندر اور اس کے ارد گرد موجود تھے۔ جنہوں نے گذشتہ رات سے ہی شہر قدیم کے گلی کوچوں اور مکانوں کی چھتوں پر دفاعی پوزیشنیں سنبھال رکھی تھیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر علاقے کے رہائشیوں کا کہنا تھا کہ انہوں نے گذشتہ ۳۳ برس کے عرصے میں ایسے حالات نہیں دیکھے۔ عینی شاہدین کے مطابق اسرائیلی فوجیوں نے حرم شریف کے تمام راستے بند کر دیئے تھے اور کسی بھی فلسطینی کو اس میں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد نماز فجر سے پہلے ہی مسجد میں داخل ہونے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ جبکہ دوسرے ہزاروں مسلمان مختلف گروہوں کی شکل میں حرم کی جانب آنے والے راستوں پر مارچ کرتے ہوئے مسجد کی جانب بڑھ رہے تھے، تاکہ ایریل شارون اور اس کے بدقماش چیلوں کا راستہ روک کر حرم کی مقدس سرزمین کو ان کے ناپاک قدموں سے بچا سکیں۔

اس اثناء میں شارون اسرائیلی فوجوں کے محافظ دستوں میں گھرا ہوا حرم کے صحن میں پہنچ چکا تھا کہ اچانک مسجد کے محراب سے امام مسجد اقصیٰ شیخ محمد حسین کی آواز گونجی وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے۔

”مسجد اقصیٰ ہماری تھی اور ہماری ہی رہے گی۔ ہمیں کوئی طاقت مرعوب نہیں کر سکتی اور نہ ہی کوئی ہمیں اس مقدس مقام کی حفاظت سے روک سکتا ہے۔“

امام حرم کے یہ الفاظ سنتے ہی مسلمان یہودیوں کو للکار کر کہنے لگے۔

”بره بره يا شارون لامكان القتلة في باحة الاقصى“

(شارون نکل جاؤ...... نکل جاؤ...... مسجد اقصیٰ میں قاتلوں کے لئے کوئی جگہ نہیں)

اس دوران مسلح اسرائیلی افواج نے آگے بڑھ کر فلسطینی نوجوانوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی جس کی بنا پر فریقین میں تصادم ہو گیا۔ اسرائیلی فوجیوں نے باقاعدہ پوزیشنیں لے کر فلسطینی

مسلمانوں پر فائر کھول دیئے جبکہ دوسری طرف سے فلسطینی جوانوں نے اسرائیلی فوجیوں پر زبردست پتھراؤ نوجوانوں نے اپنے پتھراؤ میں شارون اور اس کے ہمراہیوں کو نشانہ بنایا چنانچہ اس نے جلدی مسجد شریف سے نکل جانے ہی کو عافیت سمجھی۔

مسلمانوں پر طاقت کا استعمال

ذرائع کے مطابق مسجد اقصیٰ کی مقدس حدود کے اندر شارون کی شرانگیزی کی بناء پر ہونے والی ان جھڑپوں میں ۱۳۲ اسرائیلی فوجی اور ۲۵ فلسطینی جوان ہلاک ہو گئے۔

جمعرات کے روز مسجد اقصیٰ میں پیش آنے والے سانحہ کے بعد فلسطینی مسلمانوں نے جمعہ کے دن غاصب حکومت کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کرنے کا اعلان کیا۔ جسے روکنے کے لئے اسرائیلی حکومت نے ایک مرتبہ پھر فوجی طاقت استعمال کرنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں حرم محترم کے احاطے میں چھ فلسطینی مسلمان شہید اور دو سو سے زائد زخمی ہو گئے۔ تیس اسرائیلی فوجی بھی زخمی ہوئے۔ تفصیلات کے مطابق ستمبر بروز جمعہ ۲۲ ہزار سے زائد فلسطینی مسلمانوں کے القدس میں گزشتہ روز ہونے والے سانحہ پر احتجاج کے لئے جمع ہونے کا مقصد نماز جمعہ کے بعد اسرائیل کے خلاف مظاہرہ کرنا تھا۔

لیکن ابھی یہ لوگ پوری طرح نماز بھی ادا نہیں کر پائے تھے کہ اچانک اسرائیلی سیکورٹی فورس کے مسلح اہلکاروں نے نہتے مسلمانوں پر بے تحاشا فائر کھول دیا۔ فائرنگ کے نتیجے میں فلسطینی مسلمانوں نے اسرائیلی فوج پر پتھراؤ کیا اور مسجد کے احاطے میں گذشتہ روز سے زیادہ خونریزی کا آغاز ہوا۔

عینی شاہدین کے مطابق اسرائیلی فوجیوں نے ربڑ کی گولیوں سے فائرنگ کی اور پھر بارودی گولیوں کا استعمال شروع کر دیا۔ مگر بارود کی یہ بارش بھی مسلمانوں کے استقلال میں لرزش پیدا نہ کر سکی اور مسجد اقصیٰ کے احاطے ان کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھے۔ جن میں دفاع، نعرہ تکبیر اور یا یہود یا یہود جیش محمد سوف یعود شامل تھے۔

بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ ان جھڑپوں کا آغاز اس وقت ہوا جب امام حرم نے نماز جمعہ کے بعد اپنی تقریر میں اریل شارون کے القدس میں داخل ہونے کی مذمت کی۔ انھوں نے کہا

''اس بد بخت شخص نے ہمارے مقدس مقامات کو ناپاک کرنے کی کوشش کی لیکن اسے اور اس کے حواریوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سرزمین ان کے قدموں تلے شعلے اگلے گی۔'' (انشاءاللہ)

اطلاعات کے مطابق جمعہ کے دن ہونے والی جھڑپوں کا دائرہ حرم شریف سے لے کر بیت المقدس کے قریب واقعہ ''عطاروڈ'' کے ہوائی اڈے اور بیت اللحم سمیت دریائے اردن کے مغربی کنارے تک پہنچ گیا۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ صرف حرم شریف کے احاطے میں جمعہ کے دن ہونے والی خون ریزی کے نتیجے میں چھ فلسطینی مسلمان شہید جبکہ سو سے زائد زخمی ہو گئے۔ اسرائیلی حکومت کا کہنا ہے کہ یہ جھڑپیں فلسطینیوں کی طرف سے شروع کی گئیں، جبکہ عینی شاہدین کے بقول خون ریزی کا آغاز اسرائیلی فوجوں نے کیا۔ بی بی سی کے مطابق اسرائیل کے سرحدی محافظوں اور فوج نے مسجد اقصیٰ کے اندر جا کر گولیاں چلائیں اور کوئی یہ نہیں ثابت کر سکتا ہے کہ فلسطینیوں نے تشدد کیا۔

اس دوران مشرق وسطیٰ میں قیام امن کے حتمی سمجھوتے میں تعطل کے خاتمے کے لئے فلسطینیوں اور اسرائیلی نمائندوں کی بات چیت کسی نتیجے تک پہنچے بغیر ختم ہو گئی۔ امریکی محکمہ خارجہ کے مطابق متنازع امور طے کرنے کے لئے مذاکرات میں کوئی ''ٹھوس'' پیش رفت نہیں ہو سکی۔

نہتے مظاہرین یہودیوں کی یلغار

ہفتہ (۳۰ ستمبر) کے دن موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق غزہ کی پٹی مقبوضہ بیت المقدس اور مغربی کنارے کے علاقوں سمیت متعدد مقبوضہ علاقوں میں فلسطینیوں کے خلاف تیسرے دن بھی یہودی بربریت جاری رہی اور ہفتے کو فلسطینی مظاہرین پر اسرائیلی فوج کی فائرنگ سے مزید ۱۸ فلسطینی شہید اور ۵۰۰ سے زائد زخمی ہو گئے۔ مقبوضہ بیت المقدس اور بیت اللحم میں فلسطینی مظاہرین کو منتشر کرنے کے لئے اسرائیلی فوجیوں نے اندھا دھند فائرنگ کی جبکہ بکتر بند گاڑیوں اور جنگی ہیلی کاپٹرز کا بھی استعمال کیا گیا۔ غزہ اور مغربی اردن کے دیگر قصبے میدان جنگ بن گئے۔ جہاں اسرائیلی پولیس اور فوج فلسطینیوں پر تشدد کرتی رہی۔ مظاہرین نے درجنوں گاڑیوں کو آگ لگا دی اور سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ ہفتے کی شام اسرائیلی آرمی چیف شول موفاذ نے صحافیوں کو بتایا کہ ''اسرائیل اور فلسطینی جنگ بندی پر متفق ہو گئے ہیں

اب اگر فسادات روک دیئے جاتے ہیں تو اسرائیل کو خوشی ہوگی ورنہ فسادات مزید بڑھ سکتے ہیں۔'' او آئی سی، سعودی عرب اور مصر نے فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیلی فائرنگ کو وحشیانہ اقدام قرار دیا اور کہا کہ یہ بیت المقدس پر قبضے کی اسرائیلی سازش کا حصہ ہے۔

ہفتے کو فلسطین کے حکام کی اپیل پر تمام مقبوضہ علاقوں میں مکمل ہڑتال کی گئی۔ دوسری جانب فلسطینی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم سے قطع نظر کر کے اسرائیلی موقف کو سراہنے والے امریکہ نے بھی فریقین پر زور دیا کہ وہ تحمل کا مظاہرہ کریں اور جنگ بندی کریں۔ روس نے بھی حالیہ خونریزی پر تشویش ظاہر کی۔ سعودی عرب اور سوڈان کے مطابق بنیاد پرست یہودی قیام امن نہیں چاہتے۔ فلسطین کے موجودہ حالات کے پیش نظر وہاں کے مسلمانوں کی سب سے بڑی جہادی تنظیم حماس نے کہا کہ اب آزاد فلسطینی ریاست کا اعلان بے معنی ہے اور اسرائیل کا صرف اور صرف علاج جہاد ہی ہے۔

فلسطینی اور یہودیوں کی جھڑپیں

اتوار (یکم اکتوبر) کے دن موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق غزہ اور مغربی کنارے پر فلسطینیوں اور اسرائیلی سیکورٹی فورسز کے درمیان شدید لڑائی جاری رہی اتوار کے روز ہونے والی مختلف جھڑپوں میں مزید ۱۲ فلسطینی شہید جبکہ ۳۰۰ سے زائد زخمی ہوگئے، اس طرح گذشتہ چار روز کے دوران شہید ہونے والے فلسطینیوں کی تعداد ۳۴ جبکہ زخمیوں کی کل تعداد ایک ہزار ہوگئی۔ جبکہ علاقے میں کشیدگی کے باوجود اسرائیل نے بیت المقدس کو فوج کے حوالے کر دیا۔

چار روز سے جاری جھڑپوں میں آج انتہائی خونریز جھڑپیں ہوئیں جن کے نتیجے میں مغربی کنارے کے شہر رملہ میں ۵ فلسطینی شہید ہوئے ان میں ایک سولہ سالہ لڑکا شامل ہے۔ اس کے علاوہ نابلس میں ایک سات سالہ بچہ اس وقت شہید ہوگیا جب اسرائیلی ہیلی کاپٹر سے فائرنگ کی گئی، بچہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ گھر کی چھت پر کھڑا تھا گولی اس کے دل میں لگی اور وہ موقع پر ہی شہید ہوگیا۔ نابلس میں ہی شدید لڑائی کے دوران ایک ۱۸ سالہ نوجوان اور فلسطینی سیکورٹی فورسز کا ایک رکن گولی لگنے سے جاں بحق ہوئے یہ واقعہ یہودیوں کی عبادت کے لئے مخصوص جگہ کے قریب پیش آیا جہاں مظاہرین پر فائرنگ کرتے ہوئے ہیلی کاپٹر بھی دیکھے گئے

ذرائع کا کہنا ہے کہ یہاں جھڑپوں کے دوران تقریباً ۱۲۰ افراد زخمی بھی ہوئے عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ جیسے سورج غروب ہوا دو اسرائیلی ٹینک شہر میں داخلے کے دو راستوں کی جانب جاتے دیکھے گئے، خبر رساں ایجنسیوں کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے داخلی راستوں پر اپنی پوزیشن مستحکم رکھنے کے لئے ٹینک تعینات کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اس کے علاوہ ایک ۱۸ سالہ فلسطینی کی بھی لاش ملی ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہوا ہے، غزہ کی پٹی میں ایک ۱۰ سالہ بچے کو مصر کے ساتھ لگنے والی سرحد کے قریب رفاہ میں اس وقت گولی آ کر لگی جب وہ گھر کے قریب کھڑا تھا اس کے علاوہ یہودی آبادی بینز ارم کے قریب لڑائی میں ایک فلسطینی جاں بحق ہوا، علاوہ ازیں غزہ میں مزید ۷ افراد زخمی ہو گئے، اسرائیل میں ام الفہم کے مقام پر ایک ۲۱ سالہ حمر احمد جبار پہلا اسرائیلی عرب ہے جو اس وقت مارا گیا جب پولیس نے مظاہرین پر گولی چلا دی مظاہرین نے روڈ بلاک کر رکھا تھا اور پتھراؤ کر رہے تھے، عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ ام الفہم اور شمالی اسرائیلی عرب علاقوں کے دیگر شہروں میں ۵۰ سے زیادہ اسرائیلی عرب بھی زخمی ہوئے مغربی کنارے کے ہیرون کے اندر اور اس کے ارد گرد جھڑپوں کے نتیجے میں تقریباً ۸۲ بیت اللحم میں اور فوجی علاقوں میں ۱۴۸ جبکہ مغربی کنارے کے شمال میں للکرم اور جنین کے شہروں میں ۱۷ افراد زخمی ہوئے۔

یہودیوں نے حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کیا

۱۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو ''ارگن'' اور سٹرن گروپوں کے دہشت گردوں نے دیریاسین کے پرسکون اور پرامن دیہاتیوں پر چھاپہ مار کر کارروائی کی۔ یہ صیہونی دہشت گرد پسٹلوں، مشین گنوں، دستی بموں اور خنجروں سے لیس تھے۔ اور انھوں نے دیریاسین کے غیر مسلح اور غیر فوجی دیہاتیوں پر مسلح حملہ کر دیا۔ دہشت گرد مشین گنوں کا فائر کرتے ہوئے گاؤں میں داخل ہوئے اور جو چیز بھی حرکت کرتی ہوئی نظر آئی اسے گولی کا نشانہ بنا دیا۔ انھوں نے خاندانوں کے خاندان قطار میں کھڑے کر کے مشین گنوں کی گولیوں سے اڑا دیے اور جو دور رہ گئے انہیں دستی بموں سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مزید براں خنجروں اور تیز دھار آلات کے ذریعے بے شمار افراد کو شہید کر دیا گیا۔

اس قتل عام میں انھوں نے ۲۵۰ کے قریب مردوں، عورتوں اور بچوں کو ذبح کیا، نوجوان لڑکیوں کی عصمتوں کو تار تار کیا۔ ایک حاملہ عورت کو پہلے ذبح کیا گیا پھر صیہونی درندے نے اس کا پیٹ چاک کر دیا لاشوں کا مثلہ کیا گیا۔ عورتوں کے زیورات چرا لئے گئے حتیٰ کہ ان کے کانوں کو طلائی بالیاں حاصل کرنے کے لئے نوچا گیا۔ کچھ لاشیں بالکل ننگی اور بے گور و کفن پھینک دی گئیں۔ جو چند لوگ تہہ و تیغ ہونے سے بچ گئے انہیں گاؤں کی یہودی آبادی کے گھرانوں میں مارچ کروایا گیا۔ حتیٰ کہ دوڑ دوڑ کر ان کے منہ سے جھاگ جاری ہو گئی پھر انہیں صیہونیت کے ظلم و جبر کی نشانی اور علامت کے طور پر چھوڑ دیا گیا۔ سب سے اہم اور قابل ذکر بات تو یہ ہے کہ ارگن دہشت پسندوں کے گروہ کا سرغنہ اور سرخیل مینکم بگین تھا۔ جو بعد میں اسرائیل کا وزیراعظم بھی بنا اور آئندہ کے دور میں فلسطینی مسلمانوں کے خلاف ظلم و جبر اور دہشت گردی کا ذمہ دار بھی نکلا۔

عرب لڑکیوں کا برہنہ جلوس

نیویارک کا ایک وکیل اپنی کتاب ”یہود دنیا پر حکمران ہیں“ میں لکھتا ہے کہ:

اقوام متحدہ بجائے خود یہود کی وہ عالمی مملکت ہے جس کا خواب یہود کے عظیم رہنماؤں نے پروٹوکول میں دیکھا تھا۔“

قرارداد کا اعلان ہوتے ہی مسلح یہودیوں نے مسلمانوں کا قتل عام وسیع پیمانے پر شروع کر دیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ علاقے پر قابض ہونا چاہتے تھے، پروفیسر آرنلڈ، ٹائن بی لکھتے ہیں کہ عربوں پر جو مظالم کئے گئے۔ وہ کسی طرح بھی ان مظالم سے کم نہ تھے۔ جو نازیوں نے ان یہودیوں پر کئے تھے۔ دیریاسین میں ۹ راپریل ۴۸ء کے قتل عام کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ:

”عرب عورتوں اور لڑکیوں کا برہنہ جلوس نکالا گیا۔ اور یہودی موٹروں پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر جگہ جگہ یہ اعلان کرتے پھرے کہ:

”ہم نے دیریاسین کی عرب آبادی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارے ساتھ بھی یہی کچھ ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔“

یہودیوں کی اسی دہشت گردی کے نتیجے میں سترہ ہزار عرب شہید اور ۳ لاکھ عرب بے گھر ہو گئے تھے اور اس مرحلے پر سلامتی کونسل میں اقوام متحدہ کی خصوصی کمیٹی کی رپورٹ زیر بحث تھی، جس میں تقسیم فلسطین کو ناقابل عمل قرار دیا گیا تھا۔

اسرائیلی بربریت

ناقابل اعتبار

قرآن کریم کی رو سے یہود اور عیسائی کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ لیکن مسلمان پھر بھی ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے یا ان کے وعدوں پر اعتماد کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ جس کا تازہ تلخ تجربہ سردار فدایان، یاسر عرفات کو ہوا۔ اسرائیل کے پشت پناہ امریکہ کے سربراہ نے یقین دلایا تھا کہ اگر مسلح فدائین لبنان کو پر امن طریقے سے خالی کر دیں اور دوسرے ممالک کو چلے جائیں تو جنگ بندی کی صورت میں ان کے اہل و عیال کی حفاظت کی جائے گی۔ جس پر اعتماد کرتے ہوئے یاسر عرفات نے یہ منصوبہ منظور کر لیا اور فدائین نے اپنے لواحقین کا کشت و خون روکنے کے لئے لبنان چھوڑ دیا۔ فدائین کے جانے کی دیر تھی کہ امریکہ کی شہ اور ایماء پر اسرائیل نے ان کے اہل و عیال سے ایسی خون کی ہولی کھیلی جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ جب لبنان میں اسرائیلی درندوں نے "صابرہ" "شتیلہ" میں خون کے دریا بہا دیئے تو اس وقت یاسر عرفات نے کہا کہ "میں نے ریگن (صدر امریکہ) پر اعتماد کر کے زندگی میں پہلی بار دھوکا کھایا ہے" انہیں دوسرا سخت صدمہ اس وقت ہوا جب فلسطینیوں کے قتل عام کا عربوں کو احساس تک نہ ہوا۔ تو انھوں نے کہا کہ "کیا عربوں کو اس وقت سانپ سونگھ گیا تھا؟" اس سانحہ عظیم کی اہمیت گھٹانے کے لئے امریکی پریس نے بھی دنیا کو دھوکہ دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مگر بربریت کے اس مظاہرہ کی داستان الم دوسرے براہ راست ذرائع سے فی الفور منظر عام پر آ گئی۔ جن کی تفصیل نے دنیا کو دنگ کر کے رکھ دیا۔

قیامت کا ہفتہ

قیامت کا یہ ہفتہ ۱۵ ستمبر ۸۲ء سے ۲۲ ستمبر کے درمیان منایا گیا۔ تحریک آزادی فلسطین کی مرکزی ورکنگ کمیٹی کے رکن اور سعودی عرب میں فلسطین کے سفیر جناب ابوشاکر کے مطابق قتل عام کا یہ ڈرامہ کھیلنے کے لئے سب سے پہلے دھوکہ اور فریب سے فدائین سے بیروت خالی کرالیا گیا اور ان کے لواحقین کو فلسطین کی دو خیمہ بستیوں ”صابرہ“ اور ”شطیلہ“ میں بہ بہانہ حفاظت جمع کر دیا گیا۔ جن کے پاس بوقت حملہ نہ کوئی اسلحہ تھا اور نہ کوئی فدائی مفرور۔ جہاں پچیس ہزار افراد کو تھوک کے حساب سے موت کے گھاٹ اتار کر سفاکیت و بربریت کا نیا عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ جس کی تفصیل سے دنیا کے ظالم ترین انسانوں کی بھی روحیں کانپ اٹھیں اور اس کے مقابلہ میں انہیں اپنی ستم رانیاں بھی ہیچ نظر آنے لگیں۔

بربریت کی انتہاء

جس اسرائیلی دستہ نے صابرہ اور شطیلہ پر حملہ کرنا تھا اسے خصوصی طور پر انتہائی نشہ آور شراب پلائی گئی۔ اس قتل عام کی تحقیقات کرنے والے کمیشن کے روبرو بیان دیتے ہوئے اس ریزرو دستہ کے ایک اسرائیلی قاتل نے بتلایا کہ۔ ”خیمہ بستیوں پر حملے سے قبل ہمیں کچھ معلوم نہ تھا کہ ہم کس مشن پر روانہ ہو رہے ہیں ہمیں حملہ سے کئی گھنٹے پہلے ایک خصوصی طعام گاہ میں پہنچایا گیا۔ جہاں انواع و اقسام کے کھانے اور بہت نشہ آور شراب کے ڈھیر لگے تھے۔ جہاں خوبصورت لڑکیاں ہماری خدمت کر رہی تھیں۔ یہاں بہت دیر اودھم مچانے کے بعد ہمیں مسلح کیا گیا۔ پھر ہم پہلے صابرہ اور شطیلہ پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں سے فدائی جا چکے تھے۔ لہٰذا کوئی قابل ذکر مزاحمت نہ ہوئی۔ ہم نے ایک ایک گھر میں گھس کر عورتوں کے کپڑے پھاڑے۔ انہیں بے آبرو کیا۔ مردوں اور بچوں کو ان کی خواتین کے سامنے گولیوں سے بھون کر رکھ دیا۔“ بیان کے اختتام پر اس فوجی نے کہا کہ۔ ”یہ سب کچھ میں ضمیر کی خلش کے ہاتھوں مجبور ہو کر کہہ رہا ہوں۔“

ایک بوڑھی عورت جو کہ حملے میں اپنی ٹانگ گنوا بیٹھی تھی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا کہ۔ ”جب ہم لوگوں پر حملہ ہوا تو ہماری گلی کی عورتوں نے ایک گھر میں پناہ لی۔ ظالم درندے گلی کے

مردوں اور بچوں کو شہید کرنے کے بعد ہم تک پہنچے تو فوجیوں نے ہمیں لائن میں کھڑا کر دیا۔ پھر ہم سے نوجوان بچیوں کو کمرے سے باہر نکال لیا گیا۔ کچھ فوجیوں نے کہا کہ ان بوڑھیوں کو مارنے کا کیا فائدہ۔ جس پر ان کے ایک کمانڈر نے چیخ کر کہا "ان سب کو گولی مار دو یہ فدائی کو جنم دیتی ہیں۔"

غرضیکہ جب ان بستیوں پر حملہ ہوا کسی کو بھی نہیں بخشا گیا۔ چند دنوں کے معصوم بچوں سے لے کر بڑے، بوڑھوں اور نوجوان لڑکیوں تک کو تہ تیغ کر دیا گیا، جو کوئی بھی سامنے آیا اسے گولی مار دی گئی حتیٰ کہ ناداروں اور مریضوں پر بھی کسی نے رحم نہ کھایا، ایک نگاہ تک نہ ڈالی، لہذا جو مریض اور نادار گھروں کے کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے تھے، انہیں بستی پر بلڈوزر چلاتے وقت زندہ در گور کر دیا گیا، بچوں کو ماؤں سے الگ کر کے شہید کیا گیا۔

فلسطینی ذرائع کے مطابق صابرہ اور شطیلہ میں شہید ہونے والوں کی تعداد ۲۵ ہزار سے زیادہ ہے۔ ان ذرائع کے مطابق اس قتل عام کے کافی دنوں بعد صابرہ کے نواح میں دس کے قریب اجتماعی قبروں کا انکشاف ہوا۔ ان میں سے ہر ایک قبر میں سینکڑوں کی تعداد میں مرد و زن دفن تھے۔ یہ قبریں حملہ آوروں نے پوری راز داری سے تیار کیں اور پھر بے بس و بے کس مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کے بعد لاشوں کو ٹرکوں میں کوڑے کرکٹ کی طرح بھر بھر کر یہاں دفنایا گیا۔ ان ذرائع کے مطابق اب بھی سینکڑوں گھروں کے ہزاروں افراد لاپتہ ہیں۔ جن کے بارے میں قیاس غالب ہے کہ وہ بھی کسی اندھی قبر کے بطن کا ایندھن بن گئے ہوں گے۔"

کمینگی کا مظاہرہ

"مصدقہ اطلاعات کے مطابق مسلمانوں کو اپنے شہداء کے کفن دفن سے کئی روز تک جبراً روکے رکھا گیا، تاکہ نعشیں بقید حیات مسلمانوں کے لئے عبرت کا تازیانہ بنی رہیں، اور خاص طور پر معروف مسلمانوں کو سر عام چوراہوں میں کھڑا کر کے گولیاں ماری گئیں۔"

دوسری طرف یہودیوں کے معاون عیسائیوں کی بعض انسانی بھلائی کی رضا کارانہ تنظیموں نے وہ گھناؤنا کردار ادا کیا۔ جس کو سن کر انسانیت کا سر بار ندامت سے سرنگوں ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ان تنظیموں نے امدادی خوراک کے پیکٹوں میں ایسا زہر ملا دیا جو خوراک کھانے

والوں کو خونی پیچش اور دوسری خوفناک بیماریوں میں مبتلا کر دیتا تھا۔ یوں خدمت انسانی کے نام پر انسانی قدروں کا خوب مذاق اڑایا گیا اور فدائیوں کے بیروت سے انخلاء کے بعد ان کے لواحقین کو خون میں نہلایا گیا۔"

چشم دید حالات

سنگاپور سے تعلق رکھنے والی ڈاکٹر سوی چائی ایک غیر ملکی طبی مشن میں شامل تھیں، جو قیامت کے اس ہفتہ میں بیروت کے غزہ ہسپتال میں رضا کار سرجن کی حیثیت سے کام کر رہی تھی وہ اس روح فرسا تاریخی لمحات کی لمحہ بہ لمحہ یادداشتیں اپنے روزنامچہ میں تحریر کرتی رہیں۔ جو اب منظر عام پر آ گئی ہیں، اس چشم دید گواہ کی ڈائری کے مطابق ۱۵ ستمبر ۱۹۸۲ء سے لے کر ۲۲ ستمبر ۱۹۸۲ء تک جس طرح صابرہ اور شطیلہ کیمپوں میں بے گناہ فلسطینیوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، اس کی چشم دید تفصیل ملتی ہے۔ اس ڈائری کی رو سے۔ "ان گنت فلسطینیوں کے خون سے ہولی کھیلنے کا پہلے سے پروگرام بنایا گیا اور بچوں، عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں کو ایک ساتھ ان کے گھروں میں بھون دیا گیا اور آنکھوں کے چراغ گل کر دیئے گئے۔ زخمیوں اور مرنے والوں کی نوعیت سے صاف پتہ چلتا تھا کہ انہیں گھر میں داخل ہو کر قتل کیا گیا۔"

۱۶ ستمبر جمعرات کو جب رات ڈھلی تو تقریباً دو ہزار پناہ گزین ہسپتال میں آ گئے۔ اسی دوران اور بھی بہت سے اس امید پر ہسپتال کے پاس پہنچ گئے کہ شاید انہیں پناہ مل جائے، ہسپتال کی سیڑھیاں، صحن غرض ہر جگہ بچوں عورتوں اور دوسرے لوگوں سے بھر گئیں۔ تمام رات غزہ ہسپتال کے اردگرد موجود کیمپوں میں آگ لگی رہی اور گولیوں کا سلسلہ جاری رہا۔

۱۸ ستمبر بروز ہفتہ پونے سات بجے صبح عجیب دردناک منظر تھا۔ بچوں اور عورتوں کی لمبی قطاریں یونیسیف کی عمارت کے اس صحن کے گرد جمع ہو گئیں۔ ان سب کے گرد فوجیوں کے مختلف دستوں نے حلقے بنا رکھے تھے۔ یہ فوجی نہ تو لبنانی تھے، نہ لبنانی وردی میں تھے۔ ایک اندازہ کے مطابق ان بچوں اور عورتوں کی تعداد ۸۰۰ سے ۱۰۰۰ تک تھی۔ اور کچھ فاصلے پر بلڈوزر نیم شکستہ عمارتوں کو بغیر کسی منصوبے کے گرا رہے تھے اور ان مکانوں میں موجود زندہ لوگ نعشیں بن کر ساتھ ہی ملبے کے ڈھیر تلے دفن ہوتے جا رہے تھے۔

عورتوں میں سے ایک نے اپنے ایک شیر خوار بچے کو اس امید پر ایک غیر ملکی ڈاکٹر کی گود میں دیدیا کہ شاید وہ اس طرح بچ جائے۔ لیکن فوجیوں نے دوبارہ اس کی مامتا کو مجبور کیا کہ وہ اپنا بچہ واپس لے لے اور اسے اپنے انجام تک پہنچنے دے۔

۱۸ ستمبر بروز ہفتہ صبح ساڑھے سات بجے سے ساڑھے آٹھ بجے کے درمیان ۲۰ منٹ سے آدھ گھنٹہ مسلسل مشین گنیں چلتی رہیں، اسٹین گنوں کی آواز اور بچوں کی چیخ و پکار آپس میں گڈ مڈ ہو کر رہ گئیں، قیامت صغریٰ کا سماں تھا، جب گولیاں چلانے کا سلسلہ بند ہوا تو سکوت مرگ طاری تھا۔

نعشوں کے انبار

ساڑھے نو بجے کے لگ بھگ دردناک مناظر دیکھ کر آنے والے بی بی سی کے ایک نمائندہ نے بتایا کہ گلیوں، بازاروں اور کیمپوں میں عورتوں اور بچوں کی خون آلود نعشوں کے ڈھیر لگے پڑے ہیں، یہ نعشیں دس دس اور پندرہ پندرہ کے گروپ میں پڑی ہیں۔

دس بجے صبح کینین فلم کے عملے کے کچھ ارکان نے صابرہ میں گولیوں کا نشانہ بنا دیئے جانے والے ان گنت فلسطینی بچوں اور عورتوں کی نعشوں کی فلم تیار کی، جو مختلف سڑکوں کے دونوں طرف الٹی سیدھی پڑی تھیں، جب ہم نے اس فلم کی "ویڈیو" دیکھی تو نعشوں میں کچھ چہرے وہ تھے جن کو ہم نے تھوڑی دیر پہلے اپنی چھان بین کے دوران فوجیوں کے حلقوں اور گھیراؤ میں دیکھا تھا۔

۱۹ ستمبر بروز اتوار صبح کے وقت میڈیکل ٹیم کے ارکان نے صابرہ اور شطیلہ کیمپوں میں دیکھا کہ ہر طرف نعشیں ہی نعشیں بکھری ہوئی پڑی تھیں اور یوں لگتا تھا کہ مختلف خاندانوں کو ایک ساتھ ہی قتل کیا گیا ہو، اس وقت تک انٹرنیشنل ریڈ کراس کو اس کی سرسری گنتی کے مطابق ۱۵۰۰ سے زائد معصوم فلسطینی گولیوں کا نشانہ بنائے جا چکے تھے، ان بچوں کی شام کو ہی تلاش کی جا رہی تھی، جن کی گردنیں اگلی صبح اڑائی جانے والی تھیں، ان میں ایک بچہ پورے عملہ سے مانوس تھا، اسے آخری بار دس بارہ بجے زندہ دیکھا گیا، اس کے بعد اس گلاب کو کسی نے نہیں دیکھا، بلکہ اگلے روز صبح کے وقت اس کی نعش دیکھی گئی۔ اسرائیلی ہیڈ کوارٹرز سے صابرہ اور شطیلہ کے کیمپ جہاں قتل عام ہوا، آسانی سے دکھائی دیتے ہیں اور اعلیٰ اسرائیلی حکام سب کچھ بچشم خود دیکھتے

رہے۔ تمام سڑکوں پر عملاً اسرائیلی فوجیوں کا کنٹرول تھا، اور اخبار نویسوں کو اندر جانے اور بے رحمی سے قتل کیے جانے والے فلسطینی بچوں، عورتوں اور جوانوں کی فلم بندی کی اجازت دیدی گئی تھی۔

۲۲ ستمبر بدھ تک گنی جانے والی نعشیں ۳۴۰۰ سو سے زیادہ تھیں، قتل عام اسرائیلیوں کی طرف سے ان کی نگرانی میں ہوا۔ اس مقصد کے لیے کرائے کے فوجی اور کچھ اسرائیلی دستے استعمال کیے گئے، بعض فلسطینیوں کو بھی اس لئے استعمال کیا گیا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں نفرت زیادہ ہو جائے۔ (نوائے وقت میگزین)

قتل عام کی فلمیں

فلسطینی کیمپوں میں موجود بے گناہ فلسطینیوں کے قتل عام پر جب پوری دنیا کانپ اٹھی تو اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ خود اسرائیل نے نام نہاد اسرائیلی کمیشن مقرر کیا، جس کے روبرو اسرائیلی وزیر اعظم اور وزیر دفاع کے بیانات سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ ان گنت فلسطینیوں کے خون سے ہولی کھیلنے کا پہلے سے باقاعدہ پروگرام بنایا گیا تھا اور بچوں، عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں کو ایک ساتھ ایک ہاتھ سے ان کے گھروں میں بھون کر موقع پر ہی ان کی فلمیں تیار کرائی گئیں، اسرائیلی وزیر اعظم بیگن اور وزیر دفاع شیرون اپنے دیگر اعلیٰ حکام کے ساتھ اسرائیلی ہیڈ کوارٹر سے قتل عام کا یہ منظر دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔

بیگن کی بربریت

وزیر اعظم بیگن ایک قصاب کی حیثیت سے پہلے بھی ایسے قتل عام کا تجربہ ۱۹۴۸ء کو یروشلم کے نواحی قصبہ دیریاسین میں کر چکا تھا۔ جس کی تفصیل سے بی بی سی ٹیلی ویژن کے سینئر سائنس ایڈیٹر ڈاکٹر کارل سباغ نے دنیا کو آگاہ کیا۔ اس نے بیگن کی سفاکی کے سلسلہ میں گذشتہ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں اپنے پندرہ روزہ جریدہ ''ورلڈ میڈیسن'' میں یہ انکشاف کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اسرائیل میں منعقد ہونے والے میڈیکل اولمپکس میں حصہ لینے والے ڈاکٹروں سے کہا گیا تھا کہ انہیں یروشلم کے نواح میں واقع ایک بستی میں ذہنی امراض کے سرکاری ہسپتال کے دورہ پر لے جایا جائے گا۔ وہاں جا کر ایک رات کے پچھلے حصہ میں بیگن کی قیادت میں ایک سو بتیس

چھاپہ ماروں نے مذکورہ بالا گاؤں کا محاصرہ کر کے اس کے دو تہائی آبادی کو قتل کر دیا۔ جس میں مرد، عورتیں اور بچے شامل تھے۔

اسرائیلی مظالم...... تاریخ اور اعداد و شمار کی روشنی میں

سانحہ دیریاسین

اسرائیل دنیا کی واحد ریاست ہے جو دہشت گردی کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ اقوام متحدہ کی طرف سے فلسطین کی تقسیم کی قرارداد پاس ہونے اور فلسطین سے برطانوی افواج کا انخلاء شروع ہوتے ہی یہودیوں کے دہشت گرد گروہ فلسطینیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس سے قبل باہر سے آنے والے یہودی زیادہ قیمت لگا کر عربوں سے زمینیں چھین رہے تھے، اب انھوں نے فلسطینیوں سے قصبے اور دیہات خالی کرانے کے لئے دہشت گردی شروع کر دی۔ تقریباً سات سو فلسطینی دیہات اور قصبے یہودی دہشت گرد تنظیموں کا نشانہ بنے۔ ان دیہاتوں اور قصبوں میں یہودیوں نے جرمن نازیوں کا کردار ادا کیا۔ جو کچھ نازیوں نے یہودیوں کے ساتھ کیا تھا، وہ انھوں نے فلسطینیوں کے ساتھ کیا۔

یہودی دہشت گردوں کا نشانہ بننے والے سات سو دور دیہات اور قصبوں میں ایک نمایاں نام "دیریاسین" کا ہے۔ دیریاسین میموریل سوسائٹی میں ۱۴؍اپریل کو اس گاؤں کی تباہی اور قتل عام کی یاد منائی گئی۔ پروگرام میں عرب اسکالروں کے علاوہ یہودی سیاستدانوں اور مؤرخین نے بھی شرکت کی۔ زندہ بچ جانے والوں نے بھی زخموں کو تازہ کیا اور حاضرین کو پچاس سال قبل اس دہشت ناک سانحہ کے ڈراؤنے مناظر بتا کر رلایا۔

۱۹ اپریل ۱۹۴۸ء کو یہودی دہشت گردوں کے دو گروہوں ارگن اور سٹرن نے دیریاسین پر حملہ کر کے عورتوں، مردوں اور بچوں کا قتل عام کیا۔ ۷۰۰؍افراد پر مشتمل اس گاؤں کے 250 افراد کو دیکھتے ہی دیکھتے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ہر طرف خون ہی خون اور بربادی کے مناظر تھے۔ آہیں اور سسکیاں تھیں۔ بچوں کی تڑپتی لاشیں تھیں۔

ناقابل بیان دہشت ناک منظر تھا۔ زخمی مدد کے لئے پکار رہے تھے مگر کوئی مددگار نہ تھا۔ زندہ بچ جانے والے اپنی جان بچانے کے لئے سب کچھ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے یا چھپ گئے تھے۔

سب مقررین کا اس بات پر اتفاق تھا کہ دیریاسین میں جو کچھ ہوا۔ وہ اچانک نہیں تھا بلکہ طے شدہ منصوبے کے تحت کیا گیا۔ وحشیانہ قتل عام، گھروں اور سامان کو نذر آتش کرنے کا سلسلہ صرف دیریاسین تک محدود نہ تھا بلکہ ایسے ہی ظلم کا نشانہ تقریباً سات سو دیہات اور قصبے بنے۔ اس قتل عام کا ایک ہی مقصد تھا کہ فلسطینیوں کو دہشت زدہ کیا جائے تا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر بھاگ جائیں اور مجوزہ اسرائیل فلسطینیوں سے خالی ہو جائے۔

لیا تسمل ایک صاف گو یہودن ہے۔ اس نے فلسطینیوں کے سلسلے میں اسرائیل کے نسلی تعصب پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ دیریاسین کا سانحہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا اور اس کا مقصد فلسطینیوں کو دہشت زدہ کرنا تھا تا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر بھاگ جائیں اور ان کے گھروں میں یہودیوں کو بسایا جا سکے۔ ’’اس نے مزید کہا ’’دیریاسین کوئی اکیلا گاؤں نہیں تھا جہاں دہشت کا کھیل کھیلا گیا بلکہ 400 کے قریب عرب دیہات کو اسی طرح برباد کیا گیا۔‘‘ یروشلم عرب کالج کے ڈین ڈاکٹر حسن سلوادی کا موقف بھی یہی تھا۔ انھوں نے کئی اسرائیلی مؤرخین مثلاً آریہ یتشاکی اور بنے موریس کے حوالے بھی دیے۔ ان مؤرخین نے تسلیم کیا ہے کہ قتل عام طے شدہ منصوبے کا حصہ تھا کہ یروشلم کے گرد و نواح اور وسطی فلسطین سے عرب اکثریت کو نکالنا ہے۔ سلوادی نے بتایا کہ اس قتل عام کے نتیجے میں لاکھوں فلسطینی اپنے گھر خالی کر گئے۔ انھوں نے سوچا کہ اگر وہ گھروں میں رہے تو ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو گا جو دیریاسین کے باسیوں کے ساتھ ہوا۔

تین بچوں کا ذبح

قتل عام سے بچ جانے والی ایک خاتون زینب عاقل ام صالح جب اسٹیج پر آئی اور لوگوں کو اس نے قتل عام کا آنکھوں دیکھا حال بتایا تو حاضرین اپنے آنسوؤں کو نہ روک سکے۔ اس نے بتایا کہ کس طرح اس کے باپ اور تین بچوں کو وحشیانہ طریقے سے قتل کیا گیا، وہ خود بھی مرنے کے لئے تیار تھی مگر بچ گئی۔ پروگرام کے بعد ام صالح بعض دیگر شرکاء کے ساتھ قتل عام کی جگہ دیریاسین گئیں۔ جسے اب ’’گیوات شاؤل‘‘ کہتے ہیں۔ اسرائیلی حکام نے سب کچھ

مٹانے کی کوشش کی تھی مگر پھر بھی کچھ نشان باقی رہ گئے تھے جو یہ بتانے کے لئے کافی تھے کہ کبھی یہ عرب گاؤں تھا۔ ام صالح کا گھر جہاں اس کے والد اور تین بچوں کو ارگن کے دہشت گردوں نے اس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کیا تھا، وہ تا حال محفوظ تھا۔ اس گھر میں اب تک ایک یہودی فارماسٹ رہتا ہے۔ اپنے گھر کو دیکھ کر ام صالح کے سامنے قتل عام کے دہشت ناک مناظر گھومنے لگے اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر یہودی چیختا چلاتا ہوا باہر آیا۔ ''آپ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟'' ''کچھ نہیں۔ کچھ نہیں'' ام صالح نے بمشکل یہ الفاظ ادا کیے۔

5 لاکھ فلسطینیوں کی گرفتاری

انٹرنیشنل سالڈ ریٹی فار ہیومن رائٹس نے ایک رپورٹ جاری کی ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 1967 سے 1987ء کے 20 سال کے عرصہ کے دوران 535000 فلسطینیوں کو غاصب اسرائیل حکام نے گرفتار کیا۔ اس وقت بھی 3 ہزار سے زیادہ فلسطینی اسرائیلی جیلوں میں ہیں۔ فلسطینی ہیومن رائٹس گروپ نے گرفتار فلسطینیوں کے بارے میں درج ذیل اعداد و شمار جاری کیے ہیں۔

1...... (1987ء تا 1994ء) تحریک انتفادہ کے دوران ایک لاکھ 75 ہزار فلسطینیوں کو گرفتار کیا گیا۔

2...... 13 ستمبر 1993ء کو اوسلو اکارڈ پر دستخط ہونے کے بعد 12500 فلسطینیوں کو گرفتار کیا گیا۔

3...... 4 مئی 1994ء قاہرہ میں اوسلو معاہدہ نمبر 2 پر دستخط ہونے کے بعد 10500 فلسطینیوں کو گرفتار کیا گیا۔

4...... 28 ستمبر 1995ء کو طابا معاہدہ پر دستخطوں کے وقت 6000 فلسطینیوں کو گرفتار کیا گیا۔

5...... مغربی کنارہ اور غزہ کی پٹی پر 1967ء کے قبضہ کے بعد سے 114 فلسطینی اسرائیلی جیلوں میں شہید ہوئے۔

6...... یوسف جبالی پہلا فلسطینی تھا جو ناس کی سینٹرل جیل میں جنوری 1968ء میں

تفتیش کے دوران شہید ہوا۔

7...... عبدالقادر ابو فہیم پہلا فلسطینی تھا جو 11 جولائی 1970ء کو بھوک ہڑتال کے دوران جاں بحق ہوا۔

8...... پہلی بھوک ہڑتال 1967ء کو کفریونا اور رملہ جیل میں ہوئی جبکہ 45 دنوں کی طویل بھوک ہڑتال 11 دسمبر 1976ء کو اشکلون جیل میں شروع ہوئی۔

9...... علی اویض جمال آف جینن نے سب سے لمبی انتظامی قید (بغیر عدالتی ٹرائل) کاٹی۔ وہ 6 سال 9 ماہ بند رہا۔ مارچ 1982ء میں رہا ہوا مگر فروری 1984ء تک اسے گھر میں نظر بند رکھا گیا۔

10...... سب سے بوڑھا فلسطینی قیدی 1929ء کو پیدا ہوا تھا۔ وہ مارچ 1967ء سے عمر قید کی سزا بھگت رہا ہے۔

11...... حسن سلامہ 1170 کی سزا کے لئے جیل میں بند ہے۔ یہ سب سے طویل سزا ہے۔

12...... 200 فلسطینیوں کو حال ہی میں انتظامی آرڈرز کے تحت 3 جیلوں میں بند کیا گیا ہے۔

13...... 350 فلسطینی قیدی مختلف سنگین بیماریوں میں مبتلا ہیں اور 70 کو فوری طبی امداد کی ضرورت ہے۔

14...... انتظامی احکام کے تحت قید 100 فلسطینی 18 سال سے کم عمر کے ہیں۔

15...... 800 فلسطینی قیدی لمبی سزا بھگت رہے ہیں۔ ان میں 450 تو عمر قید کی سزا بھگت رہے ہیں۔

16...... لبنان، شام، گولان ہائٹس، اردن، مصر الجزائر، لیبیا، سوڈان اور عراق کے 176 افراد اسرائیلی جیلوں میں ہیں۔ ان میں 18 وہ لبنانی بھی ہیں جو اپنی سزا پوری کر چکے ہیں مگر انہیں انتظامی احکام کے تحت قید رکھا گیا ہے۔

17...... 40 فلسطینی قیدی وہ ہیں جو 1948ء سے جیل میں بند ہیں ان پر الزام ہے کہ انھوں نے یہودی دہشت گردوں کی مزاحمت کی تھی۔

1997ء میں تحریک انتفادہ کی کارروائیاں

الاقصیٰ بلیٹن نے ہفت روزہ COL HAIR کے حوالے سے تحریک انتفادہ کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی ہے۔ اس رپورٹ میں اسرائیلی حکام اور سیکورٹی ایجنسیز کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ 1997ء میں تحریک انتفادہ کے مجاہدین نے 650 کارروائیاں کیں اور 1979ء فلسطینی گرفتار ہوئے۔ 650 کارروائیوں میں سے اسرائیلی ایجنسیاں 8 کا بھی سراغ نہ لگا سکیں۔ مغربی کنارے میں ہونے والی فائرنگ کے 18 واقعات میں سے صرف 4 واقعات کے ملزم گرفتار ہوئے۔ کیے گئے بم دھماکوں کی منصوبہ بندی کرنے والے 37 مطلوب افراد میں سے صرف 3 گرفتار ہوئے۔ خنجر زنی کے 24 واقعات میں سے صرف ایک کا سراغ لگایا جاسکا۔ باقی سارے واقعات پیٹرول بم پھینکنے کے تھے۔ 1996ء کے مقابلے میں ان میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ 1996ء میں ایسے 122 واقعات درج ہوئے تھے۔

الاقصیٰ بلیٹن میں ہی شائع ہونے والی ایک دوسری خبر میں بتایا گیا ہے کہ اسرائیلی خفیہ تنظیم شن بٹ (Shine Bet) کے سربراہ نے حال ہی میں اسرائیلی پارلیمنٹ کے امور خارجہ اور سیکورٹی کمیٹی کے ارکان کو بتایا کہ حریت پسندوں بالخصوص حماس کی کارروائیوں میں گزشتہ سال کی نسبت اضافہ ہوا ہے۔ گرین لائن اور مغربی کنارہ میں 463 کارروائیوں کا اندراج ہوا ہے۔ 1996ء میں ایسی کارروائیوں کی تعداد 268 تھی۔ دھماکوں کے 6 واقعات ہوئے جن میں سے 4 جان نثار مجاہدین نے کیے۔ 1996ء میں ایسے صرف 4 واقعات ہوئے تھے۔ یروشلم اور جنوبی مغربی کنارے میں آرمڈ آپریشنز کے 315 واقعات کا اندراج ہوا جبکہ 1996ء میں 131 تھے۔ صرف جبرون میں 166 واقعات درج ہوئے جبکہ 1996ء میں صرف 40 واقعات درج ہوئے تھے۔ 1997ء میں خنجر زنی کے 18 واقعات درج ہوئے۔ ان میں 7 مقبوضہ یروشلم کے یہودی آبادکاروں کے خلاف ہوئے۔ پیٹرول بموں کے 340 فائرنگ کے 21 دھماکہ خیز مواد کے 50 اور 400 پتھراؤ کے واقعات ہوئے۔ ان کارروائیوں کے نتیجے میں 39 اسرائیلی ہلاک اور 144 زخمی ہوئے۔ شن بیٹ کے سربراہ نے دعویٰ کیا کہ شن بٹ نے 100 کارروائیوں کو ناکام بنایا۔

1997ء میں 170 گھر تباہ کئے گئے

اسرائیلی قابض حکام نے 1997ء میں مغربی کنارے میں 170 فلسطینی گھروں کو تباہ کیا ہے۔ یروشلم کے ایک لیگل سینٹر برائے تحفظ اراضی نے 24 اپریل کو ایک رپورٹ شائع کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ زیادہ تر گھر C ایریا میں تھے جہاں مکمل طور پر اسرائیلی فوج کا کنٹرول ہے۔ جبکہ چند گھر B ایریا میں تھے جہاں یاسر عرفات کی اتھارٹی کا کنٹرول ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مغربی کنارے میں 155000 اور غزہ کی پٹی میں 6000 یہودی آباد کار ہیں۔ رپورٹ میں مزید بتایا گیا ہے کہ اسرائیلی حکومت ایتھوپیا کے 3500 افراد کو مغربی کنارے میں آباد کرنا چاہتی ہے۔

(تحریر: ملک احمد سرور)

یہودیوں کی قسمیں

1993ء کی مردم شماری کے مطابق مقبوضہ فلسطین کی کل آبادی کا 81.2 فیصد یہود ہیں (1914ء میں یہ تناسب 10 فیصد، 1922ء میں 11 فیصد، 1931ء میں 17 فیصد اور 1939ء میں 30 فیصد تھا) ان کی تین قسمیں ہیں: ()ا ''اشکنازیم'' جو یورپ سے آئے ہوئے ہیں، معاشرے میں سب سے زیادہ موثر ہیں اور سیاسی و عسکری اور علمی و اقتصادی میدان میں چھائے ہوئے ہیں۔ (۲) ''السفاردیم'' جو مختلف ایشیائی اور افریقی ممالک سے آئے ہوئے ہیں۔ (۳) ''صابرا'' یہ فلسطین میں جنم لینے والے یہودی ہیں خواہ یورپی ہوں یا ایشیائی۔

گھروں سے نکالے گئے فلسطینی

کہاں کہاں سے نکالے گئے

نام ضلع	تعداد خالی کرائے گئے قصبے/گاؤں	نکالے گئے افراد کی تعداد 1948ء میں	افراد کی تعداد 1998ء
ایکر (ACRE)	30	47038	288863
رملہ	64	97405	2958171
بائسن	31	19602	120375
بیر شیبا	88	90507	555811
غزہ	46	79947	490960
حیفہ	59	121196	744269
حبرون	16	22991	141191
جافا	25	123227	756743
یروشلم	39	97950	601519
جینین	6	4005	24598
نضارتھ	5	8746	53712
صفد	78	52248	320855
طبریاس	26	28872	177307
طلکرم	18	11333	67746
کل	531	805067	4942119

بے گھر ہونے والے فلسطینی 50 سال بعد

آج یہ لوگ کہاں ہیں؟

مہاجرین کا مقام	1998 میں کل آبادی	تعداد مہاجرین
اسرائیل کے زیر قبضہ علاقے	953497	200000
غزہ کی پٹی	1004498	766124
مغربی کنارہ	1596554	652855
اردن	2328308	1741796
لبنان	430183	408008
شام	465662	444921
مصر	48784	40468
سعودی عرب	274762	274762
کویت	37696	34370
دیگر گلف	105578	105578
عراق۔ لیبیا	74284	74284
دیگر عرب ممالک	5544	5544
امریکہ	203588	173050
دیگر ممالک	259248	220361
کل	7788186	4942121

باب نمبر 12

چین میں مسلمانوں کا لرزہ خیز قتل

سرخ چین کے زمانے میں آزادی کی تحریکیں

مشرقی ترکستان کے باشندوں نے چین کے تسلط کے ہر دور میں آزادی اور استقلال کی خاطر لاکھوں انسانوں کی قربانی دی۔ ان کی یہ جدوجہد سرخ چین کے استقلال کے بعد بھی جاری رہی۔ وہ ۲۳ سال کے عرصے میں ہونے والے قتل عام، جلاوطنی اور ایذا رسانی جیسے غیر انسانی مظالم کے باوجود اپنی اس جدوجہد کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ گزشتہ دو صدیوں میں مشرقی ترکستان میں چین کے خلاف اٹھاون بغاوتیں ہوئیں لیکن آزادی اور حریت کی اس خونچکاں داستان سے دنیا بہت کم واقف ہے۔ اقوام متحدہ میں ترکستانیوں کے حق میں کوئی آواز نہیں اٹھی۔ ہم یہاں سرخ چین کی سختیوں اور دباؤ کے باوجود آزاد دنیا کے سامنے اس جدوجہد آزادی کے چند نمونے پیش کریں گے۔ یہ معلومات ہم نے اپنے ذاتی علم، سنی ہوئی باتوں اور سرخ چین سے بھاگ کر نجات حاصل کرنے والوں کی یادداشتوں سے مرتب کی ہیں۔

۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۱ء آزادی کی جدوجہد

آزادی کی وہ تمام تحریکیں جو پہلے مختلف چینی حکومتوں کے خلاف چلتی رہی تھیں ۱۹۴۹ء کے بعد سے ان کا رخ سرخ چین کی طرف ہو گیا۔ تقریباً ہر شہر اور بستی میں قوم پرست اور وطن پرست سرخ چین کے فوجی دستوں سے دست بگریباں تھے۔

بغاوت گزشتہ عید الاضحیٰ کے موقع پر شروع ہوئی تھی۔ عید کی صبح کاشغر کے لوگ شہر کی سب سے بڑی مسجد میں عید کی نماز پڑھنے کے لئے اس مسجد کے سامنے جمع ہوئے جسے ایک عرصے سے بند کر دیا گیا تھا۔ انھوں نے مطالبہ کیا کہ وہ اس مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں اس لئے اس کو کھول دیا جائے۔ کمیونسٹ عہدیداروں نے اس مطالبے کی سختی سے مخالفت کی اور لوگوں کو

منتشر کرنا چاہا۔ اس دوران مسجد کے دروازوں کے تالوں کو توڑ کر اندر داخل ہونے والوں اور کمیونسٹ فوجی دستوں میں تصادم شروع ہو گیا۔ جس نے جلد ہی وسعت اختیار کر لی۔ عید قربان کے دن سے آج تک یہ صورت حال ہے کہ مشرقی ترکستان میں لوگوں کے جتھے پہاڑوں پر چڑھ گئے ہیں۔ اور چھاپہ مار سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں اور ریڈیو کا کہنا ہے کہ یہ جھڑپیں سارے مشرقی ترکستان میں ہو رہی ہیں اور اپنی وسعت میں ۱۹۳۶ء غلط لکھا ہے وہ ۱۹۴۰ء یا ۱۹۵۰ء ہونا چاہئے، کیونکہ عثمان باتور کی جدوجہد کا زمانہ یہی ہے۔"

(عیسیٰ یوسف الپ تکین)

پیکنگ ریڈیو نے ان واقعات سے انکار کیا ہے لیکن یہ دعویٰ کیا ہے کہ رجعت پسند عناصر عوام کو بھڑکا رہے ہیں۔ اس تحریک کو شروع ہوئے اب تک ڈیڑھ ماہ سے زیادہ ہو گیا ہے۔ اور پیکنگ ریڈیو اب بھی یہ کہہ رہا ہے کہ اس رجعت پسندانہ تحریک کو کچل دیا جائے گا۔ لوگوں کو اس جدوجہد میں شریک ہونے سے روکنے کے لئے ان سے وعدے کیے جا رہے ہیں۔ پیکنگ کی تمام کوششوں کے باوجود تحریک تمام مشرقی ترکستان میں پھیل گئی ہے۔

(۲۰ مئی ۱۹۶۶ء کے اخبارات کی خبریں)

۱۹۶۶ء میں مشرقی ترکستان کی جدوجہد آزادی کے دوران انڈونیشیا کے اخبار ابراہی کے مطابق ہزاروں ترک شہید کر دیئے گئے۔ اخبار لکھتا ہے:

"۱۹۶۶ء میں دسمبر کے مہینے میں مشرقی ترکستان میں ۷۵ ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے اور یہ قتل عام رمضان کے مہینے میں ہوا۔"

(بحوالہ "الندوہ" مکہ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۷ء
مضمون سرخ چین کے مسلمان آزاد دنیا سے مدد کے منتظر ہیں)

اناطولیہ کی خبر رساں ایجنسی نے ۶ جنوری ۱۹۶۷ء کے بلیٹن میں خبر دی:

"قرآن کا چینی زبان میں ترجمہ کرنے والے ایک عالم کو مسخروں کی ٹوپی پہنا کر سڑکوں پر گشت کرایا گیا۔ چین میں اسلام کے خلاف جو کتابچے تقسیم کیے جا رہے ہیں ان میں یہ مطالبے کیے جاتے ہیں:

تمام مسجدوں کو بند کر دو۔

مذہبی اداروں کو ختم کر دو۔

چین میں اسلامی تنظیموں کو توڑ دو۔

قرآن کی تعلیم بند کر دو۔

چین میں اشتراکیوں نے اپنے نظریات کو ٹھونسنے کے لئے جو مظالم کئے وہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ لیکن اشتراکیت کا خونخوار چہرہ دیکھنے کے لئے ذیل کے اعداد و شمار پر نظر ڈالنا مفید ہوگا۔ انگلستان کے اخبار سنڈے ایکسپریس نے ۲۰/ اپریل ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں روس کے "ریڈیو امن و ترقی" کے حوالے سے لکھا ہے کہ ماوزی تنگ کے چین میں اشتراکی انقلاب سے ۱۹۶۵ء تک دو کروڑ ۶۳ لاکھ انسان اشتراکیت کی مخالفت کی وجہ سے قتل کئے گئے ہیں۔ تفصیل یہ ہے:

۱۹۴۹ء	تا	۱۹۵۲ء	۲۸ لاکھ
۱۹۵۳ء	تا	۱۹۵۷ء	۳۵ لاکھ
۱۹۵۸ء	تا	۱۹۶۰ء	۶۷ لاکھ
۱۹۶۱ء	تا	۱۹۶۵ء	ایک کروڑ ۳۳ لاکھ

۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۲ء تک سات سال کی مدت میں جو لوگ ہلاک کئے گئے اگر ان کو بھی شمار کر لیا جائے تو یہ تعداد ساڑھے تین کروڑ تک پہنچ جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ سوویٹ روس بھی معصوم نہیں ہے۔ وہ بھی حیوانیت اور بربریت میں سرخ چین سے کم نہیں۔ سوویت روس بھی ۱۹۱۷ء کے انقلاب سے اب تک لاکھوں اور کروڑوں بے گناہوں کا خون بہا چکا ہے۔ اور یہ خون مختلف اقوام پر اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے بہایا گیا ہے۔ ہاں اب دو کمیونسٹ ملکوں چین اور روس میں اختلافات پیدا ہو جانے کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کی وحشیانہ حرکتوں کا پردہ چاک کر رہے ہیں۔ اس موضوع پر استنبول کے ایک اخبار میں جو مضمون شائع ہوا ہے اسے ہم بعینہ نقل کرتے ہیں:

روس اور چین کے تعلقات کا اندازہ لگانے کے لئے جہاں مشرقی ترکستان ایک طرح کا بیرومیٹر ہے وہاں یہ ملک چین کی خون آشامی اور چینی مظالم کی ایک علامت بن گیا ہے۔ چین کے ان مظالم کو آج اس کا سابق دوست کامریڈ ایوان (روس) بھی نہیں چھپا سکتا۔ ماوزی تنگ وران کے ساتھی قدیم چینی شہنشاہ کے راستے پر کامیابی کے ساتھ گامزن ہیں۔ ۱۹۴۹ء تک سنکیانگ، تبت اور منگولیا میں بہت کم چینی آباد تھے اور ان کا تناسب ایک فیصد سے زیادہ نہ تھا۔

۱۹۵۴ء میں ان ملکوں میں چینیوں کا تناسب چھ فیصد اور ۱۹۶۳ء میں ۴۲ فیصد ہو گیا۔ ماوزی تنگ کی حکومت ٹیفوروں، منگولوں، تبتیوں اور دوسری غیر چینی قوموں کو زبردستی چینیوں میں ضم کرتی چلی جارہی ہے۔ ہر سال ہزاروں چینی ان ملکوں میں آباد ہورہے ہیں اور سنکیانگ میں آباد ہونے والی چینی اقلیت اب اکثریت میں تبدیل ہوتی جارہی ہے اور وہاں کے اصل باشندے اپنے وطن کو چھوڑنے پر مجبور ہورہے ہیں۔ اور ٹیفور، قزاق، کرغیز لڑکیوں کو چینی فوجیوں یا وہاں آباد چینی باشندوں کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔

ماؤ جس سیاست پر عمل پیرا ہیں وہ یہ ہے کہ غیر چینی قوموں کے کلچر، روایات اور رسوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ ان کو زبردستی چینی زبان سکھائی جارہی ہے۔ ان کی مساجد بند کی جارہی ہیں اور سور کا گوشت کھلایا جارہا ہے۔

مغرب کی طرف ملک کو توسیع دینا چین کا ایک بنیادی مسئلہ رہا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ سوویت روس مشرقی ترکستان، منگولیا اور تبت کی طرف جو چینی نو آبادیاں ہیں للچائی ہوئی نظر ڈالیں بلکہ وہ یورپ کی پشت پر سے روس پر ضرب لگانا چاہتا ہے۔ یہی صورت سوویت روس کی ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا کہ سرخ چین ایٹمی طاقت میں اس کا حریف بن جائے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے کہ چین کو دیوار چین کے پیچھے مقید کردے۔

سرخ چین نے روس کی مدد سے ترقی کی منزلیں طے کرنے کے بعد اپنے چہرے سے نقاب اتار پھینکا ہے اور وہ اب ان علاقوں کو واپس لینا چاہتا ہے جن پر تقریباً ایک سو سال پہلے نرچنسک کے معاہدے کے تحت روس نے قبضہ کرلیا تھا۔ روس کے سرکاری اخبار اسوستیا نے اس موضوع پر ایک مضمون میں چین کے اس قسم کے دعوؤں کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔

"ینی دین ملی مجادلہ جلد دوم شمارہ ۱۳۹ ـ ۵ ـ ۱۲ دسمبر ۱۹۷۲ء مضمون "مشرقی ترکستان پر چینی مظالم کا روس بھانڈا پھوڑ رہا ہے۔"

مختصر یہ کہ مذکورہ بالا واقعات اور تفصیلات یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ مشرقی ترکستان میں قومی آزادی کی جدوجہد ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ اور وہاں کے باشندوں کو جب بھی موقع ملتا ہے وہ چین کے خلاف ہتھیار سنبھال لیتے ہیں۔ یہ جدوجہد اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہے وہ ظلم کا دور ختم نہیں ہو جاتا اور ان کو انسانوں کی طرح آزاد رہنے کا حق نہیں مل جاتا۔ آزاد دنیا سے ان کو کوئی مدد ملے یا نہ ملے۔ مشرقی ترکستان کے باشندے کمیونزم

کے خلاف اپنی جدوجہد فتح حاصل ہونے تک جاری رکھیں گے، کیونکہ روس اور چین میں جس دن کمیونزم کو زوال نصیب ہوگا ان کے غلام ترک علاقے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور آزادی کی دولت سے بہرہ ور ہو جائیں گے۔

چینی مسلمانوں پر مظالم کی داستان

چین کوئی پچاس سال سے کمیونزم کے زیر اثر توحید، رسالت اور امور مذہبی سے بیزار ایک آزاد خود مختار حکومت ہے، اسی لئے کمیونسٹ چین نے مذہب کے نام پر مسلمانوں کو ستانے اور اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہیں رکھی، تاہم مسلمانوں کی ثابت قدمی، سخت جانی اور مذہب و عقیدہ سے والہانہ محبت رنگ لا کر رہی اور ان چینی مظالم کا سحر ٹوٹ کر رہا۔ آج خدا کے فضل و کرم سے مسلمان اپنی تہذیب و روایات اور مسجدوں کے ساتھ نسبتاً سکون محسوس کر رہے ہیں اور موجودہ حکومت چین بھی مسلمانوں کے بہت سے مذہبی امور میں رواداری سے کام لے رہی ہے، سچ ہے ستم و ظلم جب بے انتہا ہوتا ہے تو بے دست و پا اور بے گور و کفن ہو جاتا ہے۔ چین کے قید خانوں میں جن علماء اور مسجد کے اماموں نے بیس بیس سال صعوبتیں برداشت کیں آج خدا نے اسی کا یہ صلہ دیا ہے کہ حکومت چین خود ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کا مفت انتظام کر رہی ہے۔ چین کے کوئی دس مقامات پر راقم نے خود ایسے باکمال بالغ نظر اور بلند پایہ علماء سے ملاقات کر کے حقائق جاننے کی کوشش کی۔ دریافت کرنے پر ان علماء نے بڑی فصیح عربی زبان میں بتایا کہ ہم پر جتنی مصیبت آتی تھی اسی حساب سے ہماری مسرتوں میں اضافہ ہوتا تھا۔ جیل میں ہمارا جینا دشوار تھا لیکن ہمارے لبوں پر خدا کے فضل و کرم سے کبھی حرف گلہ نہیں آیا۔ جیل میں ہمارے ساتھ ہمارے کمسن بچوں کو بھی ہماری تکلیف میں اضافہ کرنے کے لئے رکھا گیا تھا۔ بچوں کو کھانے پینے کی چیزوں کا لالچ دیا جاتا اور جب یہ معصوم و بے زبان بچے خورد و نوش کی چیزوں کی طرف لپکتے تو ان کے نازک گال پر پوری قوت سے طمانچہ رسید کیا جاتا پھر ہم سے کہا جاتا کہ انہیں خاموش کرو، ورنہ ہم تمہیں سخت سزا دیں گے حقیقت یہ ہے کہ اس تکلیف دہ صورت حال پر خدا صبر دیتا اور ساعتیں بہر حال گزر جاتیں تو ہمارا یقین اور پختہ ہوتا تھا کہ ظلم و ستم کی زنجیر اسی طرح ٹوٹے گی۔

چینی علماء کی تبلیغی کوشش جرم بن گئی

درحقیقت چین کی بدلتی ہوئی صورت حال میں کمیونسٹ چین کے ان علماء کے صبر وشکیب کو بہت زیادہ دخل ہے جن کی ناتوانی، ضعف پیری اور پیرانہ سالی کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ شیخ داؤد جو ایک تاریخی مسجد کے آج بھی امام ہیں، فرماتے ہیں کہ قید و بند کے زمانے میں بھی اس کی مسرت تھی کہ خدا نے ہم کمزوروں کو سنت یوسفی زندہ کرنے کا موقع عنایت فرمایا، ہم نے ہزار خطروں اور گوناگوں پابندیوں کے باوجود اپنی بیرک میں آئے، غیر مسلم چینیوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرنا شروع کیا اور رات کے آخری پہر میں جب پورا جیل خانہ محوخواب ہوتا ہم لوگ اٹھ کر اجتماعی نماز تہجد پڑھتے اور دوسرے کم علم چینی مسلمانوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے، غرض ہم دین کی تبلیغ کے جرم ہی میں پکڑے گئے تھے اور قید خانے میں ہم نے رہا ہونے تک سزا اٹھاتے اٹھاتے اسے جاری رکھا۔ ہم میں سے بہت سے علماء جن کے پاس اگرچہ تصنیف وتالیف کے لئے کوئی سامان نہ تھا تاہم انھوں نے اپنی انگلیاں خون جگر میں ڈبو کر کتابیں لکھیں جو بعد میں شائع بھی ہوئیں۔ شیخ سعد بن نوح انہی بزرگوں میں ہیں جنہیں تبلیغ و دعوت کے جرم میں عہد ناتوانی میں جیل کی ہوا کھانی پڑی اور جیل میں جن مصائب سے گزرتے رہے ان کو بیان کرنے کے لئے جگر چاہئے، گرفتاری کا ان کے نام وارنٹ تھا وہ پولیس کے دست وبرد سے بچ کر دیہاتوں میں روپوش رہے لیکن دینی تعلیم اور اسلامی دعوت سے باز نہیں آئے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ چین کے سرخ پوش حکمرانوں سے اگرچہ کائنات کانپ رہی تھی لیکن ہم دیوانوں نے دامن دریا، اور دامان کوہ کو خدا کی یاد اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے آباد رکھا، تاق کہ انسان نہ سہی کہ ان تک رسائی ہی مشکل تھی، کائنات کا ذرہ ذرہ گواہی دے گا کہ اللہ کے بندوں نے اس فرض کو ادا کیا جو انہیں رسول اللہ ﷺ نے بطور امانت سپرد کیا ہے۔ لیکن جب شیخ سعد کا جوش تبلیغ اور جذبہ تعلیم جوان ہوا تو آزمائش کو بھی جوانی آگئی، شیخ کی گرفتاری پر انعامات کا اعلان ہوا، دیہات اور شہر کے ایک ایک گھر کی خانہ تلاشی ہوئی۔ جب پوری فورس حرکت میں آگئی تو شیخ سعد بھی ایک مسلمان کے خس خانہ سے گرفتار ہوگئے اور وہیں سے انہیں ہاتھ پیر میں بیڑی ڈال کر بے تحاشہ مارتے پیٹتے قریب کے جیل خانہ میں پہنچا دیا گیا، جہاں اجتماعی زدوکوب کا عمل شروع ہوا۔

شیخ سعد پر جیل میں مظالم

شیخ سعد فرماتے ہیں کہ مجھے قید خانہ میں لے جاتے ہی پہلے تو ایسی مغلظات بکنا شروع کیں کہ مجھ جیسے شریف انسان کی روح کانپ اٹھی، پھر مجھے کال کوٹھری میں برہنہ کر دیا گیا اور مجرم قیدیوں کا لباس پہنا کر پورا جسم تانت سے خوب سختی کے ساتھ جکڑ دیا گیا، میں سراپا التجا خدا کی بارگاہ میں دل کی زبان سے رو رو کر رب انی مغلوب فانتصر خدا میری مدد فرما کہ میں آج بے بس ہوں، اور انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ میں تو بس رنج وغم کا شکوہ خدا سے ہی کروں گا۔ یہ آیتیں پڑھنا تھا کہ تھوڑی ہی دیر میں مجھ پر کوڑے چاروں طرف سے برسنے لگے تو امام احمدؒ کے صبر واستقامت نے مجھے ہمت عطا کی، اخیر میں ظلم کی خوگر چین کی پولیس نے میری داڑھی کے بال کترنے کے لئے قینچی ہاتھ میں سنبھالی، اس وقت میرا دل اس پر رو رہا تھا کہ جس سنت کو میں نے آج تک چھن سے بچا رکھا تھا افسوس کہ آج اس سے محروم ہو رہا ہوں میں نے جرأت سے کام لیتے ہوئے پولیس سے درخواست کی کہ یہ داڑھی میرے محبوب محمد ﷺ کی سنت ہے اسے نہ کاٹا جائے ہاں! یہ سر گردن سے ملا ہوا ہے اسے اتار لیا جائے میری اس جسارت پر پولیس غصہ میں آگئی اور مجھے بارود کی دہکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں ڈال دیا جس سے میرے جسم کا نچلا نصف حصہ جل کر خاک ہو گیا۔ مجھے علاج کے لئے دواخانہ اگرچہ پہنچا دیا گیا لیکن میری تکلیف میں کوئی کمی نہیں ہوئی اور مجھے اس وقت رہائی نصیب ہوئی جب چین کے دونوں ظالم حکمراں چو این لائی اور ماؤزے تنگ بھی مر گئے شیخ سعد ابھی بقیہ حیات ہیں، دونوں پیروں سے معذور ہیں لیکن آج بھی تمام سرگرمیوں میں ان مسلمانوں سے بہت آگے ہیں جن کے ہاتھ پیر سلامت ہیں۔ شیخ سعد ھنگ اور اطراف کے مشہور اور سرگرم علماء میں شمار ہوتے ہیں، وہ بے شمار مسلم تنظیموں کے سربراہ ہیں۔ پورے علاقے کے مسلمان نازک ترین حالات اور مشکل مسائل میں بس انہی کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ موصوف چینی زبان کے بڑے اچھے مقرر اور اہل قلم ہیں، ان کی تقریر سننے کے لئے جلسوں میں پورا شہر امڈ پڑتا ہے۔ انھوں نے چونکہ چین کے سرخ آقاؤں کا عہد ستم دیکھا ہے اس لئے ارباب حکومت کی نظر میں بھی ان کا بڑا مقام اور دبدبہ ہے تاہم انھوں نے نہ کبھی حکومت کی مداہنت پسند کی اور نہ کسی غلط موقف کی تائید کی، مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم چینی عوام بھی ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے وہ اس وقت

شنگ کے سنی قادر کی حیثیت سے مشہور ہیں، وہ سرتاپا معذور ہیں تاہم کسی تقریب یا کار خیر میں شرکت سے معذرت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سوز دروں اور دردمند دل عطا فرمایا ہے۔ ملت کی حالت زار اور حکمرانان چین کے مظالم کو بیان کرتے ہوئے آبدیدہ ہو جاتے ہیں اس ضعف پیری میں ایک مدرسے مہتمم ہیں جسے پچاس سال پہلے خود قائم فرمایا تھا۔ یہ مدرسہ اپنے رقبہ اور جائے وقوع کے اعتبار سے حکومت کی نظر میں بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے، یہاں تقریباً چار سو مسلم طلبا مختلف درجوں میں زیر تعلیم ہیں، اس وقت شیخ کی سرگرمیوں کا بس یہی دائرہ عمل ہے اور یہیں بیٹھے بیٹھے ملت کے سیکڑوں مسائل بھی حل کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے مدارس کی طرح ان کا مدرسہ بھی دین کی زبردست چھاؤنی ہے، جو حکومت چین کی مالی اعانت سے بے نیاز صرف مسلمانوں کے عطیات پر چلتا ہے۔ شیخ کے مدرسہ میں قیام کے دوران ان کے بچوں کا مجھے جائزہ لینے کا موقع بھی ملا۔ توقع سے زیادہ بچوں میں دینی صلاحیت اور عمل کا جذبہ پایا، دورۂ حدیث کے بچوں سے عربی میں بہت سے علمی سوالات بھی کیے، بعض احادیث کا مطلب پوچھا، ایک دو کے سوا تمام بچوں نے حوصلہ افزا اور امید سے بڑھ کر جواب دیئے، اس درسگاہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اعتماد علی اللہ اور صرف دینی تعلیم کی بنیاد پر قائم ہے، جب کہ اکثر مدارس حکومت سے امداد حاصل کرنے کے خسیس جذبہ کے تحت غیر اسلامی علوم کے بھی پرزور حامی ہیں۔ چین میں انتہائی صبر آزما امتحان دینے کے باوجود یہ نامسعود تبدیلی مدارس کے ذمہ داروں میں پیدا ہوگئی ہے کہ عصری علوم پر بطور خاص توجہ دے رہے ہیں، جس کے نتیجہ میں طلبہ میں وہ دینداری، تقویٰ، اپنی شریعت کے تحفظ کا احساس اور تبلیغ و دعوت کا وصف صفر کے درجہ میں ہے جو ان مدارس کی روح ہے، تاہم دین کے بنیادی تقاضوں پر سختی سے کاربند رہنا اور شعائر اسلام کی حفاظت میں سرگرمی دکھلانا یہ وہ مظاہر ہیں جنہیں دیکھ کر امید بندھتی ہے اور دل گواہی دینے لگتا ہے اور انسان شرح صدر کے ساتھ محسوس کرتا ہے کہ چین میں اسلام کا مستقبل بہرحال روشن ہے۔

سنکیانگ کے مسلمانوں پر چینی مظالم

چین کے جنوب مغربی صوبے سنکیانگ میں یغور مسلمانوں کی تحریک آزادی کے بعد یہ صوبہ چینی فوجیوں کی چھاؤنی میں تبدیل ہو چکا ہے۔ امریکی جریدے ''دی اکانومسٹ'' میں

شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق اس صوبے میں ۱۰؍ لاکھ چینی فوجی تعینات ہیں۔ صوبے میں داخلے کے لئے ۱۱؍ زمینی اور صرف ایک فضائی راستہ ہے۔ ہر آنے جانے والے کی مکمل تلاشی لی جاتی ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور مواصلات وابلاغ کے تمام بیرونی ذرائع منقطع کردیئے گئے ہیں۔ گزشتہ سال نومبر میں یغور مسلمانوں کی طرف سے ۱۶؍ پولیس اہلکاروں کے قتل کے بعد چین کی بے رحمانہ پالیسی کے تحت یہاں تشدد شروع ہوگیا۔ اور ''یچی'' میں علیحدگی پسند مسلمانوں اور چینی فوج میں زبردست جھڑپیں ہوچکی ہیں جن میں مظاہرین نے فوج کے خلاف گھریلو ساختہ بم گرینڈ اور دوسرا ہلکا اسلحہ استعمال کیا، اسی طرح ''کلجا'' میں ہونے والے مظاہرے میں سرکاری طور پر ۱۰؍ جبکہ ایک دوسری اطلاع کے مطابق ۴۰؍ افراد مارے گئے۔ علیحدگی پسندوں نے کاشغر نیا، لوپ نور اور کرائش میں زبردست مظاہرے کئے، گزشتہ جولائی میں چین کی طرف سے ۹ علیحدگی پسندوں کی پھانسی کا اعلان کیا گیا، جبکہ علیحدگی پسند تنظیموں کے بقول ان کے اب تک ایک ہزار ساتھی پھانسی پاچکے ہیں، جبکہ ۱۰؍ ہزار سے زائد زیر حراست ہیں۔ وسطی ایشیا میں پہنچنے والی ایک وڈیو کیسٹ میں کلجا کی بغاوت کے مناظر دکھائے گئے ہیں جن میں چینی فوج اور مظاہرین کے درمیان جھڑپوں کے دوران چینی فوج کے لاٹھی چارج، جلتی گاڑیوں اور نصف درجن کے قریب نعشوں کو بھی دکھایا گیا ہے۔ چین نے کشمیری مجاہدین سے رابطوں کے امکان کو ختم کرنے کے لئے پاکستانی سرحد کے ساتھ ساتھ بھی خاردار تار لگادی ہے۔ یہ صوبہ ماضی میں ترکی کا حصہ رہ چکا ہے۔ چین نے ۱۹۴۹ء میں اس پر قبضہ کیا اور مقامی آبادی کا تناسب کم کرنے کے لئے ''ہان'' نسل کے چینیوں کی وہاں آبادکاری شروع کی اور ان کا تناسب اب ۵ فیصد سے بڑھ کر ۳۸ فیصد ہوچکا ہے۔ یغور مسلمانوں کو شکایت ہے کہ سیاست، عدلیہ، پولیس اور انتظامیہ میں تمام عہدے ''ہان'' نسل کو دے کر ان کی حق تلفی کی جارہی ہے۔ اب بہت سے ''ہان'' آبادکاروں کو بھی یغور مسلمانوں کے حملوں کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے گزشتہ فروری میں 1200 آبادکاروں کو بڑی مشکل سے کلجا کے ہنگامہ خیز ماحول سے نکال کر محفوظ مقامات پر پہنچایا گیا تھا۔ یغور مسلمانوں کا کہنا ہے کہ وہ اسلام کے لئے نہیں بلکہ غلامی کے خلاف جنگ کررہے ہیں۔ انھوں نے اپنے وطن کا جھنڈا بھی تیار کر رکھا ہے جس کا رنگ سفید اور اس پر چاند تارا بنا ہوا ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ سیکولر ترکی کے بہت قریب ہیں، چین اس بغاوت میں سعودی عرب اور ایران کو موردِ الزام قرار دیتا ہے۔ سنکیانگ کی چین کے لئے اہمیت کے حوالے سے

جریدے نے لکھا ہے کہ یہ صحرائی صوبہ اگرچہ کوئلے، تانبے، سونے اور لوہے کے ذخائر سے مالا مال ہے مگر یہاں تیل جو بھی یہ سمجھا جاتا تھا کہ سعودی عرب سے بھی زیادہ ہوگا نہیں ہے۔ چین اپنی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے سینٹرل ایشیا تک مواصلاتی نیٹ ورک تیار کرنا چاہتا ہے اور وہاں سے تیل و گیس کی پائپ لائنیں وسطی چین تک لانے کا خواہش مند ہے۔ یہ پائپ لائن سنکیانگ سے ہو کر گزریں گی مگر غیور مسلمان مکمل علیحدگی کے خواہش مند ہیں۔

چین کے زیر تسلط: سنکیانگ میں مسلمانوں کو پھانسیاں

جماعت اسلامی پاکستان کے امیر جناب قاضی حسین احمد نے دورہ چین کے بعد اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہاں (چین میں) یہ تاثر موجود ہے کہ ماؤزے تنگ کے دور میں مسلمانوں کے ساتھ زیادتیاں ہوئیں، تاہم اب اس کا ازالہ کیا جارہا ہے۔ چین سے ملنے والی خبریں اس تاثر کی تصدیق نہیں کرتیں بلکہ گزشتہ دس بارہ سال سے وہاں مسلمانوں پر ظلم و جبر کی ایک نئی لہر آئی ہوئی ہے۔

۱۰ر مارچ کو سنکیانگ کے ۱۱ مسلمانوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ یہ ان ۲۹ مسلمانوں میں شامل تھے، جن پر ''تحریک آزادی'' میں ملوث ہونے کا الزام تھا اور جنہیں ۱۰ر اور ۱۱ر مارچ کو سزائیں سنائی گئی تھیں۔ انہیں اپیل کا حق بھی نہیں دیا گیا اور بلا تاخیر سزا پر عمل درآمد ہوگیا۔ یہ واضح عدالتی قتل تھے، مگر دنیا نے نظر انداز کر دیا۔ اقوام متحدہ کے ادارے یونائیٹڈ نیشنز ہیومن رائٹس کمیشن اور انسانی حقوق کی دیگر عالمی تنظیموں نے چشم پوشی کی پالیسی پر عمل کیا، کیونکہ وہ مسلمان تھے۔

بیجنگ میں چینی عوام نے یہ خبر ۱۵ر مارچ کو اس وقت پڑھی جب روزنامہ سنکیانگ نے اس کی رپورٹ شائع کی۔ سخت سنسر اور دیگر اقدام کے باعث یہ خبر ۵ دن بعد شائع ہوئی۔ چین میں غیر قانونی پابندیوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قانوناً کوئی اخباری تراشہ مشرقی ترکستان سے باہر بھیجنا کوئی جرم نہیں مگر ایسا کرنے پر سخت گرفت کی جاتی ہے جیسا کہ ربیعہ قدیر کے کیس میں ہوا۔ ۵۳ سالہ ربیعہ قدیر ایک تاجر پیشہ خاتون ہے۔ اسے گزشتہ سال اگست میں گرفتار کیا گیا تھا اس پر الزام تھا کہ اس نے ''قومی راز'' فاش کئے ہیں۔ دو گھنٹے کی خفیہ عدالتی

کارروائی کے ذریعے ۱۰ مارچ کو اسے ۸ سال قید بامشقت کی سزا سنادی گئی۔ عدالت میں اس کے خلاف جو واحد گواہی تھی وہ اخباری تراشے تھے جن کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ تراشے اس نے امریکہ میں اپنے خاوند صدیق روزی کو بھیجے تھے۔ صدیق روزی ۱۹۹۶ء میں چین سے باہر جانے میں کامیاب ہوگیا تھا اور اسے امریکہ میں سیاسی پناہ مل گئی تھی۔ وہ اس وقت سے امریکہ میں "ریڈیو فری ایشیا" کے ذریعے چینی حکومت پر سخت تنقید کر رہا ہے۔ ربیعہ قدیر کے وکیل کو عدالت میں تو آنے دیا گیا مگر اسے کیس لڑنے کی اجازت نہ مل سکی۔ اس کی سزا کی خبر پوری دنیا میں فوراً پھیل گئی کیونکہ اس کی بیٹی نے اپنے باپ کو فون کر دیا تھا جس نے "ریڈیو فری ایشیا" کے ذریعے پوری دنیا کو خبر فراہم کردی۔ اخبارات میں یہ خبر نمایاں طور پر شائع ہوئی مگر امریکہ و یورپ کو مسلمانوں سے زیادہ اپنے تجارتی مفادات عزیز ہیں اس لئے یہ خبر جلد ہی بھلادی گئی۔ ۱۰ر مارچ کو دی جانے والی پھانسیاں کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ پھانسیوں کا سلسلہ تو مدت سے جاری ہے۔ چند نمایاں واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

چینی مسلمانوں کا قتل عام

☆...... اپریل ۱۹۹۰ء میں بارن کے یغور مسلمانوں کے احتجاج کو سختی سے کچلتے ہوئے ۵۰ افراد کو شہید کردیا گیا اور ہزاروں کو گرفتار کیا گیا۔ بارن میں ۵۰ر مسجدیں بند کردی گئیں۔ نئی مساجد کی تعمیر پر پابندی لگادی گئی اور ۱۵۳ر مسجدیں جو زیر تعمیر تھیں ان کی تعمیر روک دی گئی۔ ۲۵ ہزار مسلمانوں کو کمیونسٹ پارٹی سے نکال دیا گیا۔ ۱۲ ہزار مسلمانوں کو تفتیش کے لئے حراست میں لیا گیا۔

☆...... ۱۹۹۳ء میں ہوتان کے علاقے میں ۲۰۰ مسلمان گرفتار کئے گئے۔ چینی حکومت کی مسلمانوں کے خلاف ظالمانہ مہم ۱۰۰ر دن تک جاری رہی۔ تاہم اہم مذہبی مدارس بند کر دیئے گئے۔ ۱۹ر اسکول بھی بند کئے گئے۔

☆...... ۲۹ جنوری ۱۹۹۴ء کو سنکیانگ کے دارالحکومت ارمچی کی ایک عدالت نے ۹ مسلمانوں کو سزائے موت سنائی۔ فیصلہ کے فوراً بعد انہیں جیل لے جایا گیا اور سر کے پیچھے سے گولیاں مار کر شہید کر دیا۔ جون ۹۵ء میں ۵ مسلمانوں کو سزائے موت دی گئی۔ ستمبر ۹۵ء میں ۱۹ افراد کو چار سے پندرہ پندرہ سال قید کی سزا سنائی گئی۔

☆...... اپریل ۹۶ء میں سنکیانگ میں اسلامی کتب اور کیسٹوں پر پابندی لگا دی گئی، مئی ۹۶ء میں جاری کئے گئے یغور لیڈروں کے بیان کے مطابق ۵۰۰۰ مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا۔ پولیس فائرنگ سے مئی میں ۱۰ر مسلمان شہید ہوئے۔ دسمبر ۹۶ء میں ۸ر یغور مسلمانوں کو سزائے موت دی گئی۔ اپریل ۹۶ء سے دسمبر ۹۶ تک ۱۳۸ر مسلمانوں کو شہید کیا گیا اور اس دوران مجموعی طور پر ۵۷ سو مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا۔ اپریل ۱۹۹۷ء میں سات مسلمانوں کو پھانسی دی گئی۔ جون ۱۹۹۷ء (رمضان المبارک ۱۴۱۷ ہجری) ایک گھر میں نماز ادا کرتے ہوئے نمازیوں پر اندھا دھند فائرنگ کر کے کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ ۶۔ فروری کے روز ۳۱ مظاہرین کو گرفتار کر کے اسی روز گولیوں سے اڑا دیا۔ ان میں ۱۵ تا ۲۰ سال عمر کی ۱۲ لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ ۷ر تا ۱۱ر فروری کے دن کم و بیش ۱۰۰ر مسلمان ہلاک کئے گئے۔ ایک دوسری خبر کے مطابق ان ہنگاموں میں ۴۰۰ مسلمان شہید اور ایک ہزار سے زیادہ زخمی ہوئے۔ ۱۳ فروری ۱۹۹۷ء کو AFP کے حوالے سے شائع ہونے والی خبر کے مطابق مسلمان حریت پسندوں کا زور توڑنے کے لئے سمری ٹرائل کے بعد ۱۰۰ مسلمان رہنماؤں کو چینی حکومت نے سزائے موت دی۔ ایک ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا۔

☆...... اف پ نیوز ایجنسی کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۸ء میں حریت پسندوں اور چینی پولیس کے درمیان آٹھ بڑے تصادم ہوئے۔

☆...... جنوری ۹۹ء میں دو افراد کو سزائے موت اور ۱۰ کو دوسری سزائیں سنائی گئیں۔ ایک اور عدالتی کارروائی میں ۱۲۹ افراد کو جیل بھیج دیا گیا۔

☆...... جنوری ۹۹ء میں ایک ہسپتال کے ڈائریکٹر جو کافی سینئر شخصیت تھے کو بھی تین سال کے لئے لیبر کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ ان کا نام ابوالعطاوی تھا۔ ان پر غیر مخصوص سرگرمیوں میں حصہ لینے کا الزام تھا۔ وہ ۱۳ سینئر ترین کمیونسٹوں میں شامل تھے۔

☆...... فروری ۱۹۹۹ء میں دو یغور مسلمانوں کو پھانسی دے دی گئی، ان پر فروری ۹۷ء کے احتجاج میں حصہ لینے کا الزام تھا۔ کئی دیگر افراد کو بھی سزائے موت سنائی گئی اور بڑی تعداد میں مسلمانوں کو قید با مشقت کی طویل سزائے سنا کر جیل بھیج دیا گیا۔ فروری ۱۹۹۹ء ہی میں ۱۹۹۷ء کے قتل عام کی دوسری سالگرہ پر احتجاج کرنے والے ۵۰۰ مسلمانوں پر چینی پولیس نے حملہ کر دیا اور ۱۵۰ کو گرفتار کر لیا۔ ۱۰ شہید اور ۱۳۲ زخمی ہوئے۔ ۵ اور ۶ فروری کے ان احتجاجی

مظاہروں میں مجموعی طور پر ۱۰۰ افراد شہید ہوئے۔

(تحریر: مدیر بیدار ڈائجسٹ)

چینیوں کے خلاف مسلمانوں کی بغاوت

چین کی مسلم آبادی بھی روسی مسلمانوں کے ساتھ یک جا ہو کر سوویت یونین کو گزند پہنچا سکتی ہے۔ چین اور روس کے درمیان ایک مصنوعی سرحد ہے۔ سرحد پار بسنے والے لوگ ایک ہی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی زبان، مذہب، ثقافت اور تاریخی روایات ایک ہیں۔ چین کی نسبت روس میں قومیتوں کا مسئلہ زیادہ نازک ہے۔ ۱۹۷۸ء میں سنکیانگ کی آبادی گیارہ ملین تھی۔ ان میں ۶۰ فیصد ترک تھے۔ روسی وسط ایشیا میں اس وقت مسلمانوں کی مجموعی آبادی ۷۰ فیصد تھی۔ سنکیانگ کی آبادی ہان چینیوں میں آسانی سے مدغم ہوتی رہی ہے۔ جبکہ وسط ایشیا میں روسی اور یورپی ایشیائی لوگوں سے الگ تھلگ رہے ہیں۔ ۱۹۷۸ء میں چینی مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۱۳ ملین تھی۔ چین کے مسلمان کل آبادی کا ۱ء۳ تھے۔ روس میں یہ تناسب ۱۸ فیصد تھا۔ غیر روسی قومیں مثلاً یوکرینی اور بیلوروسی کل سوویت آبادی کا نصف ہیں۔ چین میں غیر ہان قومیتوں کی تعداد ۵۵ سے ۶۵ ملین ہے اور کل آبادی کے ۶ فیصد سے کم ہے، چین مسلم اقلیت کے سامنے مدافعانہ پالیسی اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ مسلمان چینیوں کو بت پرست تصور کرتے ہیں اور ان سے روابط بڑھانے سے کتراتے ہیں۔ روسی اس معاملے میں زیادہ خوش قسمت ہیں۔ مسلمان انہیں ملحد سمجھنے کے باوجود اہل کتاب مانتے ہیں۔ وسط ایشیا کے ۴۵ سے ۵۰ ملین ترک جو دو عظیم طاقتوں میں بٹ کر رہ گئے ہیں۔ روسیوں کی نسبت چینیوں کو بے رحم اور ظالم قوم سمجھتے ہیں۔

۱۸۶۲ء میں مسلمانوں نے چینیوں کے خلاف بغاوت کی جو پورے شمال مغربی علاقے میں پھیل گئی۔ ۱۸۶۵ء میں اغور باغی رہنما یعقوب بیگ نے روسیوں کے تعاون سے ایک خود مختار ریاست قائم کر لی۔ چینیوں نے بغاوت پر قابو پا لیا۔ ہزاروں اغور اور ڈنگن بھاگ کر روس چلے گئے اور قازقستان اور کرغیزیہ میں آباد ہو گئے۔ ۱۹۷۹ء کی مردم شماری کے مطابق اب وہاں ۱۲۱۱،۰۰۰ اغور اور ۵۲،۰۰۰ ڈنگن بستے ہیں۔

چنگ خاندان کے زوال کے بعد سنکیانگ نے برائے نام خود مختاری حاصل کر لی تھی۔

دوسری عالمی لڑائی کے خاتمے پر اغوروں نے روسیوں کی مدد سے مشرقی جمہوریہ ترکستان تشکیل دے ڈالی۔ ۱۹۴۹ء میں سنکیانگ پر کمیونسٹوں نے قبضہ کیا تو جمہوریہ ختم ہوگئی۔ ۱۹۵۱ء تک تمام سوویت دوست مقامی رہنما منظر سے ہٹا دیئے گئے۔ ۱۹۵۶ء میں اسٹالن کی تقلید میں ہان چینیوں کو سنکیانگ لاکر آباد کیا گیا۔ مسلمان اقلیتوں کی مزاحمت بری طرح کچل دی گئی۔ جائیدادیں ضبط کرلی گئیں۔ مسلمانوں کو مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور پھر چین کے ثقافتی انقلاب نے رہی سہی کسر پوری کردی، ہزاروں مسلمان قتل یا پابجولاں کر دیئے گئے۔

۱۹۶۲ء میں ایلی کے صوبے میں مسلمانوں نے مظاہرہ کیا تو اسے فوج نے بے دردی سے منتشر کردیا۔ درجنوں اغور قازق مارے گئے۔ قتل عام کی خبریں سنکیانگ پہنچیں تو لوٹ مار شروع ہوگئی۔ کمیونسٹوں نے مشکل سے حالات پر قابو پایا۔ انھوں نے قازقوں اور اغوروں کو گھر بار چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ روسی ذرائع کے مطابق ۱۰۰،۰۰۰ ترک سرحد پار کر کے روس آ گئے۔ چینیوں کا کہنا تھا کہ ۲۰۰،۰۰۰ لوگوں نے نقل مکانی کی۔

* * *

باب نمبر 13

سری لنکا میں مسلمانوں کا قتل

سری لنکا کے مسلمان کی نسل کشی

سری لنکا میں عام انتخابات ۱۹ دسمبر کو ہو رہے ہیں۔ سری لنکا کے موجودہ نسلی بحران میں مسلمانوں کی پوزیشن اب بہت اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ خاص طور سے جزیرے کے شمال اور مشرقی صوبوں کو باہم ضم کرنے کے مسئلے پر مسلمان نہایت اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس لئے تامل تنظیمیں اور سری لنکا کی حکومت دونوں مسلمانوں کو اپنا ہمنوا بنانے الگ کوشاں ہیں۔ دونوں صوبوں کو ملا کر ایک متحدہ صوبہ بنانے کا مطالبہ تامل یونائیٹیڈ لبریشن فرنٹ، تامل ایلم اور دوسرے تامل جنگجو گروپوں کی طرف سے کیا جا رہا ہے، کیونکہ مجوزہ متحدہ صوبے میں تامل باشندوں کی واضح اکثریت ہوگی۔ علیحدہ مشرقی صوبے میں تامل باشندے ۴۲ فیصد، مسلمان ۳۳ فیصد اور سنہالی ۲۶ فیصد ہوں گے۔ ان دونوں صوبوں کی بڑی آبادی کاشتکاروں اور ماہی گیروں پر مشتمل ہے اور گزشتہ ایک صدی کے دوران ان کی شرح پیدائش اور شرح اموات میں بارہا تبدیلیاں واقع ہوئیں ہیں۔ جس میں حکومت کی طرف سے آبادکاری کی کاروائی کو بھی عمل دخل حاصل ہے۔

اس صدی کے اوائل میں مشرقی صوبے کو اپنی آبادی کے تعین میں بار بار تبدیلی کرنی پڑی۔ ۱۹۲۷ء میں اس صوبے کے سنہالیوں کی جملہ آبادی صرف ۵۷۵۵۶ تھی۔ ۱۹۸۱ء میں یہ آبادی بڑھ کر دو لاکھ ۴۳ ہزار ہوگئی۔ صوبے میں مسلمانوں کی آبادی بھی خاطر خواہ تھی۔ ان مسلمانوں کو بالعموم حور کہا جاتا ہے۔ ان کی زبان بھی تامل ہے۔ ۱۹۸۱ء میں مسلمانوں کی تعداد تین لاکھ دس ہزار تھی۔ یہ آبادی دونوں صوبوں کے انضمام کے سوال پر فیصلہ کن پوزیشن میں ہے۔ تامل تنظیموں خصوصاً تیلف (تامل یونائیٹڈ لبریشن فرنٹ) نے مسلمانوں سے مستقل

رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ مذکورہ فرنٹ چاہتا ہے کہ مسلمان متحدہ صوبے میں اپنی لسانی حیثیت کا تعین کریں۔ نیز واضح کریں کہ وہ کس نوعیت کی نمائندگی چاہتے ہیں۔ تیلف کے ایک اہم رہنما نے حال ہی میں بتایا ہے کہ ”ہم مسلمانوں کو اپنا ہی ایک حصہ سمجھتے ہیں کیونکہ وہ ہماری ہی زبان بولتے ہیں“ تامل لیڈروں کو یہ احساس ہے کہ مسلمان تاملوں کے حق میں اپنا وزن ڈالنے سے قبل ہمارے مطالبے کے نتیجے کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ متحدہ صوبے کے سوال پر ہونے والے مذاکرات کی کامیابی کے خواہشمند ہیں۔

ادھر سری لنکا کی حکومت کا دعویٰ ہے کہ مسلمان ایک اقلیت کے اندر اقلیت بن کر رہنا پسند نہیں کرتے۔ یعنی تامل باشندے خود اقلیت میں ہیں۔ اس طرح حکومت چاہتی ہے کہ مسلمان علیحدہ صوبے کے مطالبے کا ساتھ نہ دیں۔ سری لنکا کے موجودہ بحران پر غور و فکر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان اس پورے بحران میں بحیثیت مجموعی غیر جانبدار ہیں۔ ان کے رویہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ نسلی اور لسانی نقطہ نظر سے بالاتر ہو کر سوچتے ہیں، یعنی انہیں اپنے سلسلے میں نسلی یا لسانی اکائی ہونے کا زیادہ احساس ہے۔ ویسے عام تاثر یہ ہے کہ جزیرے کے مسلمان سری لنکا کے نسلی اور لسانی جھگڑوں میں الجھنا نہیں چاہتے۔ البتہ وہ مسئلے کے حل اور قیام امن کے سلسلے میں حکومت سے تعاون کرنا چاہتے ہیں، مگر سری لنکا کے شمالی صوبہ میں بٹی کلوا ضلع میں تامل باغیوں کے مسلمانوں پر حملے، تامل جنگجوؤں کی تنظیم ایل ٹی ٹی ای کے ذریعے مسلم تنظیم ”الجہاد“ کے ہاتھوں ایل ٹی ٹی ای کے ایک ممبر (ناصر) کی ہلاکت کا بہانہ بنا کر دو درجن مسلمانوں کا قتل اور اس کے چند ہی دنوں بعد بٹی کلوا ضلع کے کربلا گاؤں میں مسلمانوں کے ساتھ مکانات کو لوٹنے کے بعد آگ لگانے کی کاروائی اور اس طرح کے بعض دوسرے چھوٹے بڑے پریشان کن واقعات سری لنکا کے نسلی بحران میں کچھ ایسی نئی کروٹ واضح کرتے ہیں جنہیں خواہ وقتی طور پر زیادہ خطرناک نہ سمجھا جائے لیکن ان کے دور رس مضمرات نہایت سنگین ہو سکتے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ کٹن کوڈی گاؤں میں تامل باغیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے قتل کی کاروائی اس وقت ہوئی جبکہ ”بھارتی امن فوج“ کے ذریعہ شمالی صوبہ اور بالخصوص بٹی کلووا کے علاقہ میں اپنی کاروائیاں تیز کرنے کی خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ یوں بھی ضلع بٹی کلووا میں بھارتی امن فوج پہلے سے موجود تھی اور اسے نہ صرف تامل باغیوں کی اس علاقہ میں موجودگی کا

علم تھا بلکہ اسے ان باغیوں کی سرگرمیوں کے نتیجہ میں تاملوں اور غیر تاملوں کے درمیان کشیدگی کا بھی اندازہ تھا۔ اس کے علاوہ جب بھارتی فوج نے شمالی اور مشرقی صوبوں میں امن عامہ اور نظم وقانون کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لے رکھی ہے (جس میں فرقہ وارانہ کشیدگی کو روکنا بطور خاص شامل ہے) تو اسے ان ممکنہ خطرات کی پیش بندی کا انتظام کرنا چاہئے تھا۔

باغیوں کی جنگجویانہ سرگرمیوں اور فرقہ رارانہ کشیدگی کے پیش نظر اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ کٹن کوڈی کے واقعہ (جس میں ایل ٹی ٹی ای کے حملہ آوروں نے کئی دکانوں اور مکانات کو آگ لگا دی تھی) کا پھر اعادہ ہو سکتا ہے مگر گردو پیش کے علاقوں میں کسی چوکسی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ حالانکہ بھارتی فوج کے کٹن کوڈی کے قریب ہی کربلا گاؤں میں تامل جنگجوؤں نے آزادی کے ساتھ لوٹ مار اور آتش زنی سے پورے گاؤں کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اگر اس واقعے میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تو اس میں کسی سیکورٹی دستہ کے کارناموں کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ پڑوسی گاؤں کٹن کوڈی تامل جنگجوؤں کے حملے سے دہشت زدہ تھا اور گاؤں کے رہنے والوں نے کیمپوں میں پناہ لے رکھی تھی اور ۱۵ ہزار آبادی کا یہ گاؤں تقریباً سنسان تھا۔

ان واقعات کے نتیجہ میں سری لنکا کی نسلی صورت حال اور بالخصوص مشرقی صوبہ کی صورت حال زیادہ سنگین ہو گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمالی صوبہ میں مؤثر فوجی کارروائی کے نتیجہ میں پسپا ہو کر مشرقی صوبہ میں سرگرم ہونے والے تامل باغیوں کے مقابلے میں امن فوج پوری طرح نگرانی نہیں کر رہی۔ شمالی صوبہ میں تاملوں کی اکثریت ہے لیکن مشرقی صوبہ میں تامل مسلم اور سنہالی آبادی کا تناسب تقریباً برابر ہے۔ اس بنا پر اندیشہ ہے کہ تامل باغیوں کو فوراً لگام نہ دی گئی تو مشرقی صوبہ میں فرقہ وارانہ کشیدگی اور تصادم کی خطرناک صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ایل ٹی ٹی ای نے تنظیم "الجہاد" سے مصالحت کی پیشکش کی ہے لیکن یہ پیشکش تامل باغیوں کی اپنی شرائط سے منسلک ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ تامل جنگجو نہ صرف شمالی صوبہ میں بلکہ کثیر نسلی مشرقی صوبہ میں بھی اپنی بالادستی منوانا چاہتے ہیں۔ اسی کوشش کے تحت ایل ٹی ٹی ای نے مسلمانوں سے بڑی بڑی رقموں کا مطالبہ شروع کیا تھا، جس کی عدم تکمیل کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکی دی گئی تھی۔ اس طرح کی دھمکیوں کے نتیجہ میں کسی بھی آبادی کا خوف زدہ اور برانگیختہ ہونا ایک لازمی امر ہے۔ وہ آبادی مسلم ہو یا غیر مسلم، بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ

اس طرح کا مطالبہ کرنے والے سفاک لٹیرے اور باغی ہوں۔ مسلمانوں کے خلاف تامل باغیوں کی اس کاروائی کے بعد سنہالیوں کے ساتھ بھی ان کے کسی تصادم کو بعید از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سنہالیوں کی دہشت گرد تنظیم جے وی پی پہلے ہی جنوبی علاقوں میں سرگرم ہے اور اگر تامل باغیوں نے مشرقی صوبہ میں اپنی بالادستی قائم کرنے کے خبط میں سنہالیوں سے بھی چھیڑ خانی کی تو جے وی پی اور ایل ٹی ٹی ای کا تصادم یقینی ہے جو بجائے خود خطرناک نتائج کا باعث بنے گا۔ سری لنکا کے مشرقی صوبہ میں مسلمانوں کو دو طرفہ دباؤ اور خطرات کا سامنا ہے۔ ایک طرف سنہالی اور دوسری طرف تامل باشندے ہیں جن میں سے مؤخر الذکر کے مفادات کی بلاشرکت غیرے نمائندگی کا دعویٰ جنگجو ایل ٹی ٹی ای کر رہی ہے۔ مسلمانوں نے تاملوں اور سنہالیوں دونوں فرقوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

تقریباً پانچ سال قبل تامل علیحدگی پسند تحریک شروع ہونے کے بعد شمالی اور مشرقی صوبوں میں تامل گروہوں نے مسلمانوں کو ہراساں اور دہشت زدہ کرنے کی کوشش کی۔ جس کا مقصد ان مسلمانوں کو تحریک میں شامل کرنا تھا جو تامل زبان بولنے کے باوجود علیحدہ شناخت رکھتے ہیں۔ مسلمان اس تحریک میں شامل تو نہیں ہوئے لیکن انہوں نے سری لنکا سیکورٹی فورس کے مظالم کے مقابلہ میں تامل کارکنوں کو پناہ دی۔ لیکن مسلمانوں پر تامل جنگجوؤں کا دباؤ بڑھتا رہا۔ جسے مسلمانوں کی جانب سے تسلیم نہ کئے جانے کے بعد قتل، اغوا اور دھمکیوں کے واقعات شروع ہوئے۔ ۱۹۸۵ء میں ٹرنکومالی ضلع کے متور قصبہ میں خلیل نامی ایک مسلم تاجر کا تاملوں کے ہاتھوں قتل تامل مسلم تعلقات کو خراب کرنے کا ابتدائی سبب بنا۔ اس واقعہ کے بعد تاملوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک دوسرے کے مکانات اور دکانوں پر حملوں کے واقعات رونما ہوئے۔

۲۹ جولائی ۱۹۸۷ء کو بھارت سری لنکا معاہدے پر دستخط کے تقریباً ایک ماہ بعد اگست ۱۹۸۷ء کے اواخر میں متور علاقہ کے ایک معزز مسلمان اسٹنٹ کلکٹر حبیب محمد کا تامل جنگجوؤں کے ذریعہ قتل فرقہ وارانہ کشیدگی میں مزید اضافہ کا سبب بنا۔ اس واقعہ کے رد عمل میں مسلم نوجوانوں نے ایل ٹی ٹی ای کے علاقائی دفتر کو تباہ کر دیا تھا۔ ایل ٹی ٹی ای نے اگرچہ مسٹر حبیب محمد کے قتل میں ملوث ہونے سے انکار کرتے ہوئے اس واقعہ کی مذمت کی تھی اور اس کا الزام ایک دوسرے تامل جنگجو گروہ تالم ایڈلبریشن آرگنائزیشن پر ڈالا تھا اور اس کے ساتھ ہی کچھ عرصہ

تک مسلمانوں کو یہ باور کرایا جاتا رہا کہ ایل ٹی ٹی ای گروہ ہندو اور عیسائی تاملوں کی طرح مسلمانوں کو بھی اکثریتی سنہالیوں کے غلبہ سے آزادی دلانے کے لئے کوشاں ہے۔ لیکن عملاً جنگجو گروہوں کی شرانگیزیاں تامل مسلم خلیج کو وسیع تر کرتی رہیں۔ اسی دوران ستمبر ۱۹۸۶ء کے پہلے ہفتہ میں سری لنکا پولیس نے بٹی کلووا کے پٹو ویل قصبہ میں دو مسلمانوں کو ہرن کے شکار کے الزام میں گرفتار کر کے انہیں بر سر عام ذلیل کیا۔ جس کے خلاف مسلمانوں نے دوسرے دن بڑے پیمانہ پر مظاہرہ کیا۔ تیسرے دن سنہالیوں کے ایک گروہ نے چھ مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا جبکہ مسلم جلوس پر بھی سنہالیوں نے پتھراؤ کیا تھا۔ اس واقعہ سے مسلمانوں اور سنہالیوں کے درمیان پیدا ہونے والی کشیدگی کا فائدہ اٹھانے کے لئے ۴ ستمبر ۱۹۸۷ء کو ایل ٹی ٹی ای نے بٹی کلووا اور امپارتی ضلعوں میں دن بھر کی احتجاجی ہڑتال کا اعلان کیا لیکن اس کے ایک ہفتہ بعد بٹی کلووا ضلع میں مسلمانوں کے مسٹر حبیب محمد کے قتل کے خلاف احتجاج کے لئے کی جانے والی ہڑتال کے دوران تامل جنگجوؤں اور ان کے حامیوں نے مسلم مکانات، دکانات اور موٹر گاڑیوں پر حملے کئے جس کے بعد فسادات پھوٹ پڑے اور کلمونائی علاقہ میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

سری لنکا میں ایک سال میں اڑھائی ہزار شہید 5 لاکھ مہاجر

بھارتی انٹیلی جنس کے تربیت یافتہ تامل ٹائیگرز نے سری لنکا کے مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے۔ جدید اسلحہ سے لیس اور "را" کے تربیت یافتہ تامل دہشت گرد جو ظاہراً اپنے لئے آزاد ملک کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن دراصل منظم سازش کے تحت سری لنکا کے کونے کونے میں مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں اور سری لنکا کے شمالی علاقوں میں مسلمانوں کی نسل کشی کی مہم کو بھارتی صوبے تامل ناڈو کی صوبائی حکومت کے تعاون سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار اسلامک ورلڈ آرڈرز کونسل کے صدر الشیخ سید مبارک گیلانی اور سری لنکا سے آئے ہوئے کونسل کے وفد نے کیا۔ انہوں نے کہا کہ صرف ایک سال کے دوران اڑھائی ہزار مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو مساجد میں بھی امان نہیں ملتی اور تامل دہشت گرد انہیں نماز پڑھتے ہوئے گولیوں کا نشانہ بنا جاتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ سری لنکا کی حکومت مسلمانوں پر اس ظلم و ستم کا کوئی نوٹس نہیں لیتی ہے۔ بھارتی انٹیلی جنس کے درپردہ حامی اور جدید اسلحہ کے حامل تامل دہشت گردوں نے مسلمانوں پر شب خون مارا اور دو سو مسلمان

عورتوں، بچوں اور مردوں کو شہید کر ڈالا جبکہ سینکڑوں کو زخمی کر دیا۔ انہوں نے بتایا کہ مسلمان خواتین کی اجتماعی آبرو ریزی کرنے کے بعد تامل دہشت گرد ان کے جسمانی اعضا کاٹ کر انہیں نشان عبرت بنا کر مسلمانوں کی بستیوں کے باہر پھینک جاتے ہیں۔ الشیخ مبارک گیلانی نے بتایا کہ اس وقت صرف ''پتلم'' کے علاقے میں اڑھائی لاکھ مسلمان بے گھر ہو کر مہاجر کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں جبکہ ''جافنا'' میں 50 ہزار مسلمان مہاجر کیمپوں میں زندہ درگور ہو چکے ہیں۔ انہیں ضروریات زندگی میسر نہیں اور خوف و دہشت کی اس فضا میں اپنے گھروں کو واپس لوٹ جانا ان کے لئے ممکن نہیں رہا۔ انہوں نے بتایا کہ سری لنکا کے طول و عرض میں موجود 25 مہاجر کیمپوں میں 5 لاکھ مسلمان کسمپرسی کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہیں ڈھنگ کا کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ کیمپوں میں صفائی کا ناقص انتظام ہونے کے سبب بیماریاں پھیل رہی ہیں اور سری لنکا کی حکومت کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ ان بے بس مسلمانوں کی ڈھنگ سے دیکھ بھال کر سکے۔ انہوں نے بتایا کہ کولمبو میں مہاجر کیمپوں میں موجود مسلمان اتنے خوف زدہ ہیں کہ اپنے شہروں کو واپس نہیں جاتے۔ انہوں نے کہا کہ بھارت بظاہر تامل ٹائیگرز کے خلاف ہے لیکن حقیقت میں بھارتی انٹیلی جنس ''را'' انہیں کھلم کھلا اسلحہ اور تربیت دے رہی ہے۔

70 ہزار مسلمان مہاجرین کیمپوں میں

تامل ٹائیگرز نے جافنا اور دیگر علاقوں سے ہزاروں مسلمانوں کو گن پوائنٹ پر نقل مکانی پر مجبور کر دیا۔ ان علاقوں سے 70 ہزار مسلمان فوجی کیمپوں میں کئی سالوں سے زندگی گزار رہے ہیں، اب تک ان مسلمانوں کو اپنے علاقوں میں واپسی کے لئے نہ ہی سری لنکا کی حکومت کوشش کر رہی ہے اور نہ ہی انسانی حقوق کی دعویدار مغربی قوتیں کچھ کہتی ہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ ان 70 ہزار مسلمان مہاجروں کے بارے میں ذرائع ابلاغ بدترین تعصب کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ آج تک کسی غیر ملکی اخبار یا ٹی وی نے ان مہاجرین کے بارے میں کوئی خبر شائع نہیں کی۔ جافنا کے ایک گاؤں کی مسجد میں نماز عشاء ادا کرتے ہوئے 170 مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا مگر بی بی سی نے اپنی نشریات میں ان کے لئے دو لفظ بھی کہنا گوارہ نہ کئے۔ میں آپ کے اخبار کے حوالے مسلم امہ کی توجہ اس انسانی مسئلے کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔

سری لنکا میں تامل گوریلوں کا مسلمانوں کے گاؤں پر حملہ 11 شہید، دکانیں نذر آتش

تامل ٹائیگرز نے مشرقی سری لنکا میں مسلمانوں کے ایک گاؤں میں عید کے اگلے روز بھی گولہ باری جاری رکھی جس سے 11 افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہو گئے، تاملوں نے یہ گولہ باری نماز عید کے موقع پر شروع کی تھی، دریں اثناء ایک دوسرے گاؤں چھنہ میں مسلمانوں کی 25 دکانیں بھی نذر آتش کر دیں!! دریں اثناء تامل گوریلوں نے سندانگر کے علاقے میں ایک تھانے پر حملہ کر کے 15 پولیس اہلکاروں کو ہلاک کر دیا اور تھانہ کی عمارت کو آگ لگا دی، دوسری طرف سری لنکا کی بحریہ کے ایک جہاز نے گوریلوں کی کشتیوں کو ڈبو دیا جس سے 35 گوریلے ہلاک ہو گئے، ان میں سے ایک کشتی تنجی کی دوسری کلی فوجی کے ضلع میں غرق ہوئی تاہم اس دوران دو کشتیاں بچ نکلیں۔

تامل مسلمانوں کا قتل عام:۔

ایک سو تامل گوریلوں کے گروپ نے شمال مشرقی سری لنکا کے ایک علاقہ میں 61 مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ وہ گھروں میں گھس گئے اور سوئے ہوئے مسلمانوں پر تلواروں، بھالوں اور دوسرے کئی تیز دھار آلات سے دھاوا بول دیا اور نہایت بے دردی سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، جبکہ بہت سے مسلمان اپنی جانیں بچانے کے لئے جنگل میں بھاگ گئے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں، گذشتہ ہفتے بھی بم کے ایک دھماکے سے پچیس مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ سری لنکا کے شمالی علاقوں میں بھارت کی پشت پناہی سے تامل ٹائیگرز نے جب سے علیحدگی کی تحریک شروع کی ہے مسلمان آبادی اس کے حملوں کا نشانہ بنتی رہی ہے اور اکثر و بیشتر تامل دہشت گردوں کی طرف سے مسلمانوں کے قتل عام کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ مسلمانوں کے وحشیانہ قتل عام کا یہ واقعہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان آبادی تامل دہشت گردی کی مخالف ہے۔ مسلم اقلیت پر دنیا کے مختلف خطوں میں جو وحشیانہ مظالم ڈھائے جا رہے ہیں اس کی ایک بڑی وجہ مسلم ملکوں کی خاموشی ہے۔ دنیا کے

نقشہ پر ایک طاقتور اسلامی بلاک ہونے کے باوجود مسلم دنیا نے مسلم اقلیتوں کے تحفظ کیلئے کوئی ٹھوس عملی اقدام نہیں کیا چنانچہ بھارت، بوسنیا ہرزیگووینا، برما، فلپائن، سری لنکا اور قبرص ہر جگہ خون مسلم کی ارزانی ہے۔ اسلامی کانفرنس کی تنظیم کو مسلم اقلیت کے تحفظ کیلئے ٹھوس اور مربوط اقدامات کرنے چاہئیں تاکہ مسلمانوں پر دراز ظلم و ستم کا سلسلہ ختم ہو سکے۔

* * *

باب نمبر 14

فلپائن کے مسلمان

وہ اپنی تاریخ کے نازک دور سے گذر رہے ہیں

فلپائن میں جیسے جیسے مسلمانوں کے خلاف طاقت استعمال کی گئی ان کا جذبہ ایمان اتنا ہی بڑھتا گیا۔ اور یہ مسلمان سرفروش اپنے خلاف کی جانے والی سازشوں کے خاتمہ کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے صدر مملکت کی جانب سے مختلف وظائف کا بھی اعلان کیا گیا۔ لیکن یہ بھی ایک ڈھونگ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

فلپائن کا اکثریتی علاقہ جو عیسائی ہے۔ مسلمانوں کو ان کی زمینوں سے بے دخلی کو معمول بنا چکا ہے۔ حکومت نے مسلم اقلیت کا دل رکھنے کے لئے قانونی امداد دینے کا بھی وعدہ کیا۔ مگر اس کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۶ء تک یعنی صرف تین سال کے قلیل عرصے میں ۴۵۶ مقدمات دائر کئے گئے ہیں۔ مگر ان کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نہ ہو سکا۔ ۱۹۶۳ء کے بعد سے جو مقدمات عدالتوں میں دائر ہیں۔ ان کے فیصلے محفوظ ہیں۔ ان کی تعداد ۸۰۰ کے لگ بھگ ہے۔ ان تمام مقدمات میں مسلمانوں کی غیر قانونی بے دخلی کے خلاف انصاف طلب کیا گیا ہے۔

انصاف سے محروم فلپائنی مسلمان عدالتوں سے بھی اپنا حق حاصل نہ کر سکے۔ اور حکومت کی حمایت پر اکثریتی طبقے نے ان کے خلاف جو روش اختیار کی ہے۔ وہ انتہا کی غیر انسانی اور غیر اخلاقی ہے۔ قومی اقلیتی کمیشن مسلم اقلیت کی امداد کا دعویٰ کرتی رہی ہے مگر اس کا صحیح تجزیہ کیا جائے جو مکمل اعداد وشمار یکجا کئے جائیں۔ تو یہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہوا ہے کہ مسلم اقلیت کے درمیان نفاق پیدا کرنے اور اس میں بدگمانی پیدا کرنے کے لئے بے دریغ خرچ کیا گیا۔ یہ پیسہ مسلم اقلیت کی فلاح وبہبود اور ترقیاتی منصوبوں پر خرچ کرنے لئے ہوا

مسلمانوں کی زبوں حالی کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے۔ ان علاقوں میں جہاں ان کی اکثریت ہے وہاں ان کی کوئی نمائندگی نہیں ہے۔ ان کی حیثیت دوسرے درجے کے شہری کی ہے۔ انہیں اپنے مذہب فرائض اور رسومات کے ادا کرنے میں بڑی رکاوٹیں ہیں۔ دھونس دھاندلی کے بل بوتے پر ان پر حکومت کی جا رہی ہے اور سیاسی حقوق پامال کیے جا رہے ہیں۔ ان کی کوئی شنوائی نہیں ہے کوئی دادرس نہیں ہے تشدد اور طاقت ان کا مقدر بن چکی ہے۔

مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ہر سال حج کی سعادت سے محروم کر دی جاتی ہے۔ اور کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ یوں تو حج پر کوئی پابندی نہیں ہے مگر سہولتوں کا عملی فقدان ہے۔ جہازوں کا کوئی انتظام نہیں کیا۔ اس لئے مسلمان چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں مختلف ذرائع سے وقت سے بہت پہلے روانہ ہو جاتے ہیں اور بیشتر عازمین حج ان تمام دشواریوں کے باوجود بھی حجاز مقدس جانے سے رہ جاتے ہیں ۱۹۶۷ء میں پہلی مرتبہ ایک جہاز کا بندوبست کیا تھا جو ناکافی تھا فلپائن کی اکثریت نے کبھی اقلیتی فرقے کی موقف کو جھنجے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ اس کے برعکس انہیں معاشرے میں ایک علیحدہ حیثیت دی گئی۔ اور ملکی سیاست اور قومی یک جہتی میں کبھی شریک نہیں کیا گیا۔ مسلم اقلیت کو ہمیشہ اجنبیت کا احساس رہا ہے۔ مزید برآں حکومت کی پالیسی اور یہ بھی کچھ اس سے مختلف نہیں ہے۔

فلپائن کے مسلمان اس وقت اپنی تاریخ کے ایک اہم اور نازک دور سے گزر رہے ہیں انہیں بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔ ان کی مشکلات کا پورا علم ابھی کسی کو نہیں ہے۔ کٹھن اور صبر آزما مراحل سے گزر کر ان کی تحریک اور جدوجہد اب منظر عام پر آ رہی ہے۔ اور دنیا کے دیگر اسلامی ممالک نے بھی ان کی طرف توجہ دینی شروع کر دی ہے۔

۴ر جولائی ۱۹۴۶ء کو جب فلپائن کو آزادی ملی اور ایک خودمختار مملکت کا قیام عمل میں آیا۔ تو بظاہر اس کے ساتھ ہی تمام فلپائنی مسلمانوں کو بھی شہریت کے مکمل حقوق حاصل ہو گئے اور قانونی طور پر وہ بھی آزاد مملکت کے شہری بن گئے۔ اس لحاظ سے مسلم اقلیت بھی دیگر شہریوں کی طرح سماجی انصاف اور معاشرتی بہبود کی مساوی طور پر مستحق تھی۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ اور جنوبی علاقے کے مسلمان اکثریتی فرقے کے جبر و ستم کا نشانہ بنتے رہے۔

وقت گذرنے کے ساتھ ان کی زندگی اجیرن کر دی گئی۔ معاشی طور پر انہیں مفلوک الحال

سماجی طور پر تیسرے درجے کا شہری اور سیاسی طور پر انہیں تمام حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ ان حالات میں مسلمانوں کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنی سیاسی حیثیت اور قومی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لئے ایک منظم تحریک چلائے فلپائن کے مسلمانوں کی جد جہد خالص قومی نوعیت کی ہے وہ فلپائنی شہری ہوتے ہوئے ان تمام سہولتوں اور مراعات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔

شہریتی اکثریتی طبقے کے استحصال سے نجات حاصل کرنا ان کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے فلپائنی مسلمانوں کو بڑی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔ اب ان کی تحریک ایک ایسے موڑ پر کھڑی ہے۔ صدر ماکوس سفارتی سطح پر ڈپلومیسی کے جانے میں یہ تاثر دینا چاہتے ہیں۔ کہ وہ اس اہم مسئلہ کو بات چیت کے اور افہام و تفہیم کے ذریعہ حل کرنا چاہتے ہیں۔

حقیقت اس کے برعکس ہے ان کی حکومت اور فوج مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے درپے ہے اور طاقت کا ہر حربہ استعمال کیا جا رہا ہے مگر فلپائنی مسلمان اب بیدار ہو چکا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اب اسے کچل نہیں سکتی۔ نوجوانوں اور سرفروشوں کی جماعت حکومت کے چھکے چھڑا رہی ہے اور مزاحمت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ بعض علاقوں میں فوج بھی بے بس نظر آتی ہے فلپائنی مسلمانوں نے اپنی آزادی اور حریت کی تاریخ اپنے خون سے تحریر کی ہے۔ ان کا خون اب رائیگاں نہیں جائے گا۔ ان کی یہ تحریک کسی طرح بھی دبائی نہیں جا سکتی۔

فلپائن میں مسلمانوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا جاتا رہا ہے۔ اس کے نتیجہ میں مزاحمت کی تحریک کا آغاز ہوا۔ اقتصادی بدحالی اور معاشی پسماندگی کی وجہ سے مسلمانوں کی زندگی دوبھر ہو چکی تھی۔ ان کی سیاسی حیثیت اور قوت کو ختم کرنے کیلئے فوج کو استعمال کیا گیا۔ اور اب تک ہزاروں مسلمانوں کو گولی کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ مسلم اکثریتی جزیروں اور علاقوں کو منظم سازش کے تحت نشانہ بنایا جا رہا ہے اور یہاں تک کہ آبادی میں تناسب کو کم اور ختم کرنے کی کوشش جاری ہے۔

ملک کے تمام ذرائع ابلاغ، اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور سماجی اور تعلیمی ادارے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زور و شور سے پروپیگنڈے کر رہے ہیں مسلمانوں کے علاقوں میں مشنری اسکول قائم کئے جا رہے ہیں۔ سرکاری ملازمتوں صنعتی اور زرعی اداروں میں مسلمانوں کے لئے دروازے بند کئے جا چکے ہیں۔

عیسائیوں کی انتظامیہ جماعت ایگالا مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگ رہی ہے اور اسے مکمل طور پر حکومت کی حمایت حاصل ہے۔ مسلمانوں کی دشمن تنظیم "ایلاگا" نے فلپائین کے مسلمانوں کو یہ کھلی دھمکی دی ہے کہ

"تمہارے دن گنے جا چکے ہیں۔ فلپائن عیسائی قوم کا وطن ہے یسوع مسیح کا مذہب اپنا کر تم لوگ ہمارے ساتھ رہ سکتے ہو۔ ہم صلیبی جنگ لڑ رہے ہیں۔ جس میں آخری فتح ہماری ہوگی"

مسلمانوں کی نسل کشی کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے سب سے قبل ۱۹۲۶ء میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ اور ۶۰۰ سے زائد مسلمانوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ ۱۹۳۳ء میں ایک ہزار سے زیادہ مسلمان، مرد، عورت، اور بچے انتہائی بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیئے گئے۔ مسلم علاقوں میں کشت وخون کا سلسلہ جاری ہے مسلمانوں کی نسل کشی کی جارہی ہے دہشت گردی کا بازار گرم رہا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ایک عسکری تنظیم قائم کی۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۱ میں ایلاگا اور فلپائنی فوج نے بے قصور نہتے اور معصوم شہریوں کو دھوکے سے جمع کیا اور انہیں انتہائی بے دردی سے گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ان واقعات نے فلپائنی مسلمانوں کو اس بات کے لئے مجبور کر دیا کہ وہ اپنے تحفظ کے لئے ایک تنظیم قائم کریں۔ ۱۹۷۱ء میں ایک تحریک قائم کی گئی۔ اس تنظیم نے پہلی مرتبہ فلپائن کے مظلوم مسلمانوں کی جانب سے عالم اسلام کے نام ایک دردناک اپیل جاری کی جس میں فلپائن کے مسلمانوں نے بدحالی کی داستان تفصیل سے بیان کی۔

مسلمانوں کی جانب سے جاری ہونے والی اپیل میں ۱۹۲۶ء سے لے کر مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی زیادتیوں کی تفصیل دی گئی تھی۔ اور یہ توقع ظاہر کی گئی تھی کہ یہ واقعات شاید عالم اسلام کو جھنجھوڑنے میں کامیاب ہو جاتے۔ دوسری طرف اندرون ملک مسلمانوں کی تنظیم روز بروز مقبول ہونے لگی اور جوق در جوق نوجوان اس میں شامل ہونے لگے۔ اور مسلمان حریت پسندوں کی یہ تحریک حکومت کے لئے ایک چیلنج بن گئی۔

مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے پیش نظر فلپائن کے صدر مارکوس نے جنوری ۱۹۷۶ء میں مسلمانوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا مگر عیسائی نے اسے مسترد کر دیا۔ ستمبر ۱۹۷۶ء میں جب فلپائن مارشل لاء لگا دیا گیا تو حکومت نے مسلمانوں کو دھمکی دی کہ وہ اپنے ہتھیار فوری طور پر حکومت کے حوالے کر دیں مسلمانوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

فلپائن کے صدر کا بیان

۲۰۰۰ء تک منڈاناؤ کو مسلمانوں سے پاک کرنے کا عزم؟

”فلپائن میں سیکورٹی کے نام پر مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنادی گئی ہے۔ مسلم ممالک کے طلباء اور شہریوں کو ہراساں کیا جاتا ہے اور انہیں مختلف الزامات کے تحت گرفتار کرنے کے واقعات عام ہیں۔ فلپائنی صدر فیڈل راموس نے کہا ہے کہ ۲۰۰۰ء تک منڈاناؤ مسلمانوں سے ”پاک“ کردیا جائے گا۔ منڈاناؤ کے خطے میں ہسپانوی باشندوں کے آنے سے قبل یہ مسلمانوں کا اکثریتی علاقہ رہا ہے، لیکن اب وہاں بڑی تعداد میں عیسائیوں کو بسایا جارہا ہے اور مسلمانوں کو جو فلپائن کے شہری ہیں اور دیگر شہریوں کے برابر حقوق رکھتے ہیں، ملک کے مختلف حصوں میں جانے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ ایک باقاعدہ پروگرام کے تحت مسلم آبادی کو مختلف شہروں میں بکھیرا جارہا ہے۔ اس سال کے اوائل میں پوپ جان پال کے دورہ سے قبل مسلمانوں کے خلاف زوردار مہم چلائی گئی اور کہا گیا کہ وہ پوپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ بعد میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ دراصل ہسپانوی باشندے جو عیسائی ہیں، بعض ملکی اختلافات کی بناء پر پوپ کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے اور وہ پکڑے بھی گئے، لیکن اس خبر کو دبا دیا گیا اور صرف مسلمانوں کے خلاف مہم میں پیش پیش ہیں۔ مسلمانوں کو دہشت گرد کے روپ میں پیش کیا جارہا ہے۔ ایک مسلم باشندہ کسی بھی جرم میں پکڑا جائے تو ذرائع ابلاغ اسے ”اسلامی دہشت گرد“ قرار دیتے ہیں، لیکن اسی جرم میں اگر کوئی عیسائی یا یہودی گرفتار ہو تو اسے اس کا ذاتی فعل قرار دیا جاتا ہے، اور جرم کو مذہب سے منسلک کرکے مذہب کی شناخت نہیں بگاڑی جاتی۔ فلپائن میں مسلمانوں کے خلاف مہم امریکہ کے کہنے پر چلائی جارہی ہے۔ ابھی حال ہی میں اس نے دھمکی دی کہ اگر سیکورٹی سخت نہ کی گئی تو وہ منیلا کے لئے پروازیں بند کردے گا۔ اس کے بعد سے منیلا کے ایئرپورٹ پر آنے جانے والے مسلمان مسافروں کو تنگ کیا جارہا ہے اور ان کی چیکنگ کی جاتی ہے۔ صدر فیڈل راموس نے یہ بھی کہا کہ منڈاناؤ دوسرا بوسنیا بن جائے، اس پر ”عرب نیوز“ نے لکھا ہے کہ جنگ کے بعد کچھ بھی نہیں بچے گا، کوئی بھی فاتح نہیں ہوگا۔“ امن

ہی بہتر ہے اور اسے قائم کرنے کے لئے مسلمانوں کو باعزت مقام دیا جانا چاہئے۔۔۔۔ انہیں برابر کا شہری سمجھا جائے۔"

(بحوالہ "بیدار ڈائجسٹ، جولائی ۹۵ ص ۳۸)

3 لاکھ 38 ہزار فلپائنی مسلمان قتل کئے جا چکے ہیں

منڈاناؤ (پی پی اے) جنوبی فلپائن میں حکومتی فوج سے لڑائی میں پچھلے 20 سالوں کے دوران میں 3 لاکھ 38 ہزار مسلمان ہلاک ہو چکے ہیں۔ یہ بات فلپائن کے مسلمانوں کی جماعت مورو اسلامک لبریشن فرنٹ کے رہنما شیخ سلامت ہاشم نے بتائی۔ انہوں نے کہا کہ تمام تر مزاحمتوں اور مخالفتوں کے باوجود مسلمانوں کے علاقے میں 1643 سکول اور ادارے کھلے ہیں جو 5 لاکھ بچوں کو اسلامی تعلیم مہیا کر رہے ہیں اس کے علاوہ علاقے میں 3317 مساجد بھی بنائی گئی ہیں۔ اس وقت 3 لاکھ 25 ہزار مرد و خواتین قرآن حفظ کر رہے ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ 1971ء سے 1991ء تک میدان جنگ میں 35 ہزار مجاہدین جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔

جنوبی فلپائن میں مسلمانوں کا قتل

جنوبی فلپائن میں گذشتہ دنوں حکومتی ملیشیا نے ایک حملے میں ۱۸ مسلمان نوجوانوں کو قتل کر دیا جس سے اس مسلم اکثریتی علاقے میں صدر مارکوس کی حکومت کے خلاف زبردست اشتعال پایا جاتا ہے۔ خوفناک ردعمل سے بچنے اور مسلم مجاہدین کے حملے کو روکنے کے لئے خود صدر مارکوس نے ۱۸۲ مجاہدین کو جیلوں سے آزاد کرنے کا اعلان کیا ہے۔

یاد رہے کہ جنوبی فلپائن کے مسلمان گذشتہ کئی سالوں سے "مورو مجاہدین" کی قیادت میں اپنے علاقہ کو آزاد کرانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔

* * *

باب نمبر 15

البانیہ میں مسلمانوں کی حالت زار

البانیہ مشرقی یورپ کا سب سے چھوٹا مگر سب سے زیادہ پر اسرار ملک ہے۔ وہاں کے شب وروز عالمی پریس سے عموماً پوشیدہ رکھے جاتے ہیں۔ اشتراکی حکمرانوں نے البانیہ کو دنیا کی پہلی سیکولر اسٹیٹ قرار دیا ہے مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ دنیا کی واحد کمیونسٹ حکومت تھی جو روس کی ایماء کے بغیر وجود میں آئی۔ اور اس کی تشکیل میں یوگوسلاویہ کے نیٹو اور برطانیہ اور فرانس کی رضامندی کا دخل رہا۔ البانیہ یورپ کی واحد ریاست ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر اس اکثریت کے باوجود وہاں اسلام شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے البانیہ کا کل رقبہ ۲۹ ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی ۲۵ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ مسلمانوں کی تعداد قریباً ۱۷ لاکھ ہے جو آبادی کا ستر فیصد ہے۔ جبکہ یونانی آرتھوڈکس ۲۰ فیصد اور کیتھولک عیسائی ۱۰ فیصد ہیں۔ البانوی مسلمانوں کی اکثریت سنی ہے۔ مسلمانوں میں باہمی اتحاد واتفاق کا زبردست فقدان ہے۔ جس کے نتیجے میں البانیہ کی آزادی سے لے کر آج تک البانیہ پر زبردست آمریت مسلط رہی ہے اور حکمرانوں نے اسلام اور مسلمانوں پر بدترین مظالم ڈھائے ہیں۔

البانیہ قدیم زمانے میں الیریا سلطنت کا حصہ تھا بعد میں رومی اور بازنطینی حکومتوں نے اس پر اقتدار جمایا۔ آٹھویں صدی میں بلغاریہ نے اسے اسی سلطنت کا حصہ بنالیا۔ جب ترکوں عثمانی سلطنت نے مشرقی یورپ کی تسخیر شروع کی تو سب سے پہلے بلغاریہ پر قبضہ کیا۔ اس طرح یہ خطہ زمین بھی عثمانی سلطنت کے زیرنگیں آگیا۔ ترکوں نے اس علاقے پر ۴۳۴ سال حکومت کی اس علاقے میں اسلام بکتاشی درویشوں کے ذریعہ پھیلا۔ ۱۷۹۹ء کے معاہدہ کارلووز کے بعد سے ترکوں کا

زوال شروع ہو گیا اور ان کی وسیع سلطنت میں ٹوٹ پھوٹ شروع ہو گئی۔ ترکوں کا اقتدار ختم ہوا تو یہ ریاست مستحکم سیاسی ادارے قائم نہ کر سکی۔ نتیجے کے طور پر پورے علاقے پر آمریت چھا گئی اور پورا مشرقی یورپ کمیونزم کے نرغے میں آ گیا۔

۲۸ نومبر ۱۹۱۲ء کو البانیہ کو آزادی ملی اور پہلے حکمران کے طور پر آسٹریا کے ایک شہزادے ولیم آف ویڈ کا تقرر عمل میں آیا۔ مگر شہزادے کو جلد ہی اس ذمہ داری سے دستبردار ہونا پڑا کیونکہ اس کے خلاف بغاوتیں شروع ہوگئیں ۱۹۱۵ء میں البانیہ کی تقسیم کا ایک معاہدہ ہوا اس معاہدہ پر اٹلی اور یوگوسلاویہ میں اختلافات اس قدر بڑھے کہ بات جنگ تک جا پہنچی مگر بڑی طاقتوں کی ثالثی کے نتیجے میں بیرونی فوجیں البانیہ سے لوٹ گئیں۔ ۱۹۲۰ء میں احمد بے زوغو وزیر بنا۔ مگر ۱۹۲۳ء کے انتخابات میں اس نے شکست کھائی اور اپنے خاندان کے ایک اور فرد شوکت بے کو حکومت سپرد کر دی۔ مگر شوکت بے کے خلاف بھی بغاوت ہو گئی اور اسے بھی اقتدار چھوڑنا پڑا۔ زوغو فرار ہو کر یوگوسلاویہ چلا گیا۔ اور ایک بشپ خاں نولی وزیر اعظم بنا۔ ادھر یوگوسلاویہ میں پناہ کے دوران زوغو اپنی حامی فوجی تیار کرتا رہا اور ۱۹۲۴ء میں اس نے البانیہ میں داخل ہو کر دارالحکومت تیرانہ پر قبضہ کر لیا۔ عام انتخابات کرائے اور البانیہ کو جمہوریہ قرار دے دیا۔ زوغو خود پہلا صدر بنا اس نے کئی معاشی اصلاحات کیں اور اٹلی کے اشتراک سے قومی بینک کا قیام میں آیا لیکن یکا یک یکم ستمبر ۱۹۲۸ء کو اس نے آئین میں تبدیلیاں کر کے لامحدود اختیارات حاصل کر لئے اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ احمد زوغو نے لادینی خیالات کا پرچار شروع کیا اور مسلمان علماء پر ظلم کئے گئے۔ جس کے نتیجے میں مشہور محدث علامہ ناصر الدین البانی سمیت کئی علماء البانیہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ۱۹۳۹ء میں مسولینی نے البانیہ پر حملہ کر دیا۔ ؟؟؟؟ قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ۱۹۴۵ء میں انور خوجہ نے یک جماعتی انتخابات کا ڈھونگ رچایا اور ۹۳ فیصد اکثریت سے کامیابی کا دعویٰ کر کے البانیہ کو سوشلسٹ ری پبلک بنا دیا۔ خفیہ عدالتوں کے ذریعہ سرسری سماعت کے بعد ہزاروں مخالفین کو جھوٹے مقدمات میں پھنسا کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ سینکڑوں افراد گرفتار کیے گئے۔ اسمبلی میں اپنے ہی کئی ہم جماعتوں پر غداری کے الزامات لگائے گئے اور انہیں اذیت کیمپوں میں ڈال دیا گیا روس کی ایما پر کمیونسٹ پارٹی کے بانی کوچی جوج پر غداری کے الزام میں مقدمہ چلا کر فائرنگ اسکواڈ نے گولی سے اڑا دیا۔ جیسے ہی انور خوجہ نے محسوس کیا کہ اشتراکیت کے قدم مضبوط ہو چکے ہیں تمام

مساجد اور دینی تعلیم کے اداروں کو بند کر دیا گیا۔ آئمہ مساجد اور اساتذہ کی تنخواہیں روک دی گئیں۔ مذہبی رہنماؤں کی کردار کشی کی گئی۔ ۱۹۶۷ء میں یہ سرگرمیاں زور پکڑ گئیں مساجد اور مدرسے ڈھا دیئے گئے۔ یا انہیں لائبریریوں اور عجائب گھروں میں تبدیل کر دیا گیا حکومت نے گھروں میں بھی مذہبی شعائر کی ادائیگی گوارا نہ کی۔ اور ایسے خفیہ اسکواڈ بنائے جو مذہبی شعائر ادا کرنے والوں پر نظر رکھیں اور انہیں گرفتار کرلیں جو داڑھی میں نظر آتا وہیں پر موجود حجام اس کی داڑھی مونڈھ دیتے۔ سارے ملک میں مسلمانوں لو پکڑ پکڑ کر ان کی داڑھیاں مونڈھی جانے لگیں۔ قرآن اور دوسری اسلامی کتب کا پڑھنا جرم قرار دے دیا گیا۔ خواتین کو پردہ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ بالجبر ان کے برقعے چھین کر انہیں مردوں کے روبرو رقص کرنے پر مجبور کیا گیا۔ مسلمانوں کو زبردستی سور کا گوشت کھلایا گیا ان احکامات کی پابندی نہ کرنے والوں کو گولی سے اڑایا جانے لگا۔ مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ غیر مسلموں سے شادی کریں۔ جس کسی نے چوری چھپے مسنون طریقے سے مسلمان عورتوں سے شادی کی ان سے جبری طلاقیں دلوائی گئیں اور پھر جیل میں ڈال دیا گیا۔ ہسپتال میں پیدا ہونے والے بچوں کا نام حکومت خود تجویز کرتی تھی اسلامی نام رکھنا ممنوع تھا۔ بچوں کا ختنہ کرانے کی سزا تین سال قید بامشقت تھی۔

۱۹۷۶ء کے نئے دستور میں دین کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلق کو ممنوع قرار دے دیا گیا مذہبی فرائض کی انجام دہی پر دس برس قید سے سزائے موت تک دی جا سکتی ہے۔ نمازوں کی امامت کرنے اور خطبہ دینے پر پابندی لگا دی گئی۔ رمضان کے روزے رکھنے اور عید منانے کی اجازت نہیں تھی افراد کی نجی زندگی میں بھی مداخلت کی جاتی اور جاسوسی کا کام معصوم بچوں سے لیا جاتا گھر میں آنے والے مہمانوں پر نگاہ رکھی جاتی۔ غیر ممالک سے آنے والوں کے لئے الگ ہوٹل قائم کئے گئے اور انہیں مقامی لوگوں سے ملنے جلنے کی اجازت نہیں تھی۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو گارڈین میں ایک مغربی سیاسی قیصر گل براہون نے اپنے مضمون میں انکشاف کیا کہ البانیہ کے لیبر کیمپوں میں کوئی چالیس ہزار شہری جبری محنت پر مامور ہیں۔ زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جنہیں مذہبی عقائد ؟؟؟؟ البانیہ کے حکمران اسلام کو ریاست کے لئے بدترین خطرہ خیال کرتے ہیں انور خوجہ کے حکم پر کمیونسٹ پارٹی کے چالیس مسلمان اراکین کا خاتمہ کر دیا گیا۔ حاملہ عورتوں اور بچوں تک کو نہ بخشا گیا انور خوجہ نے اپنے پرانے ساتھی اور وزیر اعظم محمد شیخو کو ۱۹۸۱ء میں اس کی بیوی اور دو بچوں سمیت قصر صدارت ہی میں گولیوں سے اڑا دیا اور ان کی

لاشیں مذہبی رسوم ادا کیے بغیر دفنا دی گئی۔ اس کے حکم پر ۲۱۶۹ مساجد منہدم کی گئیں اور زنا و شراب وغیرہ کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ ۱۹۴۱ء سے پارٹی میں پانچ بار تطہیر کی گئی۔ البانیہ اندرونی طور پر افراتفری کا شکار رہا۔ ۱۹۶۶ء میں مسلح افواج کے تمام رینک ختم کر دیئے گئے۔ کمیونسٹ پارٹی پر کسی قسم کی تنقید کی اجازت نہیں۔ ۱۹۷۶ء کے آئین کی رو سے ورکرز پارٹی کا اول مسئلہ بڑی مسلح افواج کا کمانڈر انچیف ہوتا ہے۔

البانیہ کی خارجہ پالیسی مستقل نہ رہی بلکہ اس میں بے ربط تبدیلیاں آتی رہیں۔ انور خوجہ کے اقتدار سنبھالنے کے بعد جب ملک میں ظلم و ستم کا بازار گرم ہوا اور عوام کے بنیادی حقوق چھینے جانے لگے تو مغربی اتحادیوں سے البانیہ کے تعلقات بری طرح متاثر ہوئے۔ پہلے البانیہ کے یوگوسلاویہ سے بہت مضبوط تعلقات قائم ہوئے مگر صدر ٹیٹو کی پالیسیوں پر اختلافات کے باعث تعلقات ٹوٹ گئے۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۱ء تک روس کے ساتھ تعلقات رکھے مگر جب روس میں ترمیم پسندی کا رجحان پروان چڑھا تو البانیہ روس سے بھی لاتعلق ہو گیا۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۸۷ء تک البانیہ چین کا اتحادی رہا مگر جب چین نے امریکہ کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے تو البانیہ کے انتہا پسند کمیونسٹوں نے اس کی دوستی سے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ البانیہ کی کمیونسٹ حکومت نے برسر اقتدار آنے کے بعد کئی اسلامی ملکوں سے بھی اپنے سفارتی تعلقات توڑ لئے۔ البانوی حکومت کے خیال میں روس اور چین میں سے کوئی صحیح مارکسی نہیں ہے بلکہ وہ خود مارکسی نظریات کا صحیح علمبردار ہے۔ ۱۹۶۰ء میں روس نے بغاوت کے ذریعہ انور خوجہ کو ہٹانے کی کوشش کی۔ البانیہ بین الاقوامی دہشت گردی کی اعانت میں بھی پیش پیش رہا۔ اس وقت وہ خود کو غیر جانبدار ملک قرار دیتا ہے۔ اپریل ۱۹۸۵ء میں انور خوجہ چالیس سال حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا اس کے انتقال کے وقت بھی البانیہ میں گیارہ اذیتی کیمپ قائم تھے۔

انور خوجہ کے بعد ایک تحقیقاتی ایجنسی کا سربراہ میض عالیہ صدر بنا۔ وہ بھی سابق صدر کی پالیسیوں پر گامزن ہے لیکن اس نے اتنی رعایت کی ہے کہ گھروں میں بیٹھ کر عبادت کرنے والوں کو ریاستی مداخلت سے محفوظ رکھنے کی ضمانت دی ہے۔ مگر ریاستی معاملات میں مذہب کے لئے اب بھی کوئی جگہ نہیں ہے حکمران جماعت کے دو نظریاتی بازوؤں ''روج'' اور ''پارٹی'' کے نظریات میں اس مسئلے پر اختلاف پیدا ہوا ہے۔ ''پارٹی'' کے نظریات میں اس مسئلے پر اختلاف پیدا ہوا ہے ''پارٹی'' نے سفارش کی ہے کہ اشتراکی نظریات میں لچک پیدا کی جانی چاہئے۔ اس

کے برخلاف روج کا خیال ہے کہ سخت اقدامات جاری رکھنے چاہئیں۔ امید کی جانی چاہئے کہ رمیض عالیہ اپنے پیش روں کے مقابلے میں نرمی کی پالیسی اختیار کریں گے۔

البانیہ میں اس تمام ترجبر کے باوجود مسلمانوں کا اسلام سے لگاؤ ختم نہیں کیا جا سکا ہے اور اس پر ترک ثقافت کے گہرے اثرات اب بھی باقی ہیں۔ لوگ کھلے پاجامے پہنتے ہیں۔ سفید ترکی ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔ کچھ عورتیں ابھی تک ترکی لباس پہنتی ہیں اپریل ۱۹۸۶ء میں سرکاری اخبار نے انکشاف کیا کہ ''مسلمان اپنے بچوں کے ختنے کرتے ہیں، مزاروں پر جاتے ہیں وہ مذہبی پس منظر میں شادی کرتے ہیں۔'' ایک اور اخبار نے جون ۱۹۸۴ء میں لکھا ''لوگ ابھی مذہب پر قائم ہیں حکومت اس کا قلع قمع کرنے میں ناکام رہی ہے۔'' ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی کانفرنس موتمر عالم اسلامی اور دوسرے پلیٹ فارموں سے جب بھی مسلمان اقلیتیوں کے حقوق کے لئے آواز بلند کی جائے اس میں البانیہ کے مسلمانوں کے حقوق کا مطالبہ بھی شامل ہو۔

البانیہ:۔

البانیہ یورپ کی واحد ریاست ہے جہاں مسلمانوں کی عظیم اکثریت آباد ہے۔ اشتراکی انقلاب سے پہلے یہاں جگہ جگہ مدرسے اور مسجدیں تھیں۔ ترکوں سے علیحدگی کے بعد البانیہ کو ایسے حکمرانوں سے واسطہ پڑا جنہوں نے جمہوریت کے بجائے ملوکیت کو رواج دیا۔ مسلم علماء اور عیسائیوں نے ایک عادلانہ جمہوری نظام کے لئے زوردار تحریک چلائی۔ اس تحریک میں بعض موقع پرست سوشلسٹ بھی شامل ہو گئے۔ کامیابی کا مرحلہ آیا تو سوشلسٹوں نے روایتی مکرو فریب سے ملک کے کلیدی مناصب پر قبضہ کر لیا۔ علماء نے اخلاص اور سادگی کی وجہ سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ملوکیت اور فاشی آمریت کے خاتمے پر ملک ایک بدترین نظام کے شکنجے میں چلا گیا۔

البانیہ۔ رقبہ اور آبادی

زمینی رقبہ	۲۷۳۹۸ مربع کلومیٹر
دریا اور جھیلیں	۱۳۵۰ مربع کلومیٹر
کل رقبہ	۲۸۷۴۸ مربع کلومیٹر

آبادی بمطابق مردم شماری ۱۹۷۹ء	۲،۵۹۱،۰۰۰
۳۱ دسمبر ۱۹۸۱ء تک آبادی کا سرکاری تخمینہ	۲،۷۵۲،۳۰۰
آبادی فی مربع کلومیٹر (۱۹۸۱ء)	۹۵،۷

ابتداء میں نئی حکومت نے مذہبی قائدین کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا۔ اعزازی وظائف مقرر کیے۔ مسجدیں اور تعلیمی مرکز کھلے رکھے۔ جونہی البانیہ کے نئے صدر انور خوجہ نے محسوس کیا کہ سوشلزم کا پنجہ مضبوط ہو چکا ہے تو اس نے اسلام کے خلاف اپنی پالیسی کا اعلان کر دیا۔ تمام مسجدیں اور تعلیمی مراکز بند کرا دیئے۔ آئمہ اور اساتذہ کی تنخواہیں رکوا دیں۔ اس کے ساتھ ہی سرکاری ذرائع ابلاغ نے مذہبی رہنماؤں کی کردار کشی شروع کر دی۔ ۱۹۶۷ء تک دین اسلام کے خلاف مکمل تحریک شروع ہو چکی تھی۔ مذہبی شعائر ادا کرنے والوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ معروف مسجدیں اور مدرسے ڈھا دیئے گئے یا پھر سوشلسٹ لائبریریوں اور عجائب گھروں میں تبدیل کر دیئے گئے۔ لوگ گھروں میں مذہبی شعائر ادا کرنے لگے تو حکومت برداشت نہ کر سکی۔ ایسے دستے تشکیل دیئے گئے جو مذہب سے وابستہ لوگوں کا پتا چلاتے تھے اس طرح وسیع پیمانے پر گرفتاریوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مسلمانوں کی ڈاڑھیاں زبردستی مونڈ دی گئیں۔ حکومت کی تنبیہ کے باوجود جو ڈاڑھی رکھتا اسے پکڑ کر اندر کر دیتے۔ ایئر پورٹ پر حجام متعین تھے۔ غیر ملکی سیاحوں کو ڈاڑھی منڈوائے بغیر ملک میں داخلے کی اجازت نہ تھی۔ قرآن اور دوسری مذہبی کتابیں پڑھنی منع تھیں۔ مسلمان خواتین سے برقعے چھین لئے گئے۔ دارالحکومت سمیت دوسرے بڑے شہروں میں پردہ چھوڑ کر انہیں مردوں کے سامنے رقص کرنے پر مجبور کیا گیا۔ ظلم کی انتہا ہو گئی۔ مسلمانوں کو زبردستی سور کا گوشت کھلایا گیا، جنہوں نے انکار کیا انہیں جیل لے جا کر گولی مار دی گئی۔

کیمونسٹ پارٹی کے ایک جریدے نے جولائی ۱۹۸۵ء کے شمارے میں البانیہ کے نوجوانوں کو خبردار کرتے ہوئے لکھا:

”ہم نے مذہب کے خلاف مہم سست کر دی تو عبادت کرنے والوں کا عنصر پھر ابھرے گا۔ مذہب کا سر کچلنے کے لئے جدوجہد تیز کرنے کی ضرورت ہے۔“

سوشلزم سے وفاداری نبھانے کے لئے اس چھوٹے سے ملک نے دور دراز کے تخریب کاروں کو تربیت دی اور پھر انہیں اپنے مشن پر بھیجا۔ اس طرح وہ کئی بار بین الاقوامی دہشت

گردی کا مرتکب ہوا۔

سوشلزم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ملک میں جو کچھ ہے وہ حکومت کا ہے۔ انسان بھی حکومت کی ملکیت ہیں۔ اسی اصول پر شادی کا نظام سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ حکومت نے مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ شادی کریں۔ مسلمان مسنون طریقے پر چوری چھپے شادیاں کرنے لگے۔ حکومت کو اس کا علم ہوا تو اس نے خفیہ اداروں کو حکم دیا کہ ایسے افراد کا پتہ چلائیں۔ معلوم ہونے پر ان سے جبری طلاقیں دلوائی گئیں۔ ایک برس کے لئے انہیں جیل بھیج دیا گیا۔ ہسپتال میں پیدا ہونے والے بچے کا نام حکومت کی طرف سے تجویز ہوتا تھا۔ بچوں کا ختنہ کروانے کی سزا تین برس قید بامشقت تھی۔

۱۹۷۶ء کے نئے دستور میں دینی دعوت، مذہبی شعائر کی پابندی، دین کے ساتھ کسی قسم کی وابستگی مکمل طور پر ممنوع قرار دے دی گئی۔ مذہبی فرائض کی انجام دہی پر دس برس قید سے سزائے موت تک دی جاتی ہے۔ تشدد، نظر بندی، داخل جلاوطنی اور پھانسی عام باتیں ہیں۔ نمازوں کی امامت کرنے اور خطبہ دینے پر پابندی ہے۔ رمضان کے روزے رکھنے اور عید منانے کی اجازت نہیں ہے۔ گھروں کی جاسوسی کے لئے معصوم بچے مامور کئے جاتے ہیں۔ مہمانوں پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔

البانیہ میں اتنی پابندیاں ہیں کہ اسے بہت بڑی جیل کہا جا سکتا ہے۔ غیر ملکیوں کے لئے خاص ہوٹل ہیں۔ انہیں مقامی لوگوں سے ملنے کی اجازت نہیں ہے۔ مغرب کے سیاح بعض اوقات اپنے ساتھ مفید معلومات لے آتے ہیں۔ ایک ایسے ہی سیاح مسٹر گل براؤن ہیں۔ انھوں نے ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۱ء کے گارڈین میں لکھا:

”البانیہ کے لیبر کیمپوں میں کوئی چالیس ہزار شہری جبری محنت پر مامور ہیں۔ زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جنہیں مذہبی عقائد کی بنا پر پکڑا گیا ہے۔“

البانیہ میں کمیونسٹ حکومت برسراقتدار آئی تو اس نے جہاں الحادی تعلیمات کو رواج دیا وہاں اسلامی ملکوں سے اپنے سفارتی روابط بھی توڑ لئے۔ کمیونسٹوں نے مارکسی افکار سختی سے نافذ کئے۔ البانی حکومت کے خیال میں روس اور چین بھی صحیح مارکسی نہیں ہیں کیونکہ انھوں نے مارکسزم کو اس کی اصلی روح کے ساتھ رائج نہیں کیا۔ انور خوجہ پوری عمر اسلام کو مٹانے کی پالیسی پر کاربند رہا۔ وہ اسلام کو ریاست کے لئے بدترین خطرہ سمجھتا تھا۔ کیمونزم کے استحکام کے لئے

اس کے حکم پر ۲۱۶۹ مسجدیں منہدم کر دی گئیں۔ زنا اور شراب سمیت تمام برے کاموں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

اسلام پر پابندی کے سرکاری حکم کے ساتھ ہی مسجدوں اور دارالعلوموں کے اثاثے ضبط کر لئے گئے۔ حکام نے اعلان کیا کہ آئندہ نماز پڑھنے والے کو سخت سزا دی جائے گی۔

1500 البانوی مسلمانوں کی لاشوں کو جلا دیا گیا

سربیا کے سابق صدر سلوگودان میلاسووچ کی افواج نے نیٹو افواج کی آمد سے قبل اور کوسوو سے جاتے ہوئے سینکڑوں البانوی نژاد مسلمانوں کی لاشوں کو بھٹی میں ڈال کر جلا دیا تھا۔ تاکہ اس کی قتل و غارت گری پوشیدہ رہ سکے۔ ایک رپورٹ کے مطابق تقریباً 1500 افراد کو جلایا گیا تاکہ میلاسووچ پر جنگی جرائم کا مقدمہ نہ چلایا جا سکے، رپورٹ کے مطابق ان لاشوں کو اجتماعی قبروں سے نکال کر جلایا گیا اور نیٹو سیارچوں نے اس کے شواہد بھی اکٹھے کئے۔

ملک میں مذہبی اقدار زندہ رکھنے کا جذبہ موجود ہے۔ البانیہ کے ایک اخبار نے ۱۴ جون ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں لکھا:

''لوگ ابھی تک مذہب پر قائم ہیں حکومت اس کا قلع قمع کرنے میں ناکام رہی ہے۔''

ایک اور اخبار نے اپریل ۱۹۸۴ء میں انکشاف کیا:

''مسلمان اپنے لڑکوں کے ختنے کرتے ہیں، مزاروں پر جاتے ہیں، وہ مذہبی پس منظر میں شادیاں کرتے ہیں۔''

البانیہ ترک ثقافت سے بہت متاثر ہے۔ لوگ کھلے پاجامے پہنتے ہیں۔ سفید ترکی ٹوپی استعمال کرتے ہیں۔ کچھ عورتیں ابھی تک ترکی لباس پہنتی ہیں۔ حکومت مذہب اور قدیم ثقافت کو مٹانے کے درپے ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ البانیہ میں کیا ہو رہا ہے۔ نہ ہی مستقبل کے بارے میں کوئی پیشین گوئی کی جا سکتی ہے۔ البانیہ یورپ کا سب سے پر اسرار ملک ہے۔

''البانیہ میں مسجدیں اور عبادت خانے بند ہیں۔ اسلامی نام رکھنا جرم ہے،'' نئے حکمران رمیض عالیہ نے فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے فرمان جاری کیا ہے کہ گھروں میں بیٹھ کر عبادت کرنے والوں کو نہ تو قید کیا جائے اور نہ ہی سزا دی جائے۔

البانیہ کے مظلوم مسلمان

البانیہ میں مسلمانوں پر مذہبی پابندی

۱۹۶۷ء میں دین اسلام کے خلاف مکمل تحریک شروع ہو چکی تھی، مذہبی شعائر ادا کرنے والوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ معروف مسجدیں اور مدرسے ڈھا دیئے گئے یا پھر سوشلسٹ لائبریریوں اور عجائب گھروں میں تبدیل کر دیئے گئے۔ سرکاری اعلان کے مطابق ۹ ہزار مساجد اور ترانہ کی سلطان صلاح الدین ایوبی مسجد بھی شہید کر دی گئی۔ جس میں انور ہوجا کے والد محمد ہوجا امامت کرایا کرتے تھے۔ یہ مسجد یونان اور اٹلی کے خلاف مرکز تھی۔

☆...... ۱۰ سے زیادہ گرجا گھر مسمار کیے گئے۔

☆...... مسلمانوں کی داڑھیاں زبردستی مونڈھی گئیں جو داڑھی رکھتا اسے گرفتار کر لیا جاتا۔

☆...... غیر ملکی سیاحوں کی داڑھی ایئر پورٹ پر مونڈی جانے لگیں، داڑھی والے افراد کا ملک میں داخلہ ممنوع قرار پایا۔

☆...... مسلم خواتین سے برقعے چھین لئے گئے۔

☆...... دارالحکومت سمیت تمام بڑے شہروں میں پردہ چھوڑ کر انہیں مردوں کے سامنے رقص کرنے پر مجبور کیا گیا۔

☆...... نماز با جماعت قابل دست اندازی پولیس جرم ہے، جس کی کم از کم سزا ۱۰ سال قید بامشقت ہے۔ یہ سزا صرف مقتدیوں کے لئے ہے۔

☆...... امامت کرانے اور بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے کو فائرنگ اسکواڈ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

☆...... علماء اور مذہبی طبقے کا قتل عام کیا گیا۔

☆...... مسلمانوں کو زبردستی سور کا گوشت کھلایا گیا، جس نے انکار کیا اسے جیل لے جا کر گولی مار دی گئی۔

☆……گھر گھر تلاشی لی گئی جانماز، تسبیحیں، قرآن اور مذہبی کتابیں چھینیں گئیں۔

۱۹۷۶ء

اس سال ملک کے نئے دستور میں مذہب کے خلاف بھرپور اقدام پر زور دیا گیا تا کہ البانوی معاشرے سے مذہب کو نیست ونابود کر دیا جائے۔

☆……اس آئین کے تحت دین کی دعوت دینی تعلیمات اپنانے یا دین کے ساتھ کسی قسم کے تعلق کو قطعی ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

☆……مذہبی فرائض کی ادائیگی کی سزا دس برس قید سے شروع ہوتی ہے اور سزائے موت تک جاتی ہے۔

☆……نمازوں کی امامت اور خطبہ دینے پر سختی سے پابندی ہے۔

☆……رمضان کے روزے رکھنے اور عیدین منانے کی بالکل اجازت نہیں۔

☆……مہمانوں پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے تا کہ کوئی فرد حکومت کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار نہ کر سکے۔

☆……گھر کے افراد کی جاسوسی کے لئے معصوم بچوں تک کو متعین کیا جاتا ہے۔

☆……کمیونسٹ معاشرے بلاشبہ ایک جیل کی مانند ہوتے ہیں جہاں ہر فرد کو کسی قسم کی آزادی نصیب نہیں ہوتی۔ جس گھٹن اور تشدد کی فضا میں البانوی مسلمانوں کی حالت زار سامنے ہے وہ انتہائی توجہ طلب ہے۔

کمیونسٹ معاشرے میں تنقید اور مذہب کو سب سے زیادہ خطرناک عنصر تصور کیا جاتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے اپنے عناصر کی بیخ کنی کے لئے مضبوط اقدامات کئے جاتے ہیں۔

۱۹۴۱ء

میں کمیونسٹ پارٹی میں چالیس یا اس سے زیادہ کچھ ممبر تھے۔ ''انور ہوجا'' نے ایک ایک کر کے سب کا صفایا کر دیا۔ حاملہ عورتیں اور بچے تک مروا ڈالے۔

۱۹۴۱ء سے ۱۹۸۵ء تک کمیونسٹ پارٹی پانچ بار تطہیر کے عمل سے گزر چکی ہے۔ پولیس اور فوج کے اعلیٰ افسران عہدوں سے ہٹائے جاتے رہے۔

۱۹۴۸ء سے ۱۹۸۲ء تک وزرائے دفاع اور وزرائے داخلہ میں سے کوئی بھی اپنے عہدے کی مدت پوری نہ کر سکا۔

۱۹۶۶ء سے مسلح افواج کے تمام رینک ختم کر دیئے گئے، ان کی جگہ سیاسی کمیساروں نے لے لی۔ ۱۹۷۶ء کے آئین کی رو سے ورکرز پارٹی کا اول سیکورٹی مسلح افواج کا کمانڈر انچیف ہوتا ہے (ورکر کا صرف نام استعمال کیا جاتا ہے جو کہ ورکر نہیں ہوتا)

۱۹۷۴ء میں وزیر دفاع باقر بلوقو اپنے عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ الزام یہ تھا کہ وہ چین کے ساتھ ساز باز کر کے "انور ہوجا" کو اقتدار سے محروم کرنا چاہتا تھا۔ ایک خفیہ عدالت کے فیصلے پر اسے پھانسی دے دی گئی۔ کیونکہ کمیونسٹ معاشرے میں کسی کو اپنی صفائی میں کہنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

کمیونسٹ معاشرے میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص جو کبھی سربراہ مملکت کا قریبی رفیق یا دست راست ہوتا ہے۔ سب سے پہلے زیر عتاب آتا ہے۔ اس کی ایک مثال وزیر تعلیم سیف اللہ منشوا ہے دوسرے نمبر پر انور ہوجا کا پرانا ساتھی وزیر اعظم محمد شیخو ہے جسے ۱۹۸۱ء میں اس کی بیوی اور دو بچوں سمیت قصر صدارت میں گولیوں سے بھون دیا گیا اور ان کی لاشیں مذہبی رسوم ادا کئے بغیر دفنا دی گئیں۔

کمیونسٹ معاشرے کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لئے کمیونسٹ حکام مذہب کے خاتمے پر بھرپور توجہ دیتے ہیں۔ کمیونسٹ پارٹی کے جریدے نے جولائی ۱۹۸۵ء کے شمارے میں البانیہ کے نوجوانوں کو خبردار کرتے ہوئے لکھا۔

"ہم نے مذہب کے خلاف مہم سست کر دی تو عبادت کرنے والوں کا عنصر پھر ابھرے گا۔ مذہب کا سر کچلنے کے لئے جدوجہد تیز کرنے کی ضرورت ہے۔"

ایک مغربی سیاح کل براؤن نے البانیہ کی سیاحت کے دوران بڑی مشکلات کے باوجود چند معلومات اکٹھی کیں جسے وہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۸۱ء کے گارڈین میں لکھتا ہے۔

"البانیہ کے لیبر کیمپوں میں کوئی چالیس ہزار شہری جبری محنت پر مامور ہیں۔ زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جنہیں مذہبی عقائد کی بنا پر پکڑا گیا ہے۔"

سکندر بیگ کی یاد میں البانوی حکومت نے ایک میوزیم قائم کیا ہے۔ یہ شخص عثمانی فوج کا جنرل تھا اور مرتد اور باغی ہو کر عیسائیوں سے جا ملا تھا، سکندر بیگ کو اب قومی ہیرو مانا جاتا ہے۔

البانیہ میں حکومتی سطح پر مذہب کے خلاف جنگ کا آغاز تعلیمی اداروں سے ہوا۔ اساتذہ حکومت کی سرپرستی میں کمیونزم کے پرجوش مبلغ بن گئے۔ البانوی تعلیمی ادارے بہت جلد کفر والحاد کے مراکز میں تبدیل ہونے لگے۔ البانیہ میں موجود ترک یونانی، اطالوی اور امریکی مشن تعلیمی اداروں میں کمیونسٹ اساتذہ بھیجے گئے تا کہ ان اداروں سے اسلامی اور یچی تعلیمات پر مکمل پابندی لگائی جا سکے۔

انور ہوجا نے اسلام کو ریاست کے خلاف بدترین خطرہ سمجھا۔ وہ تمام عمر اسلام کو پوری طرح مٹانے کے لئے سرگرم عمل رہا۔ الحادی تعلیمات کو بھرپور فروغ دیا۔ زنا، شراب اور غلط کاریوں کی سرپرستی کی۔ مذہب پر عمل کرنے والوں کو سخت سزائیں دی گئیں۔ اس نے ملک پر چالیس سال حکومت کی۔ اس کے دور حکومت میں ۲۱۶۹ مسجدیں شہید کی گئیں، مسجدوں اور دینی تعلیمی اداروں کے اثاثے ضبط کر لئے گئے۔

کمیونسٹ نظام البانیہ میں انتہائی جبر کے ساتھ نافذ ہے۔ تمام اشیاء اور املاک کے ساتھ ساتھ انسان بھی ریاست کی ملکیت ہیں۔ حکومت کو جب اس بات کا علم ہوا کہ مسلمان چوری چھپے اسلامی طریقے سے شادیاں کرتے ہیں تو حکومت نے ایسے افراد کا کھوج لگانے کے لئے خفیہ اداروں کو متحرک کر دیا، ایسے افراد کا سراغ ملنے پر ان سے زبردستی طلاقیں دلوائی گئیں اور سزا کے طور پر انہیں ایک سال کے لئے قید کر لیا گیا، اسپتال میں پیدا ہونے والے بچے کا نام والدین تجویز کرنے کے مجاز نہیں بلکہ اس معاملہ میں بھی حکومت کو سبقت حاصل ہے۔ بچے کا ختنہ شرعاً ضروری ہے۔ البانوی حکام اس رسم کو مذہب کا حصہ سمجھتے ہوئے سختی سے پابندی عائد کئے ہوئے ہیں۔ اس رسم کی ادائیگی کی سزا ۳۱ سال قید بامشقت ہے۔

اپریل ۱۹۸۵ء میں جب ظالم ''انور ہوجا'' فوت ہوا تو اس وقت البانیہ میں ۱۱ اذیتی کیمپ تھے۔ ان کیمپوں میں ۲۰ ہزار سے ۲۵ ہزار تک سیاسی قیدی تھے۔ ان اعداد و شمار کے مطابق ملک کی ۲ء۷ فیصد آبادی جیل میں ہے۔ انور ہوجا کی وفات سے تین سال قبل یعنی ۱۹۸۲ء میں کمیونسٹ پارٹی نے ایک رپورٹ پیش کی، جس کے مطابق پارٹی کے ستر ہزار دشمنوں کو منظر عام سے ہٹایا جا چکا ہے۔

البانیہ میں مسلم بچوں کی خرید و فروخت

سوئز ٹی وی کی ایک نشر کردہ خبر کے مطابق البانیہ میں گذشتہ دنوں بچوں کی خرید و فروخت کا ایک بازار لگایا گیا جس میں البانیہ کی حکومت کے زیر انتظام دو ہزار مسلمان بچوں کو ۳۰ ڈالر فی بچے کی قیمت پر امریکہ کی ایک عیسائی تنظیم کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ امریکی عیسائی تنظیم نے ان مسلمان بچوں کو اسلامی جذبے سے نہیں خریدا بلکہ انسانی حقوق کے تحفظ کے نام پر ان بچوں کو عیسائی بنانے اور پھر ان سے اپنے مذہب کی تبلیغ کا کام لینے کی غرض سے یہ سودا کیا ہے۔

کیونکہ مذکورہ خبر نامے میں ہی ایسے مناظر دکھائے گئے جن میں ان بچوں کو نہایت خوشی سے عیسائی ترانے گاتے ہوئے اور پادری حضرات سے عیسائی طریقہ عبادت سیکھتے ہوئے دکھایا گیا۔

خبر کے مطابق ان بچوں کا سودا کوئی خفیہ یا غیر قانونی انداز میں نہیں ہوا بلکہ تمام تجارتی اصولوں کی روشنی میں اور باضابطہ تحریری انداز میں طے پایا، خبر میں مزید بتایا گیا ہے کہ البانیہ کی غیر یقینی صورت حال اور مالی پریشانیوں سے خوفزدہ کئی والدین نے اپنے جگر گوشوں کو اسی انداز میں فروخت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔

مذکورہ رپورٹ یورپ میں مسلمانوں کی آئندہ نسل کی ایک بھیانک تصویر پیش کرتی ہے، یہ مالی اعتبار سے سپر پاور عالم اسلام کی غفلت پر ایک گہرا طنز ہے۔ اس رپورٹ پر ہمارے قائدین اور امت مسلمہ کے رہنماؤں کو بے چین اور بے قرار ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ اگر آج ہم نے اس قسم کے حادثات کے تدارک کی فکر نہ کی تو کل یہی اپنے پرائے بن جائیں گے۔

البانیہ میں 1 لاکھ مسلمانوں کی شہادت

ایک اندازے کے مطابق ۱۹۴۶ء سے اب تک کمیونسٹ اقتدار کے دوران ایک لاکھ مسلمان لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ لاکھوں افراد کو جیلوں میں ٹھونسا گیا اور اذیتی کیمپوں میں ڈال دیا گیا۔ تمام مساجد اور دینی تعلیم کے اداروں کو بند کر دیا گیا۔ بعد میں مساجد اور مدرسے ڈھا دیئے گئے یا انہیں لائبریریوں اور عجائب گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ داڑھی رکھنا جرم قرار

دیا گیا اور پکڑ پکڑ کر لوگوں کی داڑھیاں مونڈھی گئیں۔ قرآن اور اسلامی کتب کا پڑھنا جرم قرار دیا گیا۔ خواتین کو پردہ کرنے پر پابندی تھی، ان کے برقعے بالجبر اتارے گئے، اور مخلوط محفلوں میں خواتین کو رقص پر مجبور کیا گیا۔ مسلمانوں کو سور کا گوشت کھلایا گیا۔ انکار کرنے والوں کو گولیوں سے اڑا دیا گیا۔ مسلمانوں کو غیر مسلم خواتین سے شادی پر مجبور کیا گیا۔ چوری چھپے مسنون طریقے پر نکاح کرنے والوں کو جبراً طلاق دلائی گئی۔ اسلامی نام رکھنا ممنوع تھا۔ نام حکومت تجویز کرتی۔ بچوں کا ختنہ کرانے کی سزا تین سال قید بامشقت تھی۔ لوگوں کی نجی زندگی تک کی نگرانی کی جاتی۔ غیر ممالک سے آنے والوں کو مقامی لوگوں سے ملنے جلنے کی اجازت نہ تھی۔ نمازوں کی امامت...... خطبہ دینے ...... رمضان کے روزے رکھنے ...... اور عید منانے پر پابندی لگادی گئی۔ انور ہوجا کے حکم پر ۲۱۶۹ مساجد شہید کردی گئیں۔

۲۰ سال تک مساجد بند رہیں

برسہا برس کے کمیونسٹ حکومت نے مذہبی معمولات پر پابندی لگادی اور ۲۰ سال سے زائد عرصہ تک مساجد بند رہیں۔ دارالحکومت ترانہ میں مسلم برادری کے رہنما بروائل فیکون نے کہا کہ ہمیں ہر چیز سے محروم کردیا گیا اور اب نئے سرے سے آغاز میں بڑی دشواری ہو رہی ہے۔ ہم مسلم روایات کے بارے میں اپنے بچوں کو جو کچھ بتا سکتے تھے وہ بتا چکے ہیں لیکن ہمیں ہمیشہ یہ شدید خوف لاحق رہا کہ یہ بھید کہیں کھل نہ جائے۔ اس خوفناک دور میں تو اپنے بھائی اور بیٹے پر اعتماد بھی دشوار تھا۔ ۴۵ء اور ۵۴ء کے درمیان البانیہ کے کم از کم ۸۰ مسلم رہنما فائرنگ اسکواڈ کا نشانہ بن گئے یا جیلوں میں ختم ہو گئے۔

* * *

باب نمبر 16

عراق میں مسلمانوں کا قتل عام

عراق میں پندرہ لاکھ معصوم بچوں کا سفاکانہ قتل

ذمہ دار اقوام متحدہ، امریکہ اور اس کے حلیف ہیں

امریکہ و برطانیہ، اسرائیل اور ان کے حواریوں نے خلیج عرب کے تیل کے چشموں پر قبضے اور علاقے میں اپنا تسلط جاری رکھنے کے لئے عراق پر غیر اصولی اور یک طرفہ جنگ مسلط کر رکھی ہے۔ ترکی میں موجود امریکی فوجی اڈوں سے روزانہ شمالی عراق کے شہروں خصوصاً موصل کی شہری آبادی پر بم برسائے جاتے ہیں۔ اقوام متحدہ نے علاقے کو نو فلائی زون قرار دے رکھا ہے۔ بھارت نے بطور وکیل کہا کہ اگر عراق پر امریکی بمباری درست ہے تو ہم بھی کشمیر اور پاکستان پر بمباری کر سکتے ہیں۔ اس لئے عراق کے خلاف امریکہ اور اقوام متحدہ کا جانبدارانہ، ظالمانہ طرز عمل فی الفور ختم ہونا چاہئے، جبکہ اقوام متحدہ نے عراق کے لئے ادویات اور خوراک کی ترسیل پر بھی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ چنانچہ این این آئی کی اطلاع کے مطابق اس سال کے دوران بڑی تعداد میں لوگ خوراک کی عدم دستیابی کے باعث ہلاک ہو گئے ہیں جن میں پانچ سال سے کم عمر بچوں کی تعداد 6400 ہے۔ عراقی وزارت صحت کی جاری ہونے والی رپورٹ کے مطابق گذشتہ مارچ میں پابندیوں کے باعث خوراک اور ادویات کی عدم دستیابی کے باعث پانچ سال سے کم عمر کے 6400 بچے ہیضہ، دست اور خون کی کمی کا شکار ہو گئے۔ مارچ 1989ء میں ان بیماریوں سے مرنے والے پانچ سال سے کم عمر بچوں کی شرح 362 تھی جو اس سال مارچ میں اقوام متحدہ کی پابندیوں کے باعث کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ رپورٹ میں بچوں کی ہلاکت کا ذمہ دار اقوام متحدہ کو قرار دیا گیا ہے۔ رپورٹ میں واضح کیا گیا ہے کہ عارضہ قلب، ذیابیطس اور خوراک کی کمی کے باعث پچاس سال سے زائد عمر کے

2520 افراد لقمہ اجل بن گئے، جبکہ ان بیماریوں سے مارچ 1989ء میں پچاس سال سے زائد عمر کے افراد کی اموات کی شرح 513 تھی۔ عراق نے دعویٰ کیا ہے کہ اقوام متحدہ کی 1990ء میں عائد ہونے والی پابندیوں کے بعد سے اب تک پندرہ لاکھ بچے اور معمر افراد مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل بنی اسرائیل کے نومولود لڑکوں کو قتل کرنے اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کا حکم دیا تھا "یذبحون ابنائکم ویستحیون نسائکم" مگر پندرہ لاکھ لڑکے اس نے بھی قتل نہیں کروائے ہوں گے۔ عہد حاضر کے فرعون کبیر امریکی صدر بل کلنٹن کے اقتدار کو جب مونیکا لیونسکی کی اٹھکیلیوں سے خطرہ پیدا ہوا تو انہوں نے سابق رمضان سے قبل امریکی افواج کو بغداد پر بڑے حملے کا حکم دیا۔ مگر اب تو مونیکا لیونسکی کا خطرہ اس کی آبرو اور عفت و عصمت کی دھجیوں کی طرح فضاؤں میں اڑ چکا ہے۔ عراق پر جانبدارانہ پابندیاں جاری رکھنے کا اب اقوام متحدہ اور امریکہ کے پاس کوئی جواز نہیں ہے۔ اقوام متحدہ کے نمائندے امریکی ایجنٹ رچرڈ بٹلر کی رپورٹوں کے جھوٹ طشت ازبام ہو چکے ہیں اور بعد کی اطلاعات کے مطابق عراق کے پاس اب بڑی تباہی پھیلانے والے یا کیمیاوی ہتھیار نہیں ہیں۔ اس لئے دنیا کی انصاف پسند اقوام کا فرض ہے کہ وہ امریکہ اور اقوام متحدہ کو عراق پر عائد پابندیاں ختم کرنے کا احساس دلائیں، ورنہ بھارت اور اسرائیل جیسے توسیع پسند ممالک امریکی جارحیت کو دلیل بنا کر کشمیر اور فلسطین میں بے قصور انسانوں کے خون کی ندیاں بہاتے رہیں گے۔

20 لاکھ عراقیوں کا قتل

ایٹم بموں سے بھی بڑی تباہی

اگر وہ جانور ہوتے تو ان کے بچاؤ کے لئے مغربی ممالک کے دارالحکومتوں اور شہروں کے گلی کوچوں میں زبردست احتجاج ہوتا۔ "مہذب" مغرب کے رہنما پریشانی و تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اسے انسانیت کی تذلیل و توہین قرار دیتے۔ امریکی ٹیلی وژن سی این این معمول کی نشریات روک کر لمحہ بہ لمحہ کی صورت حال سے دنیا کو آگاہ کرتا اور مرنے والوں کے اعداد و شمار بتاتا۔

مگر بدقسمتی سے مرنے والے عراقی بچے ہیں، مزید یہ کہ تقریباً وہ سارے مسلمان ہیں۔ یہ بچے "انٹرنیشنل مجرموں کی کلب سلامتی کونسل" کی طرف سے 6- اگست 1990ء کو عراق پر لگائی گئی پابندیوں کے نتیجے میں مر رہے ہیں۔ انہیں مرنا چاہئے کیونکہ ان کے ملک کے حکمران نے عراقی افواج کو کویت پر قبضے کا حکم دیا تھا۔ عراقی عوام کو کہنے کا کوئی حق نہ تھا۔۔۔۔ اور انہوں نے نہ کبھی کچھ کہا۔۔۔۔ اس بارے میں کہ ان کے ملک پر کیسے حکومت کی جارہی ہے اور فیصلے کیسے ہوتے ہیں؟ مگر مغرب کے حکمرانوں بالخصوص امریکہ کے لئے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں وہ تو فیصلہ کر چکے ہیں کہ عراقی عوام کو مغرب کے مفاد میں ہر قیمت ادا کرنا ہوگی، تاکہ تیل پیدا کرنے والے علاقوں کو مغرب اپنی کالونی بنا کر رکھ سکے۔

20 لاکھ افراد جن میں نصف تعداد بچوں کی ہے مر چکے ہیں اور یہ اموات عالمی میڈیا کے کیمروں سے دور رہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں اموات کی مغربی میڈیا میں کوئی خاص قابل ذکر رپورٹنگ بھی نہ ہوئی۔ وہ گولیوں کے زخموں یا بموں سے نہیں مر رہے ہیں۔ یہ بچے بھوک، پانی کی بیماریوں اور ادویات نہ ملنے سے مر رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے اختتام پر بچے اسہال (diarrhea) سے مر رہے ہیں؟ وہ کسی جنگلی علاقے میں بھی محصور نہیں ہیں جہاں پانی، خوراک اور دوائیں نہیں پہنچائی جا سکتیں۔ ان بچوں کی اموات کا حکومت فیصلہ کر چکی ہے کہ عراقی بچوں کو مرنا چاہئے کیونکہ صدام حسین ڈکٹیٹر ہے۔۔۔۔ لیکن وہ تو اس وقت بھی ڈکٹیٹر تھا جب امریکہ اور اس کے یورپی اتحادی اسے انتہائی مہلک اور تباہ کن اسلحہ دے رہے تھے جس میں اعصاب کو مفلوج کرنے والی گیس بھی شامل تھی، مگر اس وقت وہ اسلامی ایران کے خلاف لڑنے والا ان کا اتحادی تھا جب تک صدام کے اسلحے کا نشانہ ایرانی تھے انہیں ضمیر نے کوئی ملامت نہ کی، وہ اس کے ساتھ کاروبار کرتے رہے۔

6۔ اگست 1990ء یعنی اقوام متحدہ کی پابندیوں سے پہلے عراق کا صحت کا نظام مشرق وسطیٰ میں بہترین تھا۔ اتفاق دیکھئے کہ 6۔ اگست ہی (1945ء) کو امریکہ نے ہیروشیما پر ایٹم بم گرایا تھا۔ مگر ایٹم بم سے اتنے افراد مرے جتنے عراق پر پابندیوں سے ہلاک ہوئے ہیں۔ ظالم فیصلوں کی تباہی ایٹم بم سے کئی گنا زیادہ ہے۔ عراق سالانہ 20 بلین ڈالرز کی ادویات اور خوراک منگواتا تھا۔ 1995ء تک عراق کا صحت کا نظام تباہ ہو کر دنیا کے غریب ترین ممالک کی سطح پر آ گیا۔ شاید گھانا اور مالی سے بھی بدتر۔

مختلف اداروں کی رپورٹوں کے مطابق اموات کے علاوہ بچوں کی نشوونما پر نہایت برے اثرات پڑ رہے ہیں۔ اسہال، کیڑے اور پچپس جیسی بیماریوں کی بنیادی وجہ صاف پانی کا نہ ملنا ہے۔ 43 روزہ جنگ میں عراق کے پانچ میں سے کلورین کے چار پلانٹ بمباری سے تباہ ہو گئے۔ امریکہ، فرانس اور برطانیہ نے 88500 ٹن بم عراق پر گرائے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے کلورین اور پانی کی صفائی کے پلانٹ مرمت تک کرنے کی اجازت نہیں دی۔ ان حالات میں عراق کے عوام گندا پانی پینے پر مجبور ہیں۔ ہر تین منٹ بعد ایک عراقی مر رہا ہے۔ بغداد کے بڑے ہسپتال میں 340 بستروں پر 1200 سے زیادہ بچے ہر وقت لیٹے ہوتے ہیں۔ مائیں لائن میں لگیں ادویات کی بھیک مانگ رہی ہوتی ہیں۔ کوئی بجلی نہیں اور نہ صفائی کا انتظام ہے۔ عالمی بدمعاش نہ صرف یہ کہ پانی کی صفائی کے پلانٹوں کی مرمت کے لئے اسپیئر پارٹس درآمد کرنے کی اجازت دینے سے انکاری ہیں بلکہ موجودہ سہولتوں کو بھی تباہ کر رہے ہیں مثلاً 30 جون کو بصرہ میں پانی کے ایک ذخیرے پر امریکہ نے میزائل پھینکا۔ اس کا مقصد بصرہ کے لوگوں کو صاف پانی سے محروم کر کے ہلاک کرنا تھا۔ سوڈان کی الشفاء فیکٹری کی تباہی کا مقصد بھی عراق کو ادویات کی سپلائی روکنا تھا۔

اسرائیل پورے مشرق وسطیٰ کے امن کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے، اس کے باوجود امریکہ اسے 7 بلین ڈالر سالانہ دے رہا ہے تاکہ وہ امریکہ کے مقاصد کو علاقے میں پورا کرے یعنی دہشت گردی میں امریکہ کا ساتھ دے اور اس طرح تیل کے علاقے پر امریکی افواج قابض رہیں۔

عراق میں نومولود بچوں کی شہادت

پچھلی قوموں میں فرعون بچوں کے قاتل کے طور پر مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ جس کا تصور بھی آج کے انسان کے جسم پر رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے مگر انسان بہر حال انسان ہے، کل بھی وہی انسان تھا، آج بھی وہی انسان ہے، صرف طور طریقے اور انداز تبدیل ہو چکے ہیں، دلائل کی نوعیت بدل چکی ہے، مگر بچوں کے قتل عام کا بازار آج بھی اسی طرح گرم ہے جس طرح فرعون کے دور میں تھا، آج کوئی محض پولیس سے انتقام لینے کی خاطر سو سے زائد معصوم اور بے گناہ بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے تو کوئی فرعون کے نقش قدم پر چلتے ہوئے محض اپنے اقتدار

اور حکومت کی حفاظت میں ہزاروں نہیں لاکھوں بچوں کو تہہ تیغ کر دیتا ہے مگر پھر بھی دنیا اسی کو انسانیت کا ''نجات دہندہ'' قرار دیتی ہے، جی ہاں! آج کے اس ترقی یافتہ، متمدن اور مہذب دور میں فرعون کے دور کی طرح بچوں کے قتل عام کا بازار گرم ہے مگر اس قتل عام کو دنیا نے امن و سلامتی کا نام دے دیا ہے۔

امریکہ اور اقوام متحدہ نے مشترکہ طور پر عراق کی اقتصادی اور تجارتی ناکہ بندی کر کے اپنے آپ کو انسانیت کا نجات دہندہ قرار دینے کی جو مہم چلائی ہوئی ہے حقیقت میں وہ انسانیت کے نجات دہندہ نہیں بلکہ عراق میں پیدا ہونے والی نئی نسل سے نجات حاصل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، ان کا اولین مقصد صدام حسین کی شخصیت یا حکومت نہیں بلکہ عراق کے باہمت، پرعزم مسلمان ہیں جن کی نئی نسل کو ختم کرنا یا اپاہج کرنا امریکہ کا اولین مقصد ہے، معتبر ذرائع سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق عراق پر لگائی گئی پابندیوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ صرف ۱۹۹۷ء میں ڈیڑھ لاکھ نومولود بچے موت کی بانہوں میں چلے گئے۔ ۱۹۹۸ء میں یہ تعداد ایک لاکھ اسی ہزار کو جا پہنچی اور ۱۹۸۹ء کو ۶۶ فیصد بچوں کی موت میں اضافے کا سال قرار دیا گیا، ان کے علاوہ پابندی لگائے جانے کے بعد اب ایک ملین سے زائد نومولود بچے محض غذائی اجناس کی کمیابی یا ناقص غذا کی وجہ سے موت کا شکار ہو گئے، ان میں وہ بچے شامل نہیں جو ادویات اور ناقص غذاؤں کی وجہ سے کمزور یا اپاہج پیدا ہوئے، جائزے کے مطابق یہ تعداد ۱۹۹۷ء میں بڑھ کر ۲۴ فی صد تک پہنچ گئی، نیز بچوں میں پھیلنے والی مہلک بیماریوں جیسے ٹائیفائڈ، چیچک، کالی کھانسی کے پھیلنے کی رفتار میں ۲۰۰۰ فی صد اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔'

کیا آج کی دنیا میں اس سے زیادہ منظم قتل و غارت گری کا مظاہرہ ہو سکتا ہے۔ اگر آج فرعون بھی زندہ ہوتا تو بچوں کے قتل میں ہونے والی اپنی غلط منصوبہ بندی پر افسوس ہی کرتا، بہرحال یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو کسی سے ڈھکے چھپے نہیں، ان سے امریکہ اور اقوام متحدہ کے تقریباً تمام ممالک واقف ہیں مگر اس ظلم و زیادتی کے خلاف آواز اس لئے نہیں اٹھائی جاتی کیونکہ موت کی آغوش میں جانے والے بچے ان کے اپنے نہیں، یا ان کی قوم، رنگ اور نسل سے تعلق نہیں رکھتے، جبکہ ان کی اپنی اور رنگ اور مذہب کا کوئی بچہ اس مرحلہ سے دوچار ہو جائے تو یہ ساری دنیا کو اپنے سر پر اٹھا لیں۔

خلیج کی جنگ کے اصل محرکات

جیسا کہ ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ خلیج کی جنگ کے پس منظر اور پیش منظر پر اپنی اگلی کتاب میں سیر حاصل بحث کریں گے جس میں عراق کا تاریخی پس منظر، کویت کا سیاسی اور معاشی ارتقاء نیز انگلستان اور پھر امریکہ سے ان ہر دو ملکوں کے تعلقات کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی اسرائیل کی ریاست کے قیام نے اس پورے خطہ کو کس طرح عدم استحکام کا شکار کر دیا ہے اس پر روشنی ڈالی جائے گی۔ نیز مابعد جنگ مشرق وسطیٰ کے مسئلہ کے مجموعی حل اور پائیدار امن کے قیام کے سلسلے میں جو مختلف منصوبے تیار ہو رہے ہیں اور ان منصوبوں کو کسی طرح اسرائیل کی بقاء......اس کے تحفظ......اور اس خطے میں اس کی برتری......اور سیادت کو یقینی بنانے کے لئے جو تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں ان کو بھی زیر بحث لایا جائے گا، لیکن اس جنگ کے اصل محرکات پر روشنی ڈالے بغیر ہمارا خیال ہے کہ زیر نظر کتاب ادھوری رہے گی۔ ان محرکات میں دو بہت ہی اہم ہیں یعنی (۱) تیل کی سیاست اور (۲) یہودی فتنہ۔ چنانچہ ان ہر دو کے بارے میں مغربی ذرائع ابلاغ ہی کی مدد سے ایک تبصرہ شامل کتاب ہے۔

تیل کی سیاست:۔

لندن کے اخبار آبزرور میں ایڈریان ہیملٹن اپنے ایک مضمون میں لکھتا ہے: ''اتحادی اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں جب وہ حقائق سے منہ موڑتے ہیں اور حقائق یہ ہیں کہ یہ جنگ تیل کی جنگ ہے اور یہ جنگ امریکہ کے ان مفادات کی جنگ ہے جو اس کے فوجی اور دفاعی منصوبوں سے وابستہ ہیں۔ نیز یہ جنگ اسرائیل اور سعودی عرب کے ساتھ اس کے دیرینہ اتحاد کو برقرار رکھنے کی جنگ ہے۔''

وہ کہتا ہے کہ ''اتحادی اپنی فوجوں کو خلیج روانہ کرنے پر ہرگز آمادہ نہ ہوتے اگر تیل کا مسئلہ درمیان میں نہ ہوتا۔ یہ تیل ہی ہے جس کی خاطر امریکہ نے سعودی عرب کے ساتھ اپنے خصوصی تعلقات استوار کر لئے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ امریکہ کے لئے سعودی عرب اسی اہمیت کا حامل ہے جتنی اہمیت کسی زمانہ میں برطانوی سامراج کے لئے ہندوستان کو حاصل تھی۔ ظاہر ہے کہ جب کبھی بھی اس اتحاد اور دوستی کو خطرہ لاحق ہوگا امریکہ اس کے دفاع کے لئے تیار رہے گا اور

برطانیہ کے مفادات چونکہ عمان اور خلیج کی دوسری چھوٹی ریاستوں کے ساتھ وابستہ ہیں لہٰذا وہ بھی امریکہ کے شانہ بشانہ اٹھ کھڑے ہوں گے نیز جب اس اتحاد کو وسیع تر کرنے کی ضرورت پیش آئی تو وہ امریکہ ہی تھا جس نے رشوت اور دباؤ کے ذریعہ اقوام متحدہ کی حمایت تیز رفتاری کے ساتھ حاصل کر لی۔

جنگ کے اثرات

جنوری ۱۹۹۱ء میں شروع ہونے والی خلیجی جنگ بہت سے خوفناک اثرات کے ساتھ ۲۸ فروری کو کویت پر امریکی کنٹرول اور عراق کے انخلا کے بعد بند ہو گئی۔ جنگ آخر جنگ ہے جس سے یقیناً فوری تباہی کے بعد دیرپا تباہی اور پیداوار میں کمی بھی منطقی نتیجہ ہے۔ زیادہ تر ان ممالک میں فوری تباہی ہوئی ہے جو بالواسطہ جنگ میں شامل تھے اور وہ ممالک بھی جنگ کے منفی اثرات سے نہ بچ سکے جن کا تعلق جنگ سے وابستہ ممالک سے کسی طرح بھی تھا۔ بعض چھوٹے ممالک امریکہ کی چودھراہٹ سے ڈرتے رہے اور بعض خفیہ اور غیر واضح مصلحتوں کے خوف کے باعث تھر تھر کانپتے رہے کہ وہ کہیں بڑی اور خونخوار لیکن بظاہر ''مہذب'' قوموں کا تر نوالہ نہ ثابت ہوں۔

دیگر کوششوں کے علاوہ امریکہ نے اپنے ابتدائی مقاصد پورے ہونے پر جنگ بند کر دی ہے۔ اور ساتھ یہ دھمکی بھی دی ہے کہ اگر میری شرائط عراق نے مکمل طور پر نہ مانیں تو اسے ایسا سبق سکھایا جائے گا کہ وہ آئندہ ساری عمر اٹھ نہیں سکے گا۔

عراق پر برستی آگ نے پوری دنیا کو کسی نہ کسی طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تمام کاروباری ادارے متاثر ہوئے۔ ایئر لائنیں اپنے کاروبار بند کیے بیٹھی ہیں۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۹۰ء کو کرسمس ختم ہونے کے بعد کاروبار سمیٹتے ہوئے ایشیائی باشندے چھٹیاں گزارنے اور اپنے عزیز واقارب سے ملنے اپنے اپنے وطن آ گئے تھے۔ جنگ شروع ہونے کے بعد وہ جلد واپس جانے کے لئے بے تاب ہو گئے۔ بچوں کا تعلیمی سیکشن خراب ہونے لگا، کاروبار بھی متاثر ہونے لگا۔ متعدد خاندان جلد واپس چلے گئے۔ بعد میں واقعی ایئر لائینوں کا کاروبار متاثر ہوا۔ مشرق وسطی میں شعلے اور بموں کی گھن گرج سے ہوائی جہاز گراؤنڈ کر دیئے گئے۔ پائلٹ، ایئر ہوسٹس، ایئر ویٹر، ٹیکنیشنز اور دیگر عملہ آرام کرنے لگا۔ پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز (pia) خلیجی جنگ کی وجہ

سے اپنی تاریخ کے شدید ترین بحران سے دو چار ہوئی۔ کیونکہ پی آئی اے کے کاروبار کا زیادہ تر انحصار بھی مشرق وسطیٰ پر تھا۔ فرانس کی ایئر لائن لفتھانزا اور کے ایل ایم بھی تقریباً بند ہو کر رہ گئی۔ گلف ایئر لائنز، عرب امارات ایئر لائینز سنگاپور ایئر لائنز، سعودی عرب ایئر لائنز اور دیگر کئی ایک کمپنیاں اپنے جہازوں کو تقریباً پچھتر فیصد نہ چلا سکیں۔ ایک امیگریشن آفیسر نے بتایا کہ ہمارے دفاتر بے رونق ہو گئے ہیں اور کوئی بھی تو نہیں آ رہا کیونکہ ہمارے زیادہ تر کام کا دارومدار مشرق وسطیٰ میں ملازمت حاصل کرنے والے افراد پر ہی تھا۔ جو کہ اب نہیں ہو رہا۔ بلکہ لوگ عرب ممالک کو چھوڑ کر واپس آ رہے ہیں اور جو وہاں ہیں وہ آنے کے لئے بے تاب بیٹھے ہیں۔ سیاحت کا شعبہ بھی بتاتا ہے کہ تمام ممالک میں ہی یہ صورت حال ہے کہ نہ کوئی آ رہا ہے اور نہ جا رہا ہے۔ جب انسانیت کا خون ہو رہا ہو تو کسی کا بھی جی نہیں چاہتا کہ وہ سیر و تفریح کے لئے جائے۔ اس طرح ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ ہوائی کمپنیوں کا کاروبار اس جنگ کی وجہ سے کافی حد تک متاثر ہوا ہے۔

پاکستان سے ہر سال کروڑوں روپے کا سامان مشرق وسطیٰ برآمد کیا جاتا ہے۔ جنگ کی وجہ سے تمام تر کام بند ہو گیا ہے۔ قالینوں کا کاروبار کرنے والے ایک شخص نے بتایا کہ آج کل قالین کی منڈیوں میں کاروبار خاصا مندا ہے۔ اور قالینوں کی پوری قیمت نہیں مل رہی، باہر سے پارٹیاں آ رہی ہیں۔ اسی طرح درآمدات پر بھی بے حد منفی اثر ہوا ہے۔ جس طرح چیزیں باہر نہیں جا سکتیں اس سے زیادہ مشکل ہے کہ باہر سے ضرورت کی اشیاء درآمد نہیں ہو رہیں۔ جن میں خام تیل، ہیرے جواہرات، کپڑا، اور دیگر ضرورت کی اشیاء اور دوائیاں شامل ہیں۔

سمندر میں تیل چھوڑنے کی وجہ سے مچھلیاں مرنے لگی ہیں۔ اور جو ممالک سمندر سے پانی حاصل کرنے کے بعد صاف کر کے استعمال میں لاتے تھے انہیں مشکل پیش آ رہی ہے۔ بحری جہاز بھی جہاں تھے وہیں قریبی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو گئے ہیں۔ اور اب انہیں اپنی منزل تک پہنچنے میں خاصی مدت درکار ہو گی۔ سمندری راستوں کو بھی بدلنا پڑے گا۔ راستے میں بچھائی گئیں بارودی سرنگیں بھی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔

سعودی عرب نے حج پر انتظامات کرنے سے بھی معذرت کی ہے، خیال ہے کہ اس دفعہ حج پر بھی کم تعداد میں لوگ سعودی عرب جائیں گے۔ جس کی وجہ سے سعودی عرب کو حج کے دوران میں ہونے والا زرمبادلہ گزشتہ سالوں کی طرح پوری مقدار میں نہیں ملے گا۔

جنگ سے موصولہ اطلاعات کے مطابق ہزاروں بلکہ لاکھوں ٹن بارود پھینکا گیا ہے۔ سینکڑوں کے حساب سے ٹینک، جہاز، مارٹر گن، بارودی سرنگیں اور بحری اسلحہ استعمال ہوا ہے، اب اس سے زیادہ مقدار میں اسلحہ بنایا جائے گا۔ اور دنیا بھر میں خریدار بڑھیں گے۔ ٹیکسوں میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور اور قیمتیں بھی بڑھیں گی۔ ملازم تنخواہیں بڑھانے اور پیداوار کرنے والے افراد اشیاء کی قیمتیں بڑھانے کا مطالبہ کریں گے۔ یا خود بخود قیمتیں بڑھ جائیں گی۔

دنیا بھر میں اسٹاک ایکسچینج اور ایوان صنعت وتجارت میں کاروبار مندا رہا۔ بہت کم حصص فروخت ہوئے اور خرید وفروخت کا کام زیادہ تر بند رہا۔ درآمد وبرآمد کا کاروبار کرنے والے جنگ سے خاصے متاثر ہوئے۔ ہوٹلوں اور ریستورانوں میں خصوصی ڈشوں کے ریٹ کم ہوگئے۔ تاکہ گاہکوں میں اضافہ ہو سکے۔

پیٹرول کی قیمتیں فوری طور پر بڑھ گئیں اور بعض جگہ ڈیزل وپیٹرول کی دستیابی میں مشکل پیش آئی۔ جس وجہ سے کاروں کی قیمتوں میں یا تو کمی آگئی یا پھر جہاں قیمتیں تھیں وہیں رک گئیں اور خریدار کم ہوگئے۔ شوروم کاروں سے بھرے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں اکادکا گاڑیاں بکتی رہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً چالیس ہزار کاریں کویت سے پاکستان آئی تھیں۔ چونکہ کاریں بڑے انجنوں والی تھیں چھ سلنڈر یا آٹھ سلنڈر روالی...... اس لئے پیٹرول کا خرچہ زیادہ کرتی تھیں۔ پیٹرول مہنگا ہونے کی وجہ ان بڑی کاروں کی قیمتیں انتہائی حد تک گر گئیں۔ ویسے بھی ضرورت کے تحت مالکان کو فوری طور پر بیچنی پڑیں، دو لاکھ روپے کی کار ستر...... اسی ہزار میں بکی۔

فرانس میں جنگ کے خوف کی وجہ سے کلبیں اور ہوٹل بے رونق ہوگئے۔ مہنگے سٹوروں میں گاہکوں کی کمی ہوگئی، کہا جاتا ہے کہ دنیا کی سب سے مہنگی اشیاء فرانس میں ملتی ہیں۔ جنگ کے دنوں میں وہاں بھی مندے کا رجحان رہا۔ مختلف ثقافتی تقریبات اور سالانہ میلہ ملتوی کرنا پڑا۔

مشرقی اور مغربی جرمنی کے درمیان دیوار گرادی گئی تھی، اس لئے خیال تھا کہ مشرقی جرمنی کی تعمیر نو کے لئے دنیا بھر سے امداد حاصل کی جائے گی۔ لیکن جنگ کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ کئی ایک ممالک سے مختلف کمپنیاں کپڑے ادویات اور دیگر اشیاء جرمنی کو فروخت کر رہی

تھیں جنگ نے ان کے کاروبار کو بھی متاثر کیا جاپان، اٹلی اور جرمنی کی برآمدات پر بھی اثر پڑا۔

امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے خلیجی جنگ میں اپنا اسلحہ بہتر طور پر ٹیسٹ کیا۔ آئندہ کسی بھی جنگ میں اسلحہ کی کارکردگی اور مہلک اثرات کا پہلے ہی سے اندازہ ہوگا۔ روس کو اپنا اسلحہ ٹیسٹ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔

مسلمانوں کی جدید اسلحے کے ساتھ یہ پہلی خوفناک جنگ تھی۔ جس میں اسلحہ، تکنیک اور دیگر سامان حرب کی خاصی کمی محسوس ہوئی۔ مسلمان جذبہ ملی اور دینی لگاؤ کے علاوہ جذبہ جہاد سے اپنے دشمن سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ خلیجی جنگ میں جذبے اپنی جگہ موجود تھے لیکن دشمن کی تعداد ہر لحاظ سے زیادہ تھی، ایک عراق کے خلاف ایک ملک ہوتا تو یقینی طور پر پہلے چند روز میں ہی وہ ان کو بھگا چکا ہوتا۔ لیکن ۲۸ ممالک کی افواج اور جدید اسلحہ ایک چھوٹے سے ملک عراق پر بارود برساتا رہا۔ پھر بھی چالیس روز تک دفاع اور بچاؤ کرنا عراق کی بے حد ہمت ہے۔ اگر اتنے روز اتنی ہی شدت سے پانی پتھر پر گرتا رہے تو پتھر پر بھی یقیناً نشانات پڑ جاتے۔ یہ تو زہریلا اور دنیا کا شدید قسم کا اسلحہ تھا اور پھر عراق تنہا اس کا مقابلہ، دفاع اور بچاؤ کی صورت میں کرتا رہا۔

اس جنگ سے چھوٹے ملکوں کو دفاعی طور پر مضبوط ہونے کا شدت کے ساتھ احساس ہوا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی پتہ چلا ہے کہ اگر زیادہ اسلحہ جمع کیا جائے تو پھر صیہونیت اپنا کام دکھا سکتی ہے۔ اس لئے زیر زمین دفاعی منصوبے اور معاہدے کئے جائیں گے۔

خلیجی جنگ سے یہ ہمت اور جرأت بھی ملی ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے جھکنے کے بجائے اس کے سامنے ڈٹ جانا چاہیے۔ کیونکہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے، کوئی دوسری طاقت کسی کی زندگی اور قسمت کا فیصلہ نہیں کر سکتی، مسلمان کا یہی ایمان اسے جرأت اور جذبہ جہاد سے ہمکنار کرتا ہے۔ آئندہ کسی موقع پر بھی زبردستی کی بات کو بلاوجہ نہیں مانا جائے گا۔

اس جنگ کا یہ بھی اثر اور پہلو سامنے آیا ہے کہ بڑی طاقتیں اپنے مفادات اور مقاصد کے لئے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔ اور پھر وہ اپنے عزائم پورے کرنے کے لئے متحد ہو جاتی ہیں۔ لیکن مسلمان متحد نہیں ہو سکتے یا انہیں منظم ہونے نہیں دیا جاتا۔ اصولوں اور انسانی اخلاقیات کو مدنظر نہیں رکھا جاتا، اگر ایسی صورت ہوتی تو اب تک فلسطین کا مسئلہ بھی اسی طرح

حل کیا جاتا۔ کشمیر اور دنیا کے دیگر مسائل بھی اسی طرح حل ہوتے۔ افغانستان کا مسئلہ اور جنگ کئی سال جاری رہی، لیکن اقوام متحدہ کی وساطت سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے اسے حل کرنے کے لئے اس طرح چڑھائی نہیں کی تھی۔ کیونکہ ان مسائل میں ان کے مفادات یا مقاصد براہ راست نہ تھے۔

لیبیا، ترکی، شام اور مصر جیسے چھوٹے اسلامی ممالک اپنی جگہ سہے رہے کہ کسی معمولی سی بات پر ناراض ہو کر توپوں کے منہ ان کی طرف نہ ہو جائیں، ترکی اقتصادی لحاظ سے تباہی کے کنارے پہنچ گیا۔ امریکہ نے اس کی امداد کر کے ہر طرح سے چپ کرا دیا۔ بلکہ عملی طور پر اپنے ساتھ ملا لیا۔

برطانوی وزیر اعظم کی رہائش گاہ پر حملہ اور انگلستان میں ٹیوب ٹرین کے دھماکے نے خلیجی جنگ کے دوران وہاں زیادہ تر زندگی مفلوج کر دی، لوگ یہ خطرہ محسوس کرتے ہوئے خوفزدہ رہے کہ کہیں دھماکوں کا سلسلہ بڑھ نہ جائے۔

میدان جنگ تو عراق، کویت اور سعودی عرب تھا۔ بارود کی بارش عراق پر ہوتی رہی۔ عراق جواباً دہران اسرائیل کے فوجی ٹھکانوں پر بمباری کرتا رہا۔ اگر حملہ آور امریکہ اور برطانیہ کے اپنے شہروں اور دیگر تنصیبات پر بمباری ہوتی۔ عراق کی طرح ان کے شہری بھی مرتے۔ محلوں، سڑکوں، ہوائی اڈوں اور فیکٹریوں کو نشانہ بنایا جاتا تو امریکہ اور برطانیہ کو جنگ کی تباہی اور اثرات کا براہ راست پتہ چلتا۔ امریکہ اور عراق کے درمیان فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے ایسا ممکن نہ تھا۔ اس لئے وہاں جنگ کی ہولناکیوں کا تجربہ نہ ہو سکا۔

عراق میں امریکہ اور برطانیہ کے جنگی حملے

۸ فروری کو ایک کم لاگت والے مکانات کے منصوبے میں تقریباً ۱۸ مکانات یا تو تباہ ہو گئے اور یا ان کو شدید نقصان پہنچا۔ اس بمباری کے نتیجہ میں ۴۶؍ افراد ہلاک اور ۷۰ زخمی ہوئے۔ قریب کے ایک سکول کو نقصان پہنچا۔

۵؍ فروری کی شام کو ساڑھے آٹھ بجے جبکہ ہمارا چھوٹا سا گروپ بصرہ کے ایک ہوٹل میں موم بتیوں کی روشنی میں کھانا کھا رہا تھا۔ تین بڑے دھماکوں سے کمروں کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے، ہم چھت پر چلے گئے۔ وہاں سے میں نے ایک بم کو شط العرب میں گرتے

ہوئے دیکھا جو جنوب میں ٹیچنگ اسپتال کے آگے گرا اور اس نے پانی کا ایک فوارہ فضا میں چھوڑا۔ ایک اور بم شط العرب کے قریب گرا، طے شدہ پروگرام کے تحت سول ڈیفنس کے حکام ہمیں آکر بموں کے دھماکے والے مقامات پر لے گئے۔ وہ مقامات شط العرب کے قریب ۲ء اکلومیٹر نشیب میں تھے۔ میں ساڑھے چھ بجے شام کو اس علاقے سے ہو کر گزرا تھا۔

ہم نے دیکھا کہ دو عمارتیں تباہ ہوگئی ہیں، یہ محض رہائشی علاقہ ہے۔ اس میں ایک گھریلو کلب اور دوسرا شبینہ کلب ہے، اگر ان میں سے کوئی بھی کھلا ہوتا تو درجنوں افراد ہلاک ہوجاتے، پام کے درخت جڑ سے اکھڑے گئے تھے اور چٹانیں مٹی اور شیشے کے ٹکڑے کئی سو فٹ کے علاقے میں سڑک پر پڑے ہوئے تھے۔ ہم اس رات کو ان عمارتوں میں داخل نہیں ہوسکے۔

دوسری صبح کو جب ہم واپس آئے تو ہمیں بتایا گیا کہ اس وقت دونوں عمارتیں خالی تھیں اور ان کے مالکان نقصان کا اندازہ لگا رہے تھے۔ ٹیچنگ اسپتال جو وہاں سے ۱۵۰ گز کے فاصلے پر تھا اور جو ایک ہفتہ سے اس سے پہلے کی بمباری کی وجہ سے بند تھا۔

کھڑکیوں سے محروم ہو چکا تھا، اسے مزید نقصان پہنچا تھا۔ اس علاقے میں ہمیں فوجی موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں ملا، یہاں کوئی ایسی فوجی تنصیبات نہیں تھیں جن کو بمباری کا نشانہ بنایا جانا تھا، یہاں تو صرف مکانات، فلیٹس، کچھ دکانیں، کریانہ کے اسٹور اور رہائشی علاقوں میں پائے جانے والے کاروبار تھے، اس کے علاوہ صرف دو چھوٹے پل تھے جن کے ذریعہ لوگ اسپتال پہنچتے تھے۔

مرکزی مارکیٹ میں جس میں ایک ہزار سے زائد دکانیں ہیں اور دکاندار پھل، سبزیاں، مچھلیاں، گوشت، اشیائے خورد و نوش اور دوسری اشیاء فروخت کرتے ہیں ایک بم نے ایک عمارت کو مسمار کردیا تھا: جس میں کریانہ کی دکان اور باقی دوسری دکانیں تھیں۔ مارکیٹ میں داخل ہونے والے راستے کو بھی نقصان پہنچا تھا، اس بمباری کے نتیجے میں ۸ افراد ہلاک اور ۴۰ زخمی ہوئے تھے۔ ہم نے ایک سنی مسجد کے ملبہ کو دیکھا جس میں ایک گھرانے کے ۱۲ افراد نے پناہ لے رکھی تھی، مسجد کا مینارہ تو باقی رہا لیکن دس لاشیں ملبہ میں ملیں، جن کو خاندان کے ایک فرد نے شناخت کیا جو فوج میں تھا اور اس سانحے کے بارے میں مطلع کئے جانے پر آیا تھا۔ مرنے والوں میں اس کی بیوی اور چار چھوٹے بچے بھی تھے۔

دیوانیہ میں ہمیں اسی قسم کا شہری املاک کا نقصان نظر آیا جو ہم نے ہر جگہ دیکھا تھا قصبے کے مرکز میں ڈاکخانہ کے مینارے اور دفتر کو نقصان پہنچا تھا، ڈاک خانہ کی عمارت پر بم گرانے کا مقصد ریڈیو، ٹیلی فون کے نشریاتی ساز وسامان کو نقصان پہنچانا تھا۔ ہم نے اس علاقے میں اسی قسم کے دوسرے نشریاتی ٹاور بھی دیکھے جن پر بمباری نہیں کی گئی تھی، ڈاکخانہ کے قریب تین چھوٹے ہوٹل جن میں ۳۰ تا ۵۰ کمرے تھے کئی دکانوں، کیفے اور دفاتر کے ساتھ تباہ ہو گئے تھے، ان عمارتوں میں وکلاء کے دفاتر اور ڈاکٹروں کے کلینک بھی تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ ۱۲/افراد ہلاک اور ۳۵/افراد زخمی ہوئے۔ ایک یا دو بموں کے گرنے کے باعث کافی نقصان ان دکانوں اور فلیٹوں کو پہنچا جو تباہی کے مرکز سے پرے تھا۔

قصبہ کے مضافات میں چار رہائشی علاقوں کو بمباری کا نشانہ بنایا گیا تھا، جس کے نتیجے میں ۱۳۳ افراد ہلاک اور ۱۷۵ افراد زخمی ہوئے تھے۔ دو اسکولوں کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ علاقے میں پانی اور بجلی کی سپلائی اور ٹیلی فون کی سروس نہیں تھی، ایک آبپاشی اسٹیشن تباہ ہو گیا تھا، شہر کے اردگرد گھومتے ہوئے دوسرا نقصان بھی نظر آیا۔ ایک تیل کے ٹینک میں آگ لگی ہوئی تھی ہم نے ایک درجن کے قریب تیل کے ٹینکوں میں آگ لگی ہوئی دیکھی۔

بصرہ کے مقابلے میں مغربی مبصرین بغداد کو پہنچنے والے نقصان کو زیادہ آسانی سے دیکھ سکے۔ ہم نے وزارت انصاف کے قریب بڑی شاہراہ پر عمارات کے بلاکوں کے ہونے والے نقصان کو دیکھا، جس کی ایک طرف کی ساری کھڑکیاں تباہ ہو گئی تھیں۔ مجھے علم ہے کہ یہ علاقہ رہائشی اور کمرشل نوعیت کا ہے۔ اس علاقہ سے ہو کر نیشنل میوزیم اور وزارت انصاف کو جایا جاتا ہے۔

ایک بڑی سپر مارکیٹ آٹھ اسٹور اور ۶ یا ۸ مکانات تباہ ہو گئے یا انہیں شدید نقصان پہنچا۔ ایک بم تو راستہ پر گرا اور دوسرا سیدھا عمارتوں پر گرا۔ چھ دکانیں، ایک ریسٹورنٹ اور کئی اسٹور ۹ یا ۱۰ مکانات تباہ ہو گئے یا انہیں شدید نقصان پہنچا جو ۴۰ یا ۵۰/افراد وہاں کھڑے تھے وہ مرنے اور زخمی ہونے والوں کی صحیح تعداد نہیں بتا سکے، ان میں سے کچھ نے کہا کہ ۳۰/افراد ہلاک ہوئے اور بہت سے افراد زخمی ہوئے۔

ہم ایک رہائشی علاقے میں گئے جہاں کئی مکانات ۷ فروری کی بمباری سے تباہ ہو گئے تھے، ایک ہی گھر کے چھ افراد ہلاک ہوئے تھے اور کئی افراد ملحقہ عمارات میں ہلاک ہو گئے تھے

ایک ۵۰۰ پونڈ وزنی بم نہیں پھٹا تھا اور کنکریٹ کی موٹی چھت سے اس کی دم دیکھی جا سکتی تھی۔ جب ہم واپس آئے تو اس کو وہاں سے نکالا جا چکا تھا۔ ایک کیمرا ٹیم ایک اسپتال پہنچی جہاں سہ پہر کو زخمی لائے گئے تھے، جس مکان میں بم نہیں پھٹ سکا تھا اس کا زخمی مالک وہاں موجود تھا۔ یہ اسپتال ان چار اسپتالوں میں سے ہے جہاں بمباری سے زخمی ہونے والے افراد کا علاج کیا جاتا ہے۔

بغداد کے اردگرد گھومتے ہوئے ہم نے پانچ ٹیلی فون ایکس چینج کی نقصان زدہ عمارتوں کو دیکھا۔ ہم نے بہت سی سرکاری اور نجی عمارات دیکھیں جو یا تو تباہ ہو چکی تھیں یا جن کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ بغداد میں پلوں کو بمباری کا نشانہ بنایا گیا تھا حالانکہ ان کو نقصان بہت کم ہوا تھا جب ہم وہاں سے روانہ ہوئے تھے پل تو کوئی فوجی تنصیبات میں سے نہیں ہوتے کہ ان کو نشانہ بنایا جائے وزارت دفاع کی عمارات میں بھی لڑنے والے فوجی نہیں ہوتے۔ ٹیلی فون ایکس چینج کو تو سویلین ہی چلاتے ہیں اور وہاں سے جو کالیں کی جاتی ہیں وہ زیادہ تر غیر فوجی قسم کی ہوتی ہیں، فوج کے پاس تو بڑے وسیع اور آزاد ذرائع مواصلات ہوتے ہیں۔ ٹیلی فون ایکس چینجز کو بمباری کا نشانہ بنانا جائز نہیں ہے اور ان پر بمباری کی کوشش سے شہری ہی ہلاک ہوا کرتے ہیں۔

بغداد کے مقابلہ میں بصرہ میں بمباری سے زیادہ نقصان ہوا اور بصرہ پر جو بمباری کی گئی وہ زیادہ شدید نوعیت کی تھی۔ بغداد میں بھی ہر رات کو شہری ہلاک ہوا کرتے تھے۔ کربلا، نجف اور ناصریہ کے شہروں میں پریس کے نمائندوں کے جانے سے معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک شہر کے رہائشی علاقوں میں شہری ہلاک ہوئے ہیں۔ ایک ڈاکٹر کے کلینک کو نقصان پہنچا تھا۔ ایک ہی گھرانے کے ۱۲/افراد ہلاک ہوئے تھے اور ایک شہر میں ایک ہی رات میں ۳۶ افراد ہلاک ہوئے تھے۔ بصرہ سے واپس آتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ ایک چھوٹے سے قصبہ پر چند منٹ پہلے بمباری کی گئی تھی۔ وہاں ہمیں فوج کی کوئی موجودگی نظر نہیں آتی۔ تین جگہ آگ لگی ہوئی تھی اور دھواں اٹھ رہا تھا۔

ہم نے ۲ ہزار میل لمبی شاہراہوں وغیرہ پر سفر کیا ہم نے سینکڑوں تباہ شدہ گاڑیاں دیکھیں۔ ان میں تیل کے ٹرک، ٹریکٹر، ٹریلرس، لاریاں، پک اپ، ٹرکس، بسیں، منی بسیں، ٹیکسیاں، نجی کاریں تھیں جو بمباری کے باعث تباہ ہو گئی تھیں، کچھ گاڑیوں کو اس وقت

نقصان پہنچا جب سڑکوں اور شاہراہوں کو بمباری سے نقصان پہنچا۔ ہمیں ان گاڑیوں میں کوئی فوجی ساز و سامان نہیں ملا۔ سڑکوں کے ساتھ ساتھ ہم نے کئی تیل صاف کرنے والے کارخانوں اور بے شمار گیسولین کے اسٹیشنوں کو تباہ شدہ حالت میں دیکھا۔ عمان کو جانے والی سڑک کی مرمت کرنے والے کیمپ پر بھی بمباری کی گئی تھی۔

ہم نے کسی تباہ شدہ فوجی گاڑی، ٹینک، بکتر بند گاڑی یا فوجی ساز و سامان کو نہیں دیکھا۔ ہمیں یہ بھی ثبوت نہیں ملا کہ تباہ شدہ فوجی گاڑیوں کو کس مقام سے ہٹا لیا گیا ہے، ہم نے درجنوں تیل کے ٹینکوں کو عراق اور اردن کے درمیان چلتے ہوئے اور اردن میں پارک کرتے ہوئے دیکھا ہم نے پانچ یا چھ تیل کے تباہ شدہ ٹینکوں کو دیکھا جن پر بمباری کی گئی تھی۔ ہمیں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ ان تباہ شدہ ٹینکوں میں کوئی فوجی ساز و سامان تھا۔

کسی پریس والے نے اور نہ ہی کسی شہری نے ہمیں بتایا کہ ان گاڑیوں پر بمباری فوجی گاڑیوں کی موجودگی کے باعث کی گئی تھی۔ ہمیں ان علاقوں میں کوئی فوج کی موجودگی نظر نہیں آئی جہاں بمباری سے تباہی ہوئی تھی۔

یہ دعویٰ کرنا تو انتہائی لغو ہے کہ فوجی ساز و سامان کو حملہ سے بچانے کے لئے رہائشی علاقوں میں رکھا گیا تھا۔ رہائشی علاقوں پر تو برابر ہی بمباری کی گئی ہے اس دعوے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رہائشی علاقوں پر بمباری کرنے کی پالیسی اس لئے بنائی گئی ہے تاکہ شہری علاقوں پر بمباری کو حق بجانب قرار دیا جاسکے۔ اگر ان رہائشی علاقوں میں یا سڑکوں اور شاہراہوں پر فوجی گاڑیاں ہوتیں جن کا معائنہ ہم نے کیا تو یہ بات بالکل نا قابل قیاس ہے کہ ہمیں فوجی گاڑیوں کے ٹکڑے یا پرزے وغیرہ نہیں ملتے، جب بمباری کے بعد وہ تباہ ہو جاتیں نہ صرف یہ کہ شہری علاقوں میں فوجی ٹھکانوں پر بمباری ناکام رہی بلکہ شہریوں پر بمباری کر کے بھی فوجی گاڑیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکا۔ اگر فوجی گاڑیاں شہری علاقوں میں ہوتیں تو ان کو ضرور نقصان پہنچتا۔ عراق کی حکومت نے شہریوں کے جانی اور مالی نقصان کو بہت کم کر کے بتایا ہے۔ جنگ کی حالت میں ایسا کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔

حقیقی المیہ یہ ہے کہ بمباری سے عراق کے ہزاروں شہری ہلاک ہوئے ہیں۔ بمباری کرنے والوں کو اس بات کا بخوبی علم ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ ہلاک ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ بچوں کا دودھ اور ادویات نہ ملنے

کے باعث بھی ہوا ہے، نا صاف پانی کا استعمال ہیجان اور دل کے دوروں اور اسی قسم کے اسباب کے باعث ہوا ہے۔

میں اقوام متحدہ کے اس فیصلے کو سراہتا ہوں کہ عراقی عوام کی ادویات بھیجی جائیں لیکن ساتھ ہی میں اقوام متحدہ سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ڈھائی ہزار ٹن بچوں کا دودھ، ادویات، نکاسی آب کا سامان، پانی کے نظام کی بحالی اور پینے کے پانی کی صفائی کے اقدامات کے لئے فنڈ مہیا کرے۔

شہری علاقوں پر بمباری بین الاقوامی قانون کی سخت خلاف ورزی ہے، اس کا مقصد تو عراق کی شہری زندگی اور اقتصادیات کو تباہ کرنا ہے۔ یہ عراق کو کویت سے نکال باہر کرنے کے لئے نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی اس کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

اقوام متحدہ کی کسی قرارداد نے بھی اس امر کی اجازت نہیں دی ہے کہ عراق پر حملہ کیا جائے، لندن ٹائمنز کے ایک نامہ نگار رچرڈ بیسٹن richardbeaston نے فروری کے پہلے ہفتہ میں عراق کا دورہ کر کے جو رپورٹ دی ہے اس سے اس بات کی تصدیق ہوئی ہے کہ اتحادی بمباروں نے شہری آبادی کو بھی نشانہ بنایا۔ چند اقتباسات درج ذیل ہیں:-

وہ لکھتا ہے ”میرے ہمراہ آٹھ صحافی اور بھی تھے اور ہم نے ایک ہفتہ کے قیام کے دوران کئی مقامات کا دورہ کیا جو شہری علاقے تھے اور اتحادی حملوں کا نشانہ بن چکے تھے۔ اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ شہریوں میں زخمی ہونے والوں اور مرنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ نجی گاڑیوں پر مسلسل حملے ہوتے ہیں خواہ وہ فوجی ٹھکانوں کے قریب ہوں یا نہ ہوں، پلوں پر کثرت سے بمباری جاری ہے۔ الناصریہ جو بصرہ کے شمال میں واقع ہے اس کے ایک چوراہے پر (۳۰) مرتبہ بمباری کی گئی اور ۱۴ فروری کو ایک پل پر بموں کے حملہ کے نتیجہ میں کم از کم (۴۷) شہری پل پر ہی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور اس تعداد سے کہیں زیادہ پل کی تباہی کے نتیجہ میں دریا میں غرق ہو کر مر گئے۔“

بغداد شہر کے بیچوں بیچ ایک شہری دفاع کی پناہ گاہ پر خود امریکی ذرائع کے مطابق (۲۰۰۰) پونڈ وزنی دو بم گرائے گئے اور اس کے جواز میں یہ کہا گیا کہ اس پناہ گاہ کو عراقی کمانڈ اور کنٹرول کے لئے استعمال کیا جا رہا تھا حالانکہ خود انہی کے ٹیلی ویژن نیٹ ورک سی این این نے جو تصویر دکھائی اس کے مطابق سینکڑوں بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کی لاشیں پناہ گاہ

سے نکالی جارہی تھیں۔ خلیج میں جنگ بند کرانے کے لئے امریکہ کے سابق اٹارنی جنرل رمزے کلارک نے فروری کے اوائل میں عراق کا ایک ہفتہ کا دورہ کرنے کے بعد وطن واپس آکر جو پریس کانفرنس کی اس میں عراق کی شہری آبادی پر وحشیانہ حملوں کی مذمت کی اور کہا کہ اس نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل پیریز ڈیکویار کے نام ایک مراسلہ میں مطالبہ کیا تھا کہ عراق کے شہروں پر بمباری کا سلسلہ فوری بند کیا جائے۔ اس کے یہ الفاظ بطور خاص توجہ کے قابل ہیں:-

”میں اقوام متحدہ پر یقین رکھتا ہوں لیکن عراق کے خلاف اقوام متحدہ تو جنگ کا آلہ کار بن گئی ہے۔“ اس نے مزید کہا،

ڈاکٹر نور نے (جنہوں نے ۴۰ سال سے زائد عرصہ میڈیکل پریکٹس کی ہے اور ریڈ کریسنٹ کے دس سال سے زائد عرصہ سے سربراہ ہیں) اندازہ لگایا ہے کہ ۶ ہزار تا ۷ ہزار شہری بمباری سے ہلاک ہوئے ہیں اور ہزاروں افراد بمباری سے زخمی ہوئے ہیں۔ ریڈ کریسنٹ نے اردن اور ایران سے ادویات وغیرہ عراق پہنچائیں۔ چونکہ انہوں نے عراق کے تمام اسپتالوں کو ادویات پہنچائیں لہذا دواؤں کیلئے اسپتالوں کی درخواستوں کی بناء پر انہوں نے یہ رائے قائم کی ہے۔

بغداد میں بچوں کا دودھ بنانے والا کارخانہ ابتداء ہی میں بمباری کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ کسی عراقی کا بھی جس سے ہماری بات ہوئی یہ خیال نہیں تھا کہ ایسا محض اتفاقیہ طور پر ہو گیا۔ امریکہ کا دعویٰ کہ یہ کارخانہ کیمیائی اسلحہ تیار کرتا تھا بالکل غلط ہے۔ ایک فرانسیسی کمپنی نے اسکو بنایا تھا۔ جن بیس یا اس سے زائد افراد کے ہم نے انٹرویو لئے اور جو اس کو چلاتے تھے یا اس کی تباہی سے قبل انہوں نے اس کا دورہ کیا تھا اور جنہوں نے اس کا معائنہ بعد میں کیا اور خراب اثرات نہیں پائے کہتے ہیں کہ یہ کارخانہ بچوں کا دودھ بنانے والا کارخانہ تھا۔ اس کارخانہ کے طویل اور بغیر کسی رکاوٹ کے معائنے کے بعد ہمیں امریکی دعوے کے خلاف شہادت ملی۔

جن جن علاقوں کا ہم نے دورہ کیا ہم نے دیکھا کہ پانی کو پروسیس کرنے والے کارخانے پانی کو پمپ کرنے والے کارخانے اور پانی کے ذخیرے کرنے والے کارخانوں پر بمباری کی گئی تھی برقی جنریٹر تباہ ہو چکے ہیں تیل صاف کرنے والے کارخانے اور تیل اور گیسولین کے ذخیرے کرنے والے کارخانوں پر حملے کئے گئے ہیں۔ ٹیلی فون ایکس چینج کی

عمارت، ٹی وی اور ریڈیو اسٹیشن اور کچھ ریڈیو ٹیلی فون اسٹیشن اور میناروں کو نقصان پہنچایا گیا ہے یا وہ تباہ کر دیے گئے ہیں۔ بہت سی شاہراہیں، سڑکیں، پل، بسوں کے اڈے، اسکول، مساجد اور گرجے ثقافتی مراکز اور اسپتالوں کو بمباری کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ سرکاری عمارات بشمول، وزارت خارجہ، وزارت دفاع، وزارت صحت اور وزارت انصاف کو تباہ کر دیا گیا یا انہیں نقصان پہنچایا گیا۔

خلیجی جنگ کے خاتمہ کے بعد عراق پر 109977 حملے

عراق کا کہنا ہے کہ برطانیہ اور امریکہ نے خلیجی جنگ کے خاتمہ کے بعد سے 6 اگست 1999ء تک عراق پر 10977 فضائی حملے کیے ہیں۔ اخبارات کا اندازہ ہے کہ امریکہ اور برطانیہ کے 200 جہاز اور 22.000 آدمی ان حملوں میں ملوث ہیں جن کا خرچہ ایک ارب ڈالر سالانہ ہے۔ یونیسف کی رپورٹ کے مطابق خلیجی جنگ کے بعد عراقی بچوں کی شرح اموات دوگنا ہو چکی ہے۔

* * *

باب نمبر 17

صومالیہ میں مسلمانوں کی شہادت

صومالیہ میں فوجی دستوں کے مظالم

مسلم ملک صومالیہ میں امن قائم کرنے کے نام پر جب مختلف ممالک کے فوجی دستے صومالیہ بھیجے گئے تو ان میں اٹلی کے فوجی دستے بھی شامل تھے۔ اٹلی کے صلیبی فوجی دستوں نے امن قائم کرنے کے بجائے ٹارچر اور جنسی تشدد کی کارروائیاں شروع کر دی۔ اٹلی کے فوجیوں کے اس تشدد کے خلاف جب احتجاج ہوا تو شہادتیں نہ ملنے کا بہانہ بنا کر اٹلی کے فوجیوں کو نیک نامی کا سرٹیفکیٹ دے دیا گیا مگر اب حال ہی میں ایک ہفت روزہ نیوز میگزین نے باقاعدہ تصویروں کے ساتھ جنسی و جسمانی تشدد کے دلخراش مناظر کو شائع کیا ہے۔ یاد رہے کہ مسلم ملک البانیہ میں متعین اٹلی کے امن فوجی دستوں کے بارے میں بھی ایسی ہی شکایات سننے میں آ رہی ہیں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ صلیبی سرب ہوں یا اطالوی، عام دہشت گرد ہوں یا امن مشن کے فوجی مسلم دشمنی میں مسلمانوں پر تشدد اور جنسی جرائم کا ارتکاب کرنا ان کا مقدس مشن ہے۔

جنسی اعضاء بجلی کی تاروں سے باندھ دیئے گئے

نیوز میگزین ”پینو راما“ میں ٹارچر اور جنسی تشدد کی جو تصاویر شائع ہوئی ہیں یہ فولگور رجمنٹ سے متعلق ہیں۔ یہ تصاویر صومالیہ میں اٹلی کے ایک پیرا ٹروپر نے اتاریں اور بعد میں بھاری معاوضہ لے کر ”پینو راما“ کو فروخت کر دیں۔ تصاویر میں صومالیوں کو بالکل ننگا دکھایا گیا ہے۔ بعض تصاویر میں صومالیوں کو پیٹا جا رہا ہے اور بعض میں جنسی اعضاء کے ساتھ بجلی کی تاریں بندھی ہوئی ہیں۔ بعض تصاویر میں صومالیوں کو باندھ کر ان کے جسموں کو سگریٹوں سے

جلایا گیا ہے۔ تصاویر کے ایک سلسلے میں ایک نوجوان صومالی لڑکی کے ساتھ اٹلی کے کئی فوجیوں کو جنسی تشدد کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

بجلی کی کرسی

فوٹوگرافر میکلیلی پیڑونو کا کہنا ہے کہ اس کی رجمنٹ میں جنسی تشدد روز کا معمول تھا۔ مقامی لوگوں کو خوراک اور پانی مانگنے پر ریزروائر کے پیچھے پھینک دیا جاتا تھا۔ بعض کو بجلی کی کرسی پر بٹھا کر مار دیا جاتا تھا۔ اور بعض جنسی تشدد کی تاب نہ لا کر مر جاتے۔ رجمنٹ میں کم از کم 15 اموات جنسی تشدد سے واقع ہوئیں۔

1000 ہزار افراد ہلاک کیے

کئی دیگر فوجیوں کا بھی کہنا ہے کہ اٹلی کے فوجی دستے صومالی عورتوں کے ساتھ اجتماعی عصمت دری کے جرم میں بھی ملوث ہیں۔ اٹلی کے فوجی مقامی لوگوں کو "بطور فن" ہلاک کر دیتے اور بعض کو اپنی مشق کا نشانہ بناتے۔ صومالیہ میں امن مشن کے نام پر ظلم کیا گیا۔ ایک اور فوجی مینی ڈینو برینی نے اعتراف کیا کہ اٹلی میں امن مشن کے بارے میں ویسی ہی خبریں پہنچائی جا رہی تھیں جنہیں سن کر لوگ خوش ہوں۔ میں بھی صومالیہ میں ایک مشنری جذبہ کے ساتھ گیا تھا مگر حقیقی صورت حال انتہائی کریہہ اور بیزار کن نکلی۔ اس نے بتایا کہ ایک موقع پر ہم نے مسلسل ۲۴ گھنٹے فائر کیا۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ صرف ۱۶۰ افراد ہلاک ہوئے ہیں جبکہ اصل تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی۔ برینی کا کہنا ہے کہ اصل مشن تو جنگ کو روکنا اور بھوکوں کو خوراک دینا تھا۔ برینی مزید کہتا ہے کہ اٹلی کے فوجی جرنیل اور سیاستدان نہیں چاہتے کہ حقائق باہر آئیں۔ اٹلی کے وزیر دفاع کا کہنا ہے کہ چند فوجی طلباء نے معمولی جرائم کیے ہیں جب کہ فولگور رجمنٹ کے کمانڈر کا کہنا ہے کہ "صومالیہ ہمارے لئے کوئی ویتنام نہیں ہے۔" یعنی صومالیہ ایک مسلمان ملک ہے اور اس میں ہر ظلم کا ثواب ہے۔ اٹلی کو پریشانی صرف یہ ہے کہ اس کے فوجی دستوں کے ظلم کے حقائق اس وقت باتصویر شائع ہوئے ہیں جب البانیہ میں اس کا کردار زیر بحث ہے۔ البانیہ اور صومالیہ جہاں دونوں مسلمان ملک میں وہاں ماضی میں دونوں اٹلی کے زیر قبضہ بھی رہ چکے ہیں۔ عالمی دباؤ کے تحت اٹلی کی حکومت نے انکوائری تو شروع کر دی ہے مگر

انکوائری میں حقائق کو کس طرح چھپایا جائے گا یہ سب جانتے ہیں۔

بلجیئم کے سپاہیوں پر بھی سنگین الزامات ہیں۔ ان پر ایک صومالی بچے کو آگ پر زندہ بھوننے اور ایک دوسرے بچے کو زبردستی کیڑے مکوڑے کھلانے کے علاوہ قتل و غارت کے الزامات بھی ہیں۔ کینیڈا کے صلیبی دستوں پر بھی ایسے ہی الزامات ہیں۔

اقوام متحدہ کی افواج کے ہاتھوں

صومالی مسلمانوں پر مظالم کا انکشاف

اقوام متحدہ کی تنظیم دنیا میں امن و سلامتی قائم کرنے اور انسانیت کو جنگ و جدال سے دور رکھنے کی غرض سے وجود میں لائی گئی تھی، مگر اس ادارے کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے اپنی خصوصی افواج کے ذریعے جس ملک یا علاقے کا بھی رخ کیا وہاں ایسے ظلم و زیادتی کی داستان چھوڑی جس کی مثال ماضی میں بہت کم ملتی ہے۔ بوسنیا میں انسانیت سوز مظالم کی داستانیں اسی ادارے اور اس کے نمائندوں کی سرکردگی میں ترتیب دی جاتی رہیں۔ حال ہی میں اس ادارے کی افواج کا صومال سے متعلق ایک اور کارنامہ سامنے آیا۔ افریقی مسلم ملک صومال ۱۹۹۱ء سے خانہ جنگی کی لپیٹ میں آچکا تھا، جس کی وجہ سے نہ صرف ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں بلکہ صومالیہ کا سارا علاقہ قحط سالی کی مہلک لپیٹ میں آگیا جس کے نتیجے میں ہزاروں نوجوان بچے بوڑھے اور عورتیں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ خانہ جنگی اور قحط سالی جیسی آفتوں سے دوچار صومالی مسلمانوں پر ۱۹۹۲ء میں ایک تیسری آفت اقوام متحدہ کی افواج کی شکل میں آن پڑی جس کی قیادت امریکی افواج کر رہی تھیں۔ اور جس میں اٹلی، بیلجیئم کے علاوہ دیگر یورپی ممالک کی فوج بھی شامل تھی۔ اقوام متحدہ نے اس فوجی آپریشن کا نام تو "مایوسی سے امید کی جانب" رکھا تھا، مگر اس کی افواج کے جو انسانیت سوز کارنامے حال ہی میں اٹلی کے میگزین نے شائع کیے ہیں وہ اقوام متحدہ سے وابستہ تمام امیدوں پر پانی پھیرنے کے لئے کافی ہیں۔ میگزین کے مطابق اٹلی کی افواج کا صومالی مسلمان مردوں اور عورتوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک آج سے چار سو سال قبل ہی منظر عام پر آجاتا، اگر اس وقت صومال میں مقیم اٹلی ہی کے ایک صحافی مرد اور عورت کا قتل نہ

ہوا ہوتا، کیونکہ مذکورہ مقتولین نے اٹلی کی فوج کے ان تمام اعمال کی معلومات جمع کر رکھی تھیں۔ میگزین کے مطابق اٹلی اور بیلجیئم کے فوجی جب کسی صومالی مسلمان کو شک کی بنیاد پر گرفتار کر لیتے تو اس سے اعتراف جرم کروانے کی غرض سے اس کے جسم میں بجلی دوڑاتے، کئی دن اس کو بھوکا اور پیاسا رکھتے زنجیروں میں باندھ کر اس کو کڑی دھوپ میں کئی گھنٹے کپڑوں کے بغیر تپتی ریت پر لٹایا جاتا، ان سزاؤں کے بعد بھی جو سخت جان زندہ رہ جاتے، انہیں صومال کی اس پولیس کے حوالے کر دیا جاتا جو اقوام متحدہ کی افواج کے ساتھ تعاون کر رہی ہوتی، مذکورہ پولیس ایسے افراد کو غیر ملکی افواج کے ساتھ جنگ کرنے کے جرم میں موت کی سزا سنا دیتی۔ ایک مسلمان نوجوان کو انھوں نے فٹ بال کی شکل میں رسیوں سے جکڑ دیا اور پھر کئی گھنٹے اس کو بال کی شکل میں دھکے دیتے رہے، ایک مسلمان عورت کے جسم پر دستی بم باندھ کر ایک دن اور ایک رات مسلسل اس کو خوفزدہ کرتے رہے۔ ان حقائق کا انکشاف مذکورہ میگزین نے ان افواج کے چند ممبران سے انٹرویو کے بعد مع تصاویر کیا ہے، اس میگزین کے علاوہ صومال کی ایک مسلم تنظیم نے بھی انہیں سے ملتے جلتے حقائق کا انکشاف کیا ہے، اس تنظیم کا کہنا ہے کہ اٹلی کی افواج نے اپنے قیام کے دوران اسلحہ کی تفتیش کے بہانے کئی ایسے گھروں کو زمین بوس کر دیا جو قرآنی مدارس کے طور پر استعمال کئے جا رہے تھے، وہ عمداً رہائشی علاقوں میں جنون کی حد تک تیزی سے اپنی فوجی گاڑیاں دوڑاتے تا کہ آس پاس کے افراد خصوصاً عورتوں کو خوفزدہ کر سکیں اور جب کوئی اس پر احتجاج کرتا تو وہ دھر لیا جاتا۔ یہ تو چند انکشافات ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ ان کے علاوہ کتنے ایسے دہشت زدہ راز ہوں گے جو ان فوجیوں سے سزا یافتہ مسلمانوں کے ساتھ ہی زمین میں دفن ہو چکے ہوں گے۔

* * *

باب نمبر 18

مختلف ممالک میں مسلمانوں کا قتل عام

یوگنڈا میں سرکاری فوج کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام

یوگنڈا میں برسراقتدار طبقے کی طرف سے مسلمانوں کے قتل عام میں اقوام متحدہ کا کمیشن برائے مہاجرین بھی نادانستہ طور پر شریک ہو گیا ہے۔ کیونکہ ہائی کمیشن زائر اور سوڈان میں آباد یوگنڈا کے ۱۵ لاکھ مہاجرین کو مسلسل یقین دلاتا رہا کہ ان کی وطن واپسی میں کوئی خطرہ نہیں لیکن ہوا یہ کہ مہاجرین جیسے ہی اپنے وطن پہنچے انہیں پولیس نے گرفتار کر لیا۔ اور تفتیش کے بعد انہیں مشتبہ گردانتے ہوئے فوجیوں کے سپرد کر دیا۔ زیادہ تر افراد ہلاک کر دیئے گئے اور اس سے پہلے انہیں بری طرح مارا پیٹا گیا اور بری طرح اذیت پہنچائی گئی۔ گھروں کو واپس آنے والے بہت سے افراد جو زائرے سے آئے تھے قتل کر دیئے گئے اور باقی زیادہ تر افراد ابھی گرفتار ہیں۔

تازہ ترین شکار حاجی صابری ہوئے جو مغربی نیل کے علاقے کے ممتاز مسلم رہنما تھے۔ یوگنڈا کے ہزاروں مسلمانوں نے ۱۹۷۹ء میں جب ملک چھوڑا وہ بھی یہاں سے چلے گئے، اس وقت فوجیوں نے مسلمانوں کو تشدد کا نشانہ بنانا شروع کیا تھا۔ وہ زائرے کے ایک مہاجر کیمپ میں چلے گئے تھے۔ اور وہاں کسمپرسی کی حالت میں رہنے کو ترجیح دی۔ حکومت یوگنڈا کے مسلسل پروپیگنڈے اور ہائی کمیشن برائے مہاجرین کی یقین دہانی پر انھوں نے یوگنڈا جانے کا فیصلہ کیا۔ ۲۸ مئی کو وہ اپنے قصبے ھرواسے جو نیل غربی کا دارالحکومت بھی ہے وہاں پہنچے۔ وہاں ان کے پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد ہی انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ دو ہفتے وہ ان کی تحویل میں رکھنے کے بعد سرکاری طور پر ۱۴ جون کو فوج کے حوالے کر دیئے گئے۔ حاجی صابری سے متعلق خصوصی ہدایات کمپالا سے وصول ہوئیں اور ان پر ۱۷ جون کو ساری رات ڈنڈے برسائے گئے ان کا جسم جلایا گیا اور الیکٹرک شاک پہنچائے گئے، وہ دوسری صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے اپنی جان

جان آفرین کے سپرد کر گئے۔ حاجی صابری مشتبہ افراد کی فہرست میں ''مطہرت رساں'' گردانے گئے تھے۔ یہ فہرستیں صدر راوبوٹیکی براہ راست نگرانی میں کام کرنے والے محکمہ سیکورٹی نے تیار کی تھی۔ اس محکمہ کو خصوصی اختیارات کے علاوہ خصوصی ذرائع بھی حاصل ہیں، واضح رہے کہ ملک کے بجٹ کا دس فیصد اس محکمہ کے لئے مختص کیا گیا ہے) یہ محکمہ کمپیوٹر کی سہولت رکھتا ہے اور اسپیشل سیکورٹی کے جوان ''کمپیوٹر مین'' کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کے پاس ''کمپیوٹر پرنٹ شیٹس'' ہوتی ہیں جو وہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ ان کا معمول ہے کہ جہاں کوئی مشکل آن پڑے یا حکومت کے خلاف کوئی بات ہو تو رپورٹ تیار کریں۔ غالب گمان یہی ہے کہ گذشتہ سال ۶ جولائی کو کمپالا سے ۲۵ میل دور ایک دیہات ''بویو'' میں مسجد کے اندر زبردستی گھسنے والے یہی ''کمپیوٹر مین'' تھے انھوں نے جبراً مسجد میں گھس کر چھ آدمیوں کو گھسیٹ کر نکالا۔ جہاں سینکڑوں افراد عید الفطر کی نماز کے لئے جمع ہوئے تھے اور ان کے سامنے ان کی گردنیں اڑا دیں۔ خیال رہے کہ یہ افراد اس کاتمبا، محمد صفیر بنتے، سلیمان زاوا، موسیٰ کاہنگری، محمد زنگیزا اور شیخ کاتمنگیر اور ان کے کمپیوٹر پر تھے۔ مگر حاجی جابری کے معاملے میں کمپیوٹر مین نے فوج کی خدمات حاصل کیں تاکہ ان سے یہ غلیظ کام لیا جائے۔

اس فورس میں پانچ ہزار قوی افراد جن میں صدر راوبوٹے کے قبیلے کے ۱۰ اچوی ۱۰ اور لانگو کے افراد بھی شامل ہیں، تربیت اور اسلحہ فراہم کرتے ہیں۔ اس فورس نے اب تک اندازاً ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔ اس اسپیشل فورس کو نارتھ کورین تربیت دیتے ہیں جو انہیں ایسا گروہ بنا رہے ہیں جو بغاوت یا سرکشی کچلنے کے لئے قتال کر سکیں۔ اس فورس کا مقصد حکومت کو مخالف گوریلوں سے محفوظ کرنا ہے۔

یوگنڈا کی حالت بڑی ابتر ہے۔ زرعی ترقی ختم ہو چکی ہے۔ لوگ گاؤں خالی کر کے کیمپوں میں منتقل ہو رہے ہیں۔ ڈیڑھ لاکھ افراد ان کیمپوں کو جا چکے ہیں یہ کیمپ لوویرا اور ملحقہ علاقوں میں واقع ہیں۔

یوگنڈا کے اسپیشل فورس کے نان کمیشن افراد کو نارتھ کورینز تربیت دیتے ہیں جبکہ افسران کو برطانوی اور امریکی انسٹرکٹرز تربیت دیتے ہیں۔ حال ہی میں یوگنڈا کے ۸ فوجی افسران امریکہ سے تربیت حاصل کر کے آئے ہیں۔ انھوں نے ملٹری کالج سے گریجویشن کیا تھا۔

یوگنڈا میں نارتھ کوریا کے کمیونسٹ انسٹرکٹرز فوجی جوانوں کو روسی اسلحہ کے استعمال کا

طریقہ بتاتے ہیں۔ یہ اسلحہ انہیں عموماً مصر اور سوڈان کی جانب سے ملتا ہے۔ تاہم مصری حکومت نے اسلحہ کی فراہمی کی تردید کی ہے جبکہ یوگنڈا کے سینئر فوجی افسر قاہرہ سے ہتھیاروں کی سپلائی کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور یوٹو کی حکومت کو تقریباً ۵۰ ملین امریکی ڈالر کے روسی ہتھیار قیام حکومت کے پہلے سال ہی بھیجے گئے تھے کہ امریکہ بھی اس علاقے میں خصوصی دلچسپی رکھتا ہے۔

ادھر ملٹن اوبوئے کی حکومت نے بھی اپنا زبردست پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے۔ یہ حکومت کہتی ہے کہ ۳ لاکھ مہاجر زائرے اور سوڈان سے واپس آ چکے ہیں جبکہ اقوام متحدہ کے ادارے یو این سی ایچ آر کا کہنا ہے کہ صرف دس ہزار مہاجرین کی واپسی عمل میں آئی ہے۔ جن میں سے اکثریت کا تعلق زائرے سے ہے تاہم کمپالا کی حکومت مہاجرین کو خوف و ہراس سے نجات نہیں دلا سکی۔

* * *

کمبوڈیا کے مسلمانوں کا قتل عام

کمبوڈیا کے مسلمان شیخ کا پیٹ پھاڑ کر ہاتھ میں انتڑیاں اٹھائے بازار میں چلنے پر مجبور کیا گیا

کمبوڈیا مشرقی ایشیا کا ملک ہے جہاں بدھ ازم کے پیروکاروں کی تعداد ایک کروڑ کے لگ بھگ اور مسلمانوں کی تعداد کم و بیش دس لاکھ بیان کی جاتی ہے، ویسے تو اس ملک کی مسلم اقلیت ہمیشہ بدھ اکثریت کے دباؤ اور مظالم کی شکار رہی ہے لیکن سابقہ کیمونسٹ حکومت کے وحشیانہ مظالم کی تفصیلات اب دھیرے دھیرے منظر عام پر آ رہی ہیں۔ کیمونسٹ لیڈر پال پوٹ کی سربراہی میں اس حکومت نے مسلمانوں کو جس درندگی اور بہیمیت کا نشانہ بنایا اس کے بارے میں ہفت روزہ ”العالم الاسلامی“ مکہ مکرمہ نے ۱۸ مارچ ۹۶ء کی اشاعت میں کچھ تفصیلات شائع کی ہیں جن کے مطابق ۷۵ء سے ۷۹ء تک کیمونسٹ حکومت کے ہاتھوں سات ہزار کے قریب مسلمان شہید ہوئے اور علماء کرام اس تشدد کا بطور خاص نشانہ بنے۔ مسلمانوں کے بڑے مفتی حاجی ریس لوئیس شہید کو ابلتے پانی میں پھینکا گیا اور جب گوشت گل گیا تو مذبوحہ جانور کی طرح درخت سے لٹکا دیا گیا۔ ایک اور مذہبی راہنما الشیخ سلیم سلیمان شہید کا پیٹ پھاڑ کر انہیں اپنی انتڑیاں ہاتھوں میں اٹھائے بازار میں چلنے پر مجبور کیا گیا۔ متعدد علماء اور غیور مسلمان ہجرت کر کے ملیشیا، امریکہ اور فرانس چلے گئے۔ رپورٹ کے مطابق کمبوڈیا میں مسلمانوں کی ایک ہی مسجد تھی جو موریطانیہ کی حکومت نے تعمیر کرائی تھی لیکن اسے بھی ناچ گانے اور کھیل کود کے مرکز میں تبدیل کر دیا گیا۔

پال پاٹ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد اب تشدد کی وہ کیفیت تو نہیں ہے لیکن کمبوڈیا کے مظلوم مسلمان اپنی مذہبی شناخت کے تحفظ اور بچوں کی دینی تعلیم و تربیت اور مذہبی مراکز کے قیام کے لئے دنیا بھر کے مسلمانوں کی توجہ کے مستحق ہیں۔

کمبوڈیا میں ۵ لاکھ مسلمانوں کا قتل

وائس آف امریکہ کی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ کمبوڈیا میں کھیمر وج فوجوں نے پانچ لاکھ کے قریب مسلمانوں کو گزشتہ ۲۰ برسوں کے دوران قتل کیا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق بدھ مذہب سے تعلق رکھنے والی اکثریتی آبادی والے ملک کمبوڈیا میں کئی برس پہلے سات لاکھ کے لگ بھگ مسلمان آباد تھے جو سب کے سب سنی العقیدہ تھے۔ بعد میں کھیمر وج فوج نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ بیشتر لوگ قتل کر دیے گئے۔ ہزاروں افراد دوسرے ملکوں کو نقل مکانی کر گئے اور آج کمبوڈیا میں صرف دو لاکھ ۳۰ ہزار کے لگ بھگ مسلمان ہیں۔ یہ مسلمان چمپہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ کمبوڈیا میں مسلمان بستیوں میں پہلے ۲۶۳ مساجد تھیں جو اب کم ہو کر صرف ۸ تک رہ گئی ہیں۔ کھیمر وج فوج نے مساجد کو جنگلی جانوروں اور مویشیوں کے باڑوں کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا جو اسلامی عقیدے کی بدترین توہین کے مترادف ہے۔

☆

کمبوچیا سے مسلمانوں کا صفایا

اپریل ۱۹۷۵ء میں جب سے کمبوچیا میں خمروج نے اقتدار سنبھالا ہے، وہاں پر خوف و دہشت کی حکمرانی ہے، کمیونسٹ پول پوٹ حکومت مسلسل ایسی پالیسی پر عمل کر رہی ہے جس کا مقصد ایسے تمام عناصر کا صفایا کرنا ہے جن سے حکومت کو ذرا بھی خطرہ ہے، یا ان کے بارے میں کوئی شبہ ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ چھان پھٹک کبھی ختم نہیں ہوگی اس اصلی انقلابی حکومت کے طرفدار کون کون ہیں۔

پہلے پہل حکومت کی تنظیم ''انکا'' نے معزول لون نول حکومت کے افسران اور اہلکاروں کے علاوہ طلباء ڈاکٹروں اور اساتذہ کو قتل کرنا شروع کیا۔ ان کو جس پر بھی یہ شک گزرا کہ وہ لون نول حکومت کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہے، اس کو بلاتردد موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان کے ہاتھوں سے صرف مزدور اور کسان بچ رہے، مگر ان پر بھی وہی کڑی پابندیاں عائد کی گئیں جو دوسرے طبقوں پر تھیں۔

گذشتہ چند ماہ سے جب سے ویت نام کے ساتھ سرحدی تنازعہ شروع ہوا ہے، خمروج نے اپنی ہی صفوں میں چھانٹی شروع کر دی ہے، کمبوچیا کی فوج کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ویت نام اور تھائی لینڈ کی سرحدوں کے ساتھ آبادی سے مکمل خالی بفرزون قائم کر لیں تاکہ اندرونی کنٹرول کے ساتھ ساتھ بیرونی طور پر بھی بالکل محفوظ ہو جائیں۔

کمبوچیا کے مسلمانوں پر کلہاڑے اور بھالوں سے حملہ

خمروج کے موت کے ہرکارے (ڈیتھ اسکواڈ) اب تک جگہ جگہ موجود ہیں اور قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ گذشتہ سال اکتوبر میں ویت نام اور کمبوچیا کی سرحد پر آباد ایک گاؤں کو مکمل طور پر اجاڑ دیا گیا، لوگوں کو کلہاڑیوں اور بھالوں سے بری طرح مارا گیا اور ۳۰ افراد کے سر قلم کر دیئے گئے۔ ایک خاتون مسز روث کا سات ماہ کا حمل نکال کر ان کی چھاتی پر دھر دیا گیا۔ واٹم خاندان کے سر اتار کر ایک میز پر سجا دیئے گئے اور ان کی آنتوں کو ایک جگہ ڈھیر کر دیا گیا۔ مسٹر کوانگ کی اہلیہ کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ان کا پانچ ماہ کا حمل نکال دیا گیا اور پھر

ان کی چھاتیاں کاٹ دی گئیں، انتقام کی آگ پھر بھی سرخ نہ ہوئی تو جسم تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ان کے ۲ سالہ بچے کو بیچ سے چیر کر ایک کنویں میں پھینک دیا۔ گذشتہ ہفتے کمپوچیا کا ایک پناہ گزین کسی طرح بچ کر تھائی لینڈ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ خمروج کے ان درندوں نے ایک قصبہ کے ۸۷ آدمیوں کو پکڑ لیا ان کو جنگل میں لے جا کر سب کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے اور انہیں گھٹنوں کے بل بیٹھنے پر مجبور کیا گیا اس کے بعد ایک بیلچے سے ان کی گردنوں اور کمر پر مشق ستم شروع کر دی گئی۔ تین گھنٹے تک یہ مشغلہ جاری رہا۔ مظلوموں کے اس گروہ میں یہ شخص سیم سوٹ تنا کٹ بھی شامل تھا۔ اسے جب ہوش آیا تو یہ ایک گڑھے میں نعشوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ بمشکل تمام نکل کر باہر آئے تو خاندان کے سب افراد کا قیمہ بن چکا تھا۔ اس کے بھی سر سے خون جاری تھا۔ اور کمر کا گوشت کئی جگہ سے اڑ چکا تھا۔ مگر معلوم ایسا ہوتا تھا کہ اس کو بیلچے کی الٹی طرف سے مارا گیا ہے۔ اسی عالم میں کسی نہ کسی طرح وہ تھائی لینڈ کی سرحد تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

کمیونسٹوں کے اقتدار کے بعد 10 لاکھ افراد مارے گئے

۱۹۷۵ء میں کمپوچیا کی کل آبادی ۷۵ لاکھ تھی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ جب سے کمیونسٹوں نے اقتدار سنبھالا دس لاکھ افراد مارے جا چکے ہیں۔ دارالحکومت نوم پنہ کی آبادی ۳ سال بیشتر ۳۰ لاکھ تھی۔ مگر اب بمشکل دس ہزار افراد اس شہر میں رہتے ہیں جو زیادہ تر سرکاری ملازمین یا مزدور پیشہ ہیں، کمپوچیا کے لیڈر کا دعویٰ ہے کہ دارالحکومت میں اب بھی ۲ لاکھ افراد موجود ہیں۔ اگر اس دعویٰ کو بھی صحیح مان لیا جائے تو بھی ۳۰ لاکھ اور ۲ لاکھ میں بہت فرق ہے۔ بہر صورت اس شہر میں کمیونسٹوں کے قبضہ کے بعد ہزاروں افراد کو شہر خالی کرانے کی کوششوں میں مار ڈالا گیا۔ ایک اندازہ کے مطابق بہت سے دیہاتوں میں ۳۰ تا ۸۰ فیصد افراد ختم کر دیئے گئے۔

کمپوچیا کے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کی سازش

آخر کمپوچیا میں خمروج کی سنگینوں تلے کیسے رہا جائے؟ بہت سے پناہ گزین جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے کمپوچیا کو چھوڑ کر امن کی تلاش میں تھائی لینڈ اور ملائیشیا کا رخ کر چکے ہیں۔ یہ بتاتے ہیں کہ وہاں ہر اس شخص کو بہیمانہ طریقے سے قتل کر دیا جاتا ہے جو کسی بھی حکم کی

خلاف ورزی کا مرتکب قرار دیا جائے۔ دیہات کی آبادی باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ ختم کی جارہی ہے۔ ان سے زبردستی بیگار لی جاتی ہے اور بہت معمولی مقدار میں گھٹیا کھانا دیا جاتا ہے مذہبی جماعتوں کے تشخص کو مٹانے کی غرض سے ان کو خاص طور پر ہر طرح کے تشدد اور قید و بند کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ بنیادی حقوق کا تو سوال ہی نہیں ہے اور یہ سب کچھ انقلاب کے نام پر ہورہا ہے۔ ایک نئے معاشرے کی تشکیل ہورہی ہے۔

کمیونسٹوں کے تسلط سے پہلے کمپوچیا میں مسلمان ۵ لاکھ کی تعداد میں آباد تھے۔ یعنی کل آبادی کے ۷ فیصد تھے۔ ان مسلمانوں کی اکثریت کا تعلق چام نسل سے ہے جنھوں نے پندرہویں صدی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ ان کی سب سے بڑی آبادی کمپونگ ضلع چام میں تھی۔ جہاں ان کی تعداد ۲ لاکھ تھی۔ اس ضلع میں ۵۹ مساجد تھیں۔ ان کی زبان الگ ہے جو عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ مگر اب کمیونسٹ حکومت کمپوچیا سے مسلمانوں کو نیست و نابود کردینے کے لئے ان کے خلاف باقاعدہ مہم چلارہی ہے۔

جو افراد کمپوچیا میں اپنا گھر بار اور عزیز و اقارب چھوڑ کر آئے ہیں وہ ظلم کی جو داستانیں بیان کرتے ہیں ان کو سن کر انسانیت کا ضمیر لرز اٹھتا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

”میں کمپونگ چام سے جان بچا کر فرار ہوا۔ تھائی لینڈ تک گرتے پڑتے ۷ ماہ میں پہنچا۔ ۱۶ افراد اور راہ میں مل گئے مگر ہمیں خمروج کے درندوں نے دیکھ لیا اور بلاتوقف گولیوں کی بوچھاڑ کردی۔ ۱۶ افراد وہیں پر ختم ہوگئے۔ میں اکیلا شخص تھا جو بچنے میں کامیاب ہوگیا۔ ایک نقشے اور کمپاس کی مدد سے جنگل میں چھپتا چھپاتا تھائی لینڈ پہنچ گیا۔ کمیونسٹ حکومت کے ہاتھوں ہمارے ہزاروں مسلمان بھائی طرح طرح کی تکالیف برداشت کررہے ہیں۔ ان کو جنگل اور جھاڑیاں صاف کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور پیٹ بھر کر روٹی بھی نہیں ملتی۔ مثال کے طور پر سو آدمیوں کو ایک دن کی خوراک دودھ کے تیس ڈبوں کے برابر چاول دیئے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے دور رکھا جاتا ہے ان کو آپس میں ملنے جلنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہر مسلم خاندان کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ۱۹ غیر مسلم خاندانوں کے درمیان رہے اور انہیں کے ساتھ کھائے پئے۔ سابقہ حکومت کے بہت سے مسلم افسران ہلاک کئے جاچکے ہیں۔ ان میں کرنل حمزہ، کرنل سیٹ میٹ، سیکنڈ لیفٹیننٹ لی بچھانوتگ، کیپٹن یوک رینی اور نوم پنہہ میں سرپرروڈ حلقہ کے نمائندہ واسایان بھی شامل ہیں۔

۱۷ اپریل ۱۹۷۵ء وہ منحوس دن تھا جب تیموری حمزا کمپوچیا پر کمیونسٹوں نے قبضہ جمالیا۔ اس دن سے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے بے گھر کیا جا رہا ہے۔ بہانہ یہ ہے کہ ان کی یہ مستقل عارضی ہے کہ حکومت دیہات کی تعمیر نو کرے۔ جونہی یہ مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑتے ہیں ان کی تمام جائیداد پر فوجی قبضہ کر لیتے ہیں۔ ان کو بے سروسامانی کے عالم میں گھر چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں، مسلمان بخوبی جانتے ہیں کہ اب یہاں دوبارہ بسنا اور اپنی چیزوں کو برتنا نصیب نہیں ہوگا۔ صرف تن پر کپڑے اور کچھ کھانے کے ایک تھیلے میں ڈال کر نکل کھڑے ہوتے ہیں، جن کو اتنا موقع بھی نہیں ملتا کہ وہ کچھ خوراک ہی اپنے ساتھ لے سکیں، وہ ناچار بھوکوں مرتے ہیں۔ ایسے مناظر کا دیکھنا بھی دل گردے کا کام ہے۔

صرف یہی نہیں کہ مسمانوں کا گھر بار چھین کر ان کو بھوکا رہنے پر مجبور کیا جا رہا ہے بلکہ مسجدوں کے دروازے بھی بند کر دیئے گئے ہیں۔ کسی کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ایک ہی جگہ نہیں ہو رہا بلکہ کمپونگ دیراس پیرک آجی، دریا، سوائی کھلپا تنگ، تمبک کمپونگ دکھیا، سومبرا اور چام کے علاقوں میں تبوتنگ کھیم ضلع میں بھی یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھنے پر شہید کر دیا گیا

وسط جون ۱۹۷۵ء میں ایک جمعہ کے دن جبکہ مسلمان جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے، تیبر کا انچارج ایک کمیونسٹ لیڈر ریبرن سمیت اپنے آدمیوں کے ساتھ چڑھ دوڑا اور مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ نماز چھوڑ کر اس کی تقریر سنیں مجبوراً تقریر سنی گئی، مگر یہ تقریر کمیونسٹوں کے توسیعی مقاصد کی طرح لمبی ہوتی چلی گئی۔ کچھ مسلمان جمعہ کا وقت نکل جانے کے خطرہ کے پیش نظر نماز پڑھنے گھروں کو چلے گئے اور نماز پڑھ کر فوراً واپس آ گئے۔ مگر انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کے اس اقدام سے کیا قیامت ٹوٹے گی۔ اس توہین پر چراغ پا ہو کر کمیونسٹوں نے فوراً ہی مسلمان رہنماؤں مثلاً قاضی امام طیب احمد توان شاہد علی اور کئی دوسروں کو گرفتار کر کے مجمع کے بیچ میں کھڑا کر کے گولی سے اڑا دیا۔

اس واقعہ کے بعد سے کمیونسٹوں نے مسلمان آبادیوں کو منتشر کرنا شروع کر دیا تھا کہ وہ کہیں چند سو کی تعداد میں بھی اکٹھا نہ ہو سکیں، یہی نہیں بلکہ خاندانوں کو بھی منتشر کر دیا گیا۔ نوعمر لڑکوں، لڑکیوں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو زبردستی والدین سے جدا کر دیا گیا۔ اور اب والدین

پر بچوں کی پرورش کی ذمہ داری بھی نہیں رہی، یہ کام مختلف تنظیموں نے سنبھال لیا ہے جو شروع ہی سے ناپختہ ذہنوں کو اپنے نظریات کے مطابق ڈھال رہے ہیں۔

اوگادین کے مسلمانوں کی پکار کون سنے گا؟

مغربی استعمار کے ظالمانہ ہتھکنڈوں نے صومالیہ جو کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی سلطنت تھی کو اٹلی، فرانس اور برطانیہ کے درمیان پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا تھا جن میں سے دو حصے ایک شمالی صومالیہ جو کہ برطانوی استعمار کے قبضے میں تھا اور دوسرا جنوبی صومالیہ جو اٹلی استعمار کے قبضے میں تھا، آزاد ہو کر ایک متحدہ مملکت کی صورت میں دنیا کے نقشے پر موجود ہیں۔ اور صومالیہ کا تیسرا حصہ موجودہ جیبوتی جو کہ فرانس کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا ایک مستقل مملکت کی صورت میں موجود ہے۔ اور چوتھے حصہ پر کینیا نے قبضہ جمایا ہوا ہے۔ اور صومالیہ کا پانچواں حصہ اوگادین اب تک عالمی یہودیت اور نصرانیت کی مدد سے ظالم ایتھوپیا کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔

اوگادین کے مجاہدین کے بلند عزائم اور ان کی چستی دیکھتے ہوئے ضروری معلوم ہوا کہ عالم اسلام کے اس حصے پر کچھ نہ کچھ روشنی پڑنی چاہیے جس سے مسلمان بالکل غافل ہو چکے ہیں۔ اور جس پر لاپرواہی کی دبیز تہوں نے نسیان کے پردے ڈال دیئے ہیں۔ اوگادین کے مجاہدین کی طرف کوئی قابل قدر توجہ نہیں کی گئی۔ جو کہ چٹانوں کو اپنے پاؤں سے توڑنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اور ظالم درندوں کے چنگل میں اپنی حیات مستعار کے سانس پورے کر رہے ہیں۔

اوگادین جغرافیائی لحاظ سے

اوگادین کی سرحد مغرب میں ایتھوپیا، مشرق اور جنوب میں صومالیہ، جنوب مغرب میں کینیا اور شمال میں جیبوتی سے ملتی ہے۔ اوگادین چھ لاکھ مربع کلومیٹرز مین پر پھیلا ہوا ایسا ملک ہے جس کی آب و ہوا معتدل ہے۔ خزاں اور بہار بارشوں کے موسم میں۔ البتہ سردی اور گرمی

میں بارش نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور بسا اوقات کسی موسم میں بھی بارش نہیں ہوتی۔ جس کی وجہ سے جانوروں کے لئے چارہ تک مہیا نہیں ہو پاتا۔ اوگادین کا شمار زرعی ممالک میں ہوتا ہے۔ اوگادین کی آبادی تقریباً ۶۰ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے جو کہ تمام مسلمان ہے۔ لیکن اب عیسائی مشینری اوگادین کے مسلمانوں کے ناگفتہ بہ حالات اور معاشی تنگی اور اقتصادی مشکلات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھرپور کوشش کر رہی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کے قدم ڈگمگا جائیں۔ اور وہ نصرانیت کی اشاعت میں کامیاب ہو جائیں۔ لیکن یہاں کے باشندے ایک طویل دور غلامی کاٹنے اور ذلیل ایتھوپیا کے چنگل میں رہنے کے باوجود اسلام کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں۔ اسی طرح صیہونیت اور مارکسی نظام ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ کسی طرح وہ افریقہ کے قلب میں اسلام کے اثر کو زائل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

اوگادین اقتصادی لحاظ سے

کسی ملک کی اقتصادی حالت کا دارومدار اس کی زراعت پر ہوتا ہے۔ اوگادین کی زراعت کی بنیاد دو نہروں (جوبا) اور (شبیلی) پر ہے۔ لیکن اب تک مسلسل کئی حکومتوں نے اس طرف بھرپور توجہ نہیں دی۔ جس سے ان دونوں نہروں سے کما حقہ استفادہ کیا جاتا۔ اور غذائی مواد اور اناج میں ملک خود کفیل ہو جاتا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس وقت عام لوگ غریب اور ملی لحاظ سے کمزور ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ملک میں امن و امان کی کمی ہے۔ اور حکومت اور مجاہدین کے درمیان لڑائی رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اسباب نہیں ہیں جن سے ملک ترقی کر سکتا۔

اگادین صحت کے لحاظ سے

اس خطے میں دوسرے ممالک کی طرح علاج معالجے کی سہولیات اور حفظان صحت کے اسباب کی شدید کمی ہے۔ جس کی طرف بالکل توجہ نہیں دی گئی۔ اور نہ ایتھوپیا کی حکومت نے اس کے لئے کوئی قابل ذکر ہسپتال یا مرکز صحت موجود رہنے دیا ہے۔ خصوصاً اس وقت معاملے کی نزاکت مزید بڑھ گئی جبکہ ہزاروں صومالی باشندوں نے 1991ء کی خانہ جنگی کے بعد اپنے وطن اصلی کی طرف لوٹنا شروع کیا، جس سے مزید امراض پھیلتے چلے گئے، اور صحت کا فقدان شدید تر ہو گیا۔

تاریخی لحاظ سے

اس خطے میں اسلام کی بنیاد بہت پرانی ہے۔ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حضورﷺ کی اجازت سے پہلی اور دوسری ہجرت حبشہ، حضرت عثمان غنیؓ کی قیادت میں کی تو یہاں کا عیسائی بادشاہ مسلمان ہوگیا اور عوام کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد اگرچہ عیسائی بادشاہ آتے لیکن عوام میں اسلام پھیلتا چلا گیا۔ اور بحمد اللہ اب تمام باشندے مسلمان ہیں۔

چونکہ اوگادین ایسے خطے میں واقع ہے جس پر ایتھوپیا کے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان شروع سے تنازع چلا آیا ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے جانبین میں متعدد جنگیں بھی لڑی گئی ہیں۔ لیکن یہ جنگیں فیصلہ کن نتیجے تک پہنچنے سے پہلے ختم ہو جاتی تھیں۔ لیکن نویں صدی ہجری (۱۲ عیسویں) میں ایک ایسا شخص نمودار ہوا جسے امام احمد بن ابراہیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس نے مسلمانوں کو اپنے ارد گرد جمع کیا اور اپنی قیادت کا سکہ مسلمانوں سے منوالیا۔ آپ نے اپنی قیادت اور محنت سے بہت سے حبشی عیسائیوں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور بہت سے نصرانی صرف آپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ آپ کی اس کامیابی نے صلیبیوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا، حتیٰ کہ باہر کے صلیبی اپنے حبشی ہم مذہبوں کی مدد کو پہنچ آئے۔ اور انہوں نے پے در پے کئی حملے کئے۔ جس کی مسلمانوں کو پہچان تک نہ تھی۔ یہاں تک کہ امام احمد بن ابراہیم اور ان کے اکثر ساتھی ان جنگوں میں کام آئے۔ اور اس طرح یہ تاریخ ۱۵۵۳ء پر آ کر ختم ہو گئی۔ اسی طرح سے ۱۶۹۷ء سے ۱۹۲۰ء تک دراویش کے نام سے جہادی تحریک سید محمد عبداللہ کی قیادت میں چلتی رہی۔ جس نے مسلمان عوام کے دلوں میں برطانوی استعمار کے خلاف نفرت اور جذبہ جہاد کو بھر دیا تھا۔ اور جب اس جہادی تحریک نے استعمار کو مسلسل شکست سے دوچار کیا تو قابض قوتوں نے پہلی مرتبہ جنگی لڑاکا طیاروں سے مدد حاصل کرتے ہوئے سید عبداللہ کی جہادی تحریک کو دبانے میں کامیابی حاصل کی۔ اور مجاہدین کے تمام ٹھکانوں پر قبضہ کرلیا۔ حتیٰ کہ یہ جہادی تحریکیں اب بھی مختلف شکلوں میں موجود ہیں۔ اور اب اوگادین میں اتحاد اسلامی ان تحریکات کی قیادت کر رہی ہے۔

اوگادین فوجی لحاظ سے:۔ سن ۱۹۷۷ء میں ”اوگادین کی لڑائی“ کے نام سے ایک جنگ

شروع ہوئی جسے تحریک آزادو (مغربی) صومالیہ کا نام دیا گیا۔ جس میں تحریک کے کارکن بڑے بڑے شہروں اور اہم مرکزی مقامات پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور دشمن کے پاس سوائے بڑے شہروں کے کچھ بھی نہیں رہا۔ اس وقت باقاعدہ فوجی کاروائی کی گئی۔ تاکہ ایتھوپیا کے استعماری باقی ماندہ قبضہ کو ختم کیا جا سکے۔ اور بحالی امن کا عمل شروع ہو گیا۔ لیکن امن کاروائی مکمل ہونے سے پہلے ہی سیاد بری کو اشارہ کر دیا گیا کہ وہ اپنی فوجیں واپس بلا لے۔ لہذا روسی فوج کی مدد سے وہ اپنی فوجیں واپس لے جائے۔ اسی لڑائی سے صومالیہ میں سیاد بری۔ اور ایتھوپیا میں ہیلی ماریام کا زوال شروع ہو گیا۔

۱۹۹۱ء میں ہیلی ماریام کی حکومت کے زوال کے بعد ایک کٹر عیسائی قبیلہ نے ملس زیناوی کی قیادت میں ایتھوپیا کی حکومت ء پر قبضہ کر لیا۔ اور اعلان کیا کہ دو سال بعد تمام قومیتوں کو آزادی دی جائے گی۔ اور اسی مدت کو دستور کی تیاری کے لئے منتخب کیا گیا۔ لیکن دو سال بعد ان کے پیش کردہ دستور نے ان کی دھوکہ بازی اور فریب کاری کا پردہ چاک کر دیا جس کی آڑ لے کر انہوں نے اپنے آپ کو فوجی اور اقتصادی لحاظ سے مضبوط کیا ہے۔ نئے دستور میں انہوں نے حق خود ارادیت کے حصول کے لئے یہ شرط لگا دی کہ کسی قوم کو یہ حق اس وقت حاصل ہوگا جب کہ دوسرے تمام ممالک اس کے حصول میں اس کی موافقت کریں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو ان کے دھوکے کا احساس ہوا اور انہوں نے اتحاد اسلامی اوگادین کی قیادت میں اپنا ملک واگزار کرانے کی ٹھان لی۔

اتحاد اسلامی اوگادین:۔ اتحاد اسلامی اوگادین نے صومالیہ میں ایتھوپیا کے مہاجرین کے قائم شدہ کیمپوں میں جنم لیا۔ اور وہیں سے اس کے ذمہ داروں نے اپنی دعوت کو پھیلانا شروع کیا۔ اتحاد اسلامی اوگادین کے بانیوں کا مہاجرین کو دعوت دینے کا بڑا مقصد اور نظریہ یہ تھا کہ مہاجرین میں موجود نوجوانوں اور مسلمانوں کی روحانی اور فکری تربیت کی جائے۔ اور ان کو دینی نہج پر چلایا جائے۔ کچھ عرصہ تک تو ان کی دعوت محدود رہی۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد جب کہ اتحاد اسلامی نے پروان چڑھنا شروع کیا۔ اور اس تنظیم میں کچھ نشاط پیدا ہوا۔ اور ان کی اسلاف کی طرز والی دعوت پر لوگوں نے لبیک کہا۔ تو آخر یہ فکری دعوت جہاد کا روپ دھارنے لگی۔ اور اس لئے بھی حکومت کی نظروں میں یہ کھٹکنے لگی کہ اتحاد اسلامی کے سربرآوردہ لوگوں نے عوام کی فکری اور روحانی تربیت، پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے لئے جسمانی تربیت۔ اور بدنی

ورزش کا بھی اہتمام کیا اور ان کی عسکری تربت کے لئے ٹریننگ سنٹر بنائے۔ اور ہر ہر شہر اور گاؤں میں دفاتر کھولے۔ اب اتحاد اسلامیہ اور حکومت میں ٹھن گئی۔ اور ایتھوپیا کی حکومت نے فیصلہ کرلیا کہ اتحاد اسلامی کے مراکز اور دفاتر کو بند کر دیا جائے۔ چنانچہ 11-8-92 کو ایتھوپی عیسائی فوجیوں کے ایک بہت بڑے لشکر نے جس میں دو ہزار جنگجو افراد ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھے ہلوپی میں اتحاد اسلامی کے معسکر طارق بن زیاد پر شدید حملہ کر دیا۔ کئی گھنٹے تک مجاہدین اور عیسائیوں میں زبردست مقابلہ ہوتا رہا۔ جس میں بحمد اللہ مجاہدین بھی شہید ہوئے۔ جس میں شیخ عبداللہ بدی (عبداللہ محمد آدم) اتحاد اسلامی کے امیر اور شیخ کے نائب اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل عبداللہ احمد قاسم شامل ہیں۔ اور اس کے بعد ایتھوپی فوجیں ذلت اور رسوائی اور بدنامی لے کر واپس لوٹیں۔ اس حملہ کے بعد ایتھوپیا حکومت۔ فوج اور اتحاد اسلامی کے درمیان کسی قسم کی مصالحت یا مفاہمت کے دروازے مکمل طور پر بند ہو گئے۔ اور اس کے بعد بھی متعدد بڑے بڑے معرکے پیش آئے۔ جس میں مجاہدین نے ثابت قدمی اور دشمن نے بزدلی کا مظاہرہ کیا۔

مجاہدین کی کاروائیاں:۔

ان معرکوں سے ایک 28-8-92 کو قرہ کے نام سے لڑا جانے والا معرکہ ہے۔ جس میں مجاہدین نے صلیبی فوجوں کی خوب خبر لی۔ اس معرکہ میں ۲۹۱ فوجی مردار اور ۱۲ مجاہد شہید ہوئے۔ شہید ہونے والوں میں مجاہدین کے کمانڈر احمد ولی شامل ہیں۔ جبکہ اس معرکہ میں مجاہدین نے بہت سا اسلحہ غنیمت میں حاصل کیا۔

11-12-92 کو بید کے معرکہ میں دشمن، نے مجاہدین کے ایک مرکز پر حملہ کر دیا۔ جو گیارہ گھنٹوں تک جاری رہا۔ جس میں ۱۲۰ ر عیسائی فوجی مارے گئے۔ چار فوجی گاڑیاں تباہ ہوئیں۔ جبکہ ۲۹ مجاہد شہید ہوئے۔

ایتھوپی فوجوں اور مجاہدین کے درمیان سب سے سخت معرکہ 19-3-84 کو قبری دھر کے قریب لڑا گیا۔ جو مسلسل چار دن تک جاری رہا۔ جس میں ۸۰ سے زائد فوجی مردار ہوئے۔ اور مجاہدین نے بہت بڑی تعداد میں فوجی سامان مال غنیمت میں حاصل کیا۔ جب کہ اس معرکہ میں ۲۰ مجاہد بھی شہید ہوئے۔

13-4-94 کو مجاہدین نے دشمن کے ایک فوجی کیمپ پر حملہ کیا۔ جو کہ گنج گاؤں کے قریب واقع تھا۔ جس میں دودن کی شدید لڑائی کے دوران دشمن کو زبردست جانی اور مالی نقصان پہنچانے کے بعد مجاہدین نے اس کیمپ پر قبضہ کرلیا۔ اس کیمپ کی اہمیت اور عسکری نوعیت کو دیکھتے ہوئے اس کی فتح مجاہدین کے لئے قلت مال وتعداد کے باوجود اللہ کی طرف سے ایک بہت بڑی نصرت اور مدد سے کم نہیں ہے۔ مجاہدین نے قلت اسباب کے باوجود اس قسم کے معرکے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اور عیسائیوں کی مالی پشت پناہی اور یورپی امداد کے باوجود مسلمانوں کے حوصلے بلند ہیں۔ اس لئے کہ ان کی نظریں اللہ کی نصرت اور اپنے بھائیوں کے تعاون کی طرف لگی ہیں۔ جس سے وہ ناامید نہیں ہیں۔ اور عالم اسلام کے مسلمانوں پر یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ جس کو پورا کرنے کے لئے انہیں تیار رہنا چاہئے۔

اوگادین کے سیاسی حالات:۔ اوگادین کے باشندوں کے ایتھوپیا کی حکومت کے حق خود ارادیت دینے کے جھوٹے وعدوں سے مایوس ہونے کے بعد اب اوگادین میں ایتھوپیا سے علیحدگی کا مطالبہ زور پکڑ گیا ہے۔ اور سیاسی قیادت کی طرف سے بھی مسلمانوں کی مستقل خود مختار حکومت کے قیام کا مطالبہ سامنے آگیا ہے۔ جس کی وجہ سے ایتھوپیا کی حکومت کی مشکلات میں اضافہ ہوگیا ہے۔ جس کو دبانے کے لئے ایتھوپی حکومت نے اوگادین کے صدر اور اس کے نائب احمد علی طاہر کو حالیہ مجاہدین کی کاروائیوں کو سامنے رکھ کر ان پر بدامنی پھیلانے کا الزام لگا کر معطل کر کے ان کی جگہ نئی حکومت تشکیل دیدی ہے اور ان کے علاوہ بھی دوسرے قائدین کو گرفتار کرلیا ہے۔ جس میں دارالحکومت کی مرکزی مسجد کے خطیب بھی شامل ہیں۔

حال ہی میں ایتھوپیا کی حکومت کے صدر ملس زیناوی نے علاقے کا دورہ کیا ہے۔ جس میں اس نے پارلیمنٹ کے ارکان کے علاوہ ۷۰ روسا قبائل سے ملاقات کی ہے۔ جس میں اس نے مجاہدین کے خلاف ان کی حمایت حاصل کرنے اور انہیں فیڈریشن کے انتخابات میں شرکت کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس کا یہ دورہ بالکل بے سود رہا۔ کیونکہ ان تمام لوگوں نے اس کے تمام مطالبات مسترد کردیئے ہیں اور انہوں نے ایتھوپیا سے علیحدگی کے اپنے مطالبے کو اپنی جگہ برقرار رکھا ہے۔ اس لئے اوگادین کے باشندوں کا انتخابات میں حصہ لینے کا کوئی امکان بظاہر نظر نہیں آتا۔

لائبیریا کے مسلمانوں کی جانب سے نیشنل پیٹریاٹک فرنٹ آف لائبیریا پر ایک ہزار مساجد اور اسلامی اسکول تباہ کرنے کا الزام

مسلمانوں نے الزام لگایا ہے کہ لائبیریا کی پندرہ ماہ کی خانہ جنگی کے دوران چارلس ٹیلر کے نیشنل پیٹریاٹک فرنٹ آف لائبیریا (این پی ایف ایل) نے ایک ہزار سے زائد مساجد اور اسلامی اسکولوں کی بے حرمتی کی، انہیں مسمار کیا اور جلا کر راکھ کر ڈالا۔ movement for the redemption of liberian musiims (لائبیریا کے مسلمانوں کی تحریک نجات) کے ایک بیان میں، جو لائبیریا کے سیاسی مستقبل کے موضوع پر منعقدہ ایک قومی کانفرنس میں پڑھ کر سنایا گیا، ان ظالمانہ کارروائیوں کے لئے ٹیلر کے زیر اثر سب سے بڑے باغی گروہ کو مورد الزام ٹھہرایا گیا۔

بیان میں کہا گیا کہ "ہم نے بہت سی وحشت ناک کارروائیوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ہمارے اماموں کے سر کاٹ کر عام نمائش کے لیے قرآن پر رکھے گئے۔ ہمارے ہزاروں مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو قتل کیا گیا، ان کی جائدادیں تباہ کر دی گئیں اور قرآن کے نسخے نذر آتش کیے گئے حالانکہ ان تمام کارروائیوں کی کوئی معقول وجہ موجود نہ تھی۔" بیان میں تمام متحارب فریقوں کو غیر مسلح کرنے اور ایک نئی قومی فوج تشکیل دینے کا مطالبہ کیا گیا، جس میں تمام لائبیریائی گروپوں کو برابر کی نمائندگی حاصل ہو۔ باغیوں کے ہاتھوں تباہ شدہ یا نقصان زدہ مساجد کی تعمیر اور بے گھر مسلمانوں کی آبادکاری کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ اگست 1990ء میں مغربی افریقی ریاستوں کی اقتصادی برادری نے امن کا جو منصوبہ پیش کیا تھا اور جس کے تحت مغربی افریقہ کی "فوج برائے بحالی امن" لائبیریا روانہ کی گئی تھی، بیان میں تحریک کی طرف سے اس کی ایک بار پھر توثیق کی گئی۔

دسمبر 1989ء میں این پی ایف ایل کی کامیاب بغاوت شروع ہونے سے پہلے جس

نے آنجہانی صدر سموئیل ڈو کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا، لائبیریا کی 24 لاکھ آبادی میں مسلمانوں کا تناسب پندرہ فیصد تھا۔ مسلمان دور ٹیلر کے حامیوں کے حملے کا نشانہ بنے، جو انہیں سموئیل ڈو کے حامی گردانتے تھے۔

لیبیریا کے مسلمانوں کا قتل عام

بعض پادریوں کے تعاون سے لیبیریا' میں انتہا پسندوں کے داخلہ کے بہ سبب وہاں

مسلمانوں کی حالت قابل رحم اور ناگفتہ بہ ہے۔ باوثوق ذرائع کے مطابق صرف ''شہر کاکانا'' میں دو سو پچاس مسلمان قتل کر دیے گئے جب کہ پانچ سو بے گناہ مسلمان پناہ گزینوں کو جن کی اکثریت عورتوں اور بچوں پر مشتمل تھی بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

گنی میں عیسائیوں نے 190 مسلمان شہید کر دیئے ہیں

کوناکری (اے پی پی) سیرالیون اور لائبریا کے عیسائی باشندوں نے گنی کوناکری کے مسلم باشندوں کے خلاف ایک بار پھر مسلح حملہ کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں کم از کم ایک سو نوے افراد ہلاک اور پانچ سو سے زائد زخمی ہو گئے ہیں۔ علاقے سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق ہلاک اور زخمی ہونے والوں کے علاوہ درجنوں افراد لاپتہ ہیں جبکہ مسلمانوں کی املاک اور کھیتوں کو بھی حملہ آوروں نے تباہ و برباد کر دیا ہے جس کے باعث مسلمان بچے، خواتین اور ضعیف افراد خوراک اور پناہ کی تلاش میں ہیں۔ جدہ میں اسلامک ریلیف آرگنائزیشن کے مطابق ان افراد نے مسلم دنیا سے جلد از جلد امداد روانہ کرنے کی اپیل کی ہے۔ اس اپیل کے مطابق سیرالیون اور لائبریا کے حملے تیز کر دیئے ہیں۔ تاہم بین الاقوامی دنیا نے اس صورتحال کو روکنے کے لئے کوئی انتظامات نہیں کئے ہیں۔

19 کشمیر میں ۸۰ ہزار بچوں عورتوں اور مردوں کا قتل عام

مقبوضہ کشمیر میں ماہ جولائی 2000ء کے دوران ہونے والی
اموات، گرفتاریوں اور دیگر مظالم کا گوشوارہ

نمبر	تفصیل	پہلا ہفتہ	دوسرا ہفتہ	تیسرا ہفتہ	چوتھا ہفتہ	میزان
1	مجاہدین شہید ہوئے	20	18	40	52	130
2	مجاہدین زخمی ہوئے	18	8	7	4	37
3	مجاہدین گرفتار ہوئے	3	4	13	7	27
4	شہری شہید ہوئے	38	30	48	20	146
5	شہری زخمی ہوئے	22	41	28	23	114
6	شہری گرفتار ہوئے	50	137	53	21	261
7	بھارتی فوجی ہلاک ہوئے	33	40	44	68	185
8	بھارتی فوجی زخمی ہوئے	35	36	40	23	154
9	بھارتی فوجی گاڑیاں تباہ ہوئیں	3	2	2	4	11
10	بھارتی فوجیوں نے رہائشی مکان جلائے	20	7	15	20	62
11	بھارتی فوجیوں نے مسلم خواتین کی بے حرمتی کی	13	22	6	6	47
12	مقامی پولیس ہلاک ہوئی	3	2	5	5	15
13	مقامی پولیس زخمی ہوئی	7	2	1	3	13
14	آزاد کشمیر کے شہری جو جنگ بندی کے اس پار سے بھارتی گولہ باری سے شہید ہوئے	1	11	6	3	21
15	آزاد کشمیر کے شہری جو زخمی ہوئے	2	8	2	1	13

جولائی 1988ء سے جولائی 2000ء کے اواخر تک شہید، زخمی اور گرفتار ہونے والوں بھارتی افواج کی ہوس کا نشانہ بننے والی خواتین اور نذر آتش کی گئی عمارتوں اور دکانوں کی کل تعداد حسب ذیل ہے۔

نمبر شمار	تفصیل	تعداد
1	شہید	60002
2	زخمی	99926
3	گرفتاری	92908
4	آتش زنی	27485
5	خواتین کی بے حرمتی	17472

نوٹ :-

مذکورہ بالا تعداد میں مقبوضہ ریاست کے دور دراز اور دشوار گزار علاقوں میں شہید ہونے والے وہ ہزاروں شہداء شامل نہیں ہیں جن کی شہادت کی خبریں میڈیا تک نہیں پہنچ سکتیں۔

80000 ہزار سے زیادہ کشمیری بھارتی گولیوں کا نشانہ بنے

کشمیر: اقوام متحدہ نے اپنی شمشیر کشمیریوں کے خلاف وعدۂ استصواب رائے کے پھندوں میں کس کر استعمال کی۔ اور اقوام متحدہ نے چند سال قبل اپنی 50 ویں سال گرہ منائی لیکن اپنا وعدہ وفا نہ کر کے اسی نصف صدی میں خون کے دریا میں کشمیر کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ کشمیر تڑپ رہا ہے۔ اس کے جسم پر دنیا کی سپر پاورز فاتحانہ انداز میں کسی بن مانس کی طرح سینہ دونوں ہاتھوں سے پیٹ پیٹ کر فتح کا نعرہ لگا رہی ہیں۔ کئی لاکھ لوگ 52 سال میں شہید و مجروح ہوئے یا انہیں مجبوراً ہجرت کرنی پڑی۔ 1989ء سے 1999ء تک 80,000 سے

زیادہ کشمیری بھارتی گولیوں کا نشانہ بنے۔ عورتیں بے آبرو کی گئیں وہ بھی اجتماعی طریقے سے۔ صرف یہی نہیں بلکہ گھر جلائے گئے، مسمار کیے گئے اور مساجد کی بے حرمتی کی گئی اور جلائی یا مسمار کی گئیں۔ دنیا تماشا دیکھ رہی ہے اور نہ جانے کب تک جوانوں، بوڑھوں اور بچوں کو مصائب کے پہاڑ تلے زندگی بسر کرنی پڑے گی۔ بھارت نے پاکستان پر دو دفعہ جنگ تھوپی اور تیسری دفعہ پاکستان کے مشرقی بازو کو پاکستان سے الگ کر دیا۔ دنیا نے بھارت کا ساتھ دیا۔ کارگل کے مسئلے پر دنیا پاکستان کے خلاف ہوگئی مگر جب ماضی میں بھارت نے سیاچن پر قبضہ کیا تو پاکستان نے کچھ نہ کہا۔ اسی طرح بھارت نے گزشتہ سال 11 اور 13 مئی کو ایٹمی دھماکہ کیا، دنیا نے درگزر کیا لیکن پاکستان۔ نے 28 مئی کو جوابی دھماکہ کیا تو دنیا میں قیامت آگئی۔ پوری عیسائی اور یہودی دنیا ہندو بھارت کے ساتھ ہوگئی۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے ذریعے معاشی دھمکیاں عام ہوگئیں۔ امریکہ جس نے ہمیشہ پاکستان کو چین اور روس کے خلاف استعمال کیا خود خم ٹھونک کر پاکستان کے خلاف ہوگیا۔ حد تو یہ کہ یہی اقوام متحدہ، یہی بڑی قوتیں نہ صرف کشمیر کے معاملے میں بے حس ہوگئیں بلکہ اقوام متحدہ کے عہد و پیماں پر کان دھرنے کو تیار نہیں۔ یعنی یہ بڑی طاقتیں ہندو بھارت کو مسلمانان کشمیر کے کچلنے، ان کے قتل ہونے کو خاموش رہ کر جائز قرار دے رہی ہیں۔ ان کے دعوئی میں کہاں تک صداقت ہے، جب خون ارزاں ہو جائے اور ظلم ظلم نہ رہے۔ کیا یہی انصاف ہے؟ کیا یہی جمہوریت اور انسانیت کے تقاضے ہیں؟

پورے گاؤں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا

مذکورہ دونوں گاؤں سے ایک کلومیٹر دور 8 جولائی 90ء کی صبح مسلح نوجوانوں نے سی آر پی ایف کی گشتی پارٹی پر گھات لگا کر حملہ کیا۔ 4 گھنٹے بعد اس حملے کا بدلہ سی آر پی ایف کے ایک ہزار سپاہیوں نے جائے واردات سے ایک کلومیٹر دور واقع ان دونوں گاؤں کے مکینوں سے لیا۔ سی آر پی ۔نے دونوں گاؤں کا محاصرہ کر کے انہیں آگ لگا دی۔ جلتے ہوئے مکانوں سے نکل کر بھاگتے ہوئے 4 افراد کو گولی مار دی اور ایک پاگل شخص غلام نبی وانی کو زندہ جلا دیا گیا۔

ہلاک شدگان میں کالج (سری نگر) میں زیر تعلیم بی ایس سی کا 22 سالہ طالب عالم محمد افضل میر بھی شامل ہے۔

گاؤں میں موجود چند بوڑھوں نے بتایا کہ مقامی آبادی گاؤں سے ہجرت کر گئی ہے۔ پورا گاؤں راکھ کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔ زندہ جلے ہوئے جانوروں کی لاشوں سے تعفن اٹھ رہا تھا اور گاؤں کے کنارے پر آدھ جلی مسجد کسی گزرے ہوئے آگ کے طوفان کا پتہ دے رہی تھی۔ مکانوں کے ملبے پر بیٹھے ہوئے ایسے بہت سے بچے ملے جن کا مستقبل ان کے غریب والدین کے جلتے مکانوں کے ساتھ ہی تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ انہی خاکستر مکانوں کے درمیان خاک نشیمن میں کچھ تلاش کرتا، بی ایس سی کا طالب علم غلام محمد بھی ملا۔ آج اس طالب علم کا کل اثاثہ جسم پر جھولتے گندے کپڑے دو، جیب میں رکھے ہوئے دو روپے کی معمولی سی رقم اور آنکھوں میں تیرتے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ لیکن اس تمام نقصان کے باوجود یہ طالب علم ہراساں نہیں ہے۔ کھیت کی پگڈنڈیوں پر دور تک میرے ساتھ دوڑتے ہوئے یہ نوجوان کہتا ہے:

''ہم خوفزدہ نہیں ہوں گے، آزادی کے لئے قربانی دینی ہی پڑتی ہے۔ ہمارا گھر بھی آزادی کی راہ میں جل کر تباہ ہو گیا، یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہماری جانیں بھی جائیں گی۔''

میں اس نوجوان سے معلوم کرتا ہوں کہ کیا وہ بھی مسلح تربیت حاصل کر چکا ہے؟

''ابھی نہیں...... لیکن میں نے ماں سے اس کی اجازت لے لی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہی تربیت لوں لیکن اب اس انتظار کا موقع نہیں ...... میں اب جلد ہی تربیت حاصل کرنے جاؤں گا۔'' پگڈنڈی پر ننگے پاؤں چلتے ہوئے اس نوجوان کے جملے پوری طرح سے کشمیری معاشرے کی موجودہ ذہنی کیفیت کے غماز ہیں۔

ہولناک منظر............ انسانی گوشت کی بارش

''جب مجھے فوری طور پر ایک جیپ میں سوار کرا کے پاکستانی علاقہ کی سرحد کے پاس کٹھوعہ کی طرف لے گئے، گیہوں کے ایک کھیت میں جس میں کہیں کہیں فصل کٹ چکی تھی، میں نے ایک وسیع رقبہ پر انسانی گوشت کے کٹے ہوئے اور کچلے ہوئے ٹکڑوں کی بارش دیکھی، یعنی ہر جانب گوشت کے لوتھڑوں کی بکھیر تھی۔ انسانی نعشیں ٹینکوں اور کیٹر پلروں کے نیچے کچلی ہوئی

پڑی تھیں جن کے نشان پاکستانی علاقہ سے دور تک چلے جاتے تھے۔ گجرات کے سول ہسپتال میں میں نے ظلم وتشدد کے ایک شکار کو دیکھا جس کا راجوری سے زندہ نکلنا ایک کرشمہ سے کم نہ تھا۔ اس کی گردن اور جسم کے گوشت کا قیمہ ہوا تھا، اس کی کلائی پر دو بڑی بڑی خون آلود بدھیاں پڑی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ کھکریوں اور سنگینوں سے عذاب دینے سے پہلے اس کی مشکیں کسی گئی تھیں۔ میڈیکل آفیسر نے میرے اس اندازہ کی صحت کی تصدیق کی۔ اسی قسم کے دوسرے ہولناک واقعات بھی تھے جو مظلوموں نے سنائے۔

امریکی فرینڈز سروس کے ایک نمائندے نے اعتراف کیا کہ یہ ظلم انسانی قوت برداشت کی ہر حد سے باہر تھا۔” میں نے سول ہسپتال گجرات میں ایک اور مظلوم کسان کو دیکھا جس کا ہاتھ کلائی پر سے کٹا ہوا تھا، ریوالور کی ایک گولی سینہ میں پیوست تھی اور وہ اپنی مختصر سرگزشت غم سنانے کے لئے زندہ تھا۔

بھارتی بدمست افواج کے اختیارات

دنیا کی آنکھوں کے سامنے بھارتی حکومت نے کشمیر ڈسٹربڈ ایریا ایکٹ نافذ کر کے جنگلی درندوں کو بھی شرمندہ کر دیا، اس قانون کے تحت اپنی 6 لاکھ بدمست افواج کو اختیار دیا کہ:

☆ ...... پانچ سے زیادہ افراد جمع ہوں تو گولیوں سے اڑا ڈالو۔
☆ ...... کسی بھی راہ چلتے مسافر کو شک کی بنیاد پر گولی مار دو۔
☆ ...... کوئی اجازت نامہ لئے بغیر بلا روک ٹوک گھروں کی تلاشی لو۔
☆ ...... کسی بھی شخص کو شبہ کی بنیاد پر گرفتار کر لو۔
☆ ...... کشمیر میں دہشت گردوں (عوام) کی بستیاں نذر آتش کر دو۔

اس شرمناک قانون کی زد میں معصوم بچے، عزت ماب خواتین، ناتواں بوڑھے، بھرے پرے گھر، بستے شہر اور لہلہاتے باغ آئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں لوگوں کی لاشیں تڑپنے لگیں، گھروں کا سامان لٹنے لگا، عصمتیں مجروح ہونے لگیں۔ جیلیں اور عقوبت خانے بھر گئے۔ بستیاں، مارکیٹیں، اسکول اور باغات سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے۔ انسان خور قابض بھارتی فوجیوں کو ڈسٹربڈ ایریا ایکٹ کی آڑ میں وہ کھلی چھٹی ملی کہ ان کے ظلم سے زمین و آسمان کانپنے لگے۔ انسانی حقوق کی پامالی شاید ہی دنیا کے کسی کونے میں اس طرح سے کی گئی ہو۔ اس

قانون کے نافذ ہوتے ہی سری نگر، بارہ مولہ، اسلام آباد، پلوامہ، جموں شہر، کشتواڑ اور دوسرے علاقوں میں بدمست بھارتی فوجیوں نے جشن فتح منایا اور جگہ جگہ جانوروں کی طرح دھاڑتے رہے:۔

''ہم نے صرف چار گھنٹے میں مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنایا تھا۔ اب ایک گھنٹے ہی میں پاکستانیوں کو سبق سکھادیں گے۔''

جس روز یہ قانون نافذ ہوا سری نگر شہر میں رات کے وقت وسیع پیمانے پر فائرنگ کر کے بھارتی سپاہیوں نے اپنی ''دھاک بیٹھنے'' کا ثبوت فراہم کیا۔ ان کی اس فائرنگ اور جنگلی قانون کا پہلا نشانہ مجبور کدل کے عبدالغنی نقاش کی ساٹھ سالہ بیوہ بنی۔

اندھادھند فائرنگ اور ''شک کے فائدے'' نے سینکڑوں افراد کو لقمہ اجل بنادیا۔ مرنے والوں کی خبر دیتے وقت بھارت کا ریڈیو دیدہ دلیری سے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے کہ دنیا کے سامنے بھارت اور اس کے حکمران قطعاً معصوم، بے گناہ اور فرشتے محسوس ہوتے ہیں۔

نذیر احمد کے نازک اعضاء کو ڈوری سے باندھ دیا گیا تا کہ پیشاب خارج نہ کر سکے

سونہ وار (سری نگر) کے نذیر احمد کنٹونمنٹ بورڈ کے معزز رکن ہیں۔ ان کو ان کی رہائش گاہ سے متصل چھاؤنی کے فوجیوں نے وارنٹ دکھائے بغیر گرفتار کرلیا۔ 55 سالہ نذیر احمد کو پہلے فوجیوں نے خوب زدوکوب کیا، بجلی کے جھٹکے دیئے، سگریٹ سے جلایا گیا، تشدد کے یہ تمام طریقے اختیار کرنے کے بعد افسر نے نیا طریقہ اختیار کیا۔ تشدد سے زخمی نذیر احمد کا دو روز تک علاج کیا گیا، دو روز بعد قدرے افاقہ ہونے پر انہیں تیز مرچوں والا کھانا کھلایا گیا، کھانے کے بعد پانچ گلاس دہی پلایا گیا جس کے نتیجے میں نذیر احمد کو شدید پیاس محسوس ہوئی، تو انہیں بار بار پانی پلایا گیا۔ ایک طرف تو یہ مہربانیاں، دوسری طرف فوجیوں نے نذیر احمد کے نازک جسمانی اعضاء کو ڈوری سے کس کر باندھ دیا تا کہ پیشاب خارج نہ ہو سکے۔ دو روز تک فوجی ان کو بار بار پانی پلاتے رہے۔ ایک طرف سے مسلسل پانی پیتے رہنے، دوسری طرف پیشاب خارج نہ

ہونے دینے سے نذیر احمد کا پیٹ پھول گیا۔ اسی حالت میں انہیں پانی کے حوض میں ڈال دیا گیا۔ حوض کے پانی میں بار بار کرنٹ چھوڑ کر انہیں بجلی کے جھٹکے دیئے گئے۔ تین روز تک نذیر احمد اسی کیفیت سے دوچار رہے۔ اس کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا۔

نذیر احمد رہا تو ہو گئے لیکن اس انوکھے انداز جفا نے ان کے دونوں گردے بیکار کر دیئے۔ طویل علاج کے باوجود نذیر احمد بستر پر مفلوجوں کی سی زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہیں۔ ایک محدود سروے کے مطابق ڈیڑھ سال کی مختصر مدت میں سترہ ہزار افراد ٹارچر سیلوں میں تشدد کے نت نئے طریقوں کا نشانہ بن چکے ہیں جن میں سے تقریباً 9 ہزار افراد مفلوج جنسی، طور پر ناکارہ یا متعدد بیماریوں کے شکار ہو گئے ہیں۔ متاثرین میں 15 فیصد نابالغ بچے ہیں، اس لئے وادی کے عوام کا خیال ہے کہ بھارت ایک طرف کشمیریوں کی نسل کشی کر رہا ہے تو دوسری طرف افزائش نسل کے راستے غیر محسوس طریقے سے مسدود کر رہا ہے۔ اس خدشے کا اظہار کشمیر کے ہر اس فرد نے کیا جس سے میں نے گفتگو کی۔

کروڑوں کی جائیداد آگ کے شعلوں کی نذر

سوپور کو اب تک تین مرتبہ آگ کے شعلوں کی نذر کیا جا چکا ہے۔ ۲۶ جون ۱۹۹۰ء کو مسلح نیم فوجی دستوں نے شہید مارکیٹ اور مین بازار کو نذر آتش کیا۔ جس میں لاکھوں روپے کی جائیداد دکانیں اور مکانات جل کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوئے ہیں۔ اس واقعہ کے ٹھیک ایک ماہ بعد ۲۶ جولائی کو پھر ”سیکورٹی فورسز“ نے ایک پنڈت کی ہلاکت کا بہانہ بنا کر اقبال مارکیٹ کے جدید اور خوبصورت بازار کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اس واردات میں بھی کروڑوں روپے کی جائیداد آگ کے شعلوں کی نذر ہوئی۔ سوپور کی مارکیٹیں، بازار اور کاروباری علاقے کو بھسم کر دینے کے بعد تیسری بار آرمپورہ۔ سوپور کے رہائشی علاقے کو نیم فوجی دستوں نے اپنے مظالم کا نشانہ بنایا۔ یہ ۱۹ اور ۲۰ ستمبر ۱۹۹۰ء کی درمیانی رات تھی۔ عام راتوں کی طرح ایک رات لیکن اہل سوپور کے لئے اپنے جلو میں تباہی اور بربادی کا پیغام لانے والی رات اس رات مسلح مجاہدین کے ایک گروپ نے عمر مارکیٹ آرمپورہ میں بانڈی پور جانے والی ایک نیم فوجی پارٹی پر جو تین جپسی جیپ گاڑیوں اور ایک ٹرک پر مشتمل تھی گھات لگا کر حملہ کر دیا۔ کافی دیر تک گولیوں اور دستی بموں کا تبادلہ جاری رہا۔ اس حملے میں تین فوجی جوان ہلاک اور چھ زخمی ہوئے۔

شیر خوار بچے کو دانتوں سے چبا ڈالا

اس واقعہ کے تین گھنٹے بعد بارڈر سیکورٹی فورس کے مسلح دستوں نے پورے علاقے کا گھیراؤ کر لیا۔ گھر گھر تلاشیوں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا مجاہدین فوجیوں کے ہاتھ نہ لگے تو انھوں نے عورتوں کے زیورات اور لاکھوں روپے نقدی سمیت کروڑوں کی مالیت کی قیمتی چیزیں لوٹ لیں۔ ایک ہی گھر کے تین افراد ۴۰ سالہ ثناء اللہ اس کے ۱۶ سالہ بھائی معراج الدین اور ان کے بیس سالہ بہنوئی غلام محمد میر کو گھر سے گھسیٹ کر سر راہ شہید کر دیا گیا۔ مقتولین کے چار رشتے دار خواتین کی عصمت دری کی کوشش میں ناکامی کے بعد انسان نما درندوں نے اسی گھر کے ایک شیر خوار بچے کو دانتوں سے چبا ڈالا۔ یہ تو صرف ایک گھرانے کا تذکرہ ہے۔ اس بدقسمت شہر کے ہر گھرانے کے ساتھ کم وبیش ایسا ہی سلوک کیا گیا۔ جہاں سینکڑوں درندے فوجیوں کا روپ دھار کر اس بستی پر چڑھ دوڑے ہوں گے۔ تو اس بستی کے رہنے والوں پر کیا گزری ہو گی۔ ایک گھر کی مثال ہی اس قیامت کی جھلک دکھانے کے لئے کافی ہے۔

لوٹ مار کے اس عمل سے فارغ ہو کر فوجی دستوں نے عمر مارکیٹ اور آرمپورہ کے دوسرے علاقوں میں بیک وقت ایک درجن سے زائد مقامات پر آگ لگا دی۔ آگ کے مہیب شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ جائے واردات سے ایک سو گز کے فاصلے پر موجود سوپور پولیس تھانے کے عملے نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس آگ کو بجھانے کی کوشش کی لیکن بی ایس ایف کے دستوں نے اندھا دھند فائرنگ کر کے اسے تھانے میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ فائر سروس کا عملہ تھانے کی اطلاع پر آگ بجھانے پر پہنچا تو ان کی گاڑی جے کے بی ۹۸۲۹ پر بھی بے تحاشہ فائرنگ کی گئی۔ جس سے عملے کے دو جوان غلام نبی اور محمد عبداللہ شدید زخمی ہو گئے۔ اس واقعہ میں ۳۸ مکان، ۴۰ دکانیں، ایک اسکول ۸ کوٹھار (غلے کو محفوظ کرنے کی جگہیں) چار گاؤ خانے اور درجنوں مویشی مکمل طور پر جل کر راکھ ہوئے۔ اس لوٹ مار قتل وغارت گری اور آتشزدگی کے دس چشم دید گواہوں میں سے تین کو گھروں سے گھسیٹ کر سڑک پر بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ نام نہاد حفاظتی دستوں نے ایک نو بیاہتا جوڑے کو خون میں نہلا دیا۔ ان کی لاشیں بارہ گھنٹے کے بعد ورثاء کے حوالے کی گئیں۔ ان شہداء کو مزار شہداء میں دفن کیا گیا۔

مجھے کلاشنکوف دو ورنہ مجھے گولی مار دو

ایک نو عمر مجاہد جس کی عمر بمشکل تیرہ سال ہوگی اس کے بارے میں ہمیں بتایا گیا کہ اس نے رات کو کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ پوچھا گیا تو رونے لگا اور بہتے آنسوؤں میں اس نے بتایا، میں یہاں کھانا کھانے نہیں آیا۔ میری مائیں، میری بہنیں، ظالم ہندو فوجیوں کی سنگینوں کے نرغے میں ہیں۔ مجھے ان کی حفاظت کے لئے کلاشنکوف چاہئے۔ مگر پچھلے کئی ہفتوں سے آپ مجھے کھانا کھلا کر ٹال دیتے ہیں۔ مجھے گولی مار دو یا پھر کلاشنکوف دو، ورنہ بھوکا مر جاؤں گا۔''

اس نو عمر مجاہدین نے اپنی داستان بیان کرتے ہوئے بتایا۔

سری نگر کی ہر سڑک پر، پل پر، ہر در و دیوار پر "Indian Dogs Go Back" لکھا ہوا ہے۔ میں ایک دن ایک سڑک پر سے گزر رہا تھا کہ بھارتی کتوں نے مجھے پکڑ لیا اور کہا ''ادھر آؤ پاکستانی کتے!'' ہر کشمیری پاکستانی کتا کہلوانے پر غصہ کے بجائے فخر محسوس کرتا ہے۔ مجھے پکڑ کر انھوں نے کہا'' یہ جو تم نے (بھارتی کتو واپس جاؤ) لکھا ہے اسے اپنی زبان سے مٹاؤ اور بھارت کی جئے'' لکھو۔ اور یہ بھی لکھو کہ پاکستانی کتے ہیں۔'' میں نے انکار کیا۔ اس پر مجھے بہت مارا۔ وہ مارتے رہے اور میں انکار کرتا رہا پھر کہنے لگے۔ ''چلو جئے بھارت اور پاکستان مردہ باد'' کا نعرہ لگاؤ۔'' میں نے زور سے نعرہ لگایا۔ ''پاکستان زندہ باد'' بھارتی کتو! واپس جاؤ۔'' کے نعرے لگاتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ انھوں نے پیچھے سے گولیاں چلانا شروع کر دیں۔ دو تین گولیاں میری ٹانگ میں بھی لگیں (اس نے گولیوں سے زخمی اپنی پنڈلی بھی دکھائی) بھارتی کتوں نے میرے گھر والوں کو بہت تنگ کیا۔ میرے زخم تھوڑے صحیح ہوئے تو میرے ماں باپ نے کہا کہ تم پاکستان چلے جاؤ اور وہاں سے تربیت لے کر واپس آؤ۔ میری بہن نے مجھے رخصت کرتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت واپس آنا جب تم میری عزت کی حفاظت کر سکو اور تمہارے ہاتھ میں بھارتی کتوں کو مارنے کے لئے بندوق ہو اور ہاں میرے لئے بھی پاکستانی بھائیوں سے ایک پستول ضرور لے کر آنا۔''

اپنی بہن کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اس نے مزید بتایا۔ ''میں کئی دن تک برف میں سفر کرتا رہا۔ مسلسل سفر کی وجہ سے زخم بھی خراب ہو چکے تھے لیکن جونہی پاکستان کی زمین پر قدم رکھا ایسے محسوس ہوا کہ مجھے جنت مل گئی ہو، میں نے پاک سرزمین

کی مٹی کو بوسہ دیا۔"

اپنی داستان سنانے کے بعد وہ مجھ سے پوچھنے لگا، بتاؤ! میں یہاں کھانا کیسے کھاؤں، میں اپنی بہن کے پاس کس منہ سے واپس جاؤں۔ میں یہاں مر جاؤں گا، خالی ہاتھ واپس نہیں جاؤں گا، پاکستانی حکومت سے کہو مجھے گولی مار دے یا پھر کلاشنکوف مجھے دے، میں بھارتی کتوں کے ہاتھوں نہیں مرنا چاہتا۔"

شہید آنکھ کھولتا ہے

یہ ۱۹۹۰ء کی بات ہے۔ ایک کشمیری خاتون کو اس کا شوہر یہ بتاتا ہے کہ اس کا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں اس بستی کو ۶۰ ہزار بھارتی فوجی گھیر لیتے ہیں۔ کریک ڈاؤن شروع ہو جاتا ہے۔ وہ خاتون اپنے باورچی خانے میں چاولوں میں نمک اور ہلدی ڈال کر بغیر گوشت کے بریانی بنانے میں مصروف ہے کہ روتے ہوئے بچوں کے لئے کچھ کھانا پکا لیا جائے۔ کریک ڈاؤن کے تحت گھر گھر تلاشی لی جا رہی ہے۔ مردوں کو گھروں سے باہر نکال لیا گیا ہے اور ان پر تشدد کیا جا رہا ہے۔ فائرنگ بھی ہو رہی ہے۔ اس خاتون کی کوشش ہے کہ بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں کی بھوک کو کسی طرح مٹایا جائے۔ ایسے میں جب اس کا شوہر اسے بیٹے کی شہادت کی اطلاع دیتا ہے تو وہ بڑے حوصلے سے اسے سنتی ہے اور خاموش ہو جاتی ہے۔ وہ کوئی ایسا تاثر نہیں دیتی کہ جس سے اندازہ ہو سکے کہ اس نے کوئی غم کی کہانی سنی ہو۔

شام چار بجے جب کریک ڈاؤن ختم ہو جاتا ہے تو وہ اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ آپ تھانے سے اپنے بیٹے کی لاش لے آئیں۔ لاش دیکھ کر وہ اپنے بیٹے سے، شہید بیٹے سے، یہ سوال کرتی ہے کہ بیٹا، مجھے تمہاری شہادت پر تب یقین آئے گا جب تم آنکھ اٹھا کر میری طرف دیکھو گے۔ یقین جانیے کہ وہ شہید آنکھیں کھولتا ہے، مسکراتا ہے اور پھر سو جاتا ہے۔ یہ محض ایک ایمان افروز واقعہ ہی نہیں بلکہ اس جہاد کی حتمی کامیابی کی دلیل بھی ہے۔ یہ معجزات جہاد کشمیر میں رونما ہو رہے ہیں۔ اللہ کی تائید ہمارے شامل حال ہے۔ یہی خاتون اس موقع پر قسم اٹھاتی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ وہ اپنا دوسرا بیٹا بھی جہاد کشمیر میں شہادت کے لئے پیش کرتی ہے۔ یہ ہے وہ کردار جو کشمیری خواتین جہاد کشمیر میں ادا کر رہی ہیں۔

دوسرے بیٹے کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے ملے

پھر وہ وقت بھی آتا ہے جب ۱۹۹۸ء میں اس کا دوسرا بیٹا شہید ہو جاتا ہے۔ اس دوران بھارتی فوج کے ہاتھوں ان کا گھرانہ بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس لئے کہ انہیں معلوم تھا کہ اس عورت نے قسم اٹھا رکھی ہے کہ اس کا دوسرا بیٹا بھی جہاد کشمیر میں کام آئے گا۔ وہ اس گھرانے کو عبرت کا نشان بنا دینا چاہتے تھے۔ اس کے نتیجے میں اس گھرانے کو، اس کے خاندان کو اتنی اذیتیں دی گئیں کہ ان کے لئے کشمیر کو جہنم بنا دیا گیا۔ بھارتی فوج کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے انہیں کشمیر میں رہتے ہوئے مہاجرین کی طرح ہجرت کرنا پڑی۔ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر، ایک جگہ سے دوسری جگہ چھپتے رہے۔

اکتوبر ۱۹۹۸ء میں اس عورت کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ اس کا دوسرا بیٹا بھی شہید کر دیا گیا ہے۔ بھارتی فوجی اس عورت کو پکڑ کر اس جگہ لے جاتے ہیں جہاں اس کا بیٹا شہید ہوا تھا۔ اس موقع پر بھارتی فوجیوں نے کہا کہ جب تم نے قسم دی تھی تو ہم نے بھی یہ کہا تھا کہ جب تمہارا بیٹا ہمارے ہاتھ لگے گا تو ہم اس کی وہ حالت کریں گے اور وہ حشر کریں گے کہ دنیا دیکھے گی کہ جہاد میں حصہ لینے والے اور مرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اس وقت دیکھیں گے کہ تمہارا کتنا حوصلہ ہے۔

اس ماں کا حوصلہ دیکھئے کہ بیٹے کی لاش دیکھنے سے پہلے وہ ان سے پوچھتی ہے کہ مجھے بتاؤ کہ کیا اس نے مقابلہ بھی کیا؟ کیا اس نے کسی کو مارا بھی؟ بھارتی فوج کے کمانڈر نے کہا کہ ہاں، اس نے ہمارے سات فوجیوں کو مارا ہے۔ اس پر وہ کہتی ہے: الحمد للہ! پھر کوئی غم نہیں۔ اس کے بیٹے کی لاش کس حال میں ملتی ہے حضرت حمزہؓ کی طرح! لاش ٹکڑے ٹکڑے تھی۔ وہ ان ٹکڑوں کو جمع کرتی ہے، ایک ٹوکری میں ڈالتی ہے، اس پر گھاس ڈالتی ہے، اور اس ٹوکری کو لے کر اپنے گھر کی طرف چل پڑتی ہے۔ چلتے ہوئے وہ ایک نعرہ لگاتی ہے۔ کیا نعرہ:

ہم کیا چاہتے ہیں ...... آزادی
پاکستان سے رشتہ کیا ...... لا الہ الا اللہ

کیا آپ میں حوصلہ ہے اس ذمہ داری کو ادا کرنے کا!

دو بیواؤں کے اکلوتے بیٹے جنہیں ہندو کے ظلم نے نگل لیا

اوڑی کے قریب شیری گاؤں میں ۴۵ سالہ بیوہ مغلی نے بتایا کہ اس کے اکلوتے ۱۶ سالہ بیٹے محمد اشرف کو فوجی جوانوں نے مار پیٹ کر دریا میں پھینک دیا، اس کا اب تک پتہ نشان نہیں ہے۔

ناوی بل بارہ مولہ کی بیوہ حاجرہ بیگم نے بتایا کہ فوجیوں نے اس کے گاؤں کا گھیرا ڈال کر ۱۶ سالہ بیٹے غلام نبی کو پکڑ لیا، جو نویں جماعت کا طالب علم تھا، وہ اب تک واپس نہیں آیا، وہ زندہ ہے یا نہیں، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ اس کی زمین کاشت کرنے والا اب کوئی نہیں ہے۔

لولاب کپواڑہ کے محمد بشیر نے بتایا کہ:

”ہمارے گاؤں پر بھارتی فوج نے حملہ کیا اور بہت سارے نوجوانوں کی پٹائی کی۔ محمد رمضان نامی ایک نوجوان کو پکڑ کر لے گئے جس سے کہا گیا کہ تم نے نئے کپڑے کیوں پہنے ہوئے ہیں۔“ گرفتاری کے بعد اسے ہیرا نگر جیل سے چار ماہ بعد رہا کیا گیا تو اس کے بائیں ہاتھ کی چار انگلیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ ناک کی ہڈی بھی توڑ دی گئی تھی۔ رہا ہونے کے بعد وہ زیر زمین چلا گیا اور آج تک غائب ہے۔“

ریاست جموں و کشمیر کے عوام کے لئے یہ جیلیں اب قتل گاہوں کا روپ دھار چکی ہیں، کولگام کپواڑہ سے ہجرت کرنے والے 13 سالہ محمد امین نے بتایا:

”میرے والد کو بھارتی سپاہیوں نے گرفتار کیا، چھ مہینے گزر جانے کے بعد معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں ہیں ایک دن سر شام ان کی لاش کولگام میں ایک کھیت سے ملی۔ میت پر تشدد کے واضح اثرات تھے، ایک بازو بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ بعد میں ہمیں باخبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ میرے والد کو سنٹرل جیل سری نگر میں تشدد کے بعد جیل کے اہلکاروں نے لاش رات کو اندھیرے میں ہمارے گاؤں لا کر پھینک دی۔“

اسلام آباد کے ایک نوجوان علی احمد آہنگر کو گرفتار کیا گیا۔ کئی مہینے گزر جانے کے بعد بھی اس کی اطلاع نہ ملی۔ علی احمد آہنگر کے والدین نے ریاست اور بیرون ریاست تمام جیلوں کے چکر لگائے، بالآخر 24 جون 90ء کو اس کی لاش بنارس جیل سے باہر آئی میت پر تشدد کے واضح اثار موجود تھے۔

ساٹھ خواتین کو بے آبرو کیا

"نیویارک ٹائمز" نے 7 اپریل 1991ء کے شمارے میں کنن پوش پورہ کے مظلوموں پر بیتنے والی قیامت کی ایک جھلک دکھائی ہے:

"23 فروری کی شب تھی۔ رات کے پچھلے پہر آٹھ سو سے زائد بھارتی فوجیوں نے پوش پورہ کے گاؤں پر ہلہ بولا۔۔۔۔ انہوں نے نہتے مردوں کو گھروں سے باہر نکال کر برفانی میدان میں رکھا اور اس کے بعد اجتماعی طور پر گھر گھر جا کر ساٹھ خواتین کو بے آبرو کیا۔ ان خواتین کو بے آبرو کرنے والے فوجیوں کا تعلق 4 راجپوتانہ رائفلز سے تھا۔"

19 مارچ 1991ء کے "انڈی پنڈنٹ لندن" نے اپنی رپورٹ میں لکھا:

"ایس ایم یسین ضلع کپواڑہ کا مجسٹریٹ ہے۔ اس نے ریجنل سنٹرز کے لئے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے:

"بھارتی فوجیوں نے وحشی درندوں جیسا سلوک کیا، 23 فروری گیارہ بجے رات سے اگلی صبح نو بجے تک یہ درندے اس بستی پر وحشیانہ مظالم کرتے رہے، فوج کا بڑا حصہ گھروں کے اندر داخل ہو گیا۔ انہوں نے بندوق دکھا کر 23 عورتوں کی اجتماعی عصمت دری کی، انہوں نے اس سیاہ کاری کے لئے خواتین کی عمر اور حالت کا کوئی خیال نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ حاملہ خواتین کا بھی لحاظ نہیں کیا تمام گاؤں شور و غل سے لبریز ہو گیا تھا، مقامی لوگوں کے مطابق تقریباً ایک سو خواتین کی عصمت دری کی گئی۔"

اٹھارہ سالہ لڑکی پر ۵۰ حملہ آور

"نیویارک ٹائمز" نے 17 اپریل 1991ء کی اشاعت میں لکھا:

"80 برس کی جانہ نامی خاتون بوڑھی ماں ہے۔ اس کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔ اس نے بتایا بھارتی فوج نصف شب کے قریب پوش پورہ آئی۔ انہوں نے دروازے توڑے اور آٹھ گھنٹے تک بدمستی کرتے رہے۔ انہوں نے شراب پی رکھی تھی۔ بوڑھی مظلوم ماں نے اپنے گھر کے ٹوٹے ہوئے دروازے دکھائے۔"

اسی خاندان کی نوجوان بہو شرمناک تشدد کے نتیجے میں بے ہوش ہو گئی۔ اس کا کہنا

تھا: ''حملہ آور تعداد میں پچاس سے زیادہ تھے۔ سب سے چھوٹی لڑکی مصرا صرف تیرہ برس کی ہے، اس غریب کو بھی گھر کے ایک کونے میں لے جا کر بے آبرو کیا گیا۔ اس کی اٹھارہ سالہ بڑی بہن کو بھی ایک کمرے میں بند کر کے لوٹا گیا اور بوڑھی ماں زیبا کی عصمت کو دوسرے کمرے میں روندا گیا۔''

اپنوں ہی نے سچ کہہ دیا

''ڈیلی آبزرور'' نے اعتراف کیا ہے کہ بھارتی پولیس، فوج اور پیرا ملٹری فورسز نے کشمیر میں حقوق انسانی کی بے حد خلاف ورزی کی ہے، لوگوں کو بے انتہا تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے''

ایک اہم گواہی مدراس کے اخبار ''دی ہندو'' کی ہے:

''بارڈر سیکورٹی فورس کے ایک افسر کو نوکری سے اس لئے نکال دیا گیا، کیوں کہ وہ چاہتا تھا کہ ان فوجیوں کو سزا ملے جنہوں نے عورتوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ یہ پہلا افسر نہیں جسے حق بات کہنے پر نکالا گیا، بلکہ سینکڑوں بڑے افسر سچ کہنے کے جرم میں نوکریوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں''۔

''اس افسر نے مئی کے مہینے میں اننت ناگ، ککر ناگ روڈ پر ایک خاتون کی عزت لوٹنے پر فوجیوں کے خلاف تحقیقات کا حکم دیا تھا۔ مقامی پولیس نے جائے واردات پر شہادتیں قلم بند کیں، زیادتی کرنے والے فوجیوں کے نام درج کئے گئے۔ طبی معائنے نے کیس درست ثابت کر دیا بس رپورٹ اوپر بھیجی گئی۔

کشمیری عورت کے جسم کو دانتوں سے نوچ لیا

حاجرہ بیگم اور مزید تین عورتوں کو ایک سو فوجیوں نے اپنے نرغے میں لینے کی کوشش کی اور ان کی آبرو پر حملہ کیا، وہ اپنی آبرو بچانے کی کوشش میں لہولہان ہو گئیں۔ ان کے جسموں کو دانتوں سے کاٹا گیا۔ لیکن وہ اپنی عصمت بچانے میں کامیاب ہو گئیں۔ گھر میں موجود لاکھوں روپے کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ منیبہ بیگم کا شوہر غلام محمد میر گرفتار کئے جانے کے بعد شہید کر دیا گیا۔ اس خاتون نے بتایا کہ اس کے گھر کو لوٹنے کے بعد جلا دیا گیا۔ اس کے بعد اس کی عصمت دری کی کوشش میں اس کے جسم کو درندوں نے دانتوں سے نوچ ڈالا لیکن وہ عزت

بچانے میں کامیاب ہوگئی۔ وہ سخت خوفزدہ اور دہشت زدہ تھی اور کہہ رہی تھی کہ موت کو میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے رقص کرتے دیکھا ہے۔

ہر کشمیری آزادی چاہتا ہے۔ امریکی صحافی کے تاثرات

ممتاز امریکی صحافی شگر مین نے کہا ہے کہ بھارت مقبوضہ کشمیر میں بڑے پیمانے پر انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں کر رہا ہے۔ لیکن مقبوضہ کشمیر کے عوام آ:ادی کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ وہ 22 جنوری کو کشمیر لبریشن سیل میں اپنے دورہ مقبوضہ کشمیر سے واپسی پر اخباری نمائندوں سے بات چیت کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ بھارت نے ہر طرح کی آزادی کو سلب کیا ہوا ہے۔ مسجدوں کے گرد بنکر ہیں۔ بج بہاڑہ میں پر امن جلوس پر بھارتی افواج کی فائرنگ سے ۴۰ افراد شہید ہوئے اور صحافیوں کے مقبوضہ کشمیر میں داخلے پر پابندی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے کشمیری مجاہدین کی مدد سے مقبوضہ کشمیر کے حالات کا جائزہ لیا۔ انھوں نے کہا کہ ایک مرتبہ برطانوی ہائی کمشنر مقبوضہ کشمیر گئے تو ۱۵ بھارتی فوجیوں نے انہیں پکڑ کر کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا کسی کو اجازت نہیں دی کہ وہ ہائی کمشنر سے بات کر سکے۔ مسٹر شگر مین نے کہا کہ میں نے آزاد کشمیر میں دیکھا ہے کہ یہاں کوئی خوف اور دہشت نہیں ہے۔ جبکہ مقبوضہ کشمیر میں بنیادی سہولتوں کی بھی کمی ہے۔ قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ عدالتوں میں بھی قانونی کارروائی حکومتی مفادات کے تحت کی جا رہی ہے۔ کریک ڈاؤن اور کرفیو کی وجہ سے مریضوں کے لئے ادویات بروقت نہیں پہنچ پائیں۔ مریضوں کو بغیر ٹیسٹ کے خون دیا جا رہا ہے۔ انھوں نے اس توقع کا اظہار کیا کہ ۱۹۹۴ء کشمیر کی آزادی کا سال ہوگا جس طرح کشمیری عوام قربانیاں دے رہے ہیں، اس سے دنیا کی کوئی طاقت انہیں ان کے حق سے نہیں روک سکتی۔

بھارتی فوج کشمیریوں کے اعضاء جسمانی نکال کر فروخت کر دیتی ہے

کشمیر میں بھارتی ظلم و بربریت کی داستان سناتے ہوئے بی بی سی نے اپنے پروگرام ’’ہم بھی دیکھیں گے‘‘ میں کہا ہے کہ مقبوضہ جموں و کشمیر میں بھارتی سامراج کے مظالم کی سیاہ رات مزید اندھیری ہو رہی ہے اور بھارتی فوج کے شدید مظالم اور درندگی سے کشمیری نوجوانوں کی زیر حراست ہلاکتوں کا سلسلہ مزید وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے کشمیری نوجوانوں کو گرفتار کر کے ٹارچر سیلوں میں لے جا کر انسانیت سوز تشدد سے دوچار کیا جاتا ہے۔

ایک نوجوان کو قتل کر کے ٹکڑے ندی میں پھینک دیئے

مقبوضہ کشمیر کے معروف صحافی غلام نبی خیال اپنی ایک رپورٹ میں بتاتے ہیں کہ زیر حراست تین کشمیری نوجوانوں کو بھارتی فوج نے وحشیانہ طریقے سے قتل کیا۔ عینی شاہد ۲۵ سالہ فاروق وانی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ تفصیلات کے مطابق بھارتی فوجی فاروق وانی کو ۱۹۹۵ء میں پکڑ کر ایک فوجی کیمپ میں لے گئے جہاں مزید تین کشمیری نوجوان پہلے سے لائے گئے تھے۔ بھارتی فوجی ایک نوجوان کو قتل کرتے، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے اور اس کے ساتھیوں کو کہتے کہ اس کے ٹکڑے ندی میں پھینکو۔ فاروق وانی نے بتایا کہ وہ ایک نوجوان کے اعضاء ندی میں پھینکتے ہوئے خود ندی میں گر گیا اور تیر کر دوسری طرف نکل آیا۔ فوجیوں نے اس پر فائرنگ کی اور ایک گولی اس کی گردن میں لگی، کافی خون بہا مگر وہ بچ گیا۔ فاروق وانی نے ظلم کی یہ داستان مجسٹریٹ کے سامنے بھی بیان کی اور ریاستی حکومت کو مجبوراً تحقیقات کا حکم دینا پڑا۔ اس کی داستان ایک کشمیری اخبار میں بھی شائع ہوئی۔ وہ واقعہ کا واحد عینی شاہد تھا کہ نامعلوم افراد نے اسے قتل کر دیا۔ یقیناً یہ قتل بھارتی فوج کا ہے تاکہ نہ کوئی گواہ ہو اور نہ تحقیق آگے بڑھ سکے۔

کشمیری نفسیاتی مریض بن چکے ہیں

بھارتی صحافی غلام نبی خیال کی رپورٹ کے مطابق مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم کے نتیجے میں بہت سے کشمیری نوجوان اب اپنے والدین پر محض بوجھ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کو حراست کے دوران اس قدر اذیتیں دی گئیں کہ وہ مردانہ صلاحیت کھو چکے ہیں۔ ایک ماہر نفسیات نے بتایا کہ ۸۰ فیصد مریض بے خوابی، بھوک کے فقدان جیسے امراض اور اس نوعیت کے دیگر امراض کا شکار ہو چکے ہیں۔ سری نگر میں نفسیاتی امراض کے ایک ہسپتال میں گزشتہ پانچ سال کے دوران سات ہزار سے زائد مریضوں کا علاج کیا گیا جن میں سے بیشتر نوجوان عورتیں اور مرد شامل تھے۔ ان کے امراض کا اصل سبب خوف و ہراس ہے جو بھارتی سیکورٹی فورسز نے یہاں پھیلا رکھا ہے۔ سروے کے مطابق بھارتی فوجیوں کے مظالم سے تنگ آ کر خود کشی کرنے والوں کی تعداد میں بھی تشویش ناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے۔

سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں موجود کشمیر کمیٹی آف ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ نے کشمیر میں نہتے عوام اور بے گناہ کشمیری عورتوں، بچوں اور مردوں پر بھارتی فوج کی طرف سے بربریت، ظلم و ستم، درندگی، قتل عام اور قید و بند میں رکھے جانے والوں کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ شائع کی ہے جس کے مطابق ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۰ء تک دس سالوں کے دوران بے گناہ کشمیریوں کے شہید ہونے والوں کی تعداد ۷۴ ہزار ۷۷۶ تک پہنچ چکی ہے۔ اس عرصے میں ۴ ہزار ۷۴۷ عورتوں کی بے حرمتی اور عصمت دری کی گئی۔ علاوہ ازیں ۵۷ ہزار سے زائد کشمیری عوام کو شدید زخمی اور اکثر کو جسمانی اعضاء سے محروم کر دیا گیا۔ بھارتی جیلوں میں بغیر کسی جرم کے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے کشمیریوں کی تعداد ۸۹ ہزار ہے۔

بھارتی افواج کے ظلم و ستم، انسانیت سوز سلوک اور برتاؤ کی وجہ سے ۴۸ ہزار افراد ہجرت کر کے آزاد کشمیر چلے گئے ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق دینی درس گاہوں، مساجد، قرآن اور اسلامی کتب کو ہزاروں کی تعداد میں نذر آتش کر کے شہید کیا گیا۔ ۳۲ ہزار ۹۰ عمارتیں، دکانیں اور مکانات کو نذر آتش کیا گیا۔ کشمیری مجاہدین اور عوام پر بھارتی ظلم و ستم اور دہشت گردی کے ساتھ ساتھ مال مویشی اور جانوروں کو بھی ہزاروں کی تعداد میں ہلاک کر دیا گیا ہے۔ خوبصورت باغات، زمینوں، زرعی فصلوں کی تباہی سے بجٹ خسارہ لاکھوں ڈالر سے بھی تجاوز کر گیا ہے۔

ہزاروں کشمیریوں کے عقوبت خانوں میں اعضاء کاٹے گئے

دس اگست ۱۹۹۰ء کو ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن سری نگر کے تین وکلاء جناب ظہور احمد ایڈووکیٹ، جناب ریاض رسول ایڈووکیٹ اور جناب عبدالمجید ڈار ایڈووکیٹ نے ریاست جموں وکشمیر اور بیرون ریاست مقید کشمیر کے لوگوں سے جیلوں میں ملاقات کی اس وفد کی رپورٹ کے مطابق اس وقت ۱۲ ہزار سے زیادہ کشمیری مسلمان گرفتار ہیں۔ جن میں سے صرف ۹ سو افراد پر فرد جرم عائد کی گئی ہے۔ باقی افراد کو نہ تو ان کا جرم بتایا گیا ہے اور نہ مہذب دنیا کو اس بات کا علم ہے کہ یہ لوگ ظلم کا شکار ہیں۔

بار ایسوسی ایشن کے اس وفد نے ۲۱ سو افراد کی اپیل عدالت میں داخل کی ہے ان اپیلوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ محض راہ چلتے یا بغیر کسی تحقیق کے گرفتار کئے گئے ہیں، کچھ افراد ایسے ہیں جن کو رات سوئے ہوئے گھروں سے اٹھایا گیا یا دکانوں سے گرفتار کیا گیا، سینکڑوں افراد کی گرفتاری کے بعد یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس جیل یا ٹارچر سیل میں ہیں۔

چار سو کے قریب قیدیوں نے ہائی کورٹ سری نگر میں حبس بے جا میں رکھنے کے خلاف اپیل دائر کی ہے ہائی کورٹ نے گورنر سکسینا کی انتظامیہ کو ہدایت کی ہے کہ ان قیدیوں کی گرفتاری کی وجوہات سے آگاہ کیا جائے۔ ایک سال کے قریب عرصہ گزرنے اور عدالت کے بار بار نوٹس کے باوجود انتظامیہ ٹس سے مس نہیں ہوئی۔

اعلیٰ سول حکام نے یہ موقف اپنا رکھا ہے کہ گرفتاری چونکہ فوجی اور نیم فوجی دستوں نے کی ہے اس لئے فوج ان کے حکم کی پابند نہیں ہے، اگر ریاستی انتظامیہ یہ گرفتاری عمل میں لاتی تو پتہ چلانا مشکل نہ ہوتا۔

سری نگر اور جموں سے شائع ہونے والے بیشتر اخبارات نے لکھا ہے کہ ایسے سینکڑوں والدین ہیں جن کے بیٹے گرفتار کر لئے گئے ہیں، اور ایسے ہی سینکڑوں بیٹے ہیں جن کے والدین پس دیوار زندان ہیں۔ ہزاروں خواتین کے خاوندوں کو فوجی اور نیم فوجی دستوں نے غائب کر دیا ہے عدالت، تھانوں اور مختلف جیلوں کے باہر روزانہ درجنوں لوگ اپنے عزیزوں

کی تلاش میں چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ریاستی حکام نے لوگوں کو ''مطمئن'' کرنے کا یہ حربہ اختیار کیا ہے کہ کسی کے پوچھنے پر بتا دیا جاتا ہے کہ آپ کا عزیز فلاں جیل یا ٹارچر سیل میں بند ہے۔

انٹروگیشن سینٹر

''ٹورنٹو سٹار'' کینیڈا ۲۵ جنوری کے شمارے میں لکھتا ہے۔

''سری نگر کے انٹروگیشن سینٹروں میں لوگوں کو بے دردی سے مارا جا رہا ہے، ان کی ٹانگیں توڑ دی جاتی ہیں۔ بجلی کے کرنٹ دے کر انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ مجاہدین کا سراغ بتائیں تعذیب وتشدد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بھاری بھرکم رولر ان کے جسموں کے اوپر سے گزارے جاتے ہیں جن سے ان کی اکثر ہڈیوں کے جوڑ ٹوٹ جاتے ہیں۔''

آٹھ ہزار لڑکیوں سے بدسلوکی

''سنڈے ٹائمز لندن'' نے ۱۳ جنوری ۱۹۹۱ء کی اشاعت میں تشدد سے متاثر ہونے والے مرد اور خواتین کے اعداد و شمار پیش کئے ہیں:

''سی آر پی ایف کے نوجوان انتہا پسندانہ اور متعصبانہ ذہن رکھتے ہیں، یہ فوجی گھر گھر تلاشی کے دوران بلا امتیاز نوجوانوں کو گرفتار کر کے لے جاتے ہیں۔ مردوں، عورتوں اور بوڑھوں کو مارتے ہیں۔ انہیں خوف زدہ کیا جاتا ہے۔ فوجی جوان لڑکیوں کی عزتیں لوٹ لیتے ہیں...... ایک اندازے کے مطابق اب تک آٹھ ہزار لڑکیوں کے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے اور ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ نوجوان قید خانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کا مستقبل کیا ہے، اس سلسلے میں ان کے رشتے داروں کو کچھ خبر نہیں ہے۔ گرفتار شدہ لوگوں میں سے سینکڑوں کو سخت سردی کے موسم میں میدان میں لے جا کر شدید سزائیں دی گئی ہیں۔

جن پر قیامت ٹوٹی

عقوبت خانوں میں :-

انٹروگیشن سینٹرز میں جنہیں عرف عام میں عقوبت خانے کہا جاتا ہے، نہ صرف ظلم و استبداد کے وہ تمام حربے آزمائے جاتے ہیں جو اب تک فرعون ونمرود سے لے کر ہلاکو خان اور چنگیز خان تک اور نازیوں سے لے کر دور جدید کے روسیوں تک نے ایجاد کیے ہیں بلکہ اس میدان میں بھارت اپنے ان تمام پیش رووں کو کہیں پیچھے چھوڑ گیا ہے اور اس نے ایسے نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں کہ ہلاکو، چنگیز، جرمن اور روسی کے خیال کو چھو کر بھی نہ گزرے ہوں گے، مثلاً بھارت نے افریقہ سے ایک خاص قسم کی چیونٹیاں منگوائی ہیں جن کا ڈنک اتنا سخت ہوتا ہے کہ انسان تڑپارہ جاتا ہے ان چونٹیوں کا یہ استعمال خود جنوبی افریقہ کی بدنام زمانہ نسل پرست حکومت کی سمجھ میں بھی نہ آسکا تھا، اسی طرح جسم پر شہد مل کر بھڑوں بھرے سیلوں میں بند کر دینا، جسم کے نازک اعضا پر تار باندھ کر بجلی کا کرنٹ دے دینا، خود اپنا پیشاب چاٹنے پر مجبور کرنا، مردہ لاشوں کے ساتھ فوجیوں کی بدفعلی، چمڑا ادھیڑ کر مرچیں بھر دینا وغیرہ۔

اس قسم کے تشدد کے اکثر شرمناک واقعات راقم نے قصداً رقم نہیں کیے کیونکہ ان کے بیان کے لئے انسانوں کی کسی زبان کی کسی ڈکشنری میں مناسب الفاظ موجود نہیں لیکن امید کی جانی چاہئے کہ یہ ضرورت بھی ہندوستان جلد پوری کر دے گا کیونکہ یہ صلاحیت بھی اسی میں پائی جاتی ہے۔

کشمیر میں قیام کے دوران بے شمار ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی، جنھوں نے ان عقوبت خانوں (انٹروگیشن سینٹرز) میں قیامت کی راتیں اور جہنم کے دن گزارے ہیں کچھ ستم زدگان اور تختہ مشق بننے والوں سے آپ بھی ملاقات کیجئے۔

اس نے موت کو پکارا:۔

"انھوں نے مجھے چھت کے ساتھ لٹکا دیا اور میری ٹانگیں دو صحت مند آدمیوں نے مخالف سمت میں اس قدر کھینچیں کہ درمیانی حصے سے خون کے فوارے پھوٹ پڑے۔

میرا جبڑا پہلے ہی توڑ دیا گیا تھا اس لئے شدت درد سے چلانا بھی دشوار تھا" یہ بات اسلام آباد (اننت ناگ) کے ایک معروف سرکاری ملازم عبدالقدیر نے بتائی جسے ٢٦ جون کو اسلام آباد سے رات کے وقت چھاپہ مار کر گرفتار کر لیا گیا تھا اور کئی ماہ تک وادی کے مختلف تفتیشی مراکز میں انسانیت سوز مظالم کا نشانہ بنانے کے بعد گذشتہ ماہ رہا کیا گیا اس کے جسم پر جا بجا زخموں کے نشان تھے اس کی اکثر ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں ہاتھ پاؤں سے معذور ہو چکا تھا اگرچہ اس کے جبڑے توڑ دیئے گئے تھے لیکن اب کسی حد تک بات کرنے کے قابل ہو چکا تھا عبدالقدیر نے مزید بتایا کہ انٹروگیشن سینٹرز میں ان تمام مظالم پر مستزاد یہ کہ پانی طلب کرنے پر اسے پیشاب پینے پر مجبور کیا جاتا رہا۔

اس نے کہا:

"جب یہ مظالم حد سے بڑھ گئے تو میں نے خودکشی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا حالانکہ میں جماعت اسلامی کا کارکن ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ خودکشی حرام ہے لیکن جب تعذیب انسانی قوت برداشت سے سینکڑوں گناہ بڑھ جائے تو پھر کیا بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر انٹروگیشن سینٹرز میں مجھے خودکشی کے لئے "وسائل" میسر ہوتے تو یقیناً قید حیات سے خود ہی رہائی حاصل کر لی ہوتی عبدالقدیر کو رہا ہوئے کئی ماہ ہو چکے ہیں لیکن اس کے زخم ہیں کہ بھرنے کا نام ہی نہیں لیتے وہ بستر پر زیر علاج ہے اور اب تک بیس ہزار روپے اپنے علاج پر خرچ کر چکا ہے۔ "کہانی میری روداد جہاں معلوم ہوتی ہے" کے مصداق یہی کچھ جبلی پورہ، بیج بہاڑہ، اسلام آباد کے ٢١ سالہ تنویر احمد کے ساتھ بھی پیش آیا، جسے دو آب گاہ سوپور کی جوس فیکٹری کے عقوبت خانے میں سترہ دن تک وہ اذیت دی گئی کہ انسان تو کیا جنگل کا کوئی سخت جان وحشی درندہ بھی ان مظالم کا سامنا نہ کر پاتا تنویر کو مسلسل کئی روز تک الٹا لٹکا کے رکھا گیا اور اس کے نازک اعضاء کو جلتے سگریٹوں سے داغا گیا اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس پر بے پناہ تشدد کے نشانات نہ ہوں تنویر احمد نے بتایا کہ اسے کئی دن تک مسلسل بھوکا پیاسا رکھا گیا،

ننگے فرش پر پیٹ کے بل لیٹا رہتا تھا اسے انٹروگیشن سینٹر میں کوئی ایسا پتھر بھی میسر نہیں تھا جسے وہ اپنے پیٹ پر باندھتا۔

اسی قصبے کے عبدالرشید کمال کی روداد الم اس سے بھی زیادہ اذیت ناک ہے جسے ۸ جون کو اس شبے کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا تھا کہ اس نے گذشتہ رات آٹھ "اگروادیوں" (دہشت گردوں) کو پناہ دی اور کھانا فراہم کیا تھا عبدالرشید کو مذکورہ خیالی "اگروادیوں" کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے ناقابل بیان تشدد کا نشانہ بنایا گیا جب اس نے ان انوکھے کرداروں کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا تو اس کے دونوں پاؤں ایک دوسرے سے باندھ دیئے گئے پھر اس کی ٹانگوں میں ایک شہتیر پھنسا کر گھمایا گیا اس کے نازک اعضا کو بجلی کے جھٹکے لگا لگا کر تولید کی صلاحیت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا گیا اس کی کمر توڑ دی گئی چنانچہ اب وہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو چکا ہے یہ ۲۱ سالہ نوجوان اب بستر مرگ پر لیٹا روح اور جسم کی جدائی کا منتظر ہے۔

کیا جرم تھا ان کا؟

ہندواڑہ کے ۱۸ سالہ جہانگیر کو ۱۹ اگست کی شام اپنے گھر کے صحن میں اپنے دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے کی مشق کرتے ہوئے گرفتار کیا گیا اس پر الزام تھا کہ اس نے آزاد کشمیر سے تخریب کاری کی تربیت حاصل کی ہے نیم فوجی دستے نے اس ننھے جہانگیر کو جو ابھی بمشکل بلوغت کی حدوں کو چھو رہا تھا اور جس کی ابھی مسیں بھیگ رہی تھیں، دونوں ہاتھ پیچھے باندھ کر اور آنکھوں پر پٹی باندھ کر چاول کی بوری کی طرح فوجی ٹرک میں ڈال دیا جب اس کی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی کھولی گئی تو وہ جوس فیکٹری سوپور کے انٹروگیشن سینٹر میں تھا۔

یہاں اس معصوم کے ساتھ بھارتی درندوں نے جو انسانیت سوز سلوک کیا میرا قلم اس کے بیان سے قاصر ہے اور شاید آپ میں بھی یہ سب کچھ سننے کی تاب اور سکت نہ ہو مختصر یہ کہ جب بیس روزہ انٹروگیشن کے بعد اسے "قید حیات" سے ہی رہا کر دیا گیا تو اس کے گھر والوں اور عزیز رشتہ داروں کو بھی پھول جیسے چہرے والے جہانگیر کا آخری دیدار کرنے کا حوصلہ نہ تھا۔

سری نگر کے بائیس سالہ محمد یوسف نے بتایا کہ وہ اپنی والدہ کا چیک اپ کروانے انہیں ہسپتال لے گیا وہ اپنی والدہ کو لیکر ہسپتال کے مین گیٹ پر پہنچا ہی تھا کہ ملٹری کے مسلح جوانوں

نے اسے پکڑ لیا اس کی بیمار والدہ اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہ گئی اور مسلح فوجی جوانوں نے اسے گھسیٹ کر جیپ میں لاد دیا اور چلتے بنے انٹروگیشن سینٹر میں اس پر جو گزری سو گزری لیکن اس کی گرفتاری کے کچھ ہی دیر بعد اس کی والدہ کچھ بیماری اور کچھ صدمے کی شدت سے ہسپتال کے گیٹ پر ہی جہاں اس کا لخت جگر اس سے چھین لیا گیا تھا، انتقال کر گئی۔

سری نگر ہی کے ۲۰ سالہ انتظار احمد کو عین اس وقت جب وہ شادی کر کے دلہن کو اپنے ساتھ گھر لایا تھا، گرفتار کر لیا گیا اور اس کے مہندی لگے ہاتھوں میں لوہے کے کنگن پہنا دیئے گئے اب وہ کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ کسی کو معلوم نہیں اس کی نو بیاہتا دلہن اپنے مہندی والے ہاتھ اٹھائے اس کی واپسی کی دعائیں مانگ رہی ہے لیکن کیا وہ زندہ ہے۔ جو کبھی لوٹ کر آ سکے گا؟ اس کے بارے میں کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا اس نو بیاہتا دلہن کو کب تک انتظار احمد کا یوں انتظار کرنا پڑے گا؟ خدا بہتر جانتا ہے انتظار کی یہ مدت ہفتوں، مہینوں یا سالوں تک بھی پھیل سکتی ہے اور قیامت تک بھی۔

جناب عبدالخالق حنیف کو ۲۹، ۳۰ جولائی کی رات بارہ بجے بارڈر سیکورٹی فورس کے ایک دستے نے گھر میں گھس کر اپنے تین بھائیوں سمیت گرفتار کر لیا ان کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیئے گئے اور آنکھوں پر پٹی باندھ کر انجانی منزل کی جانب لے گئے انٹروگیشن کے دوران ان بھائیوں کو مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا، الٹا لٹکا دیا جاتا، ہر حصہ جسم کو آگ کے انگاروں سے داغا جاتا کسی نوکیلے آلے سے جسم کا گوشت نوچا جاتا ہاتھ کھولتے ہوئے پانی میں ڈال دیئے جاتے جس سے ہاتھوں کی کھال اتر جاتی جناب عبدالخالق حنیف گردوں کے درد کے مریض تھے پانی مسلسل نہ ملنے کے باعث شدت درد سے تڑپتے رہتے اور جان لیوا تشدد اس پر مستزاد بالآخر ۷۲ گھنٹوں کے ناقابل یقین مظالم کا نشانہ بنائے رکھنے کے بعد ان چاروں بھائیوں کو زندہ لاشوں کی صورت میں رہا کر دیا گیا۔

انٹروگیشن سینٹروں میں مردوں پر جو قیامت بیت رہی ہے اس کی ایک مختصر سی جھلک آپ نے دیکھ لی، آئیے اب اہنسا کے پجاری، فلسفہ عدم تشدد کے پرچارک، چیونٹی کے مارنے کو "پاپ" سمجھنے والی دنیا کی سب سے بڑی "جمہوریہ" کے زیر قبضہ ریاست جموں و کشمیر میں عورتوں اور معصوم بچیوں کے ساتھ ہونے والے "سلوک" پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

درندگی کی انتہا:-

اسلام آباد کی ۱۸ سالہ سکینہ جو راجوری بارڈر پر گرفتار ہونے والے اعجاز احمد میر کی یتیم بہن ہے، کو نیم فوجی دستوں نے یکم اپریل ۱۹۹۰ء کو گرفتار کرلیا اس کے ماموں غلام حسین میر اور ہمسائے عبدالعزیز میر کو فوراً گولی مار کر شہید کردیا گیا جبکہ علی محمد میر اور محمد سعید میر کو بھی گرفتار کرلیا گیا اس گھرانے پر الزام یہ تھا کہ انھوں نے کسی دن حزب المجاہدین سے تعلق رکھنے والے محمد ایوب بانگر والیاس وانی اور فرحت جان کو پناہ دی تھی، سکینہ کو گرفتار کرکے سری نگر لایا گیا اور یہاں اس کو بجلی کے جھٹکے لگائے گئے ہر حصہ بدن کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور اس کے ساتھ غیر انسانی وہ ہتھکنڈے استعمال کیئے گئے کہ جن کے بیان کے لئے شاید انسانوں کی کسی لغت میں مناسب الفاظ نہ مل سکیں تشدد سے اس کی ٹانگیں مفلوج ہوگئی تھیں اس کے چہرے پر انسان نما درندوں کے دانتوں کے زخم اس پر گزرنے والی قیامت کی واضح عکاسی کررہے تھے اس بے گناہ کو ۳۱ روز تک مسلسل اذیت ناک تشدد کا شکار بنایا جاتا رہا۔

بیج بہاڑہ اسلام آباد کے ۷۰ سالہ بزرگ غلام محمد خان شاکر جنہیں پہلے ہی کریک ڈاؤن کے دوران گرفتار کرلیا گیا تھا کی ۲۰ سالہ صاحبزادی وحیدہ گلزار اور وحیدہ گلزار کی ۳ سالہ گڑیا جیسی بچی محسنہ کو بی ایس ایف نے ۲۸ اپریل کی رات گرفتار کرلیا انہیں ہری نواس کے انٹروگیشن سینٹر میں لایا گیا انٹروگیشن سینٹر میں وحیدہ کے شوہر شوکت حسین جنہیں اسی روز گرفتار کیا گیا تھا لایا گیا انٹروگیشن سینٹر میں وحیدہ گلزار سے تحریک حریت کے اہم راز اگلوانے اور ''اگر وادیوں'' (دہشت گردوں) کے ٹھکانوں کی نشاندہی کے لئے ہر حربہ استعمال کیا گیا اس پر الزام تھا کہ اس کا تعلق دختران ملت سے ہے اس کا گھر حزب المجاہدین کا ٹھکانہ ہے اس کے والد اور شوہر جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ کہ اس نے اسلام آباد میں عورتوں کے ایک اجتماع میں ہند مخالف تقریر کی، اس نے کلاشنکوف سے فوجی دستوں پر فائرنگ کی، اس تشدد کے دوران ننھی محسنہ روتی چیختی اور چلاتی رہی لیکن اس کو فوجی ڈرا دھمکا کر خاموش کرنے کی کوشش کرتے رہے ان جیسے درندوں سے ایسے معصوم بچوں پر رحم کی توقع تک محض عبث ہے ان ماں بیٹی کو ۳۶ گھنٹوں تک انٹروگیشن سینٹر میں ذہنی اور جسمانی اذیت دینے کے بعد رہا کیا گیا۔

بے گناہی کی سزا:-

چھنی چوک میں رہنے والی ۲۵ سالہ رفیقہ پری کو جو صورہ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں بطور نرس کام کر رہی تھی، ۱۲ مئی کو سنٹرل ریزرو پولیس فورس نے گرفتار کر لیا رفیقہ پری نے کچھ عرصہ قبل بوجہ علالت اپنی ملازمت سے رخصت لی تھی سی آر پی ایف کا کہنا تھا کہ اس نے اس رخصت کے دوران آزاد کشمیر جا کر جنگی تربیت لی ہے اور اس کا تعلق "دختران ملت" سے ہے۔ رفیقہ نے صحت جرم سے انکار کر دیا تھا لیکن اس پر مظالم کا لامتناہی سلسلہ برابر جاری رہا بالآخر جب اس سے کچھ نہ اگلوایا جا سکا تو چند روز کے بعد اس کو رہا کر دیا گیا۔

سری نگر میں نوعمر لڑکیوں کے، فوجی دستوں کے ہاتھوں اغوا اور تشدد کے کئی واقعات پیش آئے جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے کئی رہنماؤں نے جب گرفتاری کے دوران تشدد کے ہاتھوں مجبور ہو کر روبیعہ سعید اغوا کیس کا سربستہ راز کھول دیا تو سری نگر میں خواتین خصوصاً نوعمر لڑکیوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ۱۰ مئی کو علی محمد صوفی کی ۲۲ سالہ بیٹی عائشہ آرا کو نیم فوجی دستوں نے گرفتار کر لیا عائشہ آرا ہری سنگھ ہائی سٹریٹ میں فوٹو اسٹیٹ مشین چلاتی ہے وہ اس سے عبدالرحمٰن صوفی کی صاحبزادیوں شکیلہ اور حلیمہ کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ انہیں کہیں سے یہ پتہ چلا تھا کہ شکیلہ اور حلیمہ نے بھی روبیعہ سعید کے اغوا میں تعاون کیا ہے۔

عبدالرحمٰن صوفی کا تعلق محاذ آزادی سے رہا ہے۔ عبدالرحمٰن صوفی کی دو بچیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیئے اس کی معمر اور مریض اہلیہ راجہ بی بی کو بھی گرفتار کر لیا بعد میں راجہ بی بی کو رہا کر دیا گیا۔

عائشہ آرا سے بھی جب وہ کام کی بات نہ اگلوا سکے تو اسے تشدد کے بعد رہا کر دیا لیکن بوڑھی راجہ بی بی کو دوبارہ ۱۶ مئی کی شام گرفتار کر لیا گیا عبدالرحمٰن صوفی نے بتایا کہ اس کی اہلیہ عارضہ قلب کی مریضہ ہے اور اس کی تکلیف سے صرف نظر کرتے ہوئے مسلح فوجی اسے مظالم کا نشانہ بنا رہے ہیں اس نے مزید بتایا کہ راجہ بی بی کی گرفتاری سے قبل اس کے گھر میں وسیع پیمانے پر توڑ پھوڑ کی گئی دروازے، فرنیچر اور کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے گئے مذکورہ دو بہنوں کی گرفتاری کے لیے بر زلہ کی ان کی نوعمر سہیلی قرۃ الرحمٰن کو بھی گرفتار کیا گیا۔

سری نگر کی ۲۰ سالہ آسیہ کو جس کا باپ کپڑے کا کاروبار کرتا ہے، روبیعہ سعید کے اغوا میں تعاون کے جرم میں کسی کی ''نشاندہی'' پر گرفتار کر لیا گیا اور کئی روز تک اس کے ساتھ غیر اخلاقی اور غیر انسانی سلوک جاری رہا جب اس سے کوئی بات نہ اگلوائی جا سکی تو اس کو نیم مردہ حالت میں ''رہا'' کر دیا گیا۔

قلم میں تاب نہیں

سوپور کی ۲۵ سالہ راشدہ کو جس کا خاوند محنت مزدوری کر کے گزر اوقات کرتا ہے کھیت میں کام کر رہی تھی کہ اچانک فوجی درندوں نے وہاں پہنچ کر اسے ''اغوا'' کر لیا (گرفتاری کا لفظ میں نے قصداً استعمال نہیں کیا) پندرہ دن تک اپنی ہوس کا نشانہ بنانے اور مجاہدوں کے بارے میں راز اگلوانے کے لیے تشدد کرنے کے بعد نیم مردہ حالت میں اسے واپس اسی کھیت میں پھینک دیا گیا۔

پلوامہ کی ایک لڑکی جس کی شادی کو ابھی چند ہی دن ہوئے تھے اور ابھی ہاتھوں کی مہندی بھی ماند نہیں پڑی تھی، گھر گھر چھاپے کے دوران گرفتار کر لیا گیا اس پر الزام تھا کہ اس نے مجاہدین سے اسلحہ کے استعمال کی ٹریننگ حاصل کی ہے اس نو بیاہتا دلہن کو پورا ایک مہینہ کہاں اور کس حال میں رکھا گیا اور اس مہینے کے دوران اس مظلوم لڑکی پر کیا بیتی آپ کو سننے کا حوصلہ ہو بھی تو میرے قلم میں لکھنے کی سکت نہیں۔

یہ تو بطور مثال چند واقعات ہیں جو دل اور قلم پر جبر کر کے صفحہ قرطاس پر بکھیرے ہیں ورنہ جموں و کشمیر کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے سینکڑوں انٹروگیشن سنٹروں میں ہزاروں عورتوں، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں پر ہر روز یہی قیامت بیت رہی ہے۔

مقبوضہ کشمیر کے ٹارچر سینٹرز

1۔ اولڈ ائیر پورٹ انٹیروگیشن سینٹر:۔

سری نگر میں نئے ائیر پورٹ کے ساتھ ہی پرانا ائیر پورٹ ہے جہاں آج کل بارڈر سیکورٹی فورس کا قبضہ ہے پرانا ائیر پورٹ صرف جنگی جہازوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جب سے یہ علاقہ بی ایس ایف کے حوالے کیا گیا ہے۔ اس نے اس کو انٹیروگیشن سینٹر (مرکز تفتیش) کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا ہے آج کل یہاں کشمیری مجاہدین کی ایک بھاری تعداد عتاب کا شکار ہے عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ یہاں کم از کم پانچ سو افراد ہر وقت زیر تفتیش رہتے ہیں اس وقت یہ سب سے بڑا انٹیروگیشن سینٹر ہے۔

2۔ بادامی باغ انٹیروگیشن سینٹر:۔

سری نگر میں براڈوے (bradway) سنیما کے قریب یہ بہت ہی پرانا انٹروگیشن سینٹر ہے اس جگہ کا اصل نام ہنوارہ ہے یہ آرمی کا ہیڈ کوارٹر ہے اس وقت یہاں کا کمانڈر ایس ایم ذکی ہے حالیہ تحریک کے دوران میں اس کو وسعت بھی دی گئی ہے۔

3۔ ہری نواس انٹیروگیشن سینٹر:۔

شروع شروع میں یہ مہاراجہ سنگھ کا محل تھا جس میں مہاراجہ اپنے اسٹاف کے ہمراہ قیام پذیر ہوا تھا لیکن مہاراجہ کی رخصتی کے بعد یہ عمارت یوتھ ہاسٹل میں بدل دی گئی پھر جلد ہی یوتھ ہاسٹل ختم کر کے اسے سینٹرل ریزرو پولیس (c.r.p) کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ جس نے اسے اسلام اور آزادی کا نام لینے والوں کی کھالیں کھینچنے کے لئے انٹیروگیشن سینٹر میں بدل دیا۔

4۔ red۔16 انٹیروگیشن سینٹر:۔

سری نگر میں تخت سلیمان کے دامن میں آرمی کنٹونمنٹ ایریا میں واقع یہ انٹیروگیشن سینٹر

بہت پرانا ہے اس عقوبت خانے (ٹارچر سیل) سے متصل ہی اقوام متحدہ کا ہیڈ کوارٹر ہے جب کہ یہاں سے پانچ منٹ کے فاصلے پر سابق کٹھ پتلی وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ کا گھر بھی ہے۔ پہلے یہ سینٹر کشمیر پولیس کے تسلط میں تھا لیکن آزادی کی موجودہ تحریک کے شروع ہونے کے بعد اس پر بی ایس ایف اور سی آر پی نے قبضہ کر لیا ہے یہاں سے حریت پسند مجاہدین کی ابھرنے والی چیخیں ایک طرف اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر سے ٹکراتی ہیں تو دوسری طرف ملت فروش فاروق عبداللہ کے در و دیوار پر آزادی و اسلامی انقلاب کی دستک دیتی رہتی ہیں۔

5۔ ٹو گراؤنڈ انٹیروگیشن سینٹر:۔

بٹامالو سری نگر کا گنجان ترین اور مرکزیت کا حاصل محلّہ ہے جہاں بسوں کا جنرل اسٹینڈ بھی ہے اس بس اسٹینڈ کے ساتھ آرمی (ایم۔ٹی) کا گراؤنڈ ہے جہاں بارڈر سیکورٹی فورس (b.s.f) اور سینٹرل ریزرو پولیس (c.r.o) کے اہلکاروں نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں یہاں پر آج کل مجاہدین کشمیر کو گرفتار کر کے لایا جاتا ہے اور انہیں ٹارچر کیا جاتا ہے۔

6۔ دوآب گاہ انٹیروگیشن سینٹر:۔

سوپورہ سے جنوب کی جانب چھ کلومیٹر کے فاصلے پر نالہ پورو اور دریائے جہلم آپس میں ملتے ہیں عین اس ملاپ پر کنڈ بری جوس فیکٹری قائم تھی جسے ختم کر کے انٹیروگیشن سینٹر میں بدل دیا گیا ہے یہ سوپور کا سب سے بڑا ٹارچر سینٹر ہے یہاں سینکڑوں مجاہدین ہر وقت زیر عتاب رہتے ہیں۔

7۔ وٹ لیب (watlab) ریسٹ ہاؤس:۔

سوپور میں بابا شکر دینؒ کی زیارت کے دامن میں واقع یہ ریسٹ ہاؤس بارڈر سیکورٹی فورس کا کیمپ ہے سیکورٹی فورس والے یہاں سے سوپور بانڈی پورہ لنک روڈ کو گھیرے رکھتے ہیں جب کہ سوپور اور کپواڑہ کے پہاڑی راستوں کو اسی کیمپ کے ذریعے نظر میں رکھا جاتا ہے۔ اس کیمپ میں گرد و نواح سے گرفتار کیے جانے والے مجاہدین کو تشدد کا نشان بنایا جاتا ہے۔

8۔ ڈگری کالج سوپور:۔

آج کل کرفیو اور تعلیمی سلسلے کی بندش کی وجہ سے یہ کالج بی ایس ایف اور سی آر پی کی رہائش گاہ ہے وقتاً فوقتاً اس کالج کو بھی انٹیروگیشن سینٹر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

9۔ تھیما انٹیروگیشن سینٹر:۔

بارہ مولہ میں اتھنٹری ڈویژن 19 مقیم ہے کنٹونمنٹ ایریا میں تھیما یا (thimaea) آرمی سینما کے ساتھ یہ انٹیروگیشن سینٹر قائم ہے جہاں سینکڑوں افراد ہر وقت تشدد کا شکار رہتے ہیں۔

10۔ کپواڑہ انٹیروگیشن سینٹر:۔

کپواڑہ کا پرانا پولیس اسٹیشن اب بی ایس ایف کا انٹیروگیشن سینٹر ہے پہلے یہاں اس طرح کا سینٹر نہیں تھا لیکن 88ء کے شروع میں آزادی کی تحریک کو دبانے کے لئے یہاں بھی جدید انٹیروگیشن سینٹر قائم کیا گیا ہے۔

11۔ نہر انٹیروگیشن سینٹر جموں:۔

جموں ہندو اکثریت کا شہر ہے اس لئے کشمیر ڈویژن کی نسبت یہ علاقہ مجاہدین سے ”محفوظ“ تصور کیا جاتا ہے۔ جموں شہر میں نہر کے کنارے پر ٹارچر سیل ہندوستان کی تمام خفیہ تنظیموں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ یہاں پر آرمی، بی ایس ایف، سی آر پی، سی آئی کے اور ”را“ کے اہلکار ہر وقت متحرک رہتے ہیں۔ اس انٹیروگیشن سینٹر کا تمام اسٹاف ہندوؤں پر مشتمل ہے جموں سے باہر کے مجاہدین کو پکڑ پکڑ کر یہاں لایا جاتا ہے اور ٹارچر سیلوں میں ڈال کر انہیں آزادی اور اسلامی انقلاب کی راہ سے ہٹانے کے لئے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے یہ انٹیروگیشن سینٹر آخری تفتیش کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور۔ (کیا اس منشور پر عمل ہو رہا ہے)

انسان آزاد پیدا ہوا لیکن انسانوں ہی نے اس پر غلامی مسلط کر دی۔۔۔۔ قوی کمزوروں پر ٹوٹ پڑے۔ سپر طاقتوں کا روپ دھارنے والے چھوٹے اور بے بس ممالک کو نگلنے لگے۔ ہوس ملک گیر نے انہیں انسانیت کے درجے سے گرا کر درندہ بنا دیا۔۔۔۔ انہی درندوں میں ایک نام بھارت ہے۔

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو بین الاقوامی انسانی حقوق کا چارٹر منظور کیا۔۔۔۔ لیکن اس پر عمل کس نے کیا؟ دنیا بھارتی حکمرانوں سے پوچھتی ہے کیا یہ اصول و ضوابط تمہارے لئے نہیں ہیں کیا تم انسان نہیں ہو؟

(1)...... تمام انسان آزاد پیدا ہوئے ہیں اور وقار و حقوق کے معاملہ میں مساوی الحیثیت ہیں۔

(2)...... ہر فرد، نسل رنگ، جنس زبان مذہب سیاسی یا دوسرے نظریات، قومی و سماجی حیثیت، املاک پیدائش یا کسی اور حیثیت اور کسی بھی قسم کے امتیاز کے بغیر اس منشور میں صراحت کردہ تمام حقوق اور آزادیوں کا مستحق ہوگا۔

(3)...... ہر فرد کو زندہ رہنے اور اپنی جان کی حفاظت کا حق حاصل ہے۔

(4)...... کسی بھی شخص کو نہ غلام بنایا جائے گا اور نہ محکوم رکھا جائے گا۔

(5)...... کسی بھی شخص کو تشدد، ظلم و ستم، غیر انسانی اور توہین آمیز سلوک یا سزا کا نشانہ نہیں بنایا جا سکے گا۔

(6)...... ہر فرد کو قانون کی نظر میں بحیثیت فرد ایک تسلیم شدہ حیثیت حاصل ہوگی۔

(7)...... قانون کی نگاہ میں سب کی حیثیت مساوی ہوگی اور انہیں کسی امتیاز کے بغیر یکساں قانونی تحفظ حاصل ہوگا۔

(8)...... ہر فرد کو آئین یا قانون کے ذریعہ ملنے والے بنیادی حقوق با اختیار قومی ٹریبونل کے ذریعے موثر چارہ جوئی کا حق حاصل ہوگا۔

(9)...... کسی شخص کو بلا جواز گرفتاری، نظر بندی یا جلاوطنی کی سزا نہیں دی جا سکے گی۔

(10)...... ہر شخص کو اپنے بنیادی حقوق و فرائض کے تعین یا اپنے خلاف عائد کردہ الزامات سے برات کے لئے آزاد و خود مختار اور غیر جانبدار ٹریبونل میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا

مکمل حق حاصل ہوگا۔

(11)......(i)۔ کسی تعزیری جرم کی صورت میں ہر فرد کو اس وقت تک بے قصور سمجھے جانے کا حق ہوگا جب تک ایسی کھلی عدالت میں اسے قانون کے مطابق مجرم ثابت نہ کر دیا جائے، جہاں اسے اپنی صفائی کی تمام ضمانتیں فراہم کی گئی ہوں۔

(ii)۔ کسی فرد کو کسی ایسے ارادی یا غیر ارادی فعل کی بناء پر قابل تعزیر جرم کا مرتکب قرار نہیں دیا جا سکتا فی الواقع یا بین الاقوامی قانون کے تحت قابل تعزیر نہ ہو۔

(12)...... کسی فرد کی خلوت، گھریلو زندگی، خاندانی امور اور خط و کتابت میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کی عزت پر حملہ کیا جائے گا۔

(13)......(i) ہر فرد کو اپنی ریاستی حدود میں نقل و حرکت اور رہائش کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

(ii) ہر فرد کو بیرون ملک جانے اور اپنے ملک واپس آنے کا حق حاصل ہوگا۔

(14)......(i) ہر فرد کو ظلم و تشدد سے بچنے کے لئے دوسرے ممالک میں پناہ لینے کا حق حاصل ہوگا۔

(ii) غیر سیاسی جرائم یا اقوام متحدہ کے اصول و مقاصد کے منافی اعمال کے سلسلہ میں مقدمات سے بچنے کے لئے یہ حق قابل استعمال نہیں ہوگا۔

(15)...... کسی فرد کو بلا جواز اس کی شہریت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ شہریت کی تبدیلی کا حق حاصل کیا جائے گا یعنی ہر فرد کو شہریت حاصل کرنے کا حق ہوگا۔

(16)...... (i) ہر بالغ مرد اور عورت کو بلا امتیاز نسل شہریت یا عقیدہ شادی کرنے اور گھر بسانے کا حق حاصل ہوگا۔

(ii) شادی زن و شوہر کی آزادانہ مرضی و منظوری سے ہوگی۔

(iii)۔ خاندان، معاشرہ کا بنیادی اور فطری یونٹ ہے جو ریاست اور معاشرہ کی طرف سے مکمل تحفظ کا مستحق ہے۔

(17)...... (i)۔ ہر فرد کو تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہوگا۔

(ii) کسی کو بلا جواز اس کی ملکیت سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

(18)...... ہر فرد کو فکر و خیال، ضمیر اور عقیدے کی آزادی حاصل ہوگی اور اس حق میں تبدیلی عقیدہ، اظہار عقیدہ تبلیغ اور عبادت کا حق بھی شامل ہے۔

(19)...... ہر فرد کو آزادی اظہار خیال کا حق حاصل ہے اور اس میں کسی مداخلت کے بغیر کوئی بھی رائے رکھنے، کسی بھی ذریعے اور سرحدوں کا لحاظ کئے بغیر خیالات و معلومات حاصل کرنے اور پہنچانے کا حق بھی شامل ہے۔

(20)...... (i) ہر فرد کو پرامن اجتماع و تنظیم کا حق حاصل ہے۔

(ii)۔ کسی کو کسی خاص تنظیم سے وابستہ ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

(21)...... (i) ہر فرد کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا منتخب نمائندوں کے ذریعے شرکت کا حق ہے۔

(ii)۔ ہر فرد کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمت کے حصول کا مساوی حق حاصل ہے۔

(iii)۔ ہر فرد کو اپنے ملک کی سرکاری ملازمت کے حصول کا مساوی حق حاصل ہے۔

(iv)۔ حکومت کے اختیار کی اصل بنیاد عوام کی خواہش و مرضی ہوگی جس کا اظہار انتخابات کے ذریعے آزادانہ رائے شماری اور خفیہ رائے دہی کی صورت میں ہوگا۔

(22)...... ہر فرد کو اپنی باوقار زندگی اور تعمیر شخصیت کے لئے سماجی تحفظ کا حق ہوگا اور وہ قومی مساعی اور بین الاقوامی تعاون کے ذریعہ اور ہر ریاست کے وسائل کے مطابق معاشی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کا مستحق ہوگا۔

(23)...... (i)۔ ہر فرد کو کام کرنے، اپنی پسند کا پیشہ منتخب کرنے، بہتر اور منصفانہ شرائط کار حاصل کرنے اور بے روزگاری سے تحفظ پانے کا حق ہوگا۔

(ii)۔ ہر فرد کو بلا امتیاز یکساں کام کی یکساں اجرت ملے گی۔

(iii)۔ ہر فرد کو بہتر اور منصفانہ معاوضہ حاصل کرنے کا حق ہے جو اس کی ذات اور اس کے خاندان کے لئے باعزت زندگی بسر کرنے کی ضمانت فراہم کر سکے اور ضروری ہو تو اس کے سماجی تحفظ کے لئے کچھ دوسرے ذرائع بھی مہیا کئے جائیں۔

(iv)۔ ہر فرد کو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ٹریڈ یونین بنانے اور ان میں شامل ہونے کا حق حاصل ہوگا۔

(24)...... ہر فرد کو راحت، آرام، تفریح، اوقات کار کے معقول تعین اور تنخواہ کے ساتھ چھٹیوں کا حق ہوگا۔

(25)...... (i) ہر فرد کو اپنے اہل خاندان کی صحت و خوشحالی کے لئے معقول معیار

زندگی برقرار رکھنے کا حق حاصل ہے۔ جس میں خوراک، لباس، رہائش، طبی امداد ضروری سروس، بے روزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپے اور اسی نوعیت کے دوسرے حالات میں تحفظ بھی شامل ہے۔

(ii)۔ زچگی و شیر خوارگی کو خصوصی توجہ اور امداد کا مستحق سمجھا جائے گا۔ اور تمام بچوں کو خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز یکساں سماجی تحفظ حاصل ہوگا۔

(26)...... (i)۔ ہر فرد کو حصول تعلیم کا حق حاصل ہے۔

(ii)۔ تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی مکمل تعمیر اور انسانی حقوق و آزادیوں کے احترام کو مستحکم بنانا ہوگا۔

(iii)۔ والدین کو اپنے بچوں کے لئے نوعیت تعلیم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا۔

(27)...... (i)۔ ہر فرد کو معاشرہ کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے علوم وفنون سے لطف اندوز ہونے اور سائنسی ترقی کے ثمرات سے متمتع ہونے کا حق ہے۔

(ii) ہر فرد کو اپنی سائنسی، ادبی یا فنی تخلیقات کے اخلاقی و مادی ثمرات کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(28)...... ہر فرد ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی ماحول میں زندگی بسر کرنے کا مستحق ہے۔ جس میں منشور کے ان حقوق اور آزادیوں سے بہرور ہونے کی ضمانت ہو۔

(29)...... (i)۔ ہر فرد پر اس معاشرے کی طرف سے ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ جس میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور مکمل نشوونما ممکن ہے۔

(ii) اپنے حقوق اور آزادیوں کے سلسلہ میں ہر شخص صرف قانون کی عائد کردہ ان پابندیوں کے دائرہ میں رہے گا جن کا مقصد دوسروں کے حقوق اور آزادیوں کے احترام کو یقینی بنانا ہے۔

(iii)۔ ان حقوق اور آزادیوں کو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے منافی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

(30)...... اس منشور کے کسی بھی حصے کی ایسی تعبیر نہیں کی جا سکے گی جس کا مقصد کسی بھی ریاست، گروپ یا فرد کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے کا حق دلانا ہو جس کے ذریعہ وہ ان متعین حقوق اور آزادیوں کا ہی صفایا کر دے۔

20

افغانستان میں روسی درندوں کے ہاتھوں 15 لاکھ افغانوں کا قتل عام

افغانستان میں روس کے آتے ہی کمیونسٹوں نے افغانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جدید اسلحہ سے لیس روزانہ مسلسل بیسیوں جہاز آتے اس جنگ میں سینکڑوں جہاز اور بمبار ہیلی کاپٹر استعمال ہوئے اور کیمیائی ہتھیار کا استعمال ہوا اور لاکھوں بارودی سرنگیں بچھائی گئیں جو آج بھی موجود ہیں اس عرصہ میں ۱۵ لاکھ افغانیوں کو شہید کیا گیا ۱۰ لاکھ معصوم بچے مرد بوڑھے بارودی سرنگوں کا شکار ہوئے سینکڑوں کیمیائی ہتھیاروں اور جدید زہریلی گیس سے شہید ہوئے ۱۰ ہزار معصوم پھول جیسی بچیوں اور جوان لڑکیوں اور عورتوں کی عزتوں پر ہاتھ ڈالا گیا۔ لیکن اسکے باوجود افغانوں کی ہمت یہ شہید بھی ہوتے رہے خون بھی دیتے رہے لیکن اللہ پر توکل کر کے لڑتے رہے اس عرصہ میں اللہ کی سینکڑوں مددیں دیکھنے میں آئیں اسکا ذکر احقر کی کتاب دنیا بھر کے مجاہدین کے ساتھ اللہ کی مدد کے سچے واقعات میں موجود ہے۔ اور آخر روسیوں کو جو یہ دعویٰ کرتے کہ ہم چند دن میں افغانستان پر اپنا قبضہ کر لیں گے آخر ذلیل ہو کر نکلنا پڑا۔ اور اس جنگ کی برکت سے روس کے کئی علاقوں میں آزادی کی تحریکیں اٹھیں اور کروڑں مسلمانوں جن پر روس مسلط تھا اسی روس میں کئی ریاستیں بنیں۔ آج بھی شیشانی اور چیچنیا والے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور اس جہاد کی برکت سے دنیا بھر میں جذبہ جہاد پیدا ہوا۔

افغانی مجاہدین کو زندہ دفن کیا جارہا ہے

بیسویں صدی میں روسی چنگیزیت

امریکہ کے اخبار کرسچین سائنس مانیٹر کے پیرس ایڈیشن میں شائع شدہ ایک مضمون کے مطابق افغانستان میں کمیونسٹ حکومت کی مزاحمت اور مخالفت کو ختم کرنے کے لئے روسی وہاں کی آبادیوں کو بے دردی کے ساتھ پامال کر رہے ہیں۔ کناڈا کی مک گل یونیورسٹی میں اسلامیات کے ایک محقق مسٹر مائیکل باری نے پاکستان کا تحقیقاتی دورہ ختم کرنے کے بعد لرزہ خیز انکشافات کئے ہیں۔ پیرس میں انسانی حقوق کے بین الاقوامی فیڈریشن نے ان کے اس دورے کا اہتمام کیا تھا۔

مسٹر باری نے بتایا کہ گذشتہ سال افغان فوجیوں نے روسی مشیروں کے حکم پر ۱۱۷۰ نہتے افغانوں کو مشین گنوں سے اڑا دیا جس کی خبر ۲۴ فروری کے کرسچین سائنس مانیٹر" میں شائع ہوئی تھی۔ افغان پناہ گزینوں کے بیانات کے مطابق قتل عام کے واقعات اس کے بعد بھی ہوئے ہیں۔ مسٹر باری نے صوبہ سرحد کے رفیوجی کیمپوں میں ایک سو سے زیادہ پناہ گزینوں کی شہادتیں لینے کے بعد بتایا کہ روسیوں کی پشت پناہی سے قائم افغان حکومت لوگوں کو ڈرا کر خاموش کرنے کے لئے جو مظالم کر رہی ہے ان میں زندہ دفن کیا جانا، گاؤں کے گاؤں پامال کر دینا ناکارہ بنانے والی گیسوں کا استعمال اور انسانی غلاظتوں میں لوگوں کو غوطے دینا شامل ہیں۔

پیرس میں روسی سفارت خانہ سے جب رابطہ قائم کیا گیا تو ایک ترجمان نے کہا کہ مسٹر باری روس دشمن ہیں۔ افغانستان کے داخلی معاملات میں روسی فوجیں مداخلت نہیں کر رہی ہیں۔ اس طرح فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی کی تشکیل کردہ انسانی حقوق کمیٹی نے کہا کہ افغانستان میں ایسی کوئی بات ہی پیش نہیں آ رہی ہے جس کی تحقیقات کی ضرورت ہو۔

مسٹر باری افغانستان میں بولی جانے والی تینوں خاص خاص زبانوں سے واقف ہیں اور گذشتہ دس برسوں کے دوران سارے افغانستان کا دورہ کر چکے ہیں۔ انہوں نے کہا

کہ ۱۹۷۸ء میں افغانستان میں کمیونسٹوں کے غلبہ کے بعد سے کابل کے پل چرخی جیل خانے میں لوگوں کو نازی گیس چیمبر کی طرح موت کے گھاٹ اتارا جارہا ہے۔ جس کی شہادتیں ان بے شمار لوگوں نے دی ہیں جو ۶ جنوری ۱۹۸۰ء کی عام معافی کے بعد وہاں سے چھوٹ کر آئے ہیں۔

مسٹر باری نے کہا کہ مارچ ۱۹۷۹ء میں جب حالات قابو سے باہر ہونے لگے اور مجاہدین تعمیرات اور فوجی اداروں کو پامال کرتے رہے اور کمیونسٹ عہدیداروں کو قتل کرتے رہے تو روسی مشیروں نے گھبرا کر افغان فضائیہ کی کمان سنبھال لی اور جوں جوں افغان فوجی بھاگ کر باغیوں سے ملتے گئے افغان فوج پر روسی مشیروں کی گرفت مضبوط ہوتی گئی اس طرح منظم روسی استبداد کا آغاز ہوا۔

شہادتیں دینے والوں نے بتایا کہ قتل عام کے علاوہ اسی اثناء میں بڑے پیمانہ پر قتل کے اور بھی کئی واقعات ہوئے۔ ۲۲ اپریل ۷۹ء کو افغان فوجیوں نے جن کے ساتھ بارہ روسی افسر تھے اور سلانگ کے شمال میں روسی سرحدوں کے قریب ہزارہ قبیلے کے ۱۵۰۰ نوجوانوں کو لکڑی کے صندوقوں میں بند کر کے دریا میں پھینک دیا۔

مغربی جرمنی میں تعلیم یافتہ ایک افغان دوا ساز کا، جس نے گذشتہ سال مئی میں مزار شریف میں دوا سازوں کی ایک کانفرنس میں شرکت کی تھی۔ بیان ہے کہ اس کے گروپ کو شہر کے فوجی کمانڈر نے متنبہ کیا تھا کہ "اپنے طریقے درست کرو ہم نے ابھی پندرہ سو آدمیوں کو ڈبو کر موت کے گھاٹ اتارا ہے۔"

پاکستان میں ایک اور رفیوجی مولانا طالب حسین نے بھی جو افغان اور روسی فوجیوں کی زد سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے قتل عام کی گواہی دی۔ انہیں گاؤں کے تین سو ممتاز باشندوں کے ساتھ وادی درہ یوسف میں ایک پہاڑی پر سے نیچے پھینک دیا گیا تھا، اس کے بعد سپاہیوں نے ان لوگوں پر مشین گنوں سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی صرف مسٹر حسین زندہ بچ سکے جنہیں بعد میں قریب کے گاؤں والوں نے بچایا اور ان کو یہ بھی بتایا کہ فوجیوں نے ۱۵۰۰ سو آدمیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔

مزید برآں ۳۱ سالہ افغان ماہر نفسیات نے جو نہایت نحیف اور وقت سے پہلے بوڑھا ہو رہا تھا اور جنوری میں پل چرخی کے قید خانے سے رہا کیا گیا تھا بیان کیا کہ اس نے کمیونسٹ

پارٹی میں شریک ہونے سے انکار کیا تو اسے گرفتار کر لیا گیا، اس نے مسٹر باری کو بتایا کہ مزار شریف کا ایک شخص اسی کے ساتھ قید خانہ میں تھا۔ اس نے بھی مذکورہ بالا قتل عام کی بات بتائی تھی۔

مسٹر باری نے ہزارہ اور نورستان کے کتنے ہی لوگوں سے گفتگو کی جنہیں اس قتل عام کا علم تھا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں ایک ڈرائیور ملا جو رو رہا تھا اور باغیوں کی صف میں شریک ہونے کی درخواست کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ مجھ سے بڑی بھیانک خطا ہوئی ہے مجھے کئی بار لکڑی کے صندوق لاد کر دریا تک لے جانے پڑے جن میں بند لوگ رحم کی التجائیں کر رہے تھے، سپاہیوں نے انہیں دریا میں پھینک دیا اور وہ غرق ہو گئے۔

رفیوجیوں نے اپنی شہادتوں میں پل چرخی کے قید خانے میں دی جانے والی اذیتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں عورتوں کو بھی ایذائیں دی جاتی ہیں اور جن قیدیوں نے آنا کانی کی انہیں بلڈنگ کے باہر انسانی غلاظتوں کا ایک زبردست تالاب میں پھینک دیا جاتا۔ عام معافی کے بعد ان کی بیویاں ان کی تلاش میں گئیں تو روتی جاتی تھیں اور لمبے لمبے لٹھوں سے انہیں غلاظتوں میں ان کی لاشیں تلاش کرتی جاتی تھیں۔

ایک افغانستانی سپاہی نے جو حال ہی میں فوج سے بھاگ کر آیا ہے مسٹر باری کو بتایا کہ گذشتہ بہار میں چار باغیوں کو روسیوں کے حکم کے مطابق زندہ دفن کرنے کے عمل میں وہ خود بھی شریک تھا۔ مسٹر باری نے کہا کہ روسی فوجی افغانوں کی مزاحمت کو کچلنے کے لئے ایک ایک کر کے ساری آبادیوں کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں میں نے جتنے پناہ گزینوں سے بات کی ان میں سے تقریباً ہر ایک نے کوئی نہ کوئی گاؤں برباد ہوتے دیکھا تھا۔ افغان فوجی اس جنگ میں حصہ تو لیتے ہیں لیکن بادل نخواستہ۔

شہادتیں دینے والوں نے بتایا کہ ٹینک گاؤں میں گھس جاتے ہیں اور عورتوں بچوں کا کوئی لحاظ رکھے بغیر اندھا دھند گولیاں برسانے لگتے ہیں۔ بجلی کا پٹروں کے ذریعہ روسی فوجیوں کو مکانوں کی چھتوں پر اتار دیا جاتا ہے اور وہ گھروں میں گھس کر سب کو مشین گنوں کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔

مسٹر باری نے رفیوجیوں کے بیانات کے حوالے سے بتایا کہ روسی فوجیوں نے بلٹ پروف لباس پہن رکھے ہیں کیونکہ ان کے جسموں پر جب مجاہدین کی گولیاں کام نہیں کرتیں تو وہ

گھبرا جاتے ہیں اسی طرح بکتر بند ہیلی کاپٹر گن شپ پر ان کی طیارہ شکن بندوقیں اور میزائل کچھ کام نہیں کرتے۔

روسی طرح طرح کی کیمیاوی گیس بھی استعمال کر رہے ہیں۔ آبادیوں اور کھیتوں میں آتش زن ناپام گیس ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ چھوڑی جا رہی ہے۔ علاوہ ازیں ایسی ایسی گیس استعمال کی جا رہی ہیں جن سے درد سر، سکتہ اور غشی طاری ہوتی ہے۔ اس طرح کے صرف ایک حملہ میں تیرہ آدمی ہلاک ہو گئے تھے۔ خارش پیدا کرنے والی گیس کی وجہ سے مجاہدین بندوقیں چھوڑ کر کھجانے لگتے ہیں۔ قہقہہ آور گیس کی وجہ سے وہ ہنستے ہنستے بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ ان کیمیاوی حربوں نے مجاہدین کے حوصلوں کو بری طرح مجروح کر دیا ہے۔

سب سے زیادہ ابتر حالات ہزارہ پہاڑیوں کے ہیں جہاں کے سارے راستے مسدود کر دیئے گئے ہیں اور غذائی سامان لے جانے والے کسی ٹرک کو نہیں جانے دیا جاتا۔

افغان عورتوں کو ہیلی کاپٹر سے نیچے پھینک دیا

روسی فوجیوں کی نہتے مسلمانوں پر مشقِ ستم ابھی بھی جاری ہے۔ اقوام متحدہ کی طرف سے شائع ہونے والی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ روسی فوجیوں کی وحشیانہ بمباری سے پورے پورے گاؤں تباہ و برباد ہو رہے ہیں، معصوم اور نہتے شہریوں کو گولیوں سے چھلنی کیا جا رہا ہے۔ ایک اور اخباری اطلاع کے مطابق گذشتہ دنوں ہیلی کاپٹر پر کچھ فوجی ایک گاؤں میں آئے اور زبردست لوٹ مار کے بعد چند عورتوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ہیلی کاپٹر چند لمحوں تک گاؤں کے اوپر ہی پرواز کرتا رہا۔ پھر ان عورتوں کے کپڑے ہیلی کاپٹر سے باہر پھینک دیئے گئے اور تھوڑی ہی دیر بعد ان عورتوں کو بھی فضا سے نیچے پھینک دیا گیا۔ گاؤں والے اپنے سینوں پر پتھر رکھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

دوسری جانب کابل یونیورسٹی کے ایک سابق ڈین جناب مجروح نے خبر دی ہے کہ تقریباً ۱۰،۰۰۰ افغان طلبہ کو زبردستی جیل میں بھیج دیا گیا جہاں انہیں مختلف عرصے تک رکھ کر برین واشنگ کی کوشش کی گئی۔ ان طلبہ میں سے اکثر کی عمریں ۹ سال سے ۱۶ سال کے درمیان تھیں۔ جناب مجروح کے مطابق سوویت یونین میں ان طلبہ پر لوگوں میں گھلنے ملنے پر پابندی ہے اور اس پابندی کی خلاف ورزی کرنے والے ان کمسن طلبہ کو زبردست تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

افغانستان کے طول وعرض میں ۱۵ ملین بارودی سرنگوں کا جال

افغان پر روس کے حملے اور غاصبانہ قبضے کے ساتھ ساتھ جب یہاں کے غیور عوام نے روس کے خلاف علم جہاد بلند کیا، تو روسی فوجیوں اور ان کے مقامی حواریوں نے افغانستان کے طول وعرض میں بارودی سرنگوں کا جال بچھا دیا۔

افغانستان میں روسی کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کا ثبوت مل گیا

آسٹریلوی سیاستدان کا اعلان

آسٹریلیا کے ترک وطن اور نسلی امور کے بارے میں حزب اختلاف کے ترجمان مائیکل ہوجمین نے کہا ہے کہ روس افغانستان میں کیمیائی ہتھیار اور کھلونا بم استعمال کر رہا ہے اور شہریوں کا قتل عام کر رہا ہے، انھوں نے کہا کہ میرے پاس اس بات کا ثبوت ہے کہ روسیوں نے افغان سرجیکل ہسپتال میں ظلم ڈھائے ہیں، میں نے اپنی آنکھوں سے ایک چھوٹے سے افغان بچے کو دیکھا جس کے کھلونا بم سے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ اس کے علاوہ دو افغان ڈاکٹروں سے بھی بالمشافہ بات کہی جو کیمیائی ہتھیاروں کا نشانہ بننے والوں کو دیکھ چکے ہیں، مائیکل ہوجمین نے مزید کہا کہ ڈاکٹروں نے ایسے افغان شہریوں کی لاشیں بھی دیکھیں ہیں جو روسی فوجوں کی ڈم ڈم گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ ڈاکٹروں نے واضح طور پر اس بات کا اقرار کیا ہے کہ کیمیائی ہتھیار افغانستان میں استعمال کیے جا رہے ہیں۔

افغانستان

جہاد افغانستان میں شہید ہونے والے اکثر سرفروش انہی بارودی سرنگوں کا لقمہ بن گئے، بڑے بڑے عظیم کمانڈ، انہی سرنگوں پر آ کر جام شہادت نوش فرما گئے مگر عشق ووفا کے یہ خوگر اس چھپے ہوئے دشمن سے خوفزدہ ہو کر بھی پیچھے نہیں ہٹے۔

افغانستان کے بڑے بڑے پہاڑ وہاں کے میدانی علاقے وہاں کے جنگلات کا چپہ چپہ ان مہلک سرنگوں سے بھرا پڑا ہے، بزدل دشمن اپنے ایک مورچے کے دفاع کے لئے لاکھوں

ڈالر مالیت کی بارودی سرنگیں بچھا کر مضبوط مورچوں میں چھپا رہتا ہے اس نے مجاہدین کا راستہ روکنے کے لئے بیسیوں قسم کے مائنز (بارودی سرنگیں) ایجاد کر لی ہیں معمولی سا بوجھ پڑنے یا تھوڑی سے تار سے ٹکرانے سے یہ مائنز بم پھٹ جاتے ہیں ارد گرد پیش میں موجود ہر چیز کو ٹکڑوں میں تبدیل کر دیتے ہیں ان سے نکلنے والی بارودی شعاعوں سے جسم کے متاثرہ حصے بالکل ناکارہ ہو جاتے ہیں چنانچہ کتنے مجاہدین کی ٹانگیں ہسپتالوں میں انہیں شعاعوں کے لگنے کی وجہ سے کاٹ دی جاتی ہیں یہ معلومات قارئین کو خوفزدہ کرنیکے لئے نہیں لکھی جا رہی ہیں بلکہ یہ تو ایمان کو تقویت دینے والی چیزیں ہیں اس لئے کہ جب دشمن طاقتور ہوتا ہے تو اللہ کی نصرت بھی خصوصی طور پر اترتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں صحابہ کرام کی صفت بیان کی گئی ہے کہ جب انہیں بتایا جاتا کہ دشمن بڑی بھاری مقدار میں تمہارے خلاف جمع ہو چکا ہے تم ان سے ڈر کر بھاگ نکلو تو صحابہ کرام کا ایمان یہ خبر سنتے ہی بڑھ جاتا اور فرماتے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے وہ ہمارا بہترین مولی اور کارساز ہے۔

تو یہی حال مجاہدین افغانستان کا ہے کہ دشمن کے خطرناک ہتھیار ان کے قدم نہیں روک سکے اور وہ بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ آج وہ کابل اور ماسکو کے دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔

اس سلسلے میں ایک مشہور واقعہ قابل ذکر ہے جہاد افغانستان کے ابتدائی دور میں جبکہ مجاہدین کو ان بارودی سرنگوں اور دیگر اسلحے کے متعلق معلومات نہیں تھی۔

اب الحمدللہ مجاہدین اس میں کافی مہارت رکھتے ہیں اور وہ بارودی سرنگیں نکالنے اور اسے ناکارہ بنانے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔

دشمن کے ایک مورچے پر حملہ کیا گیا درمیان کا پورا راستہ بارودی سرنگوں سے اٹا پڑا تھا سب سے پہلے ایک مجاہد بڑھا اور پھر مائن پر آ گیا اور شہید ہوا دوسرا اس سے آگے بڑھا اور مائن پر آ کر شہید ہو گیا تیسرا ان دونوں کو عبور کر کے آگے بڑھا اور بارودی سرنگ پر آ کر شہید ہو گیا اس طرح دشمن تک پہنچتے پہنچتے ستر مجاہدین جام شہادت نوش فرما گئے مگر ان کے بکھرتے ہوئے ٹکڑے دیکھ کر پیچھے والوں میں کوئی کمزوری اور بزدلی نہیں آئی بلکہ شوق شہادت اور بڑھا اور ستر مجاہدین کا یہ پل بن گیا باقی مجاہدین ان کے اوپر سے گزر کر دشمن کے مورچوں میں داخل ہو گئے اور اسلام کے لئے قربانی کی تاریخ میں ان ستر جیالوں نے ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا۔

کاش وہ حضرات اس قسم کے حقیقی واقعات پر غور فرمائیں کہ جن کا نظریہ اب تک یہ ہے کہ یہ روس اور امریکہ کی جنگ ہے؟

8520 طالبان قیدیوں کے قتل عام پر

اقوام متحدہ کی خاموشی اور عالم اسلام پر حیرت

مملکت اسلامیہ افغانستان پر اللہ رب العزت کے دین حق اسلام کو محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق نافذ کرنے والی طالبان حکومت کو آج نہ صرف بلا جواز تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے بلکہ اس صحیح اسلامی حکومت پر سنگین قسم کے من گھڑت الزامات لگا کر باقاعدہ ایک منظم منصوبے کے تحت اس کو بدنام بھی کیا جارہا ہے کبھی طالبان پر وحشی ہونے کے الزامات لگائے جاتے ہیں، کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ظالم اور قابض ہیں اور طالبان کے ہاتھوں زک اٹھانے والے اور ان کی وجہ سے اپنے اسلام دشمن مقاصد میں ناکام رہنے والے ممالک تو ان کو مزار شریف اور بامیان کے مبینہ قتل عام کے واقعات میں ملوث بھی قرار دیتے ہیں اور اس قتل عام کا ذمہ دار طالبان کو ٹھہراتے ہیں جو کہ سرے سے ہوا ہی نہیں ہے اور تو اور اقوام متحدہ بھی نہ صرف طالبان دشمنی پر مبنی اقدامات کرتی رہی ہے بلکہ وہ طالبان تحریک کو نقصان پہنچانے کا بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔

افغانستان کے اسلامی انقلاب کے بانیوں اور افغانستان کی صحیح شرعی اسلامی حکومت طالبان کی فتوحات اور اپنے ملک میں امن کے لئے کئے گئے اقدامات سے سب سے زیادہ تکلیف نام نہاد اسلامی ملک ایران کو ہوئی ہے کہ طالبان ملیشیا کی وجہ سے وہ نہ صرف افغانستان میں اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل میں ناکام رہا ہے بلکہ افغانستان کی طالبان حکومت کی دشمنی میں وہ ایسے ایسے اقدامات کر رہا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے منہ پر پڑا ہوا اسلام کا نقاب خود اس کے ہاتھوں اترتا جارہا ہے۔ بے شک اللہ رب العالمین کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے بلاشبہ طالبان تحریک کی کامیابی میں اللہ پاک کی طرف سے جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی صحیح اسلامی نظام کی جدوجہد کی وجہ سے آج مسلمان اس دھوکے کو سمجھ رہے ہیں جو کہ ایران اسلام کا نام استعمال کر کے ان کو دیتا آیا ہے۔

افغانستان میں کیونکہ ایران کے اپنے کچھ خفیہ مفادات تھے جن کی تکمیل کے لئے اس نے اپنے تمام جنگی اور غیر جنگی وسائل طالبان مخالف شمالی اتحاد اور افغانستان میں ایرانی مفادات کی نگران حزب وحدت کے لئے وقف کر رکھے تھے۔ طالبان کے خلاف انتہائی اشتعال انگیز پروپیگنڈہ بھی ایران کا افغانستان میں اپنے مخصوص مفادات کے حصول کی ناکامی کے بعد ہی بڑے زور وشور سے شروع کیا گیا ہے اور طالبان کو ایران نے اپنے سفارت کاروں اور افغانستان کی شیعہ آبادی کے مبینہ قتل عام کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اور چور کا بھائی گرہ کٹ کی مثال کے عین مطابق مسلمانوں کی عالمی دشمن اقوام متحدہ نے بھی نہ صرف ایران کے طالبان مخالف پروپیگنڈے کو ترقی دی بلکہ اقوام متحدہ نے بھی ایران کی حمایت میں طالبان کے خلاف قتل عام کے الزامات پر طالبان کی مخالفت میں آسمان سر پر اٹھائے رکھا اور اقوام متحدہ شیعہ آبادی کے اس قتل عام پر طالبان کی مذمت کرتی رہی اور طالبان کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالتی رہی جو قتل عام سرے سے ہوا ہی نہیں اور اس مبینہ قتل عام کا ثبوت نہ ایران کے پاس ہے، نہ اقوام متحدہ کے پاس ہیں اور سب سے بڑھ کر نہ ہی افغانستان کی شیعہ آبادی کے پاس اس قتل عام کا ثبوت ہے جس کو بنیاد بنا کر اہل حق طالبان کو ہر سطح پر تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور ان کے خلاف غیض وغضب کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

ایران کے جھوٹے پروپیگنڈے کی حامی اور اس پروپیگنڈے کو بنیاد بنا کر طالبان کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والی اقوام متحدہ اس وقت کیوں خاموش بیٹھی رہی جب طالبان نے کفر گڑھ بامیان فتح کیا تھا جہاں ہر ایران نواز شیعہ تنظیم حزب وحدت کا قبضہ تھا اور بھاگتے بھاگتے اس نے ۴۰ طالبان قیدیوں کو جن کا تعلق حرکتہ المجاہدین سے تھا حراست میں شہید کر دیا تھا ور نہ صرف اس واقعہ پر اقوام متحدہ پر مجرمانہ خاموشی طاری ہے بلکہ اسلامی ممالک کی تنظیم O.I.C اور موتمر عالم اسلامی پر بھی جمود طاری ہے اور ایران نواز ٹولے کے اس وحشیانہ اقدام پر ان کے منہ سے بھی طالبان کی حمایت تو دور کی بات اس سنگین جرم پر ایران اور ایران نواز ٹولے کے خلاف مذمت کے دو بول بھی نہیں نکلے۔

بزم علماء والأئمة

الحمدللہ

موقع کی مناسبت سے ہر جمعہ بیان کا عنوان ۔ ۔ ۔ اور اس عنوان پہ تیاری کا مواد بصورتِ کتب فراہم کیا جاتا ہے

برائے رابطہ

03345613913

علماء ، طلباء اور خطباء کو اس گروپ میں شامل کروائیں